قادیانیت کی عریاں تصویریں

ترتیب و تحقیق

محمد متین خالد

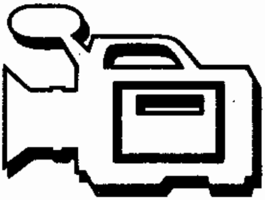

قادیانیت کی عریاں تصویریں

قادیانی جماعت کے بانی آنجہانی مرزا قادیانی کی بعض تحریریں صرف شہوت رانی اور پُرہوس خیالات کو انگیخت دینے میں مغرب وامریکہ کے پورنوگرافک لٹریچر سے کہیں زیادہ بڑھ کر اشتعال انگیز ہیں۔ ان تحریروں کے اکثر جملے بلیو پرنٹ فلموں کے غلیظ مناظر کی طرح رکاکت آمیز اور شہوت خیز ہیں۔ یہ اخلاق باختہ تحریریں درحقیقت مرزا قادیانی کے اندر کی آواز ہے۔ ہر قادیانی کے لیے جنس اس کے مذہب کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح رقص اور موسیقی ہندو دھرم کا۔ جس طرح مسلمان پاکدامنی اور عصمت کو اپنے مذہب کا جزو اعظم سمجھتے ہیں، اسی طرح قادیانیت کا جزو لاینفک جنسی بے اعتدالی ہے۔ وہ جنسی تسکین حاصل کرنے کو محض شہوت رانی نہیں بلکہ مذہبی اقدام سمجھتے ہوئے کرتا ہے۔ یہاں جنسی مشاغل کو بطور مذہبی قواعد انجام دیا جاتا اسے روحانی مدارج کی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

قادیانیت

کی

عریاں تصویریں

ترتیب وتحقیق

محمد متین خالد

انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف تحفظ ختم نبوت، لاہور

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	....	قادیانیت کی عریاں تصویریں
ترتیب و تحقیق	....	محمد متین خالد
ناشر	....	انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف تحفظ ختم نبوت، لاہور
قانونی مشیر	....	محمد نوید شاہین، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
سن اشاعت	....	2008ء
قیمت	....	-/300 روپے

فہرست

❁	انتساب		7
❁	آئینۂ قادیانیت	شیخ راحیل احمد (جرمنی)	9
❁	قادیانی خباثت نامہ	محمد نواز کھرل	13
❁	قادیانیت، ایک کاماسوترا سوسائٹی	محمد متین خالد	17
❑	مرزا قادیانی کی عورت پرستی	مولانا رفیق دلاوریؒ	21
❑	مرزا قادیانی بقلم خود	پروفیسر محمد الیاس برنیؒ	65
❑	مشاہدات قادیان	مولانا عنایت اللہ چشتیؒ	92
❑	احمقوں کی جنت	جی آر اعوان	118
❑	قادیانیت کے تعاقب میں	احمدی ڈاٹ آرگ	143
❑	نوکرو وہٹی دا	محمد طاہر عبدالرزاق	182
❑	مرزا قادیانی کی اکھ مٹکے کی شادی	محمد طاہر عبدالرزاق	189
❑	خرقہ پوش شاطر	راحت ملک	196
❑	ظفراللہ خاں کا معاشقہ	خالد چوہدری	220
❑	قادیانیت کا شرمناک کردار	علامہ احسان الٰہی ظہیر	224

مرزا قادیانی کی تحریر میں مرزا محمود کی تصویر	چوہدری غلام رسول	240
قادیانی خلیفہ کے ذاتی کردار کی خیرہ کن جھلکیاں	مرزا محمد حسین	245
قادیانی چکلہ	عزیز الرحمٰن ثانی	268
قادیانی دیوالی	عبدالکریم	274
برطانیہ میں مرزا طاہر کا نیا ''اسلام آباد''	تنویر قیصر شاہد	279
قادیانیوں کے شیطانی کرتوت	محمد متین خالد	283
مالی خیانت کے لرزہ خیز انکشافات	مرزا اصدر الدین	311
قادیانیت، دور حاضر کی بدترین آمریت	غلام رسول	315
ڈھلتے سائے	منیر الدین احمد چوہدری	320
شیطان خلیفہ	خالد وزیر آبادی	323
احمدیوں کی تعداد کا مسئلہ	منیر الدین احمد	330
نسخہ ''زدجام عشق'' کا تنقیدی جائزہ	حکیم غلام نبی ایم اے	333
قادیانی تبلیغ کی حقیقت	فضل کریم خاں درانی	337
یہ ہے قادیانی جماعت!	محمد متین خالد	341
قادیانی شیطنیت	جانباز مرزا	346
قادیانی خباثتیں	مولانا اللہ وسایا	360
قادیانی اخلاقیات	محمد نوید شاہین	365
قادیانی کارٹون	سیّد راشد علی، محمد متین خالد	373

انتساب

قادیانی ''اخلاقیات'' پر ایک مکمل انسائیکلوپیڈیا

جناب **شفیق مرزا**

کے نام

جن کا نام سن کر بڑے بڑے قادیانی
جگادریوں کی سٹی گم ہو جاتی ہے

؎ یہ اُس کی دین ہے جسے پروردگار دے

آئینہ قادیانیت

جنوری 2003ء کی بات ہے کہ خاکسار صرف قادیانی مذہب کے بانی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی ہی تصانیف کے کئی برسوں کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ یہ ایک نیا مذہب ہے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے خلاف ہے، اب میں کسی وقت بھی اعلان کرنا چاہتا تھا کہ میرا اس خود ساختہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے دین، اسلام سے تعلق ہے، لیکن اس سے قبل چونکہ میرا مسلم سکالرز کی قادیانی مذہب پر لکھی جانے والی کتب کا کوئی مطالعہ نہیں تھا، خاکسار نے ایک مسلمان دوست سے کہا کہ کیا وہ مجھے اس مذہب پر مسلم سکالرز کی کچھ کتب مہیا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کو جزائے خیر دے، اس نے چند کتابیں مہیا کیں، جن میں جناب متین خالد صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' بھی تھی۔ خاکسار نے جب اس کتاب کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں، بلکہ ایک ایسی کبھی نہ کند ہونے والی تیز دھار تلوار ہے جس کی کاٹ ہمیشہ قادیانی مربیان و معلمین کو لرزہ براندام رکھے گی۔ شرط صرف اس کو استعمال کرنے کی ہے۔ اس کتاب نے نہ صرف میرے نتائج کی تصدیق کی بلکہ مجھ پر بہت سے قادیانی عقائد و معاملات کو نئے زاویوں سے واضح کرنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ خاکسار کے دل میں جناب متین خالد صاحب کے دیدار کی خواہش پیدا ہوئی، بعد میں جب دوسری کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا تو مجھ پر اس کتاب کی اہمیت مزید واضح ہوئی، کیونکہ اکثر کتابیں عالمانہ رنگ میں تھیں، جن سے بحث و مباحثہ میں زیادہ تر ایک عالم ہی فائدہ اٹھا سکتا تھا، لیکن ''ثبوت حاضر ہیں'' کا کمال یہ ہے کہ ایک عام آدمی بھی جس کو بات کرنے کا سلیقہ ہو، استعمال کرتے ہوئے قادیانیوں کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکال سکتا ہے۔ اس طرح میرے دل میں بھی ''بزرگ'' سکالر جناب متین خالد صاحب کی زیارت کا شوق دو آتشہ ہوگیا اور جب جناب متین خالد صاحب کی کچھ دوسری تصنیفات مطالعہ میں آئیں تو شوق دید کئی آتشہ ہوگیا۔ اس اثناء میں خوش قسمتی سے ٹیلیفون پر رابطہ ہوا تو آواز بجائے بزرگ کے جوان سی لگی۔ میں نے مولانا جناب سہیل باوا صاحب

(لندن) سے کہا کہ ماشاء اللہ، جناب متین خالد صاحب کی ہمت ہی نہیں بلکہ آواز بھی جوانوں جیسی ہے، جواب میں وہ کہنے لگے کہ وہ ماشاء اللہ جوان ہیں، میں نے بھی اس سکھ کی طرح (جس کو لوگ صحیح بات بتا رہے تھے لیکن وہ سمجھ رہا تھا کہ میں سکھ ہوں اور یہ سب مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن ان کی بات مان کر میں بھی بیوقوف نہیں بنوں گا) سوچا کہ نیا نیا اس طرف آیا ہوں، مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ (سکھ کی طرح شاید اس لیے سوچا کہ جس مذہب میں 55 سال گزرے ہیں اس مذہب کے بانی اگر صحیح نہیں تو کم از کم شکل وصورت سے سکھ ہی تھے، بیشک تصویر دیکھ لیں اور کسی سکھ سے موازنہ کر لیں)، خاکسار نے جواب میں کہا کہ کیا بات کر رہے ہیں، اتنا تحقیقی اور پائیدار کام، جس کے لیے ایک عمر اور مہارت چاہیے، کیا ایک جوان آدمی کا کام ہے؟ انہوں نے متین خالد صاحب کے بارے میں کچھ اور بھی تذکرہ کیا جس نے میرے شوق دید پر، ''جلتی پر تیل'' کا کام کیا۔ اور رشک بھی آیا کہ ایسی توفیق خدا کی ہی عنایت ہے جس کو بھی دے۔ اور دل سے یہی دعا نکلی کہ اللہ تعالیٰ اس توفیق میں اپنی قدرت سے اضافہ کرے اور ان کی تحریروں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بنائے۔ آمین

ستمبر 2004ء میں خاکسار کو پاکستان جانے کی توفیق ہوئی، جناب متین خالد صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ ایئرپورٹ پر آ کر میری عزت افزائی کریں گے۔ جب رات کے دو بجے لاہور ایئرپورٹ پر پہنچا تو جناب سید کفیل بخاری شاہ صاحب، جناب عبدالطیف چیمہ صاحب، جناب ثاقب خورشید صاحب، جناب لیاقت علی صاحب اور کئی دوسرے احباب کے ساتھ میرے محترم دوست جناب متین خالد صاحب بھی استقبال کرنے والوں میں موجود تھے۔ باشرع، متین و پرکشش چہرہ، مناسب لباس میں ''باوقار بزرگ'' متین صاحب سے ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا، اور دل میں خیال آیا کہ عمر کی بزرگی تو ایک رسمی بات ہے، اصل بزرگی نیک اور پائیدار کام میں ہے، جو محض خدا کے فضل سے حاصل ہوتی ہے اور جوانی میں بھی مل جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی دعا نکلی کہ اے اللہ اس کے نیک کام کا اجر اور عزت جناب متین خالد صاحب کی اگلی نسلوں کو بھی منتقل کرنا، آمین۔ میری بدقسمتی کہ اچانک بیماری کی وجہ سے جرمنی واپس لوٹنا پڑا، جس کی وجہ سے تفصیلی ملاقات اور کچھ سیکھنے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی، لیکن میرے لیے یہ بھی خوشی واطمینان کی بات تھی کہ ملاقات تو ہوئی۔ الحمدللہ

جناب متین خالد صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ خاکسار ان کی آئندہ شائع ہونے والی نئی کتاب ''قادیانیت کی عریاں تصویریں'' پر اپنے تاثرات لکھے۔ مجھے اپنی کم علمی اور بے مائیگی کا احساس ہے لیکن میرے لیے جناب متین خالد صاحب اور ان جیسے مجاہدوں کی خواہش

بھی حکم کا درجہ رکھتی ہے، اس لیے تعمیل کے علاوہ چارہ نہیں۔

جناب متین خالد صاحب کی نئی کتاب بھی ان کے اس جہاد کا تسلسل ہے، جس کے ذریعہ وہ نہ صرف قادیانیوں کی ڈھکی چھپی غیر اسلامی تعلیمات کو ظاہر کر رہے ہیں، بلکہ ان کی قیادت اور اس کے حاشیہ نشینوں کی لامحدود عیاشیوں، فراڈوں، گناہ سے بھرپور زندگیوں اور بیکس و مجبور قادیانیوں پر لرزہ خیز مظالم کو (قادیانی مافیا کے اثر ورسوخ کے باوجود) انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ بے نقاب کر رہے ہیں۔ اس طرح جناب متین خالد صاحب نہ صرف قادیانیت کو دفاعی پوزیشن میں دھکیل رہے ہیں بلکہ مجبوروں اور بے کسوں کی مجبوریوں کو زبان بھی دے رہے ہیں۔

میں پیدائشی قادیانی، چناب نگر (سابق ربوہ) کا رہائشی اور قادیانی جماعت میں مختلف حیثیتوں اور عہدوں پر کام کی وجہ سے کئی باتوں کا شاہد ہوں، اس وقت جب بھی کوئی غیر اخلاقی بات نظر آتی تھی تو پروپیگنڈہ اور ماحول کی وجہ سے یہی سوچتا تھا کہ یہ انفرادی فعل ہے، لیکن جب آنکھوں سے قادیانیوں کی لگی ہوئی عینک اتارنے کی خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو سمجھ آئی کہ یہ کوئی انفرادی فعل نہیں، بلکہ ایک سسٹم کے تحت ایک مخصوص ٹولہ ان حرامزدگیوں پر عمل پیرا ہے۔ اسی طرح کئی روائتیں کچھ پرانے لوگوں کے ذریعہ سننے کو ملیں، اور اس قسم کی باتوں کی حوصلہ افزائی کسی حد تک مرزا جی خود اور ان کا خاندان بھی کرتا ہے، اور ایسی کئی روائتیں تحریروں میں ہیں، کئی سینہ بہ سینہ ہیں، مثال کے طور پر ہمارے ایک سکول ٹیچر ہیں اور آج کل جرمنی میں ہیں اور بڑی بے تکلفی کے ساتھ خاکسار سے بھی بڑی ''کھلی ڈلی'' باتیں کر لیتے ہیں، ان کی روایت کے مطابق وہ قادیان میں پیدا ہوئے اور نوعمری تک وہیں رہے۔ بعد میں ربوہ کے قریب آ بسے اور اس طرح ربوہ میں ان کا روزانہ آنا جانا رہا اور پھر وہیں سکول ماسٹر لگ گئے، ان کے پاس قادیان سے ربوہ تک سینہ بہ سینہ روایات کا کافی ذخیرہ ہے۔ بقول ماسٹر جی کے ان سے مرزا جی کے خاندان کے کسی شہزادے نے روایت بیان کی کہ ''کئی بار حضرت اماں جان (بڑے مرزا جی کی دوسری بیگم نصرت جہاں صاحبہ) نے پوتوں، پوتیوں، نواسے، نواسیوں اور دوسری نوخیز نسل کو اپنی زندگی کے واقعات سناتے ہوئے بتایا کہ جب مرزا جی ان کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرتے تھے تو انہیں کئی کئی دن تک سوجن برقرار رہتی تھی (اب یہ تفصیلاً معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ الرجی کا شکار ہوتی تھیں یا مرزا جی کے کشتوں اور نسخوں کا کمال تھا) اور یہ باتیں وہ صرف لڑکیوں سے ہی نہیں بلکہ لڑکوں سے بھی کرتی تھیں اور میں اس بات پر اس لیے بھی یقین کرتا ہوں کہ مرزا جی کی بیگم نے یہ بات لڑکوں سے بھی کی ہوگی کہ مرزا جی کے بیٹے مرزا بشیر احمد ایم اے کی مرزا جی کی سیرت پر لکھی ہوئی کتاب، سیرت المہدی جلد

1، صفحہ 33 پر روایت نمبر 41 میں اس قسم کی بات پہلی بیوی "بھیجے کی ماں" کے بارہ میں انہی نصرت جہاں بیگم صاحبہ کی روایت کردہ ہے جو کہ انہوں نے اپنے بیٹے سے خود بیان کی ہے، یہ واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی کئی گفتنی اور ناگفتنی باتیں ڈائریکٹ جب "قادیانی خاندانِ نبوت" سے روایت ہوں گی تو قادیانی عہدیداروں اور عام احباب کا ردعمل اور عمل کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن اس پر ستم یہ ہے کہ مخصوص ٹولے یا منظورِ نظر افراد کے علاوہ باقیوں سے تقویٰ کی توقع کی جاتی ہے۔ جناب متین خالد صاحب جس طرح اپنی پہلی عرق ریز تحقیقی کتابوں پر انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں، اسی طرح اس کتاب پر بھی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے زیادہ سے زیادہ قادیانی عریاں تحریروں کو انتہائی محنت سے یکجا کیا ہے اور اب اس کو کتابی صورت میں پیش کر کے نہ صرف ردقادیانیت کا کام کرنے والوں کے ہاتھ میں ایک اور اہم ہتھیار دیا ہے بلکہ شریف قادیانیوں کو بھی موقع مہیا کیا ہے کہ وہ اپنے کرتوں دھرتوں کے کرتوتوں سے واقف ہو کر جرأت سے ان کو للکار سکیں اور بالآخر ان کے چنگل سے رہائی پاسکیں اور خدا کے دین پر پلٹ سکیں، آمین۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ جناب متین خالد صاحب کی کوششوں میں برکت ڈالے اور ان کی تحریروں کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے راہ ہدایت کا موجب بنائے اور ان کی نسلوں کو بھی برکتوں اور فضلوں سے نوازے۔ (آمین) میں اپنے لیے بھی دعا کا خواستگار ہوں کہ خدا مجھے بھی بہتر سے بہتر رنگ میں اسلام کی خدمت اور قادیانیت کے فریب کو آشکارہ کرنے کی توفیق دے۔ آمین

شیخ راحیل احمد
(جرمنی)

قادیانی خباثت نامہ

قادیانیت تاریخ کا ایک زرد باب ہے۔ فاترالعقل، مخبوط الحواس، کورنگاہ، بدباطن، مالِ فروختنی، حیلہ جو، تاویل پرست، منتشر الخیال، متلوج مزاج اور ذہنی عدم توازن کے شکار مرزا غلام احمد قادیانی نے 1889ء میں اس فتنے کی بنیاد رکھی اور 1901ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ خانہ ساز، بناسپتی اور جعلی نبوت کے بانی مرزا قادیانی کے دعویٰ نبوت کو تقریباً ایک صدی بیت چلی ہے لیکن قادیانیوں کے دجل وفریب کا دھندا آج بھی پوری شدت سے جاری ہے۔ برطانوی سامراج کے زرخرید غلاموں اور غیر ملکی آقاؤں کے تلوے چاٹنے والوں کا یہ مسیلمی ٹولہ، ہر عہد اور ہر دور میں آستین کے سانپ کی طرح مسلم ملت کے اجتماعی کاز کے خلاف ہر قومی اور بین الاقوامی سازش میں ہمیشہ عملی طور پر شریک رہا ہے۔ مالیخولیا کی بیماری اور نفسیاتی عارضوں میں مبتلا مرزا قادیانی کے پیروکار اسلام، بانیِ اسلام اور پاکستان کے غدار ہیں۔ وہ استعماری طاقتوں کے ایجنٹ، انگریزوں کے نمک خوار، یہودیوں کے آلۂ کار، طاغوتی قوتوں کے گماشتے، اسرائیل، بھارت، روس اور امریکہ کے جاسوس، اتل ابیب، ماسکو، واشنگٹن، دہلی اور لندن کے فکری غلام ہیں۔ قادیانیت منکرینِ ختم نبوت کا ایک ایسا گینگ اور مافیا ہے جس کا مقصد امتِ محمدیہ کے متفقہ اور مسلمہ عقیدۂ ختم نبوت کا خاتمہ کر کے قرآن وسنت میں ترمیم واضافہ اور دین اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا دروازہ کھولنا ہے۔

کون نہیں جانتا ہے کہ

- قادیانیوں نے خلافتِ عثمانیہ کی تباہی پر قادیان میں چراغاں کیا۔
- قادیانیوں نے تقسیم ہند کے وقت حد بندی کمیشن کے سامنے مسلمانوں سے ہٹ کر قادیان حاصل کرنے کے لیے اپنا الگ میمورنڈم پیش کیا جس کے نتیجے میں

گورداسپور بھارت کے قبضے میں چلا گیا اور بھارت کو کشمیر پر غاصبانہ قبضہ کرنے کا واحد زمینی راستہ مل گیا۔

- قادیانیوں کے سینکڑوں فوجی اسرائیل کی فوج میں بھرتی ہیں۔
- قادیانیوں کے نمائندے ظفر اللہ خان نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نمازِ جنازہ اس لیے نہ پڑھی، کیونکہ قادیانیوں کے نزدیک قائداعظم کافر تھے۔
- قادیانی جرنیلوں اور بیوروکریٹس نے 1965ء اور 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں بالواسطہ طور پر تقسیم پاکستان کی راہ ہموار کی۔
- قادیانیوں نے انبیائے کرام، اُمہات المومنین، اہلِ بیتِ اطہار، صحابہ کرام اور اولیائے امت کے بارے میں انتہائی غلیظ زبان استعمال کی۔
- قادیانیوں نے اپنے غارت گر قلم سے قرآن و سنت کا چہرہ مسخ کرنے کی کوشش کی۔
- قادیانیوں کا مشن آج بھی عالمِ اسلام کے سب سے بڑے دشمن اسرائیل کے دارالحکومت ''تل ابیب'' میں پوری سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔

قارئین! ناموسِ رسالت کی پاسبانی اور ختم نبوت کا تحفظ ہر مسلمان کا اوّلین فرض، دینی غیرت کا تقاضا اور عشقِ رسول ﷺ کی پکار ہے۔ اسی فرض کی تکمیل، تقاضائے غیرت کی ادائیگی اور محبتِ رسول ﷺ کی صدا پر لبیک کہنے کے لیے سرگرم عمل قافلے کے نڈر، دلیر، بیباک اور مجاہد صفت سپاہی گرامی قدر محمد متین خالد ایمانی ولولوں سے مسلح ہو کر علمی، فکری، تحریری اور تصنیفی محاذ پر ہر لمحے، ہر ساعت اور ہر گھڑی مصروفِ جہاد ہیں۔ قادیانی فتنے کی سرکوبی کے لیے ان کا تحقیقی سفر کئی عشروں پر مشتمل ہے۔ انگریزوں کی دہلیز پر وفاداری و اطاعت کی قسمیں کھانے والے بدبخت اور بدطینت قادیانیوں کا محاسبہ، محاکمہ اور تعاقب کرتے ہوئے جناب محمد متین خالد کے قادیانیت شکن قلم سے لکھی ہوئی کتابیں ''تحفظِ ختم نبوت'' کے لیے وہی کردار ادا کر رہی ہیں جو کردار قرونِ اولیٰ کے غزوات میں ہراول دستے کے غازیوں کی برق فشاں شمشیریں ادا کیا کرتی تھیں۔ میرے اس دعوے کے ثبوت میں جنوں صفات محمد متین خالد کی 3000 صفحات پر پھیلی ہوئی باطل سوز تصانیف ''ثبوت حاضر ہیں...... قادیانیت سے اسلام تک...... قادیانیت ہماری نظر میں...... غدارِ پاکستان ڈاکٹر

عبدالسلام...... قادیانیت اُس بازار میں...... قادیانت ایک دہشت گرد تنظیم' واضح دلیلیں ہیں۔
ایمان کی روشنی سے دمکتے چہرے، ایقان کی چمک سے روشن آنکھوں، مصطفوی مٹھاس میں ڈوبے لہجے کے مالک نیک سیرت، پاک باطن، شریف النفس محمد متین خالد کے جذبوں میں دریاؤں کا شور، سوچوں میں سمندروں کی گہرائی، باتوں میں گلوں کی خوشبو، ارادوں میں پہاڑوں کی استقامت اور پیکر میں قوسِ قزح کی دلکشی دکھائی دیتی ہے۔ عشقِ رسول ﷺ کے سائے میں زندگی گزارنے والے، اپنے آقا ﷺ کے اس وفادار امتی اور سچے غلام کا عزم پہاڑوں کی طرح مضبوط، دماغ آسمان کی طرح بلند، نظر آفتاب کی طرح روشن، فکر دریاؤں کی طرح رواں، عقل چراغوں کی طرح نور افروز، کلام شہد کی طرح شیریں اور مزاج پھولوں کی طرح شگفتہ ہے۔

شاعرِ مشرق کے آفاقی کلام سے درسِ خودی لینے اور حق گوئی و بیباکی کو آئینِ جوانمردی سمجھنے والے اس خوش کردار، خوش خصال اور خوش مقال نوجوان دانشور کی دونوں ہتھیلیوں پر عشقِ رسول ﷺ کے چراغ جل رہے ہیں۔ خاکِ راہِ حجاز اس کی آنکھوں کا سرمہ ہے۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ محمد متین خالد کی چشمِ تصور طوافِ گنبدِ خضریٰ میں مصروف رہ کر اپنی نجات اور مغفرت کے پھول چنتی رہتی ہے۔ تحفظِ ختم نبوت کے لیے پڑھنا، لکھنا، بولنا اور سننا ان کی روح کا نشہ ہے۔ قادیانیوں کی تخریب کاریوں، فریب کاریوں، عیارانہ چالوں، مکارانہ رویوں، منافقانہ گھاتوں اور گمراہ کن عقیدوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے مجاہدِ ختم نبوت محمد متین خالد کا قلم روز بروز نئے جہانوں کو فتح کرتا ہوا، آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اچھوتے اور انوکھے موضوعات کی تلاش اور جستجو نے انہیں ایک روایت ساز محقق اور عہد ساز قلمکار کے منصب پر لا کھڑا کیا ہے۔

قارئین! منکرینِ ختم نبوت کی سرکوبی کے لیے گرجتے جذبے رکھنے والے محترم محمد متین خالد کی تازہ کتاب ''قادیانیت کی عریاں تصویریں'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ دھماکہ خیز کتاب لطافت، پاکیزگی، شرافت، شائستگی اور تہذیب سے عاری، عیاش اور جنس پرست قادیانی خلفاء کی جلوتوں اور خلوتوں کی ہوشربا، چشم کشا، شرمناک اور رنگین و سنگین کہانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ تہلکہ خیز کتاب عصمتوں کے لٹیرے نفس پرست ''نومولود نبی''، اس کی خبیث الفطرت اولاد اور اس کے غلاظتوں میں لتھڑے چیلوں کی خباثتوں،

حرامزدگیوں، کمینگیوں، بے غیرتیوں، بے حیائیوں اور بداعمالیوں کی ایک دلخراش دستاویز ہے۔ بے رحم حقائق اور چونکا دینے والے ناقابلِ تردید انکشافات پر مبنی اس کتاب کا ورق ورق چیخ چیخ کر بتا رہا ہے کہ قادیانی انسان تو کجا، حیوان بھی نہیں ہیں، یہ تو وہ خونخوار درندے ہیں جو اپنے ہی گھروں میں، اپنی ہی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ جنسی کھیل کھیلتے اور ان کا گوشت نوچتے رہے۔ گویا کہ قادیانیت ایک طوائف ہے اور قادیانی اس کے تماش بین و خوشہ چیں۔

جناب محمد متین خالد نے قادیانیوں کے مکروہ چہرے پر پڑے تقدس میں تکریم کے گھونگھٹ الٹ کر انہیں بیچ چوراہے میں ننگا کر دیا ہے۔ وہ اپنی اس کتاب کے صفحات میں قادیانی خلیفوں کی عباؤں اور قباؤں کے پیچ کھولتے اور عماموں کے پرزے اُڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کر دکھایا ہے کہ قادیانی خلفاء ''مقدس'' بھیڑیے اور ''متبرک'' شیطان ہیں۔ ان جنسی ریچھوں کی ذلت آمیز زندگیاں گندے، بدبودار اور اچھلے جوہڑ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

پیارے پڑھنے والے!

تاریخ ایک بے رحم سچ کا نام ہے اور زیرِ نظر کتاب میں طلوع ہونے والا سچ کا سورج موم سرشت قادیانی قیادت کے سراپے کو قطرہ قطرہ پگھلا رہا ہے اور حقائق کا گرز خود ساختہ مذہب کے سومنات کی مورتیوں کی ریزہ کاری کر رہا ہے۔ ''قادیانیت کی عریاں تصویریں'' صرف ایک کتاب ہی نہیں بلکہ ایک آئینہ ہے جس میں ظلمات فروش اور بے غیرت و بے شرم قادیانی اپنے مسخ شدہ، چیچک زدہ، گھناؤنے اور بھیانک چہرے دیکھ سکتے ہیں۔ آزمائش شرط ہے!

محمد نواز کھرل

ایڈیٹر ماہنامہ ''ایمز'' انٹرنیشنل، برطانیہ

قادیانیت ایک ''کاماسوترا'' سوسائٹی

موجودہ زمانے میں قادیانیت جدید مہذب معاشرے کا ایک رستا ہوا زخم ہے۔ وحشی اور غیر مہذب دور کے انسانوں کے بارے میں بھی وہ باتیں سننے میں نہیں آتیں جو قادیانیت کے حوالے سے ''ٹاک آف دی ٹاؤن'' اور اوپن سیکرٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وحشی اور غیر مہذب اقوام مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے پیروکاروں سے کہیں زیادہ باعصمت اور اخلاق پسند تھیں۔

کسی معاشرے میں برائی اوپر سے شروع ہوتی ہے اور پھر بتدریج نیچے کو آتی ہے۔ جیسے شہد کے پیچھے مکھیاں اور جہاز کے پیچھے گرداب۔ قادیانیت میں بڑے پرتپاک طریقہ سے شیطان کے ساتھ اتحاد کیا جاتا ہے۔ قادیانی خلیفہ مرزا محمود اکثر کہا کرتا: ''انسان ازلی گنہگار ہے'' قادیانیت میں جنسی کج روی، شہوانی بے باکی اور زنا کے متعلق یہ دلیل دی جاتی ہے کہ جب آپ کو بھوک لگتی ہے تو آپ کھانا کھا لیتے ہیں اور جب پیاس لگتی ہے تو پانی پی لیتے ہیں، اسی طرح جب آپ پر شہوت غالب آئے تو جو عورت یا مرد آپ کی دسترس میں ہو، اس سے جنسی تلذذ حاصل کیجئے۔ ایسا کرنا کوئی بداخلاقی نہیں کیونکہ جنسی خواہش بھی پیاس کی طرح ایک فطری اور جسمانی حاجت ہے اور جب کبھی جنسی خواہش پیدا ہو، پیاسے کی طرح اپنی پیاس بجھا لینی چاہیے۔

قادیانی جماعت کے بانی آنجہانی مرزا قادیانی کی بعض تحریریں صرف شہوت رانی اور پُر ہوس خیالات کو انگیخت دینے میں مغرب و امریکہ کے پورنو گرافک لٹریچر سے کہیں زیادہ بڑھ کر اشتعال انگیز ہیں۔ ان تحریروں کے اکثر جملے بلیو پرنٹ فلموں کے غلیظ مناظر کی طرح رکاکت آمیز اور شہوت خیز ہیں۔ یہ اخلاق باختہ تحریریں درحقیقت مرزا قادیانی کے اندر کی آواز ہے۔ ہر قادیانی کے لیے جنس اس کے مذہب کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح رقص اور موسیقی ہندو دھرم کا۔ جس طرح مسلمان پاکدامنی اور عصمت کو اپنے مذہب کا جزو اعظم سمجھتے ہیں، اسی طرح قادیانیت کا جزو لاینفک جنسی بے اعتدالی ہے۔ وہ جنسی تسکین حاصل کرنے کو محض شہوت رانی نہیں بلکہ مذہبی اقدام سمجھتے ہوئے کرتا ہے۔ یہاں جنسی مشاغل کو بطور مذہبی قواعد انجام دیا جاتا اسے روحانی مدارج کی ترقی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس کے برعکس کسی عام مرد کا ''مغلیہ'' خاندان کی عورتوں کو خاص انداز سے دیکھنا یا جنسی خواہش کے ساتھ ان کے متعلق سوچنا قادیانی فقہ میں گناہ اور ممنوع ہے لیکن ان عورتوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ وہ

کسی بھی مرد کے ساتھ جنسی ملاپ کریں تو کوئی پاپ نہیں بلکہ عین ثواب ہے کیونکہ اس شخص نے خاندان مقدس کی ایک ''ضرورت مند عورت'' کی خواہش پوری کی۔

قادیانی رائل فیملی کے رنگیلے شہزادے اپنی کجر ویانہ جنسی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ہر وقت لڑکیوں کی تلاش میں سرگرم رہتے ہیں۔ وہ ایسی لڑکیوں کو پھانس کر نہایت قیمتی تحائف دیتے ہیں اور پھر اپنی جنسی ہوس کو پورا کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اگر ان کا یہ حربہ ناکام ہو جائے تو ''عورتوں کے بیوپاری'' ان سے جھوٹی شادی رچا لیتے ہیں، یوں ان کے راستے کی ہر رکاوٹ دور ہو جاتی ہے اور پھر وہ بعد از تکمیل ضرورت انھیں ٹشو پیپرز کی طرح پھینک دیتے ہیں۔

قادیانیت ایک ''کاما سوترا'' سوسائٹی ہے، جہاں جنس و شہوانیات کی بہتات ہے۔ قادیانی عقائد ونظریات پر جتنی ریسرچ ہوئی ہے، اگر اس کا عشر عشیر بھی قادیانی خباثتوں اور جنسی غلاظتوں پر ہوتا تو ایسے ایسے ہوش ربا انکشافات اور اکتشافات منظر عام پر آتے کہ دنیا حیرت کے سمندر میں گم ہو جاتی۔ اس موضوع پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں۔ قادیانی خفیہ گوشوں تک رسائی حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس کتاب میں درج تمام حقائق مستند ذرائع سے اکٹھے کیے گئے ہیں۔ یہ حقائق اتنے اہم ہیں کہ انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان میں بعض حقائق اتنے تلخ اور بھیانک ہیں، کہ شاید بعض سادہ مزاج حضرات اس پر یقین نہ کریں یا انہیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سچی بات تلخ اور ناگوار ضرور ہوتی ہے مگر اسے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتاب میں درج تمام حقائق و واقعات اتنے مستند اور مبنی بر حقائق ہیں کہ ناقابل تردید ثبوت اور دلائل کی موجودگی میں انھیں غلط یا جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔ سچ ہمیشہ غالب رہتا ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوتا جبکہ جھوٹ تھوڑی دیر کے لیے زور دکھاتا ہے اور پھر ہمیشہ کے لیے شرمندگی اور ندامت کا باعث بن جاتا ہے۔

ے وہ شرم ہے، کہ ان کو ہے آئینے سے نفرت
خود دیکھنا اپنا بھی گوارا نہیں کرتے

محمد متین خالد

قادیانیت
کی
عُریاں تصویریں

ابوالقاسم مولانا رفیق دلاوریؒ

مرزا قادیانی کی عورت پرستی

جب مرزا قادیانی کی کتاب ''براہین احمدیہ'' شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو جوشیلے مسلم نوجوان ایک دینی خدمت سمجھ کر اس کی فروخت میں سرگرم عمل ہوئے۔ ہر شہر میں اس کی فروخت کا خاص اہتمام کیا گیا۔ شیخ غلام احمد مالک اخبار وکیل امرتسر نے یہ انتظام کیا کہ ہال بازار میں ''براہین احمدیہ'' کا ایک خاص دفتر قائم کیا اور نہایت شاندار پروپیگنڈا کر کے باوجود گراں قیمت ہونے کے اس کو تھوڑے ہی روز میں بہت بڑی تعداد میں فروخت کرا دیا۔ پنجاب کے ہر شہر اور قصبہ میں قریب قریب یہی حالت تھی۔ قادیاں میں روپیہ کی ریل پیل دیکھ کر مرزا صاحب کی باچھیں کھل گئیں اور دیرینہ نخل آرزو بارور ہوا۔ مال و زر کی فراوانی اور نئی شادی دو لازم وملزوم چیزیں ہیں۔ اس لیے مرزا قادیانی کو بھی ادھیڑ عمر اور جوان اولاد کی موجودگی میں دوسری شادی کا شوق چرایا۔ چنانچہ اسی سال یعنی **1884**ء میں جبکہ براہین کا چوتھا حصہ شائع ہوا' دہلی میں نصرت بیگم نام ایک ناکتخدا لڑکی کو اپنے حبالہ نکاح میں لائے۔ کتب طب میں حاملہ کو شدت سے اس کی ممانعت کی گئی ہے، کہ ایام حمل سے لے کر بچہ کے دودھ چھوڑانے یعنی قریباً تین سال کی مدت تک مرد سے جنسی اختلاط کرے۔ اسی مجبوری کی بناء پر شریعت مطہرہ نے مرد کو بدیں شرط دوسرے عقد نکاح کی اجازت دے دی ہے کہ وہ بیویوں میں نان ونفقہ، سلوک و برتاؤ اور قیام شب میں انصاف اور مساوات کا سلوک کر سکے۔ لیکن مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلی بیوی کو میکے بٹھا کر اور دہلی سے نئی نویلی دلہن لا کر یہ ثابت کر دیا کہ مرزائیوں کو۔ زنِ نو کن اے دوست ہر نو بہار۔ کہ تقویم پارینہ ناید بکار۔ کے اصول پر عمل کرنا چاہیے حالانکہ مسلمان پر واجب ہے کہ یا تو بیوی کو محبت و آشتی کے ساتھ گھر میں رکھ کر بوجہ احسن اس کی ضروریات زندگی کا کفیل رہے ورنہ طلاق دے کر حسن اخلاق کے ساتھ رخصت کر دے۔ مگر قادیاں کے مسیح صاحب جنھوں نے اسلامی عقائد کے ساتھ اسلامی اخلاق و عادات کو بھی الوداع کہہ دیا تھا، اس اصول کے پابند نہ تھے۔ انھوں نے اپنی پہلی بیوی محترمہ حرمت بی بی کو جو مرزا سلطان احمد اور فضل احمد کی والدہ تھیں، معلقہ کر رکھا تھا۔ نہ گھر میں رکھ کر شریفانہ برتاؤ ہی پسند تھا اور نہ طلاق دے کر اس بیچاری کی گلو خلاصی کرتے تھے۔

دہلی کی شادی کا الہام

قادیاں کے ''مسیح موعود'' صاحب اپنے ہر فعل کی سند کتاب وسنت سے تلاش کیا کرتے تھے، لیکن اسلامی اصول استنباط کے ماتحت نہیں بلکہ ملاحدۂ باطنیہ کے طرز پر آسمانی تعلیمات کو اپنی ضرورت کے بموجب موم کی ناک بنالیتے تھے۔ مشکوٰۃ المصابیح میں ایک حدیث بدیں الفاظ مروی ہے۔

عن عبداللّٰه بن عمرو قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ینزل عیسٰی ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد له و یمکث خمسا واربعین سنة ثم یموت فید فن معی فی قبری فاقوم انا و عیسٰی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر و عمر (رواہ ابن الجوزی فی کتاب الوفا)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام زمین کی طرف اتریں گے، پھر شادی کریں گے، ان کے اولاد ہوگی، زمین پر پینتالیس سال تک قیام فرمارہیں گے۔ اس کے بعد انتقال کریں گے اور میرے نزدیک میرے مقبرہ میں دفن کیے جائیں گے اور (قیامت کے دن) میں اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اکٹھے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان سے اٹھیں گے۔ (مشکوٰۃ المصابیح باب نزول عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام)

مرزا غلام احمد قادیانی نے اس حدیث کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی کوشش میں لکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیشین گوئی میرے حق میں ہے کیونکہ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں **یتزوج ویولد له** (عیسیٰ بن مریم علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے) چنانچہ میں نے نصرت بیگم سے شادی کی اور اس کے بطن سے چار بیٹے محمود احمد، بشیر احمد، شریف احمد، مبارک احمد اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس لیے میں ہی اس پیشین گوئی کا مصداق ہوں۔ مرزا قادیانی کے اصل الہامی الفاظ جو اربعین نمبر 2 میں 29 ستمبر 1900ء کو سپرد قلم کیے، یہ ہیں۔ ''**اذکر نعمتی رایت خدیجتی**'' (میری نعمت یاد کر کہ تو نے میری خدیجہ کو دیکھا) یہ الہام براہین احمدیہ میں درج ہے اور یہ حصہ اس الہام کا ہے جس میں مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندان سادات میں ہوگی اور اس میں سے اولاد ہوگی تا پیش گوئی حدیث **یتزوج ویولد له** (عیسیٰ علیہ السلام شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے) پوری ہو جائے۔ یہ حدیث اشارہ کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندان سادات سے تعلق دامادی ہوگا کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ **یولد له** (اس کے اولاد ہوگی) کے موافق بصالح اور طیب اولاد پیدا ہو۔ اعلیٰ اور طیب خاندان سے چاہیے اور وہ خاندان سادات ہے اور فقرہ خدیجتی (میری خدیجہ) سے مراد اولاد خدیجہ یعنی بنی فاطمہ ہے۔ (اربعین نمبر 2، مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 38)

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس پیشین گوئی کو مرزا قادیانی نے اپنے اوپر چسپاں کر لیا ہے اس میں مذکور ہے کہ

1- حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام (آسمان سے) زمین کی طرف نازل ہوں گے۔
2- شادی کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے پھر
3- نزول کے بعد پینتالیس سال تک زمین پر قیام فرما رہیں گے۔ آخر
4- مدینہ منورہ میں سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد منور کے پاس دفن کیے جائیں گے۔

لیکن قادیانی صاحب کی ملحدانہ جسارت ملاحظہ ہو کہ:

1- نہ وہ عیسیٰ بن مریم تھے'
2- نہ آسمان سے نازل ہو کر زمین پر پینتالیس سال تک قیام کیا'
3- نہ مدینہ طیبہ میں رحلت کی' اور
4- نہ مرقد نبوی میں دفن ہوئے۔

بااین ہمہ نہایت جسارت اور دیدہ دلیری سے اس بات کے مدعی تھے کہ پیشین گوئی ان کے حق میں پوری ہو چکی ہے کیونکہ انھوں نے بھی شادی کی ہے اور صاحب اولاد ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ مرزا قادیانی اس سے قریباً چار سال پہلے یعنی کتاب ''انجام آتھم'' میں جو 22 جنوری 1897ء کو شائع ہوئی' محمدی بیگم سے اپنا عقد ہونے کو بھی اسی پیشین گوئی کا مصداق ٹھہرا چکے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔''وہ اس بات کو نہیں سوچتے کہ احمد بیگ اور اس کے داماد کی پیش گوئی کا ایک جز نہایت صفائی سے میعاد کے اندر پورا ہو چکا ہے اور دو ٹانگوں میں سے ایک ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ اس پیش گوئی کی تصدیق کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی پہلے سے ایک پیش گوئی فرمائی ہے کہ یتزوج ویولد لہ یعنی وہ مسیح موعود بیوی کرے گا اور نیز صاحب اولاد ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ تزوج اور اولاد کا ذکر کرنا عام طور پر مقصود نہیں کیونکہ عام طور پر ہر ایک شادی کرتا ہے اور اولاد بھی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ خوبی نہیں بلکہ تزوج سے مراد وہ خاص تزوج ہے جو بطور نشان ہوگا اور اولاد سے مراد وہ خاص اولاد ہے جس کی نسبت اس عاجز کی پیش گوئی موجود ہے۔ گویا اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سیاہ دل منکروں کو ان کے شبہات کا جواب دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ یہ باتیں ضرور پوری ہوں گی۔ (ضمیمہ، انجام آتھم، ص 52-53) (یعنی مرزا قادیانی محمدی بیگم سے ضرور شادی کریں گے اور اس سے ضرور اولاد ہوگی)

سسرال سے سابقہ تعارف

میر ناصر نواب دہلوی پنجاب کے محکمہ نہر میں نقشہ نویس یا سب اوورسیئر تھے۔ غالباً 1877ء کا واقعہ ہے جبکہ میر صاحب اس نہر کی کسی خدمت پر مامور تھے جو قادیاں سے مغرب کی جانب دو ڈھائی میل

کے فاصلہ سے گزرتی ہے اور موضع تتلہ میں، جو قادیاں سے چند میل کی مسافت پر ہے، اقامت گزین تھے۔ ان دنوں اتفاق سے مرزا قادیانی کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر سے میر صاحب کا تعارف ہو گیا اور انہی دنوں ان کی اہلیہ کی طبیعت علیل ہوگئی۔ مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ میرے والد (مرزا غلام مرتضیٰ) بڑے حاذق طبیب ہیں، آپ ان سے علاج کرائیں۔ میر صاحب اپنی بیوی کو ڈولی میں بٹھا کر قادیاں لے آئے۔ حکیم غلام مرتضیٰ نے نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مرزا غلام قادر نے میر صاحب سے کہا کہ آپ لوگ تتلہ میں رہتے ہیں، یہ گاؤں بڑے بڑے بدمعاشوں کا مسکن ہے، بہتر یہ ہے کہ آپ لوگ قادیاں چلے آئیں اور ہمارے مکان پر فروکش ہوں۔ میں آج کل گورداسپور رہتا ہوں اور غلام احمد بھی گھر میں بہت کم آتا جاتا ہے، اس لیے آپ کو پردہ وغیرہ کی تکلیف نہ ہوگی۔ چنانچہ میر صاحب اہل وعیال کو لے کر تتلہ سے قادیاں چلے آئے۔ اس وقت حکیم غلام مرتضیٰ کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان ایام میں جس روز بھی مرزا غلام قادر گورداسپور سے قادیاں آتے' میر صاحب کے لیے پان لایا کرتے تھے اور میر صاحب کی بیوی مرزا غلام قادر کے لیے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے اکثر بھجوا دیتی تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے لیے شامی کباب تیار کیے۔ جب بھیجنے لگیں تو معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور چلے گئے ہیں۔ اس لیے میر صاحب کی بیوی نے نائن سے کہا کہ یہ کباب ان کے چھوٹے بھائی (مرزا غلام احمد) کو دے آؤ۔ مرزا غلام احمد کباب کھا کر ان کے ممنون ہوئے۔ اس کے بعد میر صاحب کی بیوی دوسرے تیسرے دن مرزا غلام احمد کے پاس بھی کھانے کی کوئی چیز بھجوا دیا کرتی تھیں لیکن جب اس کی اطلاع ان کی بھاوج یعنی مرزا غلام قادر کی بیوی کو ہوئی تو انھوں نے بہت برا منایا کیونکہ وہ اپنے دیور کی سخت مخالف تھیں۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 109-110) میر صاحب کو قادیاں آئے چھ سات مہینے ہوئے تھے کہ ان کی تبدیلی کسی دوسری جگہ ہو گئی۔ میر صاحب مرزا غلام قادر سے بات کر کے اپنے اہل وعیال کو یہیں قادیاں میں چھوڑ گئے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آ کر لے گئے۔ یہ 1877ء کا واقعہ ہے۔ اس وقت میر صاحب کی صاحبزادی نصرت جہاں بیگم کی عمر نو دس سال کی ہوگی۔ (سیرۃ المہدی، جلد اوّل، ص 43-44)

شادی کا پیغام اور اس کی منظوری

ان ایام میں ترک تقلید کا مسلک ہندوستان میں نیا نیا رائج ہوا تھا۔ مقلدوں اور غیر مقلدوں کے تعلقات میں بہت کچھ کشیدگی پائی جاتی تھی، اس لیے حضرات اہل حدیث حنفیوں سے رشتہ ناطہ نہیں کرتے تھے اور کفو ہو یا غیر کفو، لازماً اپنی لڑکی اہل حدیث ہی کو دیتے تھے۔ جب مرزا قادیانی کے دل میں نئی شادی کا شوق سر سرایا تو اپنے یار غار مولوی محمد حسین بٹالوی سے اس کا ذکر کیا۔ مولوی محمد حسین صاحب کے پاس تمام اہل حدیث لڑکیوں کی فہرست رہتی تھی۔ مولوی محمد حسین نے مرزا صاحب کو مشورہ دیا کہ میر ناصر نواب سے تمہاری پرانی ملاقات ہے۔ ان کی لڑکی جوان ہے' اس کے لیے سلسلہ جنبانی کرو۔ مرزا قادیانی نے میر

صاحب کو چٹھی لکھی کہ گو پہلے بھی میرے گھر میں بیوی موجود ہے اور اولاد بھی ہے مگر آج کل میں عملاً مجرد ہی ہوں۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 110) اس لیے میری خواہش ہے کہ ایک اور شادی کروں۔ عملاً مجرد ہونے کا یہ مطلب تھا کہ گو بیوی میرے عقد میں ہے لیکن اس سے ازدواجی تعلقات منقطع کر رکھے ہیں اور اسے معلقہ چھوڑ رکھا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر مجدد صاحب ہی تو تھے۔ اگر بیوی کے شرعی حقوق ادا کرتے تو ٹیچی ٹیچی صاحب مجددیت کی مسند سے اٹھا دیتے۔ ان دنوں میر صاحب دہلی میں رخصت پر تھے۔ شروع شروع میں بیوی سے مرزا غلام احمد کے پیغام کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ اس کو برا منائیں گی۔ اس اثناء میں اور بھی کئی جگہ سے نصرت بیگم صاحبہ کے لیے پیغام آئے لیکن ان کی بیوی صاحبہ کسی جگہ مطمئن نہ ہوئیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے ساتھ میر صاحب کے بہت دیرینہ تعلقات تھے۔ انھوں نے مرزا صاحب کی سفارش میں متعدد خطوط بھیجے لیکن ان کی اہلیہ صاحبہ نے مرزا قادیانی کو لڑکی دینا گوارا نہ کیا کیونکہ ایک تو عمر کا بہت فرق تھا، دوسرے ان دنوں دہلی میں غیر ملکیوں کے خلاف بہت تعصب ہوتا تھا۔ آخر ایک دن میر صاحب نے اپنی بیوی صاحبہ سے التماس کی کہ ایک لدھیانوی صاحب نے بڑے اصرار سے درخواست کی ہے اور وہ آدمی بھی بہت اچھا ہے، اس لیے اس کو رشتہ دے دو لیکن بیوی صاحبہ نے انکار کر دیا۔ اس پر میر صاحب کسی قدر ناراضی کے لہجہ میں کہنے لگے کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہو گئی ہے، کیا اسے عمر بھر یوں ہی بٹھا چھوڑو گی؟ بیوی صاحبہ نے کہا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔ میر صاحب نے کہا کہ غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے۔ بیوی صاحبہ نے کہا، اچھا غلام احمد ہی کو لکھ دو۔ چنانچہ میر صاحب نے اسی وقت قلم دوات لے کر مرزا صاحب کو منظوری پیغام کی اطلاع دے دی۔ اس کے آٹھ دن بعد مرزا صاحب برات لے کر دہلی پہنچ گئے۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 110-111)

مجدد صاحب کی برات

پنڈت لیکھرام کا بیان ہے کہ جب مرزا صاحب کی شادی دہلی میں ہونے والی تھی تو انہوں نے مشہور کر دیا کہ نواب ناصر کے گھر میں میری برات جائے گی۔ قادیاں کے چند ہندو برات میں گئے، مسلمان کوئی نہیں تھا۔ باراتی وہاں پہنچ کر حیرت زدہ ہوئے کہ نہ کوئی ریاست ہے، نہ ملک، نہ فوج، نہ جاہ و حشمت، نواب ناصر تنہا ہیں۔ بہت سے جاہل مرید اس کو کرامات سمجھتے تھے کہ نواب کے ہاں شادی ہوگی لیکن جب انجام کار نواب ناصر صرف میاں ناصر نکلے تو تمام قلعی کھل گئی۔ (تکذیب براہین، ص 273) لیکن پنڈت لیکھرام کا یہ بیان کہ تمام باراتی ہندو تھے، مسلمان کوئی نہیں تھا، قرین قیاس نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ قادیاں میں مرزا قادیانی کے دو ہی دوست تھے، لالہ ملا وامل اور لالہ شرمپت رائے۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مرزا قادیانی ایسے وقت میں جبکہ علمائے ملت نے ہنوز مرزا قادیانی کے کفر و ارتداد کا فتویٰ صادر نہیں کیا تھا اور مرزا قادیانی بھی اب تک اپنے نہ ماننے والوں کو کافر نہیں قرار دیتے تھے، کسی مسلمان کو ساتھ نہ لے گئے

ہوں۔ پس میرے نزدیک میاں بشیر احمد ایم۔ اے کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ساتھ ایک دو نوکر تھے اور بعض ہندو اور مسلمان ساتھی تھے۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 111) اور پنڈت لیکھرام اور مرزا بشیر احمد کے بیانات میں یوں تطبیق ہوسکتی ہے کہ براتی سب کے سب ہندو ہوں گے اور نوکر مسلمان ہوں گے۔

دلہن کا اضطراب اور برادری کے طعنے

مرزا بشیر احمد نے اپنی نانی صاحبہ کی زبانی بیان کیا ہے کہ جب ہماری برادری کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ سخت ناراض ہوئے کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر غیر ملکی کو رشتہ دے دیا ہے اور ان میں سے کئی لوگ بوجہ ناراضی نکاح میں بھی شامل نہ ہوئے۔ مگر ہم نے فیصلہ کر رکھا تھا اس لیے نکاح پڑھا کر رخصتانہ کر دیا۔ برادری والوں نے بہت طعن و تشنیع کی اور کہا، اچھا نکاح ہوا ہے کہ کوئی زیور کپڑا ساتھ نہیں آیا۔ جس کا جواب ہماری طرف سے یہ دیا گیا کہ رشتہ داروں کے ساتھ مرزا قادیانی کے زیادہ تعلقات نہیں ہیں اور گھر کی عورتیں ان کی مخالف ہیں اور پھر وہ جلدی میں آئے ہیں۔ اس حالت میں وہ زیور اور کپڑے کہاں سے بنوا لاتے۔ الغرض برادری کی طرف سے اس قسم کے طعن و تشنیع بہت ہوئے۔

مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنے والدین کی شادی کے تذکرہ میں اپنی نانی کی روایت سے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تمھاری اماں قادیاں آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی۔ چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقع مل گیا اور بعض نے کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس کی نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں خراب کی؟ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرا گئے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ بعد میر صاحب قادیاں آ کر تمھاری اماں کو لے گئے۔ جب وہ بیٹی کو لے کر دہلی پہنچے تو میں نے اس عورت سے پوچھا، جس کو میں نے دلی سے ساتھ بھیجا تھا کہ، لڑکی کیسی رہی؟ اس عورت نے تمھارے ابا (مرزا غلام احمد صاحب) کی بہت تعریف کی اور کہا کہ لڑکی یوں ہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو ان کو بہت اچھی طرح رکھا ہے اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں یوں ہی گھبرا گئی تھی۔ (سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 111۔112) لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ میاں بشیر احمد صاحب کی والدہ محترمہ نے اپنی گھبراہٹ کی اصل وجہ بیان کرنے میں بہت کچھ پردہ پوشی سے کام لیا تھا۔

پچاس مردوں کی طاقت عطا کیے جانے کا معجزہ

مرزا غلام احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ایک ابتلاء اس شادی کے وقت مجھ کو یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیا

بطس اور درد سر دوران سر، قدیم سے میرے شامل حال تھیں جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا، اس لیے میری ''مردمی کالعدم'' تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ اس لیے میری اس شادی پر میرے بعض دوستوں نے افسوس کیا اور ایک خط مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایڈیٹر رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' نے ہمدردی کی راہ سے میرے پاس بھیجا کہ آپ نے شادی تو کی ہے لیکن مجھے حکیم محمد شریف کلانوری کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بباعث سخت کمزوری کے اس لائق نہ تھے۔ اگر یہ امر آپ کی روحانی قوت سے تعلق رکھتا ہے تو میں اعتراض نہیں کرسکتا ورنہ ایک بڑے فکر کی بات ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی ابتلا پیش آ جائے۔ غرض اس ابتلاء کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ سے دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے، چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور وہ صحت طاقت، جو ایک پورے تندرست انسان کو مل سکتی ہے، وہ مجھے دی گئی۔ اگر دنیا اس بات کو مبالغہ نہ سمجھتی تو میں اس جگہ اس واقعہ حقہ کو، جو اعجازی رنگ میں ہمیشہ کے لیے مجھے عطا کیا گیا، بہ تفصیل بیان کرتا، تا معلوم ہوتا کہ ہمارے قادر قیوم کے نشان ہر رنگ میں ظہور میں آتے ہیں اور ہر رنگ میں اپنے خاص لوگوں کو وہ خصوصیت عطا کرتا ہے جس میں دنیا کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر اپنے تئیں خداداد طاقت میں پچاس مردوں کے قائم مقام دیکھا۔ (تریاق القلوب، مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، تقطیع کلاں، ص 35۔36)

واقعی یہ ایک عجیب نسخہ ہو گا اور عجب نہیں کہ خلیفہ المسیح حضرت مرزا محمود احمد صاحب اس نسخہ سے نہ صرف خود مستفیض ہو رہے ہوں گے بلکہ مسیح موعود صاحب کے خاص خاص ''صحابیوں'' کو اس عجیب الفعل تریاق سے بہرہ مند فرماتے ہوں گے۔ میری تو یہ مجال نہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب کے بیان کی صداقت میں شک لاؤں لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر حضرت مسیح موعود صاحب کے مشکوے معلّٰی میں چالیس پچاس حرمیں ہوتیں تو پچاس مردوں کی طاقت قرین قیاس تھی لیکن ایک بیوی اور پچاس مردوں کی طاقت ایک بعید از فہم اور بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے۔

قوت باہ کی الہامی معجون اور حکیم نورالدین

لیکن تعجب ہے کہ جس الہامی معجون نے حضرت مسیح موعود صاحب کو پچاس مردوں کی طاقت بخشی تھی اس نے حکیم نورالدین صاحب کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوبات میں جو مولوی حکیم نورالدین صاحب کے نام بھیجے گئے اس کی صراحت موجود ہے۔ حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں۔

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ دوا جس میں مروارید داخل ہیں جو کسی قدر آپ لے گئے تھے، اس کے استعمال سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔ قوت باہ کو ایک

عجیب فائدہ یہ دوا پہنچاتی ہے اور مقوی معدہ ہے اور کاہلی اور سستی کو دور کرتی ہے اور کئی عوارض کو نافع ہے۔ آپ ضرور اس کو استعمال کر کے مجھ کو اطلاع دیں، مجھ کو تو یہ بہت ہی موافق آ گئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ (خاکسار غلام احمد) ایک اور خط کا ابتدائی حصہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

مخدومی مکرمی اخویم مولی حکیم نور الدین صاحب سلمہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ دوا معلومہ سے آں مخدوم کو کچھ فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید یہ وہی قول درست ہو کہ ادویہ کو ابدان سے مناسبت ہے۔ بعض ادویہ ابدان کے مناسب حال ہوتی ہیں اور بعض دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ہے کہ چند امراض کاہلی وسستی ورطوبات معدہ اس سے دور ہو گئے ہیں۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوظ (ایستادگی) بکلی جاتا رہتا تھا۔ شاید قلت حرارت غریزی اس کا موجب تھی۔ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوا حرارت غریزی کو بھی مفید ہے اور منی کو بھی غلیظ کرتی ہے۔ غرض میں نے تو اس میں آثار نمایاں پائے ہیں۔ اگر دوا موجود ہو اور آپ دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں۔ چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے، اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے۔ مکتوبات احمدیہ، جلد پنجم، نمبر 2، ص 13-14)

زن مریدی کے متعلق مرزا جی کے قول اور فعل میں تخالف

مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ اگر اعتدال نہ ہو سکے اور محبت ایک (بیوی کی) طرف زیادہ ہو جائے یا آمدنی کم ہو یا قوائے رجولیت ہی کمزور ہوں تو پھر ایک سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک بہتر یہی ہے کہ انسان اپنے تئیں ابتلاء میں نہ ڈالے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللّٰہ لا یحب المعتدین (اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) حلال پر بھی ایسا زور نہ مارو کہ نفس پرست ہی بن جاؤ۔ اگر حلال کو حلال سمجھ کر بیویوں ہی کا بندہ ہو جاوے تو بھی غلطی کرتا ہے۔ خدا کا یہ منشاء نہیں کہ بالکل زن مرید ہو کر نفس پرست ہی ہو جاؤ۔ ملفوظات احمدیہ یا تقاریر حضرت مسیح موعود، ص 3-4) یہ تو حضرت ''مسیح موعود'' کا قول تھا۔ اب ان کا فعل ملاحظہ ہو۔ مرزا صاحب نے اپنی پہلی بیوی حرمت بی بی کو بالکل معلقہ کر رکھا تھا اور وہ بیچاری سالہا سال سے اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھیں اور اخراجات ان کے بیٹے مرزا سلطان احمد، جو ان دنوں تحصیل دار تھے، بھیجا کرتے تھے اور پہلی بیوی کے مقابلہ میں اپنی نئی نویلی دلہن کو، جسے دہلی سے بیاہ کر لائے تھے، بہت چاہتے تھے چنانچہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا غلام احمد قادیانی کتاب ''سیرۃ المہدی'' میں لکھتے ہیں: مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''سیرۃ مسیح موعود'' میں لکھا ہے کہ اندرون خانہ کی خدمت گار عورتوں کو میں نے بارہا خود تعجب سے کہتے سنا ہے کہ مرجا بیوی دی گل بڑی مندا اے۔ (مرزا

بیوی کی بات بہت مانتا ہے)۔ (سیرۃ المہدی، جلد اول، صفحہ 259) اسی طرح میاں بشیر احمد صاحب نے اپنے والدِ محترم کی زن مریدی کا ایک اور دلچسپ واقعہ زیب رقم کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود کے زمانہ میں کسی وجہ سے اپنی بیوی پر کچھ خفا ہوا جس پر میری بیوی نے حضرت مولوی عبد الکریم صاحب کی بڑی بیوی کے پاس جا کر میری ناراضگی کا ذکر کیا اور حضرت مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر دیا۔ اس کے بعد میں جب مولوی عبد الکریم صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب! آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ملکہ کا راج ہے۔ بس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ خاکسار (میاں بشیر احمد) عرض کرتا ہے کہ حضرت مولوی عبدالکریم کے یہ الفاظ عجیب معنی خیز ہیں کیونکہ ایک طرف تو ان دنوں میں برطانیہ کے تخت پر (موجودہ شاہ ایڈورڈ کی پردادی) ملکہ وکٹوریہ متمکن تھیں۔ اور دوسری طرف حضرت مولوی عبد الکریم کا اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام اپنے خانگی معاملات میں حضرت ام المومنین (نصرت بیگم) کی بات بہت مانتے ہیں اور گویا گھر میں حضرت ام المومنین ہی کی حکومت ہے اور اس اشارہ سے مولوی صاحب کا مقصد یہ تھا کہ مفتی صاحب کو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیے۔

(سیرۃ المہدی، جلد 2، ص 102-103)

دوسری شادی کے بعد مزید نکاح کرنے کے متواتر الہامات

مرزا غلام احمد قادیانی نے مدت العمر دو ہی شادیاں کیں۔ پہلی بارہ چودہ سال کی عمر میں ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد اسی کے بطن سے متولد ہوئے۔ دوسری دہلی میں شاید پچاس سال کی عمر میں نصرت جہاں بیگم صاحبہ سے کی۔ موخر الذکر سے تین بیٹے محمود احمد، بشیر احمد اور شریف احمد متولد ہوئے جو اب تک موجود ہیں۔ دوسری شادی کے بعد مرزا صاحب کے دل و دماغ پر کئی سال تک اس مطلب کے کشوف و الہامات کا طوفان برپا رہا کہ تمھاری اور بھی شادیاں ہوں گی لیکن چونکہ حق تعالیٰ کو یہ جتلانا منظور تھا کہ قادیاں کے مسیح صاحب قرب الٰہی اور معرفت خداوندی کی لازوال نعمت سے یکسر محروم ہیں اور ان کے کشف و الہام کا سرچشمہ بھی غیر طاہر ارواح ہیں۔ اس لیے یہ سب کشف و الہام غلط نکلے اور دہلی کی شادی کے بعد کوئی اور دلا رام مرزا صاحب کے بستر عیش کی زینت نہ بن سکی۔ اب ذرا مرزا صاحب کی کشوف و الہامات کی شان و شوکت ملاحظہ ہو۔

بیوہ سے نکاح کرنے کا الہام

مرزا صاحب کا بیان ہے کہ دوسری شادی سے پہلے مجھے الہام ہوا تھا کہ دو بیویاں تمھارے عقد میں آئیں گی۔ ایک کنواری دوسری بیوہ۔ کنواری (نصرت بیگم صاحبہ) سے تو نکاح ہو چکا۔ اب بیوہ سے عقد

کا انتظار ہے۔ چنانچہ ''ضمیمہ انجام آتھم'' میں لکھا کہ اسی طرح شیخ محمد حسین بٹالوی کو حلفاً پوچھنا چاہیے کہ کیا یہ قصہ صحیح نہیں ہے کہ یہ عاجز اس شادی سے پہلے جو دہلی میں ہوئی' اتفاقاً اس کے مکان پر موجود تھا۔ اس نے سوال کیا کہ کوئی الہام مجھ کو سناؤ۔ میں نے ایک تازہ الہام جو انہی دنوں میں ہوا تھا اور اس شادی اور اس کی دوسری جز پر دلالت کرتا تھا، اس کو سنایا اور وہ یہ تھا کہ بکر و ثیب یعنی مقدر یوں ہے کہ ایک بکر سے شادی ہو گی اور پھر بعد ایک بیوہ سے، میں اس الہام کو یاد رکھتا ہوں۔ مجھے امید نہیں کہ محمد حسین نے بھلا دیا ہو۔ مجھے اس کا وہ مکان یاد ہے جہاں کرسی پر بیٹھ کر میں نے اس کو الہام سنایا تھا اور احمد بیگ (کی لڑکی) کے قصہ کا ابھی نام نشان نہ تھا اور نہ ابھی اس دوسری شادی کا کچھ ذکر تھا۔ پس اگر وہ سمجھے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ خدا کا نشان تھا۔ جس کا ایک حصہ اس نے دیکھ لیا اور دوسرا حصہ جو ثیب یعنی بیوہ کے متعلق ہے، دوسرے وقت میں دیکھ لے گا۔ (ضمیمہ انجام آتھم، مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 14) 1884ء میں کنواری لڑکی سے مرزا صاحب کی جو شادی ہوئی اس سے الہام کا پہلا حصہ پورا ہو گیا۔ اب صرف ایک بیوہ سے عقد تزویج باقی رہ گیا تھا۔ لیکن اس کے قریباً دو سال بعد یعنی 20 فروری 1886ء کو مرزا صاحب کو ایک اور الہام ہوا کہ ایک نہیں بلکہ متعدد عورتیں تمہارے نکاح میں آئیں گی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ''پھر خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس (نصرت بیگم) کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہو گی۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 60) لیکن اس الہام کے بعد نہ مرزا صاحب نے کوئی نکاح کیا نہ خواتین مبارکہ یا نا مبارکہ ہاتھ آئیں۔ اگر محمدی بیگم سے عقد ہو جاتا تو یہ الہام کھینچ تان کر پورا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن رب غیور نے نہ چاہا کہ جھوٹ کو سچ کر دکھائے۔ جب مرزا قادیانی نے مزید عورتوں سے شادی کرنے کا الہام شائع کیا تو منشی محمد رمضان نام کسی صاحب نے ''پنجابی اخبار'' کی اشاعت مورخہ 20 مارچ 1886ء میں مرزا قادیانی کا خوب مذاق اڑایا۔ چنانچہ مرزا قادیانی خود لکھتے ہیں ''20 فروری 1886ء کے اشتہار میں یہ پیشگوئی خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی گئی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی ہے کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور ان سے اولاد پیدا ہو گی۔ اس پیشگوئی پر منشی محمد رمضان صاحب فرماتے ہیں کہ الہام کئی قسم کا ہوتا ہے۔ نیکوں کو نیک باتوں کا اور زانیوں کو عورتوں کا۔

(تبلیغ رسالت، جلد اول ص 90)

پارسا طبع و نیک سیرت اہلیہ

8 جون 1886ء کو مرزا صاحب نے حکیم نور الدین صاحب کو خط لکھا کہ جو عنایات خداوند کریم جل شانہ کی اس عاجز کے شامل حال ہیں' ان کے بارے میں ہمیشہ یہی دل چاہتا ہے کہ اپنے دوستوں سے کچھ اس میں سے بیان کرتا رہوں۔ سو آپ سے بھی جو میرے مخلص دوست ہیں ایک راز پیشگوئی کا بیان

کرتا ہوں۔ شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا کہ اس عاجز پر ظاہر کیا گیا تھا کہ ایک فرزند قوی الطاقتین کامل الظاہر والباطن تم کو عطا کیا جائے گا۔ سو اس کا نام (عنموائیل اور) بشیر ہوگا۔ اب تک میرا خیال تھا کہ شاید وہ فرزند مبارک اسی اہلیہ (نصرت بیگم) سے ہوگا۔ اب زیادہ الہام اس بات میں ہو رہے ہیں کہ عنقریب ایک اور نکاح تمہیں کرنا پڑے گا اور جناب الٰہی میں یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ایک پارسا طبع اور نیک سیرت اہلیہ تمہیں عطا ہوگی، وہ صاحب اولاد ہوگی۔ اس میں تعجب کی بات یہ ہے کہ جب الہام ہوا تو ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھ کو دیئے گیے۔ تین ان میں سے تو آم کے تھے مگر ایک پھل سبز رنگ کا بہت بڑا تھا۔ وہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پھل جو اس جہاں کے پھلوں میں سے نہیں ہے، وہی مبارک لڑکا ہے کیونکہ پھلوں سے مراد اولاد ہے اور جبکہ ایک پارسا طبع اہلیہ کی بشارت دی گئی اور ساتھ ہی کشفی طور پر چار پھل دیئے گئے جن میں سے ایک پھل الگ وضع کا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے۔ اب مخالفین آنکھوں کے اندھے اعتراض کرتے ہیں کہ کیوں اب کی دفعہ لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ میری دانست میں اس لڑکے کے تولد سے پہلے ضروری معلوم ہوتا کہ یہ تیسری شادی ہو جائے کیونکہ اسی تیسری شادی میں اولاد ہونے کے اشارات پائے جاتے ہیں۔ غالباً اس تیسری کا وقت نزدیک ہے۔ اب دیکھیں کہ کس جگہ ارادۂ ازل نے اس کا ظہور مقرر کر رکھا ہے۔ الہامات اس بارے میں کثرت سے ہوئے ہیں اور ربانی ارادہ میں کچھ جوش سا پایا جاتا ہے۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد 5، نمبر 2، ص 5-6)

تیسری شادی تقدیر مبرم ہے

20 جون 1886ء کو مرزا صاحب نے جو چٹھی حکیم نور الدین کے نام روانہ کی، اس میں لکھا کہ اس عاجز نے جو آپ کی طرف لکھا تھا وہ صرف دوستانہ طور پر بعض اسرار الہامیہ پر مطلع کرنے کی غرض سے لکھا گیا کیونکہ اس عاجز کی یہ عادت ہے کہ اپنے احباب کو ان کی قوت ایمانی بڑھانے کی غرض سے کچھ کچھ امور غیبیہ بتا دیتا ہے۔ اور اصل حال اس عاجز کا یہ ہے کہ جب سے اس تیسرے نکاح کے لیے اشارہ غیبی ہوا ہے تب سے طبیعت متفکر و متردد ہے اور حکم الٰہی سے گریز کسی جگہ نہیں۔ مگر بالطبع کارد ہے اور ہر چند اول اول یہ چاہا کہ یہ امر غیبی موقوف رہے لیکن متواتر الہامات و کشوف اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ یہ تقدیر مبرم ہے۔ (مکتوبات احمدیہ، جلد 5، نمبر 2، ص 8) معلوم ہو کہ تقدیر دو قسم کی ہے۔ معلق اور مبرم۔ معلق وہ ہے جو دعا، دوا یا کسی دوسری تدبیر سے ٹل جائے اور مبرم وہ ہے جو کبھی نہ ٹلے اور کوئی دعا، دوا اور تدبیر اس کے لیے کارگر نہ ہو۔ سو مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا نکاح تقدیر مبرم ہے کہ جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ لیکن با ایں ہمہ مرزا صاحب نے کوئی تیسرا نکاح نہ کیا اور یہ تقدیر مبرم جس کے لیے بہت دنوں سے متواتر الہامات و کشوف ہو رہے تھے ٹل گئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تمام تر کشف و الہام جن میں تیسری شادی کو تقدیر مبرم بتایا گیا تھا سراسر شیطانی القا تھے۔

تیسری شادی کے منتظر و امیدوار

ان الہامات کے گیارہ سال بعد مرزا صاحب نے کتاب ''انجام آتھم'' لکھی۔ یہ کتاب 22 جنوری 1897ء کو شائع ہوئی تھی۔ اس کے ضمیمہ میں لکھا ہے کہ میں ہنوز تیسری بیوی کا منتظر ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ''براہین کے صفحہ 496 کے الہام میں تین جگہ زوج کا لفظ آیا اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے۔ پہلا نام آدم، یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا۔ اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی اور تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس (تیسری شادی کے) وقت حمد اور تعریف ہوگی''۔ (ضمیمہ انجام آتھم، مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 54) رئیس قادیان کو جو 1897ء تک تیسری شادی کی آس لگی ہوئی تھی تو اس کی یہ وجہ تھی کہ انہیں محترمہ محمدی بیگم سے نکاح ہو جانے کے اب تک الہام ہو رہے تھے چنانچہ اسی کتاب انجام آتھم کے صفحہ 32 پر ایک الہام موجود ہے۔ **ویرد له الیک** (خدا تعالیٰ محمدی بیگم کو تمھارے پاس لوٹا لائے گا) بہر حال ہمارے مرزا قادیانی تیسری شادی کے ارمان دل ہی میں لے کر دنیا سے چل دیئے۔ نہ محمدی بیگم طال عمرہا پر دسترس پائی اور نہ کسی اور بیوی کی صورت دیکھنی نصیب ہوئی حالانکہ مرزا صاحب کو سالہا سال سے اس کے لیے متواتر الہامات ہو رہے تھے اور ان کے عاجی خدا نے یہاں تک جتلا دیا تھا کہ یہ تقدیر مبرم ہے جو کبھی ٹل نہیں سکتی۔

محمدی بیگم سے شادی کرنے کی پیشین گوئی

ایک احسان کے معاوضہ میں لڑکی دینے کا مطالبہ

محمدی بیگم کے باپ احمد بیگ سے مرزا قادیانی کی شش گانہ قرابت تھی۔

1- وہ مرزا صاحب کا بہنوئی تھا کیونکہ مرزا صاحب کی عم زاد بہن عمر النساء اس کی بیوی تھی۔

2- بہنوئی کا بھائی تھا کیونکہ قادیانی صاحب کی حقیقی بہن احمد بیگ کے حقیقی بھائی محمد بیگ سے بیاہی گئی تھی۔

3- وہ مرزا صاحب کی بہو عزت بی بی کا حقیقی ماموں تھا۔

4- مرزا صاحب کے بڑے بھائی غلام قادر کا ہم زلف تھا۔

5- مرزا صاحب کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کا نسبتی بھائی تھا۔

6- احمد بیگ کی ہمشیرہ مرزا قادیانی کے عم زاد بھائی غلام حسین سے بیاہی گئی تھی۔

علی شیر بیگ مرزا صاحب کے نسبتی بھائی یعنی پہلی بیوی کے برادر حقیقی بھی تھے جسے مرزا صاحب

نے تادم واپسین معلقہ رکھ کر خانماں برباد کر دیا تھا۔ مرزا صاحب کے فرزند فضل احمد کی بیوی جس کا نام عزت بی بی تھا، ان کے ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کی بیٹی تھی اور محمدی بیگم کی والدہ عمر النساء مرزا صاحب کے چچا غلام محی الدین کی بیٹی تھی۔ اس بنا پر محمدی بیگم مرزا صاحب کی بھانجی لگتی تھی۔ بعض حضرات نے مرزا احمد بیگ کو ملہم قادیان کا ماموں زاد بھائی بھی لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ وہ حقیقی ماموں کا بیٹا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی حقیقی بہن مرزا قادیانی کے حقیقی ماموں زاد بھائی مرزا علی شیر بیگ کے عقد میں تھی۔ اغلب ہے کہ ماموں کا برادر زادہ ہوگا۔

آسمانی نکاح اٹل ہے

10 مئی **1888**ء کے مرزائی اشتہار میں آسمانی نکاح کی پوری تفصیل پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب نے اس اشتہار میں لکھا کہ ''محمدی بیگم کے ماموں (مرزا امام الدین وغیرہ) جو مجھ کو میرے دعویٰ الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے، مجھ سے کوئی نشان آسمانی مانگتے تھے۔ اس وجہ سے کئی دفعہ ان کے لیے دعا کی گئی۔ سو وہ دعا قبول ہو کر خدا تعالیٰ نے یہ تقریب قائم کی کہ والد اس دختر کا (مرزا احمد بیگ) ایک اپنے ضروری کام کے لیے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ احمد بیگ کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچا زاد بھائی غلام حسین نامی سے بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا ہے اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین ملکیت جس کا حق ہمیں پہنچتا ہے' نام بردہ کی ہمشیرہ کے نام کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے۔ مرزا احمد بیگ نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار پانچ ہزار روپیہ قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا چونکہ وہ ہبہ نامہ (انگریزی قانون کے بموجب) بجز ہماری رضامندی کے بیکار تھا اس لیے مرزا احمد بیگ نے بتمامتر عجز و انکسار ہماری طرف رجوع کیا تاکہ ہم اس ہبہ پر راضی ہو کر اس ہبہ نامہ پر دستخط کر دیں اور قریب تھا کہ دستخط کر دیتے لیکن خیال آیا کہ جناب الٰہی میں استخارہ کر لینا چاہیے۔ سو یہی جواب احمد بیگ کو دیا گیا۔ پھر احمد بیگ کے متواتر اصرار سے استخارہ کیا گیا۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آ پہنچا تھا جس کو خدا تعالیٰ نے اس پیرایہ میں ظاہر کر دیا۔ اس خدائے قادر و حکیم مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان سے کہہ دے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اسی شرط سے کیا جائے گا اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔ پھر ان دنوں میں جو بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر

کر رکھا ہے کہ وہ احمد بیگ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روگ دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا اور بے دینوں کو مسلمان بنائے گا اور گمراہوں میں ہدایت پھیلائے گا۔ چنانچہ عربی الہام اس بارہ میں یہ ہے کہ انھوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور پہلے سے ہنسی کر رہے تھے۔ سو خدا تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمہارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ تیرا رب وہ قادر ہے جو چاہے وہی ہو جاتا ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ گو اوّل میں احمق اور نادان لوگ بدباطنی اور بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں لیکن آخر خدا تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تیری تعریف ہوگی۔ (تبلیغ رسالت، جلد اوّل، ص 115-117) غرض مرزا قادیانی کو خودغرضی، مطلب براری اور بوالہوسی کا نہایت سنہری موقع ہاتھ آیا۔ ہر چند کہ حقوق قرابت، شرافت نفس، شرف و مجد انسانی اور احسان و ایثار کے اعلیٰ صفات کا اقتضا یہ تھا کہ مرزا قادیانی یہ کام بلامعاوضہ کر دیتے لیکن چونکہ قادیان کے مجدد صاحب ان صفات عالیہ سے عاری تھے' اس لیے احمد بیگ سے اس سلوک و مروت کا صلہ لڑکی بیاہ دینے کی شکل میں طلب کیا حالانکہ مرزا قادیانی اس عمر سے تجاوز کر چکے تھے جو شادی کے لیے منتہائے خیال ہے۔ احمد بیگ نے اس شرمناک مطالبہ کو نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور حقوق قرابت کا لحاظ کرتے ہوئے ان سے اس حرکت کا کوئی انتقام نہ لیا۔ حالانکہ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو جب تک اس غیر شریفانہ حرکت کی سزا نہ دے لیتا اس کے جذبات انتقام کو تسکین نہ ہوتی۔

خواہشِ ازدواج کا مقصد

لدھیانہ کے مسیحی رسالہ ''نور افشاں'' نے 10 مئی 1888ء کی اشاعت میں لکھا کہ ''جب مرزا قادیانی کے نکاح میں پہلے ہی دو بیویاں ہیں اور جوان اولاد موجود ہے تو پھر اس لڑکی کی تمنائے ازدواج محض خواہشات نفسانی کا اتباع ہے۔'' اس کے جواب میں مرزا قادیانی نے 10 جولائی 1888ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا کہ ''اس لڑکی سے عقد ہونے کی پہلی پیشین گوئی اس زمانہ کی ہے جبکہ وہ لڑکی ہنوز نابالغ تھی اور اس کی عمر آٹھ نو سال کی تھی۔ تو اس پر نفسانی افترا کا گمان کرنا حماقت ہے۔'' (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 118) قادیانی صاحب نے اس اشتہار کے پانچ روز بعد ایک اور اعلان شائع کیا جس میں محمدی بیگم کی خواستگاری کے یہ وجوہ قرار دیے۔

1- ایک جگہ لکھا کہ ''عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورت مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکار اور دکاندار خیال کرتے ہیں۔ اس لیے خدا نے ان کی بھلائی (اور اصلاح) کے لیے انہی کے تقاضا اور درخواست سے اس الہامی پیشین گوئی کو (بطور نشان کے) ظاہر فرمایا (تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ مرزا قادیانی اپنے الہامی دعووں میں مکار اور

دکاندار نہیں ہیں)۔''

-2 ایک اور وجہ یہ بتائی کہ محمدی بیگم کے اقرباء رسم پرستی کی وجہ سے لڑکی کا غیر حقیقی ماموں سے نکاح کرنا معیوب سمجھتے تھے۔ سو خدا تعالیٰ نے (یہ نکاح) ایک ایسا نشان قرار دیا جس سے ان کے دین کی اصلاح و بدعت اور خلاف شرع رسم کی بیخ کنی ہو جائے تا کہ آئندہ اس قوم کے لیے ایسے رشتوں کے بارے میں کچھ تنگی اور حرج نہ رہے۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص **118**) لیکن ظاہر ہے کہ چونکہ مرزا قادیانی دنیا میں محمدی بیگم کو سلک ازدواج میں منسلک کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس لیے مخالف لوگ یہ نتیجہ نکالنے میں برسرِ حق سمجھے جائیں گے کہ نہ یہ نکاح کوئی آسمانی نشان تھا نہ اس سے کوئی اصلاح ممکن تھی بلکہ باغ حسن کی گل چینی کا اشتیاق اور نفسانی جذبات کی تکمیل ہی مرزا قادیانی کے پیش نظر تھی۔ اسی طرح مرزا قادیانی کے اقارب کا انھیں الہامی دعووں میں دکاندار خیال کرنا بھی حقیقت پر مبنی تھا۔

خواہشِ ازدواج کا اصل محرک

اب محترمہ محمدی بیگم ضعیف العمر ہے۔ بہار جوانی پر خزاں پیری نے چھاپہ مارا ہے لیکن سنا جاتا ہے کہ جب گلزار جوانی عین بہار پر تھا تو چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی۔ اسی بنا پر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ''مرزا قادیانی مدت سے اس کے شمع رخسار کا پروانہ بنے ہوئے تھے۔'' میرے نزدیک ممکن ہے کہ لڑکی کے حسن و جمال نے بھی شادی کی سفارش کی ہو لیکن اصل محرک غالباً وہ الہامات تھے جن میں قادیان کے مسیحا صاحب کو تیسری بیوی سے عقد کرنے کی بشارت دی گئی تھی۔ محمدی بیگم مرزا قادیانی کے عم زاد بھائیوں امام الدین، نظام الدین اور کمال الدین کی حقیقی بھانجی تھی اور اپنی والدہ کے ساتھ زیادہ تر قادیان ہی میں رہتی تھی۔ البتہ ماں بیٹی ان دنوں ہوشیار پور چلی جاتی تھیں جب مرزا احمد بیگ پولیس کی ملازمت سے چھٹی لے کر ہوشیار پور آتے تھے۔ چونکہ قادیان میں محمدی بیگم کے ماموں کا مکان مرزا قادیانی کے دولت کدہ سے بالکل ملا ہوا تھا اس لیے ملہم صاحب کو اس لڑکی کے مشاہدہ جمال کے مواقع ہر روز حاصل تھے۔ پس ممکن ہے کہ لڑکی کے حسن و جمال نے بھی کبھی عزم نکاح کی شفاعت و تحریک کی ہو لیکن اصل تحریک شاید اسی الہام نے کی تھی جو کچھ عرصہ سے مرزا قادیانی کے دل و دماغ پر مسلط رہتا تھا کہ تمھیں تیسری شادی سے بھی بہرہ مند کیا جائے گا۔ کو عجب نہیں کہ تیسری شادی کے الہامات بھی خواہش عقد ہی کی بنا پر گھڑ لیے گئے ہوں۔

الہام و وحی آسمانی کے حیلے کیوں تراشے گئے؟

مرزا قادیانی کو یقین تھا کہ اگر رسمی طور پر نکاح کی درخواست کریں گے تو منظور نہیں ہوگی کیونکہ کوئی شخص کسی ایسے بڈھے بوالہوس کو کنواری لڑکی دینا گوارا نہیں کرتا جس کی پہلے بھی دو بیویاں اور جوان اولاد موجود ہو۔ خصوصاً ایسے شخص کو جسے علمائے امت ملت اسلام سے خارج قرار دے چکے ہوں۔ اس لیے

مرزا قادیانی نے آسمانی وحی والہام کو سپر بنایا اور کہا خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ محمدی بیگم تیرے عقد میں آئے گی۔ وہ قطعاً تیری بیوی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھ آسمان پر تیرا نکاح پڑھ دیا گیا ہے۔ اب تو زمین پر اس نکاح کی سلسلہ جنبانی کر۔ لیکن آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ یہی آسمانی نکاح مرزا قادیانی کی حسرتوں کا گور غریباں بن گیا۔ دوسری وجہ جو بعض ثقہ راویوں کی وساطت سے خاکسار راقم الحروف تک پہنچی یہ ہے کہ مرزا قادیانی نے محمدی بیگم پر کٹنیاں اور اس کی اپنی سہیلیاں چھوڑ رکھی تھیں جو اسے مرزا قادیانی سے شادی کرنے کی ترغیب دیتی رہتی تھیں اور اسے اس قسم کی باتیں ذہن نشین کی جاتی تھیں کہ سینکڑوں ہزاروں روپیہ کی روزانہ آمدنی کے علاوہ مرزا قادیانی کو اتنی بڑی عزت اور عظمت اور جاہ حاصل ہے کہ بڑے بڑے ڈپٹی اور جج اور دوسرے اعلیٰ عہدیدار قادیاں آکر مرزا قادیانی کے پیر چومتے اور نذرانے پیش کرتے ہیں۔ اگر تمہیں ان کی زوجیت کا شرف نصیب ہو تو مدت العمر شاہزادیوں سے بڑھ کر عیش و راحت اور عزت و نمود کی زندگی بسر کرو گی۔ یہ بھی تحریک ہوتی تھی کہ تم اپنی ماں پر زور ڈالو کہ تمہاری شادی مرزا قادیانی سے کریں۔ انجام کاران مسلسل تحریکات نے محمدی بیگم کو بھی مائل کر دیا اور اس نے وعدہ کر لیا کہ میں ماں سے اس خواہش کا اظہار کروں گی۔ جب لڑکی ہموار کر لی گئی تو اب یہ مرحلہ باقی رہ گیا کہ کسی طرح لڑکی کے باپ کو بھی آمادہ کیا جائے لیکن اس کی آمادگی مشکل تھی۔ اس لیے اس کو مغلوب کرنے کے لیے خوفناک الہاموں کا حربہ تجویز کیا گیا۔ اب لڑکی کا قلعہ دل مسخر ہو چکا تھا۔ مرزا قادیانی کی امیدوں کی بلندی گوش سحاب سے سرگوشیاں کر رہی تھی اور انھیں اپنی کامیابی کا ہر طرح سے کامل وثوق تھا۔ اسی بنا پر ان کا ارادہ تھا کہ اگر محمدی بیگم کے والد اور دوسرے اقربا کسی طرح نہ مانیں گے تو لڑکی سے کہہ دیا جائے گا کہ وہ اقربا سے قطع تعلق کر کے خود بخود مرزا قادیانی کے مشکوئے معلیٰ میں پہنچ جائے۔ انہی حالات کے ماتحت مرزا قادیانی نے فضیلت مآبی کی سند پر قدم رکھ کر الہاموں اور پیشین گوئیوں کے طوفان برپا کر رکھے تھے۔ گو یہ معلوم نہیں کہ آئندہ چل کر محمدی بیگم کی رضا جوئی طاق اہمال پر کیوں رکھی رہ گئی اور مرزا قادیانی کی آسمانی منکوحہ کو پٹی ضلع لاہور کا ایک نوجوان کیوں ہتھیا لے گیا؟ لیکن اس کی وجہ ایک اور راوی نے یوں بیان کی ہے کہ میاں محمود احمد کی والدہ محمدی بیگم کی ماں کے پاس ہر روز یہ پیغام بھیج دیتی تھیں کہ تم شوق سے اپنی لڑکی کو میری سوکن بناؤ لیکن میں بھی اس سے ہر روز بیس سیر اناج پسوایا کروں گی۔ ان متواتر پیغاموں نے محمدی بیگم کو بھی بددل کر دیا تھا۔ موخر الذکر راوی کا بیان ہے کہ اسی بنا پر مرزا قادیانی کے فرزند اکبر مرزا سلطان احمد صاحب کہا کرتے تھے کہ ''والد نے محمدی بیگم کے لیے سارے جہان سے لڑائی مول لے رکھی ہے لیکن اپنی بیوی کو نہیں سمجھاتے کہ اس قسم کے نفرت انگیز پیغام بھیج کر ان کے کام میں روڑے نہ اٹکائے۔''

ازدواجی الہامات کا طوفان

اوپر لکھا جا چکا ہے کہ مرزا قادیانی نے ہبہ نامہ پر دستخط کر دینے کے عوض میں لڑکی لینے کا شرمناک سودا کرنا چاہا تھا۔ مرزا قادیانی نے اسی غیر شریفانہ حرکت پر اکتفا نہ کیا بلکہ اب محمدی بیگم کے جرم نا آشنا باپ اور دوسرے اقربا کو الہامی حربے چلا چلا کر خوف زدہ کرنے کا اقدام بھی شروع کر دیا۔ اسی سلسلہ میں چند روز کے بعد مرزا احمد بیگ کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک سے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی دور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لیے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہوگی۔ یہ دونوں طرف برکت اور موت ایسی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق یا کذب معلوم ہو سکتا ہے۔'' (آئینہ کمالات مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، ص 279) اس خط سے محمدی بیگم کے اقرباء پر کچھ بھی خوف و ہراس طاری نہ ہوا بلکہ الٹا مرزا قادیانی کی تحقیر و تذلیل کے درپے ہوئے۔ مرزا قادیانی نے یہ خط کمال راز داری سے لکھا تھا اور مرزا احمد بیگ کو تاکید کی تھی کہ یہ راز افشا نہ ہونے پائے لیکن مرزا نظام الدین نے جو مسیح صاحب کا عم زاد بھائی اور محمدی بیگم کا حقیقی ماموں تھا' یہ بھانڈا قادیاں کے چوراہے پر پھوڑ دیا۔ چنانچہ مرزا قادیانی فرماتے ہیں۔ ''نور افشاں'' نے اعتراض کیا کہ ''اگر یہ الہام خدا تعالیٰ کی طرف سے تھا اور اس پر کلی اعتماد تھا تو پھر پوشیدہ کیوں رکھا گیا اور کیوں اپنے خط میں پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی۔'' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک خانگی معاملہ تھا اور گو ہم شائع کرنے کے لیے مامور تھے مگر ہم نے دوسرے وقت کی انتظار کی۔ یہاں تک کہ اس لڑکی کے ماموں مرزا نظام الدین نے جو مرزا امام الدین کا حقیقی بھائی ہے۔ شدت غضب میں آ کر اس مضمون کو آپ ہی شائع کر دیا اور پھر زبانی اشاعت پر اکتفا نہ کر کے اخباروں میں ہمارا خط چھپوایا اور بازاروں میں ان کے دکھلانے سے وہ خط جا بجا پڑھا گیا اور عورتوں اور بچوں تک اس خط کے مضمون کی منادی کی گئی اور مرزا نظام الدین کی کوشش سے ہمارا وہ خط ''نور افشاں'' میں بھی چھپا۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 117)

آسمانی بشارت کہ محمدی بیگم انجام کار تمہاری بیوی بنے گی

قادیانی صاحب نے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں لکھا کہ ''خدائے کریم جل شانہ نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ خدا ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا۔ یہ ایک پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہے جو پہلے شائع ہو چکی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر پیش گوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس کے قریب فوت ہو جائے گا اور وہ جو نکاح

کرے گا وہ روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوگا اور آخر وہ عورت اس عاجز کی بیویوں میں داخل ہوگی۔'' (تبلیغ رسالت جلد اول، ص 61 حاشیہ) جب تقدس کا کوئی ذکاندار دل و دماغ میں کسی قسم کی خواہش کی حد سے زیادہ پرورش کرنے لگتا ہے اور اس کے متعلق کوئی تخیل پختہ کر لیتا ہے تو شیاطین اسی خیال کے بموجب اسے الہام کرنے لگتے ہیں اور وہ اس الہام کو منجانب اللہ یقین کر کے بلا تامل شائع کرتا ہے۔ خواہ بعد کو اسے کتنا ہی رسوا اور روسیاہ کیوں نہ ہونا پڑے۔ چنانچہ مرزا قادیانی اپنے ازالہ میں لکھتے ہیں۔ ''الہام رحمانی بھی ہوتا ہے اور شیطانی بھی اور جب انسان اپنے نفس اور خیال کو دخل دے کر کسی بات کے انکشاف کے لیے بطور استخارہ یا استبارہ وغیرہ کی توجہ کرتا ہے۔ خاص کر اس حالت میں کہ جب اس کے دل میں یہ تمنا مخفی ہوتی ہے کہ میری مرضی کے موافق کسی کی نسبت کوئی برا یا بھلا کلمہ بطور الہام مجھے معلوم ہو جائے تو شیطان اس وقت اس کی آرزو میں دخل دیتا ہے اور کوئی کلمہ اس کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے اور دراصل وہ شیطانی کلمہ ہوتا ہے۔'' (ازالہ اوہام مولفہ مرزا غلام احمد، طبع پنجم، ص 257) چونکہ مرزا قادیانی ہر وقت محمدی بیگم کے خیال میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ مرزا قادیانی کو بھی اس قسم کے الہام ہوتے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں مرزا قادیانی کو ایک الہام ہوا۔ ''ہاں مجھے اپنے رب کی قسم ہے کہ یہ سچ ہے اور تم اس بات کو وقوع میں آنے سے روک نہیں سکتے۔ ہم نے خود اس سے تیرا عقد نکاح باندھ دیا ہے۔ میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔'' (آسمانی فیصلہ مولفہ مرزا غلام احمد، ص 56) حضرات! ''عقد نکاح باندھ دینا'' قادیانی صاحب کا خاص الہامی محاورہ ہے۔ آنکھوں میں نزول الماء اتر آنا بھی مرزا قادیانی کا ایک مقدس محاورہ تھا۔

خدائی وعدہ میں شک نہ لانے کا الہام

ایک مرتبہ کسی خطرناک بیماری نے مرزا قادیانی کو زندگی سے ناامید کر دیا۔ حالت یاس میں خیال آیا کہ سفر آخرت درپیش ہے اور محمدی بیگم کی پیشین گوئی ہنوز پوری نہیں ہوئی۔ معاً الہام ہوا کہ ''اپنے رب کے وعدے کی سچائی میں قطعاً شک نہ کرو۔'' چنانچہ خود لکھتے ہیں۔ ''جبکہ ابھی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تھی جیسا کہ اب تک بھی جو 16 اپریل 1891ء ہے پوری نہیں ہوئی تو اس کے بعد اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت کے نوبت پہنچ گئی بلکہ موت کو سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی گئی۔ اس وقت گویا پیشگوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل جنازہ نکلنے والا ہے۔ تب میں نے اس پیشگوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں سمجھ نہ سکا۔ اسی حالت قریب الموت میں مجھے الہام ہوا۔ الحق من ربک فلا تکون من الممترین یعنی یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے تو کیوں شک کرتا ہے۔'' (ازالہ اوہام مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی، طبع پنجم، ص 166)

موانع نکاح دور کرنے کے آسمانی وعدے

محمدی بیگم کے پیغام نکاح کے بعد قادیاں کے عاجی خدا کی طرف سے مرزا قادیانی کو اس قسم کے مسلسل پیام آتے رہے کہ میں ہر قسم کے مانع دور کر کے محمدی بیگم کو تمہاری بیوی بناؤں گا۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے 10 جولائی 1888ء کے اشتہار میں لکھا۔ ''پھر ان دنوں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ کی دختر کلاں کو جس کی نسبت درخواست کی گئی تھی ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لائے گا۔'' (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 116) اس اعلان کے قریباً تین سال بعد اس جذبہ عناد کا لحاظ رکھتے ہوئے جو محمدی بیگم کے اقرباء کے دلوں میں مرزا قادیانی کے خلاف کارفرما تھا جب مرزا قادیانی کو یقین ہوا کہ محمدی بیگم ضرور کسی دوسری جگہ بیاہی جائے گی تو مرزا قادیانی اس قسم کے الہام شائع کرنے لگے کہ وہ باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ ہونے کے بعد ہر حالت میں ان کے بستر عیش کی زینت بنے گی۔ چنانچہ کتاب ازالہ اوہام میں جو 3 ستمبر 1891ء کو شائع ہوئی لکھا کہ ''راقم رسالہ ہذا اس مقام پر خود صاحب تحریر ہے عرصہ قریباً تین برس کا ہوا ہے کہ بعض تحریکان کی وجہ سے جن کا مفصل ذکر اشتہار دہم جولائی 1888ء میں مندرج ہے۔ خدائے تعالیٰ نے پیش گوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ مرزا احمد بیگ ولد مرزا گاماں بیگ ہوشیار پوری کی دختر کلاں انجام کار تمھارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہر طرح سے اس کو تمہاری طرف لائے گا' باکرہ ہونے کی حالت میں یا بیوہ کر کے اور ہر ایک روک کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اس کام کو ضرور پورا کرے گا۔ کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔'' (ازالہ طبع پنجم، ص 165) اس پیشین گوئی میں مرزا قادیانی کے الہام رساں نے مرزا قادیانی کو الہام کیا کہ ''محمدی بیگم یا تو کنوار پن کی حالت میں تمھارے دست تصرف میں آئے گی یا بیوہ ہو کر۔'' لیکن ظاہر ہے کہ یہ الہام بجائے خود مرزائی قصر مسیحیت کو پیوند خاک کر رہا ہے کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا قادیانی کو الہام کرنے والا اتنا جاہل اور بے خبر تھا کہ اسے خود ہی معلوم نہ تھا کہ وہ قادیانی صاحب کی آسمانی منکوحہ کو شادی سے پہلے ان کے حجلہ عروسی کی زینت بنائے گا یا شادی کے بعد بیوہ کر کے مرزا قادیانی کے سپرد کرے گا۔

محمدی بیگم کے نکاح کو اپنے صدق یا کذب کا معیار ٹھہرانا

بعض دھاتیں بظاہر سونے سے ملتی جلتی ہیں اس لیے ناواقف لوگ ان کی سنہری رنگت اور درخشندگی کو دیکھ کر طلاء خالص یقین کر لیتے ہیں لیکن ان کا اصل یا نقل ہونا اس وقت ممیز ہوتا ہے جب صراف کے پاس پہنچ کر کسوٹی پر کسی جاتی ہیں چونکہ مرزا قادیانی بھی ارواح خبیثہ کے القاء کو الہام خداوندی

خیال کرتے ہوئے اپنے تئیں برسرِحق اور مامور من اللہ یقین کیے بیٹھے تھے اس لیے ضروری تھا کہ وہ بھی اپنے سچا ہونے کے معیار پیش کرتے اور لطف یہ کہ جب بھی ان معیاروں پر انھیں پرکھا جاتا تھا ان کا کذب ہی ظاہر ہوتا تھا۔ مرزا قادیانی نے اپنے صدق و کذب کی ایک کسوٹی یہ بتائی تھی کہ اگر محمدی بیگم مجھے مل گئی تو سچا ہوں ورنہ جھوٹا۔ چنانچہ 10 مئی 1888ء کے اخبار ''نور افشاں'' میں ان کا جو خط بنام مرزا احمد بیگ شائع ہوا' اس میں فرماتے ہیں ''خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک سے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ اگر آپ اپنی دختر کلاں کا رشتہ میرے ساتھ منظور کریں تو وہ تمام نحوستیں آپ کی دور کر دے گا۔ اگر یہ رشتہ وقوع میں نہ آیا تو آپ کے لیے دوسری جگہ رشتہ کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا اور اس کا انجام درد اور تکلیف اور موت ہوگی۔ یہ دونوں طرف برکت اور موت کی پیش گوئیاں ایسی ہیں کہ جن کو آزمانے کے بعد میرا صدق یا کذب معلوم ہو سکتا ہے۔'' (آئینہ کمالات، ص 269) اس کے بعد 10 جولائی 1888ء کے اشتہار میں لکھا کہ ''جب مرزا نظام الدین کی کوشش سے وہ خط ہمارا ''نور افشاں'' میں چھپ گیا اور عیسائیوں نے اپنی عادت کے موافق بے جا افتراء کرنا شروع کیا تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اپنی قلم سے اصلیت کو ظاہر کریں۔ بدخیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق یا کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر اور کوئی محک امتحان نہیں ہوسکتا۔'' (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 117) مرزا قادیانی نے محمدی بیگم کے عقد نکاح کو اس حیثیت سے بھی اپنے حق و باطل کا معیار ٹھہرایا تھا کہ مرزا قادیانی کے اقربا انھیں الہامی دعوؤں میں مکار اور دکاندار خیال کرتے تھے اس لیے حسب بیان مرزا قادیانی، خدائے تعالیٰ نے ان کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے یہ الہامی پیشگوئی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''ایک عرصہ سے یہ لوگ جو میرے کنبے سے اور میرے اقارب ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں مجھے میرے الہامی دعاوی میں مکار اور دکاندار خیال کرتے ہیں۔ پس خدا تعالیٰ نے انہی کی بھلائی کے لیے انہی کے تقاضا سے انہی کی درخواست سے اس الہامی پیش گوئی کو ظاہر فرمایا ہے۔ کاش وہ پہلے نشانوں کو کافی سمجھتے اور یقیناً وہ ایک ساعت بھی مجھ پر بدگمانی نہ کر سکتے۔'' (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 119) ظاہر ہے چونکہ محترمہ محمدی بیگم مرزا قادیانی کے نکاح میں نہ آئیں اور ان کا یہ بیان کردہ نشان غلط نکلا اس لیے مرزا قادیانی خود اپنی زبان سے دکاندار ثابت ہوئے۔

محمدی بیگم کے حصول کی مختلف تدبیریں

یوں تو مرزا قادیانی کو وادیِ محبت میں قدم رکھے کئی سال گزرے تھے لیکن مخصوص جدوجہد اور اضطرابی کیفیت کے پیش نظر میں 1891ء اور 1892ء دو سال کو محبت و فراق کا خاص موسم قرار دیتا ہوں۔ جس سر میں محبت کا سودا سماتا ہے اس کی حالت کسی سے مخفی نہیں۔ پس علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ ان دنوں حضرت مرزا قادیانی کے دل محبت منزل پر کیا گزر رہی تھی۔ عربی میں ضرب المثل ہے۔ **الانسان حریص علی مامنع** (جس کام سے انسان کو روکا جائے، اسی کی طرف اسی کا زیادہ میلان ہوتا ہے) یہ مثل مرزا

قادیانی پر خوب صادق آتی ہے۔لڑکی کے اقربا کی طرف سے جتنا زیادہ انکار و اعراض ہوتا تھا اسی قدر مرزا قادیانی کی شراب آرزو دو آتشہ اور سہ آتشہ ہوتی جارہی تھی۔آخر وہ وقت آ گیا جبکہ دل کی بے کلی ساعت بساعت بڑھنے لگی اور زمام صبر و شکیب ہاتھ سے چھوٹتی نظر آئی۔

رباعی

عمرے بشکیب می ستودم خود را
در شیوۂ صبر می نمودم خود را
چوں عشق آمد ، کدام صبر و چہ شکیب؟
المنتہ لِلّٰہ آزمودم خود را

کامیابی کے مسلسل الہامی وعدوں کے باوجود مرزا قادیانی نے حصول مقصد کے لیے جدوجہد کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ترغیب و ترہیب، چاپلوسی اور سختی کے تمام سرد و گرم ذرائع استعمال کیے۔اس سلسلہ میں مرزا قادیانی نے

1- لڑکی کے ان اقرباء کے نام خطوط بھیجے جن کے ہاتھ میں کامیابی کی کلید تھی۔
2- لڑکی کے منگیتر مرزا سلطان محمد متوطن قصبہ پٹی ضلع لاہور کے نام تہدید آمیز چٹھیاں لکھ کر خواہش کی کہ تم اس نسبت و ناطہ سے انکار کردو۔
3- جو لوگ اس کام میں کوشاں تھے ان کی مٹھیاں گرم کیں یا گرم کرنے کا وعدہ کیا۔اب ہر بیان کو جداگانہ عنوان کے ماتحت درج کیا جاتا ہے۔

مراسلات بنام اقربائے مطلوبہ

مرزا علی شیر بیگ مسیح قادیاں کے حقیقی ماموں زاد بھائی تھے۔مسیح صاحب کی پہلی بیوی یعنی والدۂ مرزا سلطان احمد و فضل احمد جنھیں مسیح صاحب نے کئی سال سے معلقہ کر رکھا تھا یعنی نہ طلاق دیتے تھے اور نہ گھر میں رکھتے تھے۔انہی کی مظلومہ بہن تھیں۔ان دوہری قرابتوں کے علاوہ مرزا علی شیر بیگ مرزا قادیانی کے سمدھی یعنی فضل احمد کے خسر بھی تھے۔فضل احمد کی بیوی کا نام عزت بی بی تھا۔عزت بی بی کی والدہ یعنی مرزا علی شیر بیگ کی بیوی مرزا احمد بیگ کی حقیقی ہمشیرہ تھیں۔چونکہ مرزا قادیانی نے مرزا علی شیر بیگ کی بہن کو گھر سے علیحدہ کر کے میکے چلے جانے اور اسی جگہ بے کسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر رکھا تھا اور منکوحہ ہونے کے باوجود تعلقات زناشوی اور نان نفقہ دینے سے اجتناب تھا' اس لیے مرزا علی شیر بیگ اور ان کی بیوی اور دوسرے اقرباء مرزا قادیانی سے سخت ناخوش تھے چونکہ مرزا قادیانی کا خیال تھا کہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ مرزا علی شبیر بیگ اور ان کی بیوی کے ناخن تدبیر سے حل ہوسکتا ہے۔اس لیے مرزا

قادیانی نے باہمی ناچاقی اور ناراضی کے باوجود پہلے ان دونوں کو اور پھر مرزا احمد بیگ کے نام تہدیدی خطوط لکھے۔ قاضی فضل احمد صاحب لدھیانوی نے اپنی کتاب ''کلمہ فضل رحمانی'' کے صفحات 123-128 پر یہ خطوط درج کیے ہیں۔ یہ چٹھیاں مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے پاس تھیں۔ شیخ نظام الدین پنشنر ساکن راہوں نے ان سے حاصل کر کے اپنے دوست قاضی فضل احمد سابق کورٹ انسپکٹر کو دے دیں اور قاضی صاحب نے ان کو کلمہ فضل رحمانی میں زیب رقم کر دیا۔ (کلمہ فضل رحمانی، ص 123) یہ خطوط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

پہلا خط سمدھی کے نام

مرزا قادیانی نے اپنے سمدھی مرزا علی شیر بیگ کے نام جو محمدی بیگم کے پھوپھا تھے بتاریخ 4 مئی 1891ء یہ خط لدھیانہ سے جہاں مسیح قادیاں ان دنوں قیام فرماتے تھے لکھا۔ ''مشفقی مرزا علی شیر بیگ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمتہ اللہ! اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ کو آپ سے کسی طرح سے فرق نہ تھا اور میں آپ کو ایک غریب طبع اور نیک خیال آدمی اور اسلام پر قائم سمجھتا ہوں۔ لیکن اب جو آپ کو ایک خبر سناتا ہوں آپ کو اس سے بہت رنج گزرے گا۔ مگر میں للہ ان لوگوں سے تعلق چھوڑنا چاہتا ہوں جو مجھے ناچیز بتاتے ہیں اور دین کی پرواہ نہیں رکھتے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے بارے میں ان لوگوں کے ساتھ کس قدر میری عداوت ہو رہی ہے۔ اب میں نے سنا ہے کہ عید کی دوسری یا تیسری تاریخ کو اس لڑکی کا نکاح ہونے والا ہے اور آپ کے گھر کے لوگ اس مشورہ میں شامل ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس نکاح کے شریک میرے سخت دشمن ہیں بلکہ میرے کیا دین اسلام کے سخت دشمن ہیں۔ عیسائیوں کو ہنسانا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ اور رسول کے دین کی کچھ بھی پرواہ نہیں رکھتے اور اپنی طرف سے میری نسبت ان لوگوں نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو خوار و ذلیل کیا جائے، روسیاہ کیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ایک تلوار چلانے لگے ہیں۔ اب مجھ کو بچا لینا اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر میں اس کا ہوں گا تو ضرور بچا لے گا۔ اگر آپ کے گھر کے لوگ سخت مقابلہ کر کے اپنے بھائی کو سمجھاتے تو کیوں نہ سمجھ سکتا۔ کیا میں چوہڑا یا چمار تھا جو مجھ کو لڑکی دینا عار یا ننگ تھی بلکہ وہ تو اب تک ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور اپنے بھائی کے لیے مجھے چھوڑ دیا اور اب اس لڑکی کے نکاح کے لیے سب ایک ہو گئے۔ یوں تو مجھے کسی کی لڑکی سے کیا غرض کہیں جائے مگر یہ آزمایا گیا کہ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور جن کی لڑکی کے لیے چاہتا تھا کہ اس کی اولاد ہو اور وہ میری وارث ہو وہی میرے خون کے پیاسے، وہی میری عزت کے پیاسے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ خوار ہو اور اس کا روسیاہ ہو۔ خدا بے نیاز ہے جس کو چاہے روسیاہ کرے مگر اب تو وہ مجھے آگ میں ڈالنا چاہتے ہیں میں نے خط لکھے کہ پرانا رشتہ مت توڑو۔ خدائے تعالیٰ سے خوف کرو کسی نے جواب نہ دیا بلکہ میں نے سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے جوش میں آکر کہا کہ ہمارا کیا رشتہ ہے؟ صرف عزت بی بی

کے لیے فضل احمد کے گھر میں ہے۔ بے شک وہ طلاق دے دے ہم راضی ہیں ہم نہیں جانتے کہ یہ شخص کیا بلا ہے۔ ہم اپنے بھائی کے خلاف مرضی نہ کریں گے۔ یہ شخص کہیں مرتا بھی نہیں۔ پھر میں نے رجسٹری کرا کر آپ کی بیوی صاحبہ کے نام خط بھیجا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا اور بار بار کہا کہ اس سے ہمارا کیا باقی رہ گیا جو چاہے سو کر لے۔ ہم اس کے لیے اپنے خویشوں سے اپنے بھائیوں سے جدا نہیں ہو سکتے۔ مرتا مرتا رہ گیا کہیں مرا بھی ہوتا یہ باتیں آپ کی بیوی کی مجھے پہنچی ہیں۔ بے شک میں ناچیز ہوں، ذلیل ہوں، خوار ہوں مگر خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں میری عزت ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اب جب میں ایسا ذلیل ہوں تو میرے بیٹے سے تعلق رکھنے کی کیا حاجت ہے، لہٰذا میں نے ان کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے کہ اگر آپ اپنے ارادہ سے باز نہ آئیں اور اپنے بھائی کو اس نکاح سے روک نہ دیں پھر جیسا کہ آپ کی خود منشا ہے۔ میرا بیٹا فضل احمد بھی آپ کی لڑکی اپنے نکاح میں رکھ نہیں سکتا بلکہ ایک طرف جب محمدی کا کسی شخص سے نکاح ہوگا تو دوسری طرف سے فضل احمد آپ کی لڑکی کو طلاق دے دے گا۔ اگر نہیں دے گا تو میں اس کو عاق اور لاوارث کر دوں گا۔ اگر میرے لیے احمد بیگ سے مقابلہ کرو گے اور یہ ارادہ اس کا بند کرا دو گے تو میں بدل و جان حاضر ہوں اور فضل احمد کو جو اب میرے قبضے میں ہے ہر طرح سے درست کر کے آپ کی لڑکی کی آبادی کے لیے کوشش کروں گا اور میرا مال ان کا مال ہوگا لہٰذا آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ اس وقت کو سنبھال لیں اور احمد بیگ کو پورے زور سے خط لکھیں کہ باز آ جائے اور اپنے گھر کے لوگوں کو تاکید کر دیں کہ وہ بھائی کو لڑائی کر کے روک دیں ورنہ مجھے خدائے تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب ہمیشہ کے لیے یہ تمام رشتے ناطے توڑ دوں گا۔ اگر فضل احمد میرا فرزند اور وارث بننا چاہتا ہے تو اسی حالت میں آپ کی لڑکی کو گھر میں رکھے گا۔ جب آپ کی بیوی کی خوشی ثابت ہو ورنہ جہاں میں رخصت ہوا ایسا ہی سب رشتے ناطے ٹوٹ گئے۔ یہ باتیں خطوں کی معرفت مجھے معلوم ہوئی ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کہاں تک درست ہیں۔ واللہ اعلم۔ راقم خاکسار غلام احمد از لدھیانہ اقبال گنج 2 مئی 1891ء۔"

دوسرا خط محمدی بیگم کی پھوپھی کے نام

اسی تاریخ کو مرزا قادیانی نے یہ خط مرزا علی شیر بیگ کی بیوی کے نام لکھ بھیجا جو محمدی بیگم کی پھوپھی تھیں۔ "والدہ عزت بی بی کو معلوم ہو کہ مجھ کو خبر پہنچی ہے کہ چند روز میں محمدی (مرزا احمد بیگ کی لڑکی) کا نکاح ہونے والا ہے اور میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا چکا ہوں کہ اس نکاح سے رشتہ ناطے توڑ دوں گا اور کوئی تعلق نہیں رہے گا اس لیے نصیحت کی راہ سے لکھتا ہوں کہ اپنے بھائی مرزا احمد بیگ کو سمجھا کر یہ ارادہ موقوف کراؤ اور جس طرح تم سمجھا سکتی ہو اس کو سمجھاؤ اور اگر ایسا نہ ہوگا تو آج میں نے مولوی نورالدین صاحب اور فضل احمد کو خط لکھ دیا ہے کہ اگر تم اس ارادہ سے باز نہ آؤ تو فضل احمد عزت بی بی کے لیے طلاق نامہ لکھ کر بھیج دے اور اگر فضل احمد طلاق نامہ لکھنے میں عذر کرے تو اس کو عاق کیا جائے اور اپنے بعد اس کو

وارث نہ سمجھا جائے اور ایک پیسہ اس کو وراثت کا نہ ملے، سو امید رکھتا ہوں کہ شرطی طور پر اس کی طرف سے طلاق نامہ لکھا آ جائے گا جس کا یہ مضمون ہوگا کہ اگر مرزا احمد بیگ محمدی کا نکاح غیر کے ساتھ کرنے سے باز نہ آئے تو پھر اسی روز سے جو محمدی کا کسی اور سے نکاح ہو جائے۔ عزت بی بی کو تین طلاق ہیں، سو اس طرح پر لکھنے سے اس طرف تو محمدی کا کسی دوسرے سے نکاح ہوگا اور اس طرف عزت بی بی پر فضل احمد کی طلاق پڑ جائے گی سو یہ شرطی طلاق ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ اب بجز قبول کرنے کے کوئی راہ نہیں اور اگر فضل احمد نے نہ مانا تو میں فی الفور اس کو عاق کر دوں گا اور پھر وہ میری وراثت سے ایک دانہ نہیں پا سکتا اور اگر آپ اس وقت اپنے بھائی کو سمجھا لو تو آپ کے لیے بہتر ہوگا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں عزت بی بی کی بہتری کے لیے ہر طرح سے کوشش چاہتا تھا اور میری کوشش سے سب نیک بات ہو جاتی ہے۔ مگر آدمی پر تقدیر غالب ہے۔ یاد رہے کہ میں نے کوئی بات کچی نہیں لکھی۔ مجھے قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں ایسا ہی کروں گا اور خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے جس دن نکاح ہوگا اسی دن عزت بی بی کا نکاح باقی نہ رہے گا۔ (راقم، مرزا غلام احمد از لدھیانہ، اقبال گنج، 4 مئی 1891ء)

تیسرا خط بہو کی طرف سے سمدھن کے نام

انہی کے ساتھ مرزا قادیانی نے ایک خط بہو کی طرف سے اس کی ماں کی طرف بھی بھجوایا' جو محمدی بیگم کی پھوپھی تھیں۔ اس کا یہ مضمون تھا۔ ''منجانب عزت بی بی بنام والدہ۔ اس وقت میری بربادی اور تباہی کی طرف خیال کرو۔ مرزا صاحب کسی طرح مجھ سے فرق نہیں کرتے (یعنی حسن سلوک سے پیش آتے ہیں) اگر تم اپنے بھائی (مرزا احمد بیگ) کو سمجھاؤ تو سمجھا سکتی ہو۔ ورنہ طلاق ہوگی اور ہزار طرح کی رسوائی ہوگی۔ اگر منظور نہیں تو خیر جلد مجھے اس جگہ سے لے جاؤ پھر میرا اس جگہ ٹھہرنا مناسب نہیں۔'' اس خط پر مرزا قادیانی نے اپنے قلم سے یہ لکھا ''جیسا کہ عزت بی بی نے تاکید سے کہا ہے کہ اگر نکاح رک نہیں سکتا تو بلا توقف عزت بی بی کے لیے قادیاں سے کوئی آدمی بھیج دو تاکہ اس کو لے جائے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہو بھی قادیاں سے لدھیانہ گئی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ان تینوں خطوط سے مرزا قادیانی پر کتنے الزام قائم ہوتے ہیں۔ خدائے قدوس پر افتراء، قطع رحمی، ظلم، ظلم کو قسم کے ساتھ موکد کرنا، جھوٹی قسم کھانا، بے گناہ سے مواخذہ، طلاق بدعی کا حکم، وارث شرعی کو محروم الارث کرنے کی کوشش، الہام بنا لینا وغیرہ۔

چوتھا خط بنام مرزا احمد بیگ

مرزا قادیانی نے متذکرہ صدر خطوط کے قریباً ڈھائی مہینہ بعد یعنی 17 جولائی 1891ء کو ایک خط لڑکی کے والد مرزا احمد بیگ کے نام بدیں الفاظ روانہ کیا۔

''مشفقی مکرمی! اخویم مرزا احمد بیگ صاحب سلمہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ۔ قادیاں

میں جب واقعہ ہائلہ محمود فرزنداں مکرم کی خبر سنی تھی تو بہت درد اور رنج اور غم ہوا لیکن بوجہ اس کے یہ عاجز بیمار تھا اور خط نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس لیے عزا پرسی سے مجبور رہا۔ صدمہ وفات فرزنداں حقیقت میں ایک ایسا صدمہ ہے کہ شاید اس کے برابر دنیا میں اور کوئی صدمہ نہ ہوگا۔ خصوصاً بچوں کی ماؤں کے لیے تو سخت مصیبت ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ آپ کو صبر بخشے اور اس کا بدل صاحب عمر عطا فرمائے اور عزیزی مرزا محمد بیگ کو عمر دراز بخشے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی بات اس کے آگے انہونی نہیں۔ آپ کے دل میں گو اس عاجز کی نسبت کچھ غبار ہو لیکن خداوند علیم جانتا ہے کہ اس عاجز کا دل بکلی صاف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میں کس طریق اور کن لفظوں میں بیان کروں تا میرے دل کی محبت اور خلوص ہمدردی جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے آپ پر ظاہر ہو جائے۔ مسلمانوں کے ہر ایک نزاع کا آخری فیصلہ قسم پر ہوتا ہے۔ جب ایک مسلمان خدا تعالیٰ کی قسم کھا جاتا ہے تو دوسرا مسلمان اس کی نسبت فی الفور دل صاف کر لیتا ہے۔ ہمیں خدائے تعالیٰ قادر مطلق کی قسم مجھے الہام ہوا تھا کہ آپ کی دختر کلاں کا رشتہ اس عاجز سے ہوگا اگر دوسری جگہ ہوگا تو خدا تعالیٰ کی تنبیہیں وارد ہوں گی اور آخر اسی جگہ ہوگا کیونکہ آپ میرے عزیز اور پیارے تھے اس لیے میں نے عین خیر خواہی سے آپ کو جتلایا کہ دوسری جگہ اس رشتے کا کرنا ہرگز مبارک نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم طبع ہوتا جو آپ پر ظاہر نہ کرتا اور میں اب بھی عاجزی اور ادب سے آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ اس رشتے سے آپ انحراف نہ فرمائیں کہ یہ آپ کی لڑکی کے لیے نہایت درجہ موجب برکت ہوگا اور خدا تعالیٰ ان برکتوں کا دروازہ کھولے گا جو آپ کے خیال میں نہیں، کوئی غم اور فکر کی بات نہیں ہوگی۔ جیسا کہ یہ اس کا حکم ہے جس کے ہاتھ میں زمین و آسمان کی کنجی ہے تو پھر کیوں اس میں خرابی ہوگی اور آپ کو شاید معلوم ہوگا یا نہیں کہ یہ پیشگوئی اس عاجز کی ہزار ہا لوگوں میں مشہور ہو چکی ہے اور میرے خیال میں شاید دس لاکھ سے زیادہ آدمی ہوگا، جو اس پیش گوئی پر اطلاع رکھتا ہے اور ایک جہان کی اس طرف نظر لگی ہوئی ہے اور ہزاروں پادری شرارت سے نہیں بلکہ حماقت سے منتظر ہیں کہ یہ پیشگوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔ لیکن یقیناً خدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا اور اپنے دین کی مدد کرے گا۔ میں نے لاہور میں جا کر معلوم کیا کہ ہزاروں مسلمان مساجد میں نماز کے بعد اس پیش گوئی کے ظہور کے لیے بصدق دل دعا کرتے ہیں۔ سو یہ ان کی ہمدردی اور محبت ایمانی کا تقاضا ہے اور یہ عاجز جیسے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پر ایمان لایا ہے ویسے ہی خدا تعالیٰ کے ان الہامات پر جو تواتر سے اس عاجز پر ہوئے، ایمان لاتا ہے اور آپ سے ملتمس ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے لیے معاون بنیں تا کہ خدا تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں، خدا تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑائی نہیں کر سکتا اور جو امر آسمان پر ٹھہر چکا ہے زمین پر وہ ہرگز نہیں بدل سکتا۔ خدا تعالیٰ آپ کو دین اور دنیا کی برکتیں عطا کرے اور اب آپ کے دل میں وہ بات ڈالے جس کا اس نے آسمان پر سے مجھے الہام کیا ہے۔ آپ کے سب غم دور ہوں اور دین و دنیا دونوں آپ کو

خدائے تعالیٰ عطا فرمائے۔ اگر میرے اس خط میں کوئی ناملائم لفظ ہو تو معاف فرمائیں۔ والسلام (خاکسار احقر عباداللہ غلام احمد عفی عنہ، 17 جولائی 1892ء بروز جمعہ) مرزا قادیانی نے اس چٹھی کی جو مرزا احمد بیگ کے نام روانہ کی تھی ایک اشتہار میں خود تصدیق فرمائی ہے یہ اشتہار 10 جولائی 1888ء کو شائع کیا تھا۔ اس کا عنوان تھا ''ایک پیش گوئی پیش از وقوع کا اشتہار'' اس کی پیشانی پر یہ دو شعر درج تھے۔

پیش گوئی کا جب انجام ہویدا ہوگا
قدرت حق کا عجب ایک تماشا ہوگا
جھوٹ اور سچ میں جو ہے فرق وہ پیدا ہوگا
کوئی پا جائے گا عزت کوئی رسوا ہوگا

اس کے بعد لکھا تھا کہ اخبار ''نور افشاں'' مورخہ 10 مئی 1888ء میں جو اس راقم کا ایک خط متضمن درخواست نکاح چھاپا گیا ہے اس خط کو صاحب اخبار نے اپنے پرچہ میں درج کر کے عجیب طرح کی زبان درازی کی ہے۔ یہ خط محض ربانی اشارہ سے لکھا گیا تھا۔ ایک مدت دراز سے بعض سرکردہ اور قریبی رشتہ دار مکتوب الیہ کے جن کی حقیقی ہمشیرہ زادی کی نسبت درخواست کی گئی تھی' نشان آسمانی کے طالب تھے یہ لوگ مجھ کو میرے دعوئے الہام میں مکار اور دروغ گو خیال کرتے تھے اور مجھ سے کوئی نشان آسمانی مانگتے تھے۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 111)

پانچواں خط بنام مرزا احمد بیگ

ایک اور اہم چٹھی جو خود مرزا قادیانی نے ''آئینہ کمالات'' (ص 573-574) میں درج کی ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔ تب میں نے حق تعالیٰ کے ایماء اور اشارے سے مرزا احمد بیگ کے نام ایک چٹھی لکھی جس میں لکھا کہ ''اے عزیز سنئے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ میری سنجیدہ عرضداشت کو لغو خیال کرتے ہیں اور میری بات کا اعتبار نہیں کرتے۔ بخدا میں آپ کو کسی طرح سے تکلیف دینا نہیں چاہتا۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کے ساتھ کس قدر احسان کرتا ہوں۔ اگر آپ نے میرے خاندان کے خلاف مرضی میری درخواست کو شرف قبول بخشا تو میں آپ سے قسمی وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنی زمین اور باغ میں سے آپ کو حصہ دوں گا اور اس رشتہ کی وجہ سے آپس کی نزاع رفع ہو جائے گی۔ اگر میری بات مان لی تو آپ مجھ پر مہربانی اور احسان کریں گے اور میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اور آپ کی درازی عمر کے لیے درگاہ خداوندی میں دعا کروں گا اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی صاحبزادی کو اپنی زمین اور دوسرے مملوکات کی تہائی کا مالک بنا دوں گا اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے میں آپ کو دوں گا۔ ایسی حالت میں صلہ رحمی، عزیزوں سے محبت اور حقوق قرابت کی نگہداشت میں آپ کو مجھ جیسا کوئی شخص نہ مل سکے گا۔ آپ مجھے اپنی مشکلات میں اپنا معاون و دستگیر پائیں گے۔ آپ کے ہر بوجھ کو اٹھاؤں گا۔ اس

لیے انکار میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے اور شک وشبہ کو راہ نہ دیجئے۔ میں یہ خط اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔ یہ خط بڑے سچے اور امین کی طرف سے ہے۔ اس کو اپنے صندوق میں محفوظ رکھئے۔ حق تعالیٰ گواہ ہے کہ میں اس بیان میں صادق ہوں اور جو کچھ میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا بلکہ جو کچھ کہا ہے حق تعالیٰ نے مجھ سے اپنے الہام سے کہلوایا ہے۔ یہ مجھے میرے رب کی وصیت تھی جسے میں نے پورا کیا۔ ورنہ مجھے آپ کی یا آپ کی لڑکی کی کچھ ضرورت نہیں تھی۔ اگر اس الہام کی مدت گزر جائے اور سچائی ظاہر نہ ہوتو میرے گلے میں رسی اور پاؤں میں زنجیر ڈال دینا اور مجھے ایسی سزا دینا کہ دنیا میں کسی کو نہ دی گئی ہو۔''

(عربی تحریر کا خلاصۂ مفہوم)

مرزا سلطان محمد کے نام تہدیدی خطوط کا سلسلہ

مندرجہ بالا خطوط کے علاوہ مرزا قادیانی نے لڑکی کے منگیتر مرزا سلطان محمد کے نام بھی بہت سے خطوط لکھے اور اسے ڈرایا، دھمکایا کہ اگر تم نکاح کرو گے تو تم پر خدا کا قہر نازل ہوگا اور تم فنا و برباد ہو جاؤ گے اور یہ نکاح تمھارے حق میں سخت زبون ہوگا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ''احمد بیگ کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پرواہ نہ کی۔ خط پر خط بھیجے گئے۔ ان سے کچھ نہ ڈرا، پیغام بھیج کر سمجھایا گیا۔ کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور احمد بیگ سے ترک نہ چاہا بلکہ وہ سب گستاخی اور استہزا میں شریک ہوئے۔ سو یہی قصور تھا کہ پیشگوئی کو سن کر پھر ناطہ کرنے پر راضی ہوئے۔''

(تبلیغ رسالت، جلد 3، ص 166)

زر پاشی کی قوت تسخیر سے حصول مقصد کی جدوجہد

زر کی قوت تسخیر تمام حربوں سے زیادہ زبردست مانی گئی ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

اے زر تو خدا نہ ای و لیکن بخدا

ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

معلوم ہوتا ہے کہ مرزا قادیانی نے زر پاشی سے بھی مطلب براری کی بہت کچھ کوشش فرمائی تھی۔ چنانچہ میاں بشیر احمد صاحب کا مندرجہ ذیل بیان اس حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ ''ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود جالندھر جا کر قریباً ایک ماہ ٹھہرے تھے۔ ان ایام میں محمدی بیگم کے ایک حقیقی ماموں نے محمدی بیگم کا حضرت صاحب سے رشتہ کرا دینے کی کوشش کی تھی مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے کہ ابھی محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے رشتہ نہیں ہوا تھا۔ محمدی بیگم کا یہ ماموں جالندھر اور ہوشیار پور کے درمیان یکے پر آیا جایا کرتا تھا اور وہ مرزا قادیانی سے کچھ انعام کا بھی خواہاں تھا اور چونکہ محمدی بیگم کے نکاح کا عقدہ

زیادہ تر اسی شخص کے ہاتھ میں تھا۔ اس لیے حضرت (مرزا) صاحب نے اس سے کچھ انعام کا وعدہ بھی کر لیا تھا۔ مگر یہ شخص اس معاملہ میں بدنیت تھا کیونکہ بعد میں یہی شخص اور اس کے دوسرے ساتھی اس لڑکی کے دوسری جگہ بیاہے جانے کا موجب ہوئے۔ مگر حضرت (مرزا) صاحب نے بھی اس شخص کو روپیہ دینے کے متعلق بعض حکیمانہ احتیاطیں (پالیسیاں اور چالیں) ملحوظ رکھی ہوئی تھیں۔''

(سیرۃ المہدی، جلد اول، ص 174)

محمدی بیگم کے حصول کے لیے مرزا قادیانی اور ان کی بیوی کی دعائیں

محمدی بیگم کے حصول کے لیے مرزا قادیانی نے جہاں ایک طرف ظاہری جدوجہد کی دھما چوکڑی مچا رکھی تھی تو دوسری طرف باطنی اور روحانی تدابیر سے بھی غافل نہ تھے۔ چونکہ جماعت کے وقار اور آبرو کا سوال تھا۔ اس لیے نہ صرف خود مرزا قادیانی ہر وقت بارگاہ رب العالمین میں سربسجود تھے بلکہ ساری مرزائی جماعت بھی شبانہ روز دست بدعا تھی اور تو اور حسب زعم مرزا بشیر احمد خود مرزا قادیانی کی اہلیہ محترمہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ بھی اپنی آسمانی سوکن کے نزول اور اس کی جلوہ نمائی کے لیے بے قرار تھیں اور منتیں مانتی اور گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھیں۔ چنانچہ ان کے فرزند ارجمند میاں بشیر احمد صاحب ایم اے ''سیرۃ المہدی'' میں رقم طراز ہیں۔ ''ایک نکاح کے متعلق حضرت کی پیش گوئی کے پورا ہونے کے لیے حضرت کی بیوی مکرمہ نے بار بار رو رو کر دعائیں کی ہیں۔ ایک روز یہی دعا مانگ رہی تھیں تو حضرت نے پوچھا کہ آپ کیا دعا مانگتی ہیں؟ جواب دیا یہ مانگ رہی ہوں (کہ محمدی بیگم آپ کو ملے) مرزا قادیانی نے فرمایا کہ سوکن کا آنا تمھیں کیونکر پسند ہے؟ کہا کچھ ہی کیوں نہ ہو مجھے اس بات کا پاس ہے کہ آپ کے منہ کی نکلی ہوئی بات (کسی طرح) پوری ہو جائے۔'' (سیرۃ المہدی، جلد اول، ص 259) اگر میاں بشیر احمد کی یہ روایت صحیح ہے تو میرا خیال ہے کہ یہ سب تقیہ تھا۔

مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کے انتقال کی پیشین گوئی

مرزا قادیانی نے اپنی پیشین گوئیوں کو بھی اپنے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ ایک اشتہار میں لکھا تھا۔ ''بد خیال لوگوں کو واضح ہو کہ ہمارا صدق و کذب جانچنے کے لیے ہماری پیش گوئی سے بڑھ کر کوئی محک امتحان نہیں ہو سکتا''۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، صفحہ 118) اس بنا پر حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ نے مرزا صاحب کی سینکڑوں ہزاروں پیشین گوئیوں میں سے کبھی ایک پیشین گوئی کو بھی پورا نہ ہونے دیا۔ گو عجب نہیں کہ بعض ایسی پیشین گوئیاں پوری ہو گئی ہوں کہ قرائن حالیہ ان کے ظہور کے مؤید تھے۔ لیکن میں ایسی پیشین گوئیوں کے دائرہ حدود سے خارج سمجھتا ہوں کیونکہ شواہد و قرائن کی موجودگی میں تو زید عمرو بکر ہر شخص پیشین گوئی کر سکتا ہے۔ مثلاً راج پال جس نے 1928ء میں غازی علم دین شہید کے ہاتھوں لاہور

میں زندگی کی رسوائی سے نجات پائی تھی' اس کے قتل کی نہ صرف خاکسار راقم الحروف نے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی پیشین گوئی کر رکھی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ البتہ مرزا احمد بیگ کے انتقال کی پیشین گوئی ایسی ہے جس کے متعلق مرزائیوں کا دعویٰ ہے کہ پوری ہوگئی اور اس پر وہ بہت کچھ اترایا کرتے ہیں۔ اس لیے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہوا۔ پیشین گوئی کے الفاظ یہ تھے۔ ''اس لڑکی کا والد (مرزا احمد بیگ) ایک ضروری کام کے لیے ہماری طرف ملتجی ہوا۔ نام بردہ (مرزا احمد بیگ) کی ایک ہمشیرہ ہمارے ایک چچازاد بھائی غلام حسین نامی کو بیاہی گئی تھی۔ غلام حسین عرصہ پچیس سال سے کہیں چلا گیا اور مفقود الخبر ہے۔ اس کی زمین جس کا حق (انگریزی قانون کی رو سے) ہمیں بھی پہنچتا ہے نام بردہ (مرزا احمد بیگ) کی ہمشیرہ کے نام کے کاغذات سرکاری میں درج کرادی گئی تھی۔ اب حال کے بندوبست میں جو ضلع گورداسپور میں جاری ہے نامبردہ یعنی ہمارے خط کے مکتوب الیہ (مرزا احمد بیگ) نے اپنی ہمشیرہ کی اجازت سے یہ چاہا کہ وہ زمین جو چار پانچ ہزار روپے قیمت کی ہے اپنے بیٹے محمد بیگ کے نام بطور ہبہ منتقل کرادیں۔ چنانچہ ان کی ہمشیرہ کی طرف سے یہ ہبہ نامہ لکھا گیا۔ چونکہ (انگریزی قانون کی رو سے) وہ ہبہ نامہ بغیر ہماری رضامندی کے بیکار تھا۔ اس لیے مکتوب الیہ (مرزا احمد بیگ) نے بتمام تر عجز و انکسار ہماری طرف رجوع کیا تاکہ ہم راضی ہوکر اس ہبہ نامہ پر دستخط کردیں اور قریب تھا کہ دستخط کردیتے لیکن یہ خیال آیا کہ ایک مدت سے بڑے بڑے کاموں میں ہماری عادت ہے کہ جناب الٰہی میں استخارہ کرلینا چاہیے۔ وہ استخارہ کیا تھا گویا آسمانی نشان کی درخواست کا وقت آپہنچا تھا' جس کو خدائے تعالیٰ نے اس پیرائے میں ظاہر کردیا۔ اس خدا قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس شخص (مرزا احمد بیگ) کی دختر کلاں (محمدی بیگم) کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت تم سے اسی شرط پر کیا جائے گا۔ اور یہ نکاح تمھارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے' جو اشتہار 20 فروری 1886ء میں درج ہے لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔ اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی' وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک اور ایسا ہی والد اُس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی اور درمیانی زمانہ میں بھی اس دختر کے لیے کئی کراہت اور غم کے امر پیش آئیں گے۔ پھر ان دنوں میں جو زیادہ تصریح اور تفصیل کے لیے بار بار توجہ کی گئی تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے یہ مقرر کر رکھا ہے کہ وہ مکتوب الیہ (احمد بیگ) کی دختر کلاں کو ہر ایک روک دور کرنے کے بعد انجام کار اسی عاجز کے نکاح میں لادے گا۔ اس بارہ میں یہ الہام ہوا ہے۔ ''انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور وہ پہلے سے ہنسی کر رہے تھے سو خدائے تعالیٰ ان سب کے تدارک کے لیے جو اس کام کو روک رہے ہیں تمھارا مددگار ہوگا اور انجام کار اس کی اس لڑکی کو تمھاری طرف واپس لائے گا۔ کوئی نہیں جو خدا کی باتوں کو ٹال سکے۔ گو اول میں احمق اور نادان لوگ

بدباطنی اور بدظنی کی راہ سے بدگوئی کرتے ہیں لیکن آخر خدائے تعالیٰ کی مدد کو دیکھ کر شرمندہ ہوں گے اور سچائی کے کھلنے سے چاروں طرف سے تعریف ہوگی''۔ (تبلیغ رسالت جلد اول' ص 115-117)

ساتوں پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں

مرزا قادیانی کا یہ بیان سات پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔

1- مرزا صاحب سے نکاح نہ ہوا تو لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا۔

2- لڑکی کا شوہر ڈھائی سال تک مر جائے گا۔

3- مرزا احمد بیگ (لڑکی کا باپ) تین سال تک یعنی لڑکی کے شوہر کی وفات کے چھ مہینے بعد دنیا سے گزر جائے گا۔

4- محمدی بیگم ہر مانع کے دُور ہونے کے بعد انجام کار مرزا صاحب سے بیاہی جائے گی۔

5- جو لوگ محمدی بیگم کے ساتھ مرزا صاحب کے نکاح میں مزاحم ہیں خدا خود ان کی مدافعت کر کے مرزا صاحب کی مدد کرے گا۔

6- بدگوئی کرنے والے خدا کی امداد کو دیکھ کر شرمسار ہوں گے۔

7- شادی ہو جانے کے بعد مرزا صاحب کی ہر طرف تعریف و توصیف ہوگی۔

ظاہر ہے کہ ان سات پیشین گوئیوں میں سے مرزا صاحب کی کوئی بات بھی پوری نہیں ہوئی۔ یہ صحیح ہے کہ مرزا احمد بیگ نے پیشین گوئی کے چھ مہینہ بعد انتقال کیا لیکن اگر اس حادثہ مرگ میں مرزا صاحب کی پیشین گوئی کو کوئی دخل ہوتا تو مرزا احمد بیگ کو اپنے داماد کے بعد انتقال کرنا چاہیے تھا۔ حالانکہ محمدی بیگم کا شوہر سلطان محمد آج تک زندہ موجود ہے۔

داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل دیا

محمدی بیگم سے شادی ہونے کا اولین تذکرہ 20 فروری 1886ء کے اشتہار کے حاشیہ پر پایا جاتا ہے۔ (دیکھو تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 61) مرزا صاحب نے اس کے قریباً ڈھائی سال بعد اس پیشین گوئی کی تفصیل 10 جولائی 1888ء کے اس اشتہار میں درج کی جو اوپر قلم بند ہوا یعنی وہ اعلان جو سات جھوٹی پیشین گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان دونوں اشتہاروں میں مرزا احمد بیگ کے داماد کی موت کا تذکرہ پہلے تھا جس کی مدت ڈھائی سال بتائی تھی۔ اس کے بعد مرزا احمد بیگ کی وفات کا ذکر تھا جس کی میعاد تین سال تھی۔ یہ ترتیب صاف بتا رہی ہے کہ پہلے داماد کو مرنا تھا اور اس کے بعد خسر کے رخت سفر باندھنے کی تیاری تھی لیکن جب قضائے کردگار سے 1892ء کے اواخر میں مرزا احمد بیگ کا انتقال ہو گیا تو مرزا صاحب نے اس کے بعد کتاب ''شہادۃ القرآن'' میں جو 22 دسمبر 1893ء کو شائع ہوئی داماد اور خسر کے مرنے کی ترتیب کو بدل

دیا۔ یعنی مرزا احمد بیگ کی وفات کو اول اور مرزا سلطان محمد کے انتقال کو دوسرے درجہ پر کیا تا کہ لوگ سابقہ الہاموں کی اس ترتیب کو بھول جائیں، جن میں داماد کے مرنے کو مقدم اور خسر کی موت کو موخر رکھا تھا۔ چنانچہ مرزا صاحب کی ہوشیاری ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔ ''وہ پیش گوئی جو مسلمان قوم سے تعلق رکھتی ہے بہت ہی عظیم الشان ہے کیونکہ اس کے اجزاء یہ ہیں کہ

1- مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری تین سال کی میعاد کے اندر فوت ہو۔

2- اور پھر داماد اس کا جو اس کی دختر کلاں کا شوہر ہے اڑھائی سال کے اندر فوت ہو''۔ (شہادۃ القرآن مولفہ مرزا غلام احمد صاحب صفحہ 81)

حالانکہ پہلے الہاموں اور اعلانوں کی رُو سے داماد کو پہلے رخصت ہونا چاہیے تھا۔ اور اگر اربابِ قادیاں کے پاسِ خاطر سے مرزا صاحب کی قائم کی ہوئی ترتیب کا لحاظ نہ رکھا جائے تو بھی پیشین گوئی سچی نہیں سمجھی جا سکتی کیونکہ پانچ سات باتوں میں سے ایک آدھ بات تو اوباشوں اور بازاری لفنگوں کی بھی پوری ہو جاتی ہے۔ رمال اور جوتشی بھی بہت سی باتیں بتا جایا کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پوری ہو جاتی ہے۔ اور ہر شخص اسے اتفاقی واقعہ سمجھتا ہے۔

احمد بیگ کی موت کا آخری مصیبت ہونا

علاوہ ازیں حسب تصریح مرزا قادیانی مرزا احمد بیگ کو سلطان محمد کی زندگی میں نہیں مرنا چاہیے تھا کیونکہ مرزا قادیانی نے صاف لکھ دیا تھا کہ احمد بیگ کی موت گھر والوں کی آخری مصیبت ہو گی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے ''آئینہ کمالات'' کے صفحہ 573 پر ایک عربی الہام لکھا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''خدا نے مجھے وحی کی کہ احمد بیگ سے اس کی بڑی لڑکی کے لیے بات چیت کرو اور اس سے یہ بھی کہہ دے کہ اگر تو نے اس پیغام کو ٹھکرا دیا تو اس لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کرنا نہ تو لڑکی کے لیے بابرکت ہوگا اور نہ تمھارے لیے اور اگر تو اس سے متنبہ نہ ہوا تو تجھ پر بہت سی مصیبتیں نازل ہوں گی جن میں سب سے آخری مصیبت تیری موت ہو گی''۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان محمد سے محمدی بیگم کی شادی ہو جانے کے بعد خاندان کے سلسلۂ مصائب کی آخری کڑی مرزا احمد بیگ کی موت ہو گی حالانکہ خسر داماد سے پہلے طعمۂ اجل ہو گیا۔ اس لیے پیشین گوئی کا یہ جز بھی پورا نہ ہوا۔

مرزا سلطان محمد کے ہلاک ہونے کی پیشین گوئی

مرزا قادیانی نے 10 جولائی 1888ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ اگر احمد بیگ نے اپنی لڑکی کی شادی کر دینے سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روزِ نکاح سے ڈھائی سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر میں تفرقہ اور تنگی اور مصیبت

پڑے گی۔ (تبلیغ رسالت، جلد اول، ص 116) اس اعلان کے بموجب چاہیے تھا کہ مرزا سلطان محمد متوطن پٹی ضلع لاہور (جس سے لڑکی منسوب تھی) اور اس کے دوسرے خویش و اقارب خوف زدہ ہو کر منگنی چھوڑا لیتے لیکن وہ مطلق ہراساں نہ ہوئے اور یقین کر لیا کہ حضرت قادیانی ریش دراز اور تقدس مآبی کی آڑ میں شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ جب پہلا اشتہار ان پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوا تو مرزا قادیانی نے مزید تہدید آمیز اشتہارات شائع کیے اور خطوط میں طرح طرح کی دھمکیاں دیں تا کہ کسی طرح منگنی سے دست بردار ہو جائیں۔ ایک خط میں لکھا کہ تم اس تعلق کو قطع کر دو۔ تمہاری دوسری جگہ شادی کرا دی جائے گی۔ تمہاری جوانی پر مجھے رحم آتا ہے۔ تم اس ارادہ سے باز آ جاؤ۔ اس کے بزرگوں کو بھی خطوط بھیج بھیج کر ڈرایا دھمکایا۔ مگر وہ لوگ دل کے مضبوط تھے۔ ان پر ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔" (اشاعۃ السنہ، جلد 16، صفحہ 186)

مرزا قادیانی نے اپنے چار ہزاری اشتہار میں جو رسالہ "انوار الاسلام" کے ساتھ منسلک ہے، صفحہ 4 پر لکھا۔ "احمد بیگ کے داماد کا یہ قصور تھا کہ اس نے تخویف کا اشتہار دیکھ کر اس کی پروا نہ کی۔ خط پر خط بھیجے گئے، ان سے کچھ نہ ڈرا، پیغام بھیج کر سمجھایا گیا۔ کسی نے اس طرف ذرا التفات نہ کی اور احمد بیگ سے ترک تعلق نہ چاہا بلکہ وہ سب گستاخی اور استہزاء میں شریک ہوئے۔ سو یہی قصور تھا کہ پیشین گوئی کو سن کر پھر ناطہ کرنے پر راضی ہوئے۔"

مرزا قادیانی کو "سراج الاخبار" کا مشورہ کہ ابھی سے کوئی تاویل گھڑ لو

مرزا قادیانی نے سلطان محمد کی میعاد حیات یوم شادی سے ڈھائی سال بتائی تھی۔ شادی 7 اپریل 1892ء کو ہوئی۔ اس حساب سے مرزا سلطان محمد کی زیست کا آخری دن 7 اکتوبر 1894ء تھا لیکن لطف یہ کہ مرزا سلطان محمد آج 4 ستمبر 1938ء تک زندہ سلامت موجود ہیں یعنی اپنی موت کے بعد چوالیس سال سے زبردستی گلشن دنیا کی سیر کر رہے ہیں اور عالم آخرت میں جانے کا نام نہیں لیتے۔ مرزائی لوگ عام طور پر معجزہ احیاء موتی کے قائل نہیں۔ حالانکہ ان کے سامنے مردہ زندہ ہونے کی ایک زندہ مثال موجود ہے۔ جب ڈپٹی آتھم نصرانی کے متعلق مرزا قادیانی کی پیشین گوئی غلط نکلی اور انھوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ پادری عبداللہ نے دل میں رجوع کر لیا ہے تو اس عذر گناہ بدتر از گناہ کے متعلق جریدہ "سراج الاخبار" جہلم نے لکھا۔ "مرزا قادیانی کو چاہیے کہ مرزا احمد بیگ کے داماد کی پیشین گوئی کی نسبت بھی ابھی سے کوئی تاویل سوچنا شروع کر دیں کیونکہ اس کی میعاد کے اختتام میں صرف چند روز رہ گئے ہیں اور وہ نوجوان اس وقت راولپنڈی میں دندنا رہا ہے۔" (اشاعۃ السنہ، جلد 16، ص 61) لیکن "سراج الاخبار" کو شاید یہ معلوم نہ تھا کہ قادیاں شریف میں اختتام میعاد کے وقت کسی سوچ بچار کی ضرورت نہ تھی بلکہ مرزائی ٹکسال میں ہر قول اور ہر پیشین گوئی کی تاویل اسی وقت تیار کر لی جاتی تھی جبکہ مرزا قادیانی کا تخیلہ دماغ کسی پیشین گوئی کو تجویز کرتا یا ٹیچی ٹیچی کی کسی اطلاع کے بموجب کسی پیشین گوئی کے اعلان کا قصد کیا جاتا۔

مرزا قادیانی کی متضاد سخن سازیاں

جب مرزا سلطان محمد کی ہلاکت کی ڈھائی سالہ پیشین گوئی جھوٹی نکلی تو 7 یا 8 اکتوبر 1894ء کو تماش بین چاروں طرف سے امنڈ آئے اور مرزا قادیانی کے اردگرد تاویل کاری کا تماشہ دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ مرزا قادیانی نے اپنے کیسۂ تاویل میں سے یک عدد تاویلی چھچھوندر نکال کر باہر چھوڑ دی۔ لوگ اس کو دیکھ کر عش عش کر گئے کہ کیسی بدیع و دلفریب چھچھوندر ہے۔ آپ بھی اس چھچھوندر کی دل آویزی اور حسن و جمال کی داد دیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ''احمد بیگ کا داماد جو ڈھائی سال کے اندر فوت نہ ہوا تو اس کی یہی وجہ تھی جو اس عبرت انگیز واقعہ کے بعد جو احمد بیگ اس کے خسر کی وفات تھی ایک شدید خوف اور حزن اس کے دل پر وارد ہو گیا اور نہ صرف اس کے دل پر بلکہ اس کے تمام متعلقین کو اس خوف و حزن نے گھیر لیا۔ ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد اس کے داماد کا کیا حال ہوا ہوگا گویا وہ جیتا ہی مر گیا ہوگا۔ چنانچہ اس کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور (جس کا دنیا میں کہیں وجود نہ تھا۔ راقم) کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے، جن میں انھوں نے اپنے توبہ و استغفار کا حال لکھا ہے۔ سو ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہو گیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی۔'' (تبلیغ رسالت، جلد 3، ص 114) اب ذرا احمدیہ پاکٹ بک کے مولف کا بیان سنو۔ لکھتا ہے۔ ''جب احمد بیگ میعاد مقررہ میں ہلاک ہو گیا تو سلطان محمد پر خوف طاری ہوا۔ اس نے حضرت مسیح موعود کو دعا کے لیے خطوط لکھے اور نہایت تضرع و ابتہال سے جناب باری میں دعا کی تو خدا تعالیٰ غفور رحیم نے سلطان محمد کی زاری کو سنا، عذاب ہٹا لیا۔'' (احمدیہ پاکٹ بک، ص 432-433) لیکن سوال یہ ہے کہ جب محمدی بیگم کی شادی کے چھ مہینے بعد مرزا احمد بیگ نے دار آخرت کی راہ لی اور مرزا سلطان محمد پر خوف و ہراس طاری ہوا تو مرزا قادیانی نے اسی وقت کیوں اعلان نہ کر دیا کہ سلطان محمد نے توبہ کر لی ہے اس لیے اس کی موت کا حکم منسوخ ہو گیا ہے؟ مرزا قادیانی اس کے بعد دو سال تک خاموش کیوں بیٹھے رہے اور اس سے پیشتر کہ مرزا سلطان محمد کی موت کا انتظار کرتے کرتے ڈھائی سال کی مدت معہود گزار دی۔ انھوں نے پیشین گوئی کے نسخ کا کیوں اعلان نہ کر دیا؟ جب ایسا نہ کیا تو بعد از وقت ملمع سازی کرنا ''مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید'' کا مصداق ہے۔ اس سے قطع نظر آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا کہ مرزا قادیانی نے سلطان محمد کی موت کو اٹل بتایا البتہ ڈھائی سال کی مدت میں توسیع کر دی۔ رہا یہ کہ سلطان محمد نے مرزا قادیانی کو خط لکھے، بالکل سفید جھوٹ اور محض افسانہ طرازی ہے۔

مرزا سلطان محمد کا بیان کہ میں ہرگز نہیں ڈرا

جب مولوی محمد حسین صاحب مرحوم بٹالوی نے مرزا قادیانی کی یہ تحریر پڑھی کہ مرزا سلطان محمد

ڈر گیا اس لیے اس کی موت ملتوی ہوگئی تو انھوں نے اس بیان کی تنقیح کا قصد کیا۔ اس وقت مرزا سلطان محمد راولپنڈی میں سرکاری فوج کے رسالہ میں ملازم تھے۔ مولوی محمد حسین مرحوم نے اپنے ایک دوست منشی محمد سعید نقشہ نویس کو خط لکھا کہ مرزا سلطان محمد سے مل کر ان سے اس کے متعلق دریافت کریں۔ منشی محمد سعید رسالہ میں جا کر ان سے ملے اور ڈرنے کے متعلق ان کے خیالات معلوم کیے۔ انھوں نے ڈر جانے کے دعوے کی صداقت سے انکار کیا اور یہ تحریر لکھ دی۔ ''میں مرزا غلام احمد کو جھوٹا اور دروغ گو جانتا تھا اور جانتا ہوں اور میں مسلمان آدمی ہوں۔ خدا کا ہر وقت شکر گزار ہوں۔'' (سلطان محمد بیگ۔ بقلم خود) (اشاعۃ السنہ، جلد 16، ص 191) رسالہ ''اشاعۃ السنہ'' نے مرزا سلطان محمد کا یہ بیان قادیاں کے مسیح صاحب کے عین حیات یعنی اواخر 1894ء میں شائع کیا تھا لیکن مسیح صاحب نے اس کی کوئی تردید شائع نہ کی۔ اس کے بعد بھی مرزا غلام احمد قادیانی چودہ سال تک اس عبرت کدہ عالم میں موجود رہے لیکن سلطان محمد بیگ کے اس بیان کی تردید کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ 14 مارچ 1924ء کو مرزا سلطان محمد کی مندرجہ ذیل چٹھی جریدہ ''اہل حدیث'' امرتسر میں چھپی تھی: ''جناب مرزا غلام احمد قادیانی نے جو میری موت کی پیش گوئی فرمائی تھی میں نے اس میں ان کی تصدیق کبھی نہیں کی۔ نہ میں اس پیش گوئی سے کبھی ڈرا۔ میں ہمیشہ سے اور اب بھی اپنے بزرگان اسلام کا پیرو رہا ہوں۔'' (سلطان محمد بیگ) 3 مارچ 1924ء۔

اس چٹھی کی تصدیق مندرجہ ذیل پانچ گواہوں نے کی۔ (1) مولوی عبداللہ امام مسجد مبارک پٹی ضلع لاہور۔ (2) مولوی مولا بخش خطیب جامع مسجد پٹی۔ (3) مولوی عبدالمجید ساکن پٹی۔ (4) مستری محمد حسین نقشہ نویس پٹی۔ (5) مولوی احمد اللہ صاحب، امرتسری۔ (''اہل حدیث'' مورخہ 14 مارچ 1924ء) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ''اہل حدیث'' میں اعلان کیا تھا کہ جو مرزائی اس چٹھی کو غیر صحیح ثابت کر دے اسے وہی تین سو روپیہ انعام دیا جائے گا جو میں نے لدھیانہ میں میر قاسم علی مرزائی سے جیتا تھا۔ اس اعلان پر تمام مرزائی دم بخود رہ گئے اور کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کے خلاف لب کشائی یا خامہ فرسائی کرتا۔
(محمدیہ پاکٹ بک، ص 489)

خوف اور توبہ کا اقتضاء طلاق دینا تھا

یہ حقیقت قابل توجہ ہے کہ مرزا سلطان محمد کے خوف اور توبہ کا مرزائی افسانہ اسی حالت میں قابل التفات ہوسکتا ہے جب کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنی بیوی کو طلاق دے کر مسیح صاحب کے لیے عقد نکاح کا راستہ صاف کر دیتے اور مرزا قادیانی کے الہام ''بستر عیش'' کی عملی تصدیق کرتے جو انھیں 5 دسمبر 1903ء کو ہوا تھا۔ (البشریٰ جلد 2، ص 88) کیونکہ قادیاں کی بارگاہ معلّی کی طرف سے جو فرد قرارداد جرم مرزا سلطان محمد کے خلاف عائد کی گئی وہ یہی تھی کہ انھوں نے محمدی بیگم کی منگنی چھوڑ کر مرزا احمد بیگ سے قطع تعلق منظور نہ کیا تھا۔ چنانچہ خود مرزا قادیانی فرماتے ہیں: ''سلطان محمد اور اس کے اقارب اس لیے مجرم ٹھہر

گئے کہ انھوں نے یہ گناہ کیا کہ ان کو ہم نے بار بار بوساطت بعض مخلصوں اور نیز خطوط کے ذریعہ سے بہت کھول کر سنا دیا تھا کہ یہ پیش گوئی ایک قوم سرکش کے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تم ان کے ساتھ مل کر ویسے ہی مستوجب عذاب مت بنو۔ مگر چونکہ وہ بھی سخت دل اور دنیا پرست تھے۔ اس لیے انھوں نے نہ مانا اور اسی طرح ٹھٹھا اور ہنسی کی اور اپنی بے باکی سے اس رشتہ سے دست کش نہ ہوئے۔" (تبلیغ رسالت، جلد 3، ص 114) اور توبہ کی حقیقت خود مرزا قادیانی نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ "اگر وہ شخص اس تاخیر عذاب کی وجوہ بکلی اپنے سر پر سے اٹھا لے مثلاً اگر کافر ہے تو سچ مچ مسلمان ہو جائے اور اگر ایک جرم کا مرتکب ہے تو سچ مچ اس جرم سے دست بردار ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے ظل امان میں آ جاتا ہے۔" (ایضاً ص 119) پس جس صورت میں کہ مرزا سلطان محمد صاحب اپنے جرم سے دست بردار نہ ہوئے اور محمدی بیگم مرزا قادیانی کو تفویض نہ کی تو ان کی توبہ اور خوف وخشیہ محض ابلہ فریبی ہے اور اگر بفرض محال مرزا سلطان محمد ڈر بھی جاتے اور وہ خدانخواستہ اپنی اہلیہ محترمہ کو طلاق بھی دے دیتے تو کچھ مفید نہ ہوتا کیونکہ حسب بیان مسیح قادیاں مرزا سلطان محمد کی موت تقدیر مبرم تھی۔ چنانچہ عنقریب لکھا جائے گا۔ مرزا قادیانی نے 6 اکتوبر 1894ء کے اشتہار میں یہ بھی لکھا تھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے جن میں انھوں نے اپنے توبہ و استغفار کا حال لکھا ہے۔" لیکن یہ بیان قطعاً غلط اور من گھڑت ہے۔ اگر مرزا قادیانی اس بیان میں سچے تھے تو انھوں نے اس حکیم کا نام اور پتہ کیوں نہ لکھا اور وہ خطوط کیوں شائع نہ کیے؟ اگر مرزا قادیانی کے پاس واقعی اس قسم کے کوئی خط آئے ہوتے تو وہ اپنی عادت مستمرہ کے بموجب ہنگامہ محشر برپا کر دیتے اور بڑے طمطراق سے ان کو اپنی صفائی میں پیش کرتے لیکن جب انھوں نے ایسا نہیں کیا تو صاف ظاہر ہے کہ یہ داستان محض مرزا قادیانی کا دماغی اختراع ہے۔ چنانچہ جب مسیح صاحب نے لکھا کہ سلطان محمد کے بزرگوں نے اعتراف قصور کیا ہے تو مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس کے جواب میں لکھا کہ مرزا سلطان محمد بیگ نے اپنی اس تحریر میں جو ہماری طرف روانہ کی ہے اس سے بھی انکار کیا ہے کہ ان کے کسی رشتہ دار نے کوئی خط متضمن بہ توبہ و استغفار مرزا غلام احمد کے نام بھیجا ہو۔" (اشاعۃ السنہ، جلد 16، ص 192) جب مولوی محمد حسین صاحب کا یہ تردیدی بیان شائع ہوا تو اگر اس وقت کچھ مرزا قادیانی کے ہاتھ پلے ہوتا تو ضرور پٹی والوں کے خطوط شائع کر دیتے لیکن مرزا قادیانی نے اپنی عافیت اسی میں دیکھی کہ تکلم پر سکوت کو ترجیح دیں۔

مرزا سلطان محمد کی مدت حیات میں کرم گسترانہ توسیع

جب پیش گوئی کی ڈھائی سالہ میعاد گزر گئی اور مرزا سلطان محمد کو نصیب اعدا کسی قسم کا کوئی چشم زخم نہ پہنچا تو مرزا قادیانی نے ضروری سخن سازی اور تاویل کاری سے فراغت پانے کے بعد مرزا سلطان محمد کی جوانی پر رحم کھا کر بلاتعین وقت ان کی زندگی میں بدیں شرط توسیع فرما دی کہ وہ مرزا قادیانی کی زندگی ہی

میں دنیا کو الوداع کہہ دیں تا کہ ان کی منکوحہ اور وہ محبت کے مروجہ رسوم کے ساتھ ایک دوسرے سے وابستہ ہوسکیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی فرماتے ہیں۔ ''پیش گوئی کا دوسرا حصہ جو اس کے داماد کی موت ہے وہ الہامی شرط کی وجہ سے دوسرے وقت پر جا پڑا اور داماد اس کا الہامی شرط سے اسی طرح متمتع ہوا جیسا کہ آتھم ہوا کیونکہ آتھم کی موت کے بعد اس کے وارثوں میں سخت مصیبت برپا ہوئی۔ سو ضرور تھا کہ وہ الہامی شرط سے فائدہ اٹھاتے۔ پس اس کا داماد تمام کنبہ کے خوف کی وجہ سے اور ان کے توبہ اور رجوع کے باعث سے اس وقت فوت نہ ہوا۔ (البتہ آئندہ کسی سال ضرور فوت ہوگا) مگر یاد رکھو کہ خدا کے فرمودہ میں تخلف نہیں اور انجام وہی ہے جو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ خدا کا وعدہ ہرگز ٹل نہیں سکتا۔'' (ضمیمہ انجام آتھم مولفہ مرزا غلام احمد قادیانی۔ صفحہ 13)

تقدیر مبرم اور مرزائی صدق و کذب کا معیار

مرزا قادیانی نے مرزا سلطان محمد کی زندگی میں جو توسیع فرمائی تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ مرزا قادیانی کے رخت سفر باندھنے کے بعد بھی دنیا میں موجود رہتے بلکہ حکم یہ تھا کہ وہ مرزا قادیانی کی زندگی ہی میں توسن حیات کی باگ ملک آخرت کی طرف پھیر کر اپنی منکوحہ کو مرزا قادیانی کے قبضہ وتصرف میں دے جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔ ''میں بار بار کہتا ہوں کہ نفس پیش گوئی داماد احمد بیگ کی تقدیر مبرم ہے۔ اس کی انتظار کرو اور اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ پیش گوئی پوری نہیں ہوگی اور میری موت آ جائے گی۔'' (ایضاً ص 31) اسی طرح فرمایا ''یاد رکھو کہ اس پیش گوئی کی دوسری جزو (سلطان محمد کی موت) پوری نہ ہوئی تو میں ہر ایک بد سے بدتر ٹھہروں گا۔ اے احمقو! یہ انسان کا افتراء نہیں۔ نہ یہ کسی خبیث مفتری کا کاروبار ہے۔ یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کا سچا وعدہ ہے۔ وہی خدا جس کی باتیں نہیں ٹلتی ہیں۔'' (ضمیمہ انجام آتھم، ص 54)

مرزا قادیانی کے عاجی خدا کی لغو بیانیاں

مرزا قادیانی نے 10 جولائی 1888ء کے اشتہار میں لکھا تھا کہ ''اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی (محمدی بیگم) کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روزِ نکاح سے ڈھائی سال تک فوت ہو جائے گا اور ان کے گھر پر تفرقہ اور تنگی اور مصیبت پڑے گی۔'' (تبلیغ رسالت، جلد اوّل، ص 116) لیکن آگے چل کر واقعات نے دکھا دیا کہ مرزا قادیانی کے عاجی خدا کی تمام باتیں سراسر لغو و بے بنیاد تھیں اور یہ بھی شاید مسیلمہ کذاب کی طرح قادیانی مسیح کا معجزہ تھا کہ جو کچھ انھوں نے اپنے رقیب اور اس کی دلہن کے مستقبل کے متعلق بتایا تھا سراسر اس کے برعکس ظہور میں آیا۔ محمدی بیگم نے شادی کے بعد مدت العمر وہ آسودگی اور فارغ البالی دیکھی کہ جس کی نظیر بہت کم گھرانوں میں پائی جاتی

ہے۔ آج سے قریباً آٹھ سال پیشتر سید محمد شریف صاحب ساکن گھڑیالہ ضلع لاہور کے استفسارات کے جواب میں مرزا سلطان محمد نے سید صاحب کے نام مندرجہ ذیل پیغام بھیجا۔

''مکرم بندہ جناب شاہ صاحب! السلام علیکم میں تادم تحریر تندرست اور بفضل خدا زندہ ہوں۔ خدا کے فضل سے ملازمت کے وقت بھی تندرست رہا ہوں۔ میں اس وقت بعہدہ رسال داری پنشن پر ہوں۔ ایک سو پینتیس 135 روپے ماہوار پنشن ملتی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے پانچ مربع اراضی عطا ہوئی ہے۔ قصبہ پٹی میں میری جدی زمین بھی میرے حصہ میں قریباً سو بیگھہ آئی ہے۔ ضلع شیخوپورہ میں بھی میری تین مربع زمین ہے۔ میرے چھ لڑکے ہیں، جن میں سے ایک لاہور میں پڑھتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کو پچیس روپے ماہوار وظیفہ ملتا ہے۔ دوسرا لڑکا پٹی میں انٹرنس میں تعلیم پاتا ہے۔ میں خدا کے فضل سے اہل سنت والجماعت ہوں۔ میں احمدی مذہب کو برا سمجھتا ہوں، میں اس کا پیرو نہیں ہوں، اس کا دین جھوٹا سمجھتا ہوں۔''
والسلام (سلطان محمد بیگ پنشنر، پٹی ضلع لاہور) (اخبار ''اہل حدیث'' امرتسر، مورخہ 14 نومبر 1930ء)

مرزا محمود احمد قادیانی کے تولد کی پیشین گوئی

مرزا قادیانی کا معمول تھا کہ جب محترمہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ حاملہ ہوتیں تو کتب طب کی ورق گردانی شروع کر دیتے اور علامات حمل کے پیش نظر طبی نقطہ نگاہ سے معلوم کرنے کی کوشش فرماتے کہ حمل لڑکے کا ہے یا لڑکی کا؟ اگر آثار و علامات اس بات پر دلالت کرتے کہ حمل لڑکے کا ہے تو مہینوں کے غور و خوض کے بعد حمل کے چھٹے یا ساتویں مہینے پیشین گوئی فرما دیتے کہ میرے یہاں لڑکا متولد ہوگا چونکہ اس پیشین گوئی کے وقت لڑکے کا نام بھی تجویز کر لیتے تھے اس لیے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا کرتے کہ اس کا نام یہ ہوگا۔ اس کے بعد اگر حسب مراد لڑکا پیدا ہوتا تو اس پر اتراتے اور اس پیشین گوئی کو اپنے معجزات کی فہرست میں درج کر لیتے۔ قادیانی مجدد کے یہاں دوسری بیوی کے بطن سے جتنے لڑکے بھی متولد ہوئے ان کی پیدائش کی پیشین گوئیاں یہی حیثیت رکھتی ہیں۔ گو بعض اوقات پیشین گوئی کے خلاف لڑکے کی جگہ لڑکی بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ تاہم ہر ایک کی ولادت کی اطلاع مرزا قادیانی کا ایک ''نشان یا معجزہ'' تھا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔ ''پھر ایک اور نشان یہ ہے کہ جو یہ تین لڑکے جو موجود ہیں ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے اس کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ چنانچہ محمود جو بڑا لڑکا ہے اس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیش گوئی مع محمود کے نام کے موجود ہے، جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا، جو رسالہ کی طرح کئی ورقوں کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے اور بشیر جو درمیانی لڑکا ہے، اس کی خبر ایک سفید اشتہار میں موجود ہے جو سبز اشتہار کے تین سال بعد شائع کیا گیا تھا اور شریف جو سب سے چھوٹا لڑکا ہے، اس کے تولد کی نسبت پیش گوئی ''ضیاء الحق'' اور ''انوار الاسلام'' میں موجود ہے۔ اب دیکھو کہ کیا یہ خدائے عالم الغیب کا نشان نہیں ہے کہ ہر ایک بشارت کے وقت میں قبل از وقت وہ بشارت دیتا رہا؟'' (ضمیمہ انجام

آتھم، صفحہ 15) مرزا محمود احمد قادیانی 15 جنوری 1889ء کو پیدا ہوئے۔ (دیکھو مکتوبات احمدیہ، جلد 5، نمبر 3، ص 93) اس سے ٹھیک چھ مہینے پہلے مرزا قادیانی نے اپنے ایک اشتہار میں جو 15 جولائی 1888ء کو شائع کیا تھا لکھا کہ "خدائے تعالیٰ نے ایک اور لڑکا ہونے کا قریب مدت تک وعدہ دیا ہے جس کا نام محمود احمد ہوگا اور اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔" (تبلیغ رسالت، جلد اول، صفحہ 120) جب کبھی اس قسم کی پیشین گوئی پوری ہوتی تو مرزا قادیانی کو پروپیگنڈا کرنے اور اپنے "معجزات" کا سکہ بٹھانے کی ایک اچھی دستاویز ہاتھ آ جاتی تھی۔ چونکہ مداری کا سارا مدار پروپیگنڈا بازی پر تھا اس لیے مرزا قادیانی اس قسم کے حربے کو صرف ایک آدھ دفعہ استعمال نہیں فرماتے تھے بلکہ اس سے بار بار کام لیتے تھے۔ مثلاً اسی مرزا محمود کی ولادت کی پیشین گوئی ہی کو لیجئے۔ 15 مارچ 1897ء کے اشتہار میں بھی اس پر فخر و مباہات کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ "پانچویں پیشین گوئی میں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اس کا نام محمود رکھا جائے گا اور اس پیش گوئی کی اشاعت کے لیے سبز سرورق کے اشتہار شائع کیے گئے تھے۔ جو اب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیش گوئی کی میعاد میں پیدا ہوا اور اب نویں سال میں ہے۔" (تبلیغ رسالت، جلد 6، ص 60) اسی طرح دوسری کتابوں اور اشتہاروں میں بھی یہی پیشین گوئی درج کر کے کوس انا و لا غیری بجایا ہے۔

تدبیروں کی نارسائی اور آسمانی منکوحہ سے مرزا سلطان محمد کی شادی

ایک مرتبہ مرزا صاحب کو الہام ہوا تھا۔ اغفرو ارحم من السماء ربنا عاج (ہمیں آسمان سے بخش دے اور رحم کر ہمارا رب عاجی ہے) مرزا قادیانی نے ربنا عاج کا خود یہ ترجمہ کیا تھا کہ ہمارا رب عاجی ہے (براہین احمدیہ، ص 556) عاج لغت میں استخواں فیل یا گوبر کو کہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مرزا قادیانی کا خدا جو ان پر وحی بھیجتا تھا ہاتھی دانت یا گوبر سے بنا ہے۔

عاجی خدا کا کوئی وعدہ سچا نہ نکلا

مرزا قادیانی کے اس عاجی خدا نے ان سے بڑے بڑے وعدے کر رکھے تھے۔ اس نے کہہ رکھا تھا کہ محمدی بیگم تمہاری ہے، ہم نے خود اس سے تمہارا نکاح باندھ دیا ہے۔ یہ بھی وحی کی تھی کہ ہمارے وعدہ کی سچائی میں شک نہ کرو اور یہاں تک بھی وعدہ کر رکھا تھا کہ شادی کی راہ میں جس قدر موانع ہوں گے میں ان سب کو دور کر دوں گا۔ انہی وعدوں کے بھروسے پر بیچارے مرزا قادیانی نے اس نکاح کو اپنے صدق یا کذب کا معیار بھی ٹھہرا رکھا تھا لیکن افسوس کہ عاجی خدا کے یہ تمام وعدے دھوکے کی ٹٹی ثابت ہوئے اور 17 اپریل 1892ء کو پٹی ضلع لاہور کا ایک نوجوان مرزا سلطان محمد نام ملک کے عام رواج کے بموجب سہرے باندھ کر ایک شان دار بارات کے ساتھ بڑے کروفر سے ہوشیار پور پہنچا اور محمدی بیگم کو بیاہ لایا۔ تعجب

تو یہ ہے کہ مرزا قادیانی کے عاجی خدا نے آسمان پر تو محمدی بیگم کا نکاح مرزا قادیانی سے باندھ رکھا تھا لیکن زمین پر وہ مرزا قادیانی کے رقیب کے آغوش میں چلی گئی۔ حق دار کوئی تھا، لے گیا کوئی ؎

میں منتظر وصال وہ آغوش غیر میں
قدرت خدا کی درد کہیں اور دوا کہیں

لیکن اس میں بیچارے مرزا قادیانی کا کچھ قصور نہ تھا۔ ساری شرارت تو ان کے عاجی خدا اور اس کے دست راست ٹیچی ٹیچی کی تھی۔ جنھوں نے جھوٹے وعدے کر کر کے بیچارے مرزا قادیانی کی جگ ہنسائی کرائی اور خود پاس کھڑے ہنستے اور تماشہ دیکھتے رہے۔ کاش ان ظالموں کو مرزا قادیانی پر کچھ رحم آیا ہوتا۔

نوحۂ فراق

صاحبزادہ میاں بشیر احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود صاحب شعر بھی کہتے تھے، تخلص فرخ تھا۔ ایک کاپی بک پر مندرجہ ذیل اشعار ملے ہیں ؎

عشق کا روگ ہے. کیا پوچھتے ہو اس کی دوا
ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا مرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے
ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے
مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اس کے جانے سے دل سے صبر گیا!
ہوش بھی ورطۂ عدم میں پڑے
سبب کوئی خداوند بنا دے
کسی صورت سے وہ صورت دکھا دے
کرم فرما کے آؤ میرے جانی
بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے

(سیرت المہدی، جلد اول، ص 200)

حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے نے یہ نہیں فرمایا کہ ان کے والد محترم نے یہ اشعار کس کے فراق میں کہے تھے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ مرزا قادیانی کو مدت العمر محمدی بیگم کے سوا کسی کی یاد نے نہیں تڑپایا تو خیال ہوتا ہے کہ یہ رشحہ قلم شاید اسی جدائی کے قیامت انگیز واقعہ کی تصویر ہوگی۔

پہلی بیوی کی تعلیق اور خانہ بربادی

مرزا قادیانی کی پہلی بیوی کا نام حرمت بی بی تھا۔ یہ ان کے حقیقی ماموں مرزا جمعیت بیگ کی صاحبزادی تھیں، جو ایمہ ضلع ہوشیار پور کے رہنے والے تھے۔ رئیس قادیاں کے منجھلے بیٹے میاں بشیر احمد ایم اے نے کتاب سیرۃ المہدی کی دوسری جلد میں اپنے باپ کی پہلی شادی کا سال 1852ء یا 1853ء لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی شادی کے وقت مرزا قادیانی کی عمر صرف بارہ یا تیرہ سال کی تھی کیونکہ انھوں نے کتاب البریہ میں اپنی ولادت 1839ء یا 1840ء میں بتائی ہے۔ محترمہ حرمت بی بی وہی بے کس مظلومہ ہیں جنھیں خانہ ساز مجدد نے محمدی بیگم کی خواستگاری کے ایام سے محض اس ''جرم'' میں معلقہ کر رکھا تھا کہ وہ اپنے برادر حقیقی مرزا علی شیر بیگ کو جو محمدی بیگم کے پھوپھا تھے۔ اس بات پر کیوں مجبور نہیں کرتیں کہ وہ محمدی بیگم کے باپ مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری سے لڑ جھگڑ کر محمدی بیگم کا نکاح خود ساختہ مجدد صاحب سے کرا دیں۔ حالانکہ نہ یہ بیچاری حرمت بی بی کے بس کا روگ تھا اور نہ مرزا علی شیر بیگ صاحب ہی کی وہاں دال گلتی تھی کیونکہ محمدی بیگم قادیاں میں اپنے حقیقی ماموؤں مرزا امام الدین اور نظام الدین کے قبضہ میں تھی جو مرزا غلام احمد صاحب کے عم زاد بھائی تھے اور چونکہ مرزا قادیانی نے ان سے سخت بگاڑ کر رکھا تھا اور ہمیشہ معاندانہ سلوک روا رکھتے تھے اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بھانجی مرزا قادیانی کے نکاح میں جائے۔ اس کے علاوہ مرزا قادیانی نے پیشین گوئی کر رکھی تھی کہ ''یہ لڑکی ضرور میرے حبالۂ نکاح میں آئے گی کیونکہ آسمان پر اس سے میرا عقد ہو چکا ہے۔'' اس لیے مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین چاہتے تھے کہ اس پیشین گوئی کو پورا نہ ہونے دیں اور عملاً ثابت کر دیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو خدائے برتر کی طرف سے الہام نہیں ہوتے بلکہ ان الہامات کا سرچشمہ وہی ''ذات شریف'' ہے، جس نے بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ہر طرح سے گزند پہنچانے کا عہد کر رکھا ہے۔ واقعی محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی اطلاع اگر منجانب اللہ ہوتی تو زمین و آسمان زیر و زبر ہو سکتے تھے مگر یہ نکاح نہیں ٹل سکتا تھا۔

بے دین اقربا سے میل جول رکھنے کا الزام

ملہم قادیاں کے منجھلے صاحبزادہ میاں بشیر احمد ایم اے لکھتے ہیں کہ ''مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو اوائل ہی سے مرزا فضل احمد کی والدہ (حرمت بی بی) سے جن کو لوگ عام طور پر ''پھجے دی ماں'' کہا کرتے تھے بے تعلقی سی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت صاحب کے رشتہ داروں کو دین سے سخت بے رغبتی تھی اور اس کا ان کی طرف میلان تھا اور وہ اسی رنگ میں رنگین تھی۔ اس لیے حضرت مسیح موعود نے مباشرت ترک کر دی تھی۔'' (سیرۃ المہدی، جلد اوّل، ص 26) میاں بشیر احمد صاحب نے اپنی سوتیلی ماں پر یہ الزام لگایا ہے کہ مسیح صاحب کے اقرباء کی طرف جنھیں دین سے بے رغبتی تھی ان کا میلان تھا لیکن انھوں نے اس بے

رغبتی کی شرح نہیں کی حالانکہ اقرباء کی مزعومہ بے رغبتی اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ بھی ''مجدد صاحب'' کو دوسرے مسلمانان عالم کی طرح ان کے دعوؤں میں راست گو نہ سمجھتے تھے۔ مرزا قادیانی کے خویش و اقارب کو جو فرقہ حقہ اہل سنت و جماعت کے پیرو تھے، دین سے اعراض نہ تھا حاشا و کلا بلکہ خانہ ساز مجدد صاحب نے ہی اسلام کے شارع عام کو چھوڑ کر اور مومنوں کے منہاج قدیم سے منہ موڑ کر دہریت اور بے دینی کی بلاخیز وادی میں جا بسیرا کیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولی و نصله جهنم و ساء ت مصیراo (115:4)

جو کوئی امر حق ظاہر ہو جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی دوسرے راستے ہو لے تو ہم اس کی رسی دراز کر دیں گے۔ اس کے بعد اس کو جہنم واصل کریں گے، جو نہایت برا ٹھکانہ ہے۔

اور اگر بفرض محال مرزا قادیانی کے قرابت داروں کو دین سے بے رغبتی تھی اور محترمہ حرمت بی بی کا ان کی طرف میلان تھا تو بھی ظاہر ہے کہ تمام لوگ مذہب کی طرف یکساں راغب نہیں ہوتے۔ پس یہ کس دین و آئین کی تعلیم ہے کہ جن اقرباء کو مذہب سے شغف و انہماک نہ ہو ان کا مقاطعہ کر دیا جائے اور اگر بیوی خدا اور اس کے برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کے ماتحت اپنے اقرباء سے قطع تعلق نہ کرے تو اس کو گھر سے نکال کر مدت العمر بے کسی اور کسمپرسی کے زندان میں ڈال دیا جائے؟ میاں بشیر احمد ایم اے کا یہ کہنا بھی انتہا درجہ کی دیدہ دلیری اور شرمناک غلط بیانی ہے کہ ''والدۂ سلطان احمد اپنے بے دین اقرباء کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی کیونکہ مظلومہ کے حقیقی بھائی مرزا علی شیر بیگؒ حضرت حاجی محمود صاحب جالندھری نقشبندی قدس سرہ کے خلیفہ تھے۔ قاضی فضل احمد صاحب نے کتاب ''کلمہ فضل رحمانی'' میں لکھا ہے کہ اس زمانہ میں مرزا علی شیر بیگ جیسے باخدا لوگ کبریت احمر کا حکم رکھتے تھے اور چونکہ وہ ایک خدا شناس بزرگ تھے، کلیجہ پر صبر کا پتھر رکھ کر خاموش رہ گئے اور بہن کی مظلومی کو قیامت کے دن احکم الحاکمین کے فیصلہ پر چھوڑ دیا۔ ان کی جگہ کوئی دنیادار آدمی ہوتا تو ''مجدد صاحب'' کو قدر عافیت معلوم ہو جاتی۔ غرض ایسے فرشتہ خصال عارف باللہ کی پاک سرشت، ہمشیرہ محترمہ پر دین سے بغرض ہونے کا الزام لگانا اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے جس کا دل عقوبت خداوندی کے جذبات سے بالکل بیگانہ ہو اور اگر بفرض محال وہ ایسی ہی تھیں جیسا کہ ان پر بہتان باندھا گیا ہے تو اس حالت میں بھی بیوی کو معلقہ کر رکھنا اور کسمپرسی کی حالت میں چھوڑ دینا کہاں کی ایمانداری تھی؟ اگر مسیح صاحب اس جرم نا آشنا کو اپنے گھر میں آباد رکھنا نہیں چاہتے تھے تو ان کا مذہبی اور اخلاقی فرض تھا کہ دین مہر دے کر آزاد کر دیتے لیکن افسوس کہ انھوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جس جرم بے دینی کے وہ خود مجرم تھے ان کے فرزند نے اندھا دھند اس کا الزام الٹا مجدد صاحب کے اقرباء اور

ان کی بے کس بیوی کے سر تھوپ دیا۔

بیوی کے معلقہ کر رکھنے کا جرم

میاں بشیر احمد قادیانی لکھتے ہیں کہ والدہ نے فرمایا میری شادی کے بعد حضرت صاحب نے انھیں (پہلی بیوی کو) کہلا بھیجا کہ آج تک تو جس طرح (ظلم و جور) ہوتا رہا ہوتا رہا لیکن اب میں نے دوسری شادی کر لی ہے۔ اس لیے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا، تو میں گنہگار ہوں گا۔ اس لیے اب دو باتیں ہیں یا تو تم مجھ سے طلاق لے لو اور یا مجھے اپنے حقوق چھوڑ دو۔ میں تم کو خرچ دیے جاؤں گا۔ انھوں نے کہلا بھیجا۔ ''اب میں بڑھاپے میں کیا طلاق لوں گی، بس مجھے خرچ ملتا رہے میں اپنے باقی حقوق چھوڑتی ہوں۔'' اس کے بعد محمدی بیگم کا سوال اٹھا اور آپ کے رشتہ داروں نے مخالفت کر کے محمدی بیگم کا نکاح دوسری جگہ کرا دیا اور فضل احمد (اور مرزا سلطان احمد) کی والدہ نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ ان کے ساتھ رہی۔ تب حضرت صاحب نے ان کو طلاق دے دی۔ (سیرۃ المہدی، جلد اول، صفحہ 26)

حضرات! مرزا بشیر احمد کی اس تحریر کا ایک ایک لفظ تصنع، ریا اور ملمع سازی سے ہمکنار ہے۔ جب خانہ ساز مجدد صاحب کو اوائل ہی سے اس مظلومہ سے بے تعلقی تھی اور خدائے شدید العقاب کی سخت گیریوں سے بے خوف ہو کر تعلقات زناشوئی سے دست بردار تھے تو مرزا قادیانی کا یہ کہنا کس درجہ ابلہ فریبی ہے کہ ''میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس لیے اب دونوں بیویوں میں برابری نہیں رکھوں گا، تو میں گنہگار ہوں گا۔'' اس کے یہ معنی ہوئے کہ مرزا قادیانی دوسری شادی سے پہلے تو بیوی کے اخراج، خانہ بربادی اور ترک مباشرت کے مجرم اور گنہگار نہیں تھے البتہ اس وقت سے ان کی گنہگاری کا سلسلہ شروع ہوا جب دہلی سے نئی نویلی دلہن آ گئی لیکن یہ خیال سخت مہمل ہے، جو شخص ایک منٹ کے لیے بھی اپنی منکوحہ سے بے اعتنائی برتتا ہے اور اسے فلاکت و بے کسی کے عالم میں چھوڑتا ہے وہ احکم الحاکمین کا مجرم شریعت حقہ کا چور ہے اور قیامت کے دن اس سے سخت باز پرس ہوگی۔

میاں بشیر احمد ایم اے کا بیان ہے کہ ''مرزا قادیانی والدۂ فضل احمد کی علیحدگی کے بعد نان ونفقہ دیتے رہے اور انجام کار ان کو طلاق دے دی۔'' لیکن یہ دونوں بیان سراپا غلط ہیں۔ میاں محمد حسین صاحب ساکن راہواں نے جو مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے مرید تھے لکھا کہ مرزا غلام احمد نے والدہ سلطان احمد و فضل احمد کو جو ہمارے ہادی و رہبر کی حقیقی ہمشیر ہیں طلاق نہیں دی تھی اور جب سے ان کی الہامی و آسمانی منکوحہ (محمدی بیگم) کا عقد مرزا سلطان محمد سے ہوا ان کو اپنے سے علیحدہ کر رکھا تھا۔ نہ کسی طرح کا کوئی تعلق رکھا اور نہ حکم شریعت کے بموجب نان نفقہ ہی دیتے تھے بلکہ مرزا سلطان احمد ہی اپنی والدہ کی ضروریات کے تادم واپسین متکفل رہے اور صرف یہی نہیں بلکہ میرا خیال ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی تو مرحومہ کی تجہیز و تکفین میں بھی شریک نہیں ہوئے۔'' (کلمہ فضل رحمانی، صفحہ 142)

محترمہ حرمت بی بی حق فراموش شوہر کو خدا یاد دلاتی ہیں

جب خانہ ساز مجدد صاحب نے مرزا سلطان احمد مرحوم کی مادر محترمہ کو حکم دیا کہ وہ تمام اقرباء سے منقطع ہو جائے تو اس عالی فطرت خاتون نے اپنے حق فراموش شوہر کو سمجھایا کہ "یہ فعل صراحۃً شریعت حقہ کے خلاف ہے اس لیے نہ خود ایسا کرو اور نہ مجھے اس کے لیے مجبور کرو۔" لیکن "مجدد" صاحب کو بھلا شریعت حقہ سے کیا واسطہ تھا؟ ایک نہ سنی اور کہا کہ "قرابت داروں نے محمدی بیگم کو دوسری جگہ بیاہ دیا ہے اس لیے اگر تمام رشتہ داروں سے قطع تعلق نہ کرو گی تو گھر سے نکال دوں گا۔ یہ دیکھ کر اس نیک نہاد خاتون نے انھیں خدا یاد دلایا اور کہا کہ "دنیا کی زندگی حباب کا حکم رکھتی ہے تم مجھ پر ظلم کر کے اپنے لیے خسران ابدی کے سامان مہیا نہ کرو لیکن انھوں نے ایک نہ سنی اور ان کو گھر سے نکال دیا۔ وہ بیچاری بے کسی کی چادر اوڑھ کر اپنے بھائی مرزا علی شیر بیگ مرحوم کے ہاں غربت و انفراد کے غم کدہ میں جا بیٹھیں۔ حضرت "مجدد" صاحب کی یہ قساوت ظلم و بیداد کے خونخوار عفریت کی پرستش تھی، جس نے عدل خداوندی اور شریعت مطہرہ کے جسم کو پارہ پارہ کر دیا۔ جن ایام میں مرزا قادیانی نے اس نیک نہاد خاتون کو گھر سے علیحدہ کر کے محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی خاک اڑا رکھی تھی۔ ان دنوں مرزا سلطان احمد صاحب لاہور میں نائب تحصیلدار تھے لیکن اس سے اگلے سال یعنی **1892**ء میں جبکہ مرزا سلطان محمد صاحب ساکن پٹی ضلع لاہور محترمہ محمدی بیگم صاحبہ کو بیاہ کر پٹی ضلع لاہور میں لائے مرزا سلطان احمد صاحب شجاع آباد ضلع ملتان کے تحصیل دار تھے۔ (کلمہ فضل رحمانی، ص **140**) اس کے بعد خدائے برتر نے مرزا سلطان احمد صاحب کو بڑا عروج بخشا۔ چنانچہ **1919**ء میں جبکہ پنجاب میں مارشل لاء کی بے آئینی کا ہنگامہ بپا تھا، خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب ہمارے ضلع (گوجرانوالہ) کے ڈپٹی کمشنر (کلکٹر) تھے۔

سوتیلی ماں اور ان کے والد کی توہین

آپ نے اوپر پڑھا کہ مرزا بشیر احمد ایم اے نے خان بہادر مرزا سلطان احمد مرحوم اور مرزا فضل احمد مرحوم کی والدہ محترمہ کو از راہ تحقیر "پھجے دی ماں" لکھا ہے۔ اسی طرح "سیرۃ المہدی" میں ان کے نانا مرزا جمعیت بیگ کے متعلق بیان کیا ہے کہ ان کے دماغ میں خلل تھا۔ تعجب ہے کہ میاں بشیر احمد صاحب نے ایسی بعید از کار باتیں لکھتے وقت بزرگوں کا ادب اور شرم و لحاظ کیوں محسوس نہ کیا؟ اصل میں بزرگوں کی توہین و بے ادبی مرزائیوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ وہ چیز ہے جو "قادیاں شریف" کو اپنے "مسیح موعود" سے ارثاً ملی ہے۔ محترمہ حرمت بی بی تو خیر والدہ بشیر احمد کی سوکن تھیں اس لیے ان کی توہین قادیاں کے "خاندان نبوت" سے کچھ بعید نہ تھی لیکن کم از کم مرزا جمعیت بیگ صاحب کو تو نظر انداز کر دیا ہوتا، جو بشیر احمد صاحب کی اپنی دادی چراغ بی بی صاحبہ کے حقیقی بھائی تھے اور اگر وہ کہیں کہ صاحب ہم تو ہمیشہ

صاف گوئی سے کام لیں گے، کوئی چھوٹا ہو یا بڑا لگی لپٹی رکھے بغیر حقیقت نفس الامر کا اظہار کریں گے تو میں ان سے پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ انھوں نے اپنے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے متعلق صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کیوں نہ لکھا کہ وہ مراقی تھے اور مرزا جمعیت بیگ کی طرح ان کے دماغ میں بھی خلل تھا؟

ایک پرانا مرزائی الہام

مرزا قادیانی نے محمدی بیگم سے شادی کرنے کی الہامی پیشین گوئی کے متعلق لکھا تھا۔ ''براہین احمدیہ'' میں بھی اِس وقت سے سترہ برس پہلے اس پیش گوئی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جو اس وقت میرے پر کھولا گیا۔ وہ الہام یہ ہے۔ **یاادم اسکن انت و زوجک الجنة یا مریم اسکن انت وزوجک الجنة یا احمد اسکن انت وزوجک الجنة** اس جگہ تین جگہ زوج کا لفظ آیا ہے اور تین نام اس عاجز کے رکھے گئے، پہلا نام آدم یہ وہ ابتدائی نام ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس عاجز کو روحانی وجود بخشا اس وقت پہلی زوجہ کا ذکر فرمایا۔ پھر دوسری زوجہ کے وقت میں مریم نام رکھا کیونکہ اس وقت مبارک اولاد دی گئی۔ جس کو حضرت مسیح سے مشابہت ملی۔ تیسری زوجہ جس کی انتظار ہے اس کے ساتھ احمد کا لفظ شامل کیا گیا اور یہ لفظ احمد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت حمد اور تعریف ہوگی۔ یہ ایک چھپی ہوئی پیشین گوئی ہے، جس کا سرّ اس وقت خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھول دیا۔ (ضمیمہ انجام آتھم، صفحہ 54) ظاہر ہے کہ پہلی جرم ناآشنا بیوی جس کو مرزا قادیانی نے گھر سے نکال دیا اور دائمی مفارقت اختیار کرلی۔ حسب بیان میاں بشیر احمد مطلقہ ہو چکی۔ پس مرزا قادیانی کا الہام من گھڑت ثابت ہوگیا کیونکہ طلاق کے بعد مرزا قادیانی سے اس کی آخرت میں کسی طرح رفاقت نہیں ہوسکتی۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مرزا قادیانی اس بیوی کو (معاذ اللہ) بے دین قرار دے چکے تھے اور اس کے مقابلہ میں ملت موحدین کے تمام علمائے حق نے مسیح صاحب کے زندقہ وارتداد کا فتویٰ دیا تھا۔ پس مرزا قادیانی کا یہ الہام بھی لغو اور من گھڑت ثابت ہوا۔

پروفیسر مولانا محمد الیاس برنی ؒ

مرزا قادیانی، بقلم خود

نامردی کا یقین

بخدمت اخویم مخدوم ومکرم مولوی حکیم نور الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

اس قدر ضعف دماغ کے عارضہ میں یہ عاجز مبتلا ہے، مجھے یقین نہیں کہ آپ کو ایسا ہی ہو۔ جب میں نے شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں (پھر شادی کس بھروسہ پر کی۔ اوّل صحت درست کرنا لازم تھا۔ ورنہ فتنہ کا اندیشہ تھا، برنی)۔ آخر میں نے صبر کیا (آپ سے زیادہ صبر آپ کی اہلیہ پر لازم ہوتا، برنی)۔ پھر بھی معلوم ہوا کہ اولاد شادی کے بعد جلد ہی شروع ہوگئی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہا۔ سو، اللہ جل شانہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ضعف قلب تو اب بھی اس قدر ہے کہ بیان نہیں کرسکتا۔
(خاکسار غلام احمد قادیان 22 فروری 1887ء المکتوب احمدیہ جلد پنجم خط نمبر 14 منقول از نوشتہ غیب مولفہ خالد وزیرآبادی)

دوسرا بڑا نشان یہ ہے کہ جب شادی کے متعلق مجھ پر مقدس وحی نازل ہوئی تھی تو اس وقت میرا دل، دماغ اور جسم نہایت کمزور تھا اور علاوہ ذیابیطس اور دوران سر اور تشنج قلب کے دق کی بیماری کا اثر ابھی بکلّی دُور نہ ہوا تھا۔ اس نہایت درجہ کے ضعف میں جب نکاح ہوا تو بعض لوگوں نے افسوس کیا کیونکہ میری حالت مردی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے مجھے خط لکھا تھا جواب تک موجود ہے کہ آپ کو شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ابتلا پیش آئے۔
(نزول المسیح ص 209 حاشیہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

ایک ابتلاء

ایک ابتلاء مجھ کو اس (دہلی کی) شادی کے وقت یہ پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور درد سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں، جن کے ساتھ بعض اوقات تشنج قلب بھی تھا۔ اس لیے میری

حالت مردمی کالعدم تھی اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی......

غرض اس ابتلاء کے وقت میں نے جناب الٰہی میں دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لیے اپنے الہام کے ذریعہ سے دوائیں بتلائیں اور میں نے کشفی طور پر دیکھا کہ ایک فرشتہ وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا ہے۔ چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور اس میں خدا نے اس قدر برکت ڈال دی کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ پُرصحت طاقت جو ایک پورے تندرست انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے۔ میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر اپنے تئیں خداداد طاقت میں پچاس کے قائم مقام تھا۔ (تریاق القلوب ص 35-36 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مجرب دوائیں

مخدومی مکرمی اخویم مولوی نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

وہ دوا جس میں مروارید داخل ہیں، جو کسی قدر آپ دے گئے تھے، اس کے استعمال سے بفضلہٖ تعالیٰ مجھ کو بہت فائدہ ہوا۔ قوت باہ کو ایک عجیب فائدہ یہ دوا پہنچاتی ہے اور مقوی معدہ اور کاہلی سُستی کو دور کرتی ہے اور کئی عوارض کو نافع ہے۔ آپ ضرور استعمال کر کے مجھ کو اطلاع دیں۔ مجھ کو تو یہ بہت موافق آ گئی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذلک. خاکسار غلام احمد 30 دسمبر 1886ء۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر 4 مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم مولوی حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ مجھے نہایت تعجب ہے کہ دواء معلومہ سے آں مخدوم سے کچھ فائدہ محسوس نہ ہوا۔ شاید کہ وہی قول درست ہو کہ ادویہ کو ابدان سے مناسبت ہے۔ بعض ادویہ بعض ابدان کے مناسب حال معلوم ہوتی ہیں اور بعض دیگر کے نہیں۔ مجھے یہ دوا بہت ہی فائدہ مند معلوم ہوئی ہے کہ چند امراض کاہلی و سُستی و رطوباتِ معدہ اس سے دور ہو گئے۔ ایک مرض مجھے نہایت خوفناک تھی کہ صحبت کے وقت لیٹنے کی حالت میں نعوذ بکلی جاتا رہتا ہے۔ شاید قلت حرارت غریزی اس کا موجب تھی۔ وہ عارضہ بالکل جاتا رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرارت غریزی کو بھی مفید ہے اور منی کو بھی غلیظ کرتی ہے۔ غرض میں نے تو اس میں آثار نمایاں پائے ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم......

اگر دوا موجود ہو اور آپ دودھ اور ملائی کے ساتھ کچھ زیادہ قدر شربت کر کے استعمال کریں تو میں خواہشمند ہوں کہ آپ کے بدن میں ان فوائد کی بشارت سنوں۔ کبھی کبھی اچھی دوا کی چھپی چھپی تاثیر بھی ہوتی ہے کہ جو ہفتے عشرے کے بعد محسوس ہوتی ہے چونکہ دوا ختم ہو چکی ہے اور میں نے زیادہ کھالی ہے۔ اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو دوبارہ تیار کی جائے لیکن چونکہ گھر میں ایام امید ہونے کا کچھ گمان ہے، جس

کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ ابھی تک وہ گمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو راست کرے، اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت میں نہیں دیکھتا۔ مگر میں شکر گزار ہوں کہ خدا تعالیٰ نے دوا کا بہانہ کر کے بعض خطرناک عوارض سے مجھ کو مخلصی عطا کی۔ فالحمد للہ علی احسانہ۔ خاکسار غلام احمد از قادیان **19** جنوری **1887**ء (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر (2) ص **14** مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مجی عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ، کسی قدر تریاق جدید کی گولیاں بدست مرزا خدا بخش صاحب آپ کی خدمت میں ارسال ہیں اور کسی قدر اس وقت دے دوں گا، جب آپ قادیاں آئیں گے۔ یہ دوا تریاقِ الٰہی سے فوائد میں بہت بڑھ کر ہے۔ اس میں بڑی بڑی قابل قدر دوائیں پڑی ہیں۔ جیسے مشک عنبر، نربسی، مروارید، سونے کا کشتہ فولاد، یاقوت احمر، کونین، فاسفورس، کہربا، مرجان، صندل، کیوڑہ، زعفران، یہ تمام دوائیں قریب سو کے ہیں اور بہت سا فاسفورس اس میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ دوا علاج طاعون کے علاوہ مقوی دماغ، مقوی جگر، مقوی معدہ، مقوی باہ اور مراق کو فائدہ کرنے والی اور مصفی خون ہے۔ مجھ کو اس کے تیار کرنے میں اوّل تامل تھا کہ بہت سا روپیہ پر اس کا تیار کرنا موقوف تھا، لیکن چونکہ صحت کے لیے یہ دوا مفید ہے اس لیے اس قدر خرچ گوارا کیا گیا......

خوراک اس کی اوّل استعمال میں دورتی سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے تاکہ گرمی نہ کرے، نہایت درجہ مقوی اعصاب ہے اور خارش اور شورات اور جذام اور ذیابیطس اور انواع واقسام کے خطرناک امراض کے لیے مفید ہے اور قوتِ باہ میں اس کو ایک عجیب اثر ہے۔ خاکسار مرزا غلام احمد **29** اگست **1899**ء۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر (4) ص **105** مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

ایک میرے دوست سامانہ علاقہ پٹیالہ میں ہیں' جن کا نام مرزا محمد یوسف بیگ ہے۔ انھوں نے کئی دفعہ معجون بنا کر بھیجی ہے، جس میں کچھ مدبر داخل ہوتا ہے۔ وہ معجون میرے تجربہ میں آیا ہے کہ اعصاب کے لیے نہایت مفید ہے اور امراض رعشہ اور فالج اور تقویت دماغ اور قوتِ باہ کے لیے اور نیز قوتِ معدہ کے لیے فائدہ مند ہے۔ مدت سے میرے استعمال میں ہے۔ اگر آپ اس کو استعمال کرنا مصلحت سمجھیں تو میں کسی قدر جو میرے پاس ہے، بھیج دوں۔

(مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم نمبر 2 ص 55 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

خاندانی طبیب

''خاکسار ہمیشہ عرض کرتا ہے کہ طبابت کا علم ہمارا خاندانی علم ہے اور ہمیشہ سے ہمارا خاندان

اس علم میں ماہر رہا ہے۔ دادا صاحب نہایت ماہر اور مشہور حاذق طبیب تھے۔ تایا صاحب نے بھی طب پڑھی تھی۔ حضرت مسیح موعود بھی علم طب میں خاصی دسترس رکھتے تھے اور گھر میں ادویہ کا ایک ذخیرہ رکھا کرتے تھے، جس سے بیماروں کو دوا دیتے تھے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص 35 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

آپ (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) خاندانی طبیب تھے۔ آپ کے والد ماجد اس علاقہ میں نامی گرامی طبیب گزر چکے ہیں اور آپ نے بھی طب سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ مگر باقاعدہ مطلب نہیں کیا۔ کچھ تو خود بیمار رہنے کی وجہ سے اور کچھ چونکہ علاج پوچھنے آ جاتے تھے، آپ اکثر مفید اور مشہور ادویہ اپنے گھر میں موجود رکھتے تھے۔ نہ صرف یونانی بلکہ انگریزی بھی اور آخر میں تو آپ کی ادویات کی الماری میں زیادہ تر انگریزی ادویہ ہی رہتی تھیں۔ مفصل ذکر طبابت کے نیچے آئے گا۔ یہاں اتنا ذکر کر دینا ضروری ہے کہ آپ کئی قسم کی مقوی ادویات کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً کوکا کولا، مچھلی کے تیل کا مرکب، ایسٹن سیرپ، کونین، فولاد وغیرہ اور خواہ کیسی ہی تلخ یا بدمزہ دوا ہو، آپ اس کو بلا تکلف پی لیا کرتے۔''

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 127 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

پہلا دورہ

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود (یعنی والد صاحب) کو پہلی دفعہ دورانِ سر اور ہسٹریا کا دورہ بشیر اوّل کی وفات کے چند دن بعد ہوا تھا۔ رات کو سوتے ہوئے آپ کو اُتھو آیا اور پھر اس کے بعد طبیعت خراب ہوگئی، مگر یہ دورہ خفیف تھا۔ پھر اس کے کچھ عرصے بعد آپ ایک دفعہ نماز کے لیے باہر گئے اور جاتے ہوئے فرمانے لگے کہ آج طبیعت کچھ خراب ہے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تھوڑی دیر کے بعد شیخ حامد علی نے دروازہ کھٹکھٹایا کہ جلدی پانی کی ایک گاگر گرم کر دو۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ میں سمجھ گئی کہ حضرت صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی ہوگی۔ چنانچہ میں نے کسی ملازم عورت کو کہا کہ اس سے پوچھو، میاں کی طبیعت کا کیا حال ہے۔ شیخ حامد علی نے کہا کہ خراب ہوگئی ہے۔ میں پردہ کرا کے مسجد میں چلی گئی تو آپ لیٹے ہوئے تھے۔ جب میں پاس گئی تو فرمایا کہ میری طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی لیکن اب افاقہ ہے۔ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کوئی کالی کالی چیز میرے سامنے سے اٹھی اور آسمان تک چلی گئی۔ پھر میں چیخ مار کر زمین پر گر گیا اور غشی کی سی حالت ہوگئی۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں، اس کے بعد آپ کو باقاعدہ دورے پڑنے شروع ہوگئے۔ خاکسار نے پوچھا۔ دوروں میں کیا ہوتا تھا؟ والدہ صاحبہ نے کہا۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے اور بدن کے پٹھے کھنچ جاتے تھے، خصوصاً گردن کے پٹھے اور سر میں چکر ہوتا تھا اور اس وقت آپ اپنے بدن کو سہار نہیں سکتے تھے۔ شروع شروع میں یہ دورے بہت سخت ہوتے تھے۔ پھر اس کے بعد کچھ دوروں کی ایسی سختی نہ رہی اور کچھ طبیعت عادی ہوگئی۔ خاکسار نے پوچھا کہ اس سے پہلے تو سر کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا پہلے معمولی سر درد کے دورے ہوا کرتے تھے۔

خاکسار نے پوچھا کیا حضرت صاحب پہلے خود نماز پڑھاتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ ہاں، مگر پھر دردوں کے بعد چھوڑ دی۔'' (سیرۃ المہدی حصہ اول ص 13 مصنفہ صاجزادہ بشیر احمد قادیانی)

رمضان کے دورے

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دورے پڑنے شروع ہوئے تو آپ نے اس سال سارے رمضان کے روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ دوسرا رمضان آیا تو آپ نے روزے رکھنے شروع کیے۔ مگر آٹھ نو روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ ہوا۔ اس لیے باقی چھوڑ دیے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو اس میں آپ نے دس گیارہ روزے رکھے تھے کہ پھر دورہ کی وجہ سے روزے ترک کرنے پڑے، اور آپ نے فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جو رمضان آیا تو آپ کا تیرھواں روزہ تھا کہ مغرب کے قریب آپ کو دورہ پڑا اور آپ نے روزہ توڑ دیا اور باقی روزے نہیں رکھے اور فدیہ ادا کر دیا۔ اس کے بعد جتنے رمضان آئے۔ آپ نے سب روزے رکھے۔ مگر پھر وفات سے دو تین سال قبل نہیں رکھ سکے اور فدیہ ادا فرماتے رہے۔ خاکسار نے دریافت کیا کہ جب آپ نے ابتداءً دوروں کے زمانہ میں روزے چھوڑے تو کیا پھر بعد میں ان کو قضاء کیا؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ نہیں صرف فدیہ ادا کر دیا تھا، خاکسار عرض کرتا ہے کہ جب شروع شروع میں حضرت مسیح موعود کو دوران سر اور برد اطراف کے دورے پڑنے شروع ہوئے تو اس زمانہ میں آپ بہت کمزور ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی۔''

(سیرۃ المہدی حصہ اول ص 51 مولفہ صاجزادہ بشیر احمد قادیانی)

سخت دورہ

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ اوائل میں ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سخت دورہ پڑا۔ کسی نے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد کو بھی اطلاع دے دی اور وہ دونوں آ گئے۔ پھر ان کے سامنے بھی حضرت (مرزا) صاحب کو دورہ پڑا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں اس وقت میں نے دیکھا کہ مرزا سلطان احمد تو آپ کی چارپائی کے پاس خاموشی کے ساتھ بیٹھے رہے، مگر مرزا فضل احمد کے چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا اور وہ کبھی اِدھر بھاگتا تھا اور کبھی اُدھر، کبھی اپنی پگڑی اتار کر حضرت صاحب کی ٹانگوں کو باندھتا تھا اور کبھی پاؤں دبانے لگ جاتا اور گھبراہٹ میں اس کے ہاتھ کانپتے تھے۔''

(سیرۃ المہدی حصہ اول ص 32 مولفہ صاجزادہ بشیر احمد قادیانی)

خطرناک

''پھر آپ نے (یعنی مرزا قادیانی) نے فرمایا کہ میں کیا کروں؟ میں نے تو خدا کے سامنے پیش

کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں۔ مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں۔ میں تجھے ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر تقریر فرمانے لگ گئے اور قریباً نصف گھنٹے تک جوش کے ساتھ بولتے رہے لیکن پھر یک لخت بولتے بولتے آپ کو ابکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی، جس میں کچھ خون جما ہوا تھا اور کچھ بہنے والا تھا۔ حضرت نے قے سے سر اٹھا کر رومال سے اپنا منہ پونچھا اور آنکھیں بھی پونچھیں، جو قے کی وجہ سے پانی لے آئی تھیں۔ مگر آپ کو یہ معلوم نہیں ہوا کہ قے میں کیا نکلا ہے، کیونکہ آپ نے یک لخت جھک کر قے کی اور پھر سر اٹھا لیا۔ مگر میں اسے دیکھنے کے لیے جھکا تو حضور نے فرمایا، کیا ہے؟ میں نے عرض کی، حضور قے میں خون نکلا ہے۔ تب حضور نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور دوسرے سب لوگ کمرے میں آ گئے اور ڈاکٹر کو بلوایا گیا۔ ڈاکٹر انگریز تھا۔ وہ آیا اور قے دیکھ کر خواجہ صاحب کے ساتھ انگریزی میں باتیں کرتا رہا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بڑھاپے کی عمر میں اس طرح خون کی قے آنا خطرناک ہے۔ پھر اس نے یہ کہا یہ آرام کیوں نہیں کرتے۔ خواجہ صاحب نے کہا آرام کس طرح کریں۔ مجسٹریٹ صاحب قریب قریب کی پیشیاں ڈال کر تنگ کرتے ہیں۔ حالانکہ معمولی مقدمہ ہے، جو یوں ہی طے ہوسکتا ہے۔ اس نے کہا اس وقت آرام ضروری ہے۔ میں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہوں۔ کتنے عرصہ کے لیے سرٹیفکیٹ چاہیے۔ پھر خود ہی کہنے لگا، میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہیے۔ خواجہ صاحب نے کہا' فی الحال ایک مہینہ کافی ہوگا۔ اس نے فوراً ایک مہینہ کے لیے سرٹیفکیٹ لکھ دیا اور لکھا کہ میں اس عرصہ میں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔'' (سیرۃ المہدی حصہ اول ص 80 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مراق کا سلسلہ

''مراق کا مرض حضرت مرزا قادیانی کو موروثی نہ تھا، بلکہ یہ خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوا تھا اور اس کا باعث سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوءِ ہضم تھا جس کا نتیجہ دماغی ضعف تھا اور جس کا اظہار مراق اور دیگر ضعف کی علامات مثلاً دورانِ سر کے ذریعہ ہوتا تھا۔''

(رسالہ ریویو قادیان ص 10 بابت اگست 1926ء)

''میری بیوی کو مراق کی بیماری ہے۔ کبھی کبھی وہ میرے ساتھ ہوتی ہے، کیونکہ طبی اصول کے مطابق اس کے لیے چہل قدمی مفید ہے، ان کے ساتھ چند خادم عورتیں بھی ہوتی ہیں...... ہم باغ تک جاتے ہیں۔ پھر واپس آ جاتے ہیں۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی کا بیانِ عدالت مندرجہ اخبار الحکم قادیاں جلد 5 نمبر 29 مورخہ 10 اگست 1901ء منقول از منظور الٰہی ص 244 مصنفہ منظور الٰہی قادیانی لاہوری)

''بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ نے کہ حضرت (مرزا) کے ایک حقیقی ماموں تھے، جن کا نام مرزا جمعیت بیگ تھا۔ ان کے ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی، اور ان کے دماغ میں کچھ خلل آ گیا تھا۔ لڑکے کا

نام مرزا علی شیر تھا اور لڑکی کا حرمت بی بی، لڑکی حضرت صاحب کے نکاح میں آئی اور اسی کے بطن سے مرزا سلطان احمد اور فضل احمد پیدا ہوئے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اوّل ص 206 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مراق کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ورثہ میں ملا ہوا طبعی میلان اور عصبی کمزوری ہے۔ عصبی امراض ہمیشہ ورثہ میں ملتے ہیں اور لمبے عرصہ تک خاندان میں چلتے ہیں۔ (بیاض نورالدین جلد اول منقول از اخبار پیغام صلح لاہور (36) 47 مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

جب خاندان سے اس کی ابتداء ہو چکی تو پھر اگلی نسل میں بے شک یہ مرض منتقل ہوا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی میاں محمود احمد قادیانی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔ (مضمون ڈاکٹر شاہ نواز قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو قادیاں ص 11 بابت اگست 1940ء)

اکثر یہ مرض (مراق) تنہا رہنے یا زیادہ خوض علم میں کرنے یا محنت شدید یا ریاضت شدید یا مجاہدۂ نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ (تذکرۃ الوفاق فی علاج المراق ص 60 مصنفہ حکیم اصغر حسین فرخ آبادی)

مالیخولیا مراق

مالیخولیا کی ایک قسم ہے، جس کو مراق کہتے ہیں۔ یہ مرض تیز سودا ہے، جو معدہ میں پیدا ہوتا ہے اور جس عضو میں یہ مادہ جمع ہو جاتا ہے، اس سے سیاہ بخارات اٹھ کر دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔

اس کی علامات یہ ہیں۔ ترش دخانی ڈکاریں آنا، ضعف معدہ کی وجہ سے کھانے کی لذت کم معلوم ہونا، ہاضمہ خراب ہو جانا، پیٹ پھولنا، پاخانہ پتلا ہونا، دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہونا۔ (ترجمہ) (شرح الاسباب والعلامات امراض راس مالیخولیا، تصنیف علامہ برہان الدین نفیس)

یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مرض (مراق) کی علامات کا ظہور فتورِ قوت جوانی یا روح جوانی سے ہوتا ہے، جو کہ جگر و معدے میں ہوتی ہے مگر تحقیقاتِ جدیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ مرض عصبی ہے اور جیسا کہ عورت میں رحم کی مشارکت سے مرض اختناق الرحم ہسٹریا پیدا ہوتا ہے، اسی طرح اعضائے اندرونی کے فتور سے ضعف دماغ ہو کر مردوں میں مراق ہو جاتا ہے۔

علامات

مریض ہمیشہ سُست و متفکر رہتا ہے۔ اس میں خودی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک بات میں مبالغہ کرتا ہے...... بھوک نہیں لگتی، کھانا ٹھیک طور پر ہضم نہیں ہوتا۔
(مخزن حکمت مصنفہ شمس الاطبا حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب (طبع دوم))

فسادِ ہضم، کھٹی دخانی ڈکاریں، منہ میں زیادہ رال آئے، پیٹ پھولتا ہو، پیٹ میں قراقر، تناوٹ اور سوزش ہو جھوٹی بھوک معلوم ہو۔ تالو کی طرف دھوئیں جیسے بخارات چڑھتے ہوئے معلوم ہوں، ہاضمہ اچھا

ہو، تو مرض میں تخفیف ہو، ہاضمے کی خرابی اور رعشے سے مرض میں زیادتی ہو۔ گاہے، جسم کے اوپر کے حصے میں کپکپی اور لرزہ، ہاتھ پاؤں کی ہتھیلیوں یا تمام بدن کا ٹھنڈا ہو جانا، مرض کی کمی بیشی کے مطابق کمزوری لاحق ہونا، یہاں تک کہ کبھی غشی تک نوبت پہنچ جائے، کبھی ایک چیز کے دو معلوم ہونا، کبھی آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوندتی معلوم ہو یا آنکھوں کی کرختگی، پلکوں کا بوجھل ہونا، دماغ اور سر میں سوزش و گرمی، دردِ سر اور نسیان یک بیک اچھو لگ جانا...... مرض مراق کے لوازم سے ہے، لیکن ان سب کا ایک مریض میں پایا جانا ضروری نہیں۔ (ترجمہ) (اکسیر اعظم جلد اوّل ص 189 مصنفہ حکیم محمد اعظم خاں صاحب)

مالیخولیا اس مرض کو کہتے ہیں۔ جس میں حالت طبعی کے خلاف خیالات و افکار متغیر بخوف و فساد ہو جاتے ہیں۔ اس کا سبب مزاج سوداوی ہو جانا ہوتا ہے، جس سے روح دماغی اندرونی طور پر متوحش ہوتی ہے اور مریض اس کی ظلمت سے پراگندہ خاطر ہو جاتا ہے یا پھر یہ مرض حرارت جگر کی شدت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی چیز مراق ہوتی ہے۔ جب اس میں غذا کے فضلات اور آنتوں کے بخارات جمع ہو جاتے ہیں اور اس کے اخلاط جل کر سودا کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں تو ان اعضاء سے سیاہ بخارات اٹھ کر سر کی طرف چڑھتے ہیں۔ اسی کو نفحہ مراقیہ، مالیخولیائے نافع اور مالیخولیائے مراقی کہتے ہیں۔

(ترجمہ، قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اول از کتاب ثالث)

علاج

عمدہ خون پیدا کرنے والی غذائیں استعمال کرائی جائیں مثلاً مچھلی (پرندوں کا) زود ہضم گوشت اور کبھی کبھی سفید ہلکی شراب، جو تیز اور پرانی نہ ہو...... اور عمدہ عمدہ خوشبوئیں، جیسے مشک عنبر، ناقہ اور عود استعمال کرائیں۔ نیز فم معدہ کے لیے مقوی جوارشات کا استعمال کرائیں۔

مریض مالیخولیا کو لازم ہے کہ کسی دل خوش کن کام میں مشغول رہے اور اس کے پاس وہ لوگ رہیں، جو اس کی تعظیم و تکریم کرتے رہیں اور اس کو خوش رکھیں اور شراب تھوڑا تھوڑا پانی ملا کر اعتدال کے ساتھ پلائی جائے (قانون شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا فن اول از کتاب ثالث)

مالیخولیا کے کرشمے

مالیخولیا خیالات و افکار کے طریق طبعی سے متغیر بخوف و فساد ہو جانے کو کہتے ہیں۔ بعض مریضوں میں گاہے گاہے یہ فساد اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو غیب دان سمجھتا ہے اور اکثر ہونے والے امور کی پہلے ہی خبر دے دیتا ہے...... اور بعض میں یہ فساد یہاں تک ترقی کر جاتا ہے کہ اس کو اپنے متعلق یہ خیال ہوتا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔

(شرح اسباب والعلامات امراض مالیخولیا مصنفہ علامہ برہان الدین نفیس)

مریض کے اکثر اوہام اس کام سے متعلق ہوتے ہیں جس میں مریض زمانہ صحت میں مشغول رہا ہو۔ مثلاً...... مریض صاحب علم ہوتو پیغمبری اور معجزات و کرامات کا دعویٰ کر دیتا ہے، خدائی کی باتیں کرتا ہے، اور لوگوں کو اس کی تبلیغ کرتا ہے۔ (اکسیر اعظم جلد اول ص 188 مصنفہ حکیم محمد اعظم خاں صاحب)

ہسٹریا

''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کئی دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے۔ بعض اوقات آپ مراقی بھی فرمایا کرتے تھے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ آپ کو دماغی محنت اور شبانہ روز تصنیف کی مشقت کی وجہ سے بعض عصبی علامات پیدا ہو جایا کرتی تھیں' جو ہسٹریا کے مریضوں میں بھی عموماً دیکھی جاتی ہیں۔ مثلاً کام کرتے کرتے یک دم ضعف ہو جانا، چکروں کا آنا، ہاتھ پاؤں کا سرد ہو جانا، گھبراہٹ کا دورہ ہو جانا، ایسا معلوم ہونا کہ ابھی دم نکلتا ہے، یا کسی تنگ جگہ یا بعض اوقات آدمیوں میں گھر کر بیٹھنے سے دل کا سخت پریشان ہونے لگنا وغیرہ ذالک۔''

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 55 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

ہسٹریا کا بیمار جس کو اختناق الرحم کہتے ہیں، چونکہ عام طور پر یہ مرض عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے، اس لیے اس کو رحم کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ورنہ مردوں میں بھی یہ مرض ہوتا ہے۔ جن مردوں کو یہ مرض ہو، ان کو مراقی کہتے ہیں۔ (خطبہ جمعہ میاں محمود احمد صاحب خلیفہ قادیاں مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 10 نمبر 84 مورخہ 30 اپریل 1923ء)

یہ درست ہے کہ مرگی اور ہسٹریا میں بھی مراق کی علامات پائی جاتی ہیں، مگر یہ نہیں کہ ہر مراقی کو مرگی یا ہسٹریا کا مرض ہوتا ہے۔ (بیاض نور الدین جلد اوّل منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد 36 نمبر 47 مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

ایک مدعی الہام کے متعلق اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس کو ہسٹریا، مالیخولیا یا مرگی کا مرض تھا تو اس کے دعوے کی تردید کے لیے کسی اور ضرب کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ یہ ایک ایسی چوٹ ہے' جو اس کی صداقت کی عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیتی ہے۔ (مضمون ڈاکٹر شاہنواز صاحب قادیانی مندرجہ رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیاں بابت ماہ اگست 1946ء)

دق اور سل

حضرت اقدس نے اپنی بیماری دق کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بیماری آپ کو حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب مرحوم کی زندگی میں ہوگئی تھی اور آپ قریباً چھ ماہ بیمار رہے۔ حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپ کا علاج خود کرتے تھے اور آپ کو بکرے کے پائے کا شوربہ کھلایا کرتے تھے۔ اس بیماری میں آپ کی حالت

بہت نازک ہوگئی تھی۔ (حیات احمد جلد دوم نمبر اول ص 79 مولفہ یعقوب علی قادیانی)

بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ تمھارے دادا کی زندگی میں حضرت (مرزا) کو سل ہوگئی۔ حتیٰ کہ زندگی سے ناامیدی ہوگئی...... والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ تمھارے دادا خود حضرت صاحب کا علاج کرتے تھے اور برابر چھ ماہ تک انھوں نے آپ کو بکرے کے پائے کا شوربہ کھلایا تھا۔'' (سیرۃ المہدی حصہ اول ص 42 مولفہ صاحب زادہ بشیر احمد قادیانی)

دو چادریں

''دیکھو میری بیماری کی نسبت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی کی تھی، جو اس طرح وقوع میں آئی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مسیح آسمان پر ہے۔ جب اترے گا تو دو زرد چادریں اس نے پہنی ہوئی ہوں گی تو اسی طرح مجھ کو دو بیماریاں ہیں۔ ایک اوپر کے دھڑ کی اور ایک نیچے کے دھڑ کی یعنی مراق اور کثرتِ بول۔'' (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی مندرجہ رسالہ تشحیذ الاذہان قادیان ماہ جون 1906ء، اخبار مدیر قادیان جلد 2 نمبر 23 مورخہ 7 جون 1906ء)

دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسرا بدن کے نیچے کے حصہ میں، اوپر کے حصہ میں دورانِ سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرتِ پیشاب ہے اور یہ دونوں مرضیں اس زمانہ سے ہیں، جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔ (شاید یہ دعوے کی برکت ہو۔ للمؤلف برنی) (مرزا قادیانی کی تالیف حقیقت الوحی ص 206-207 منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد 36 نمبر 47 مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

مسیح موعود دو زرد چادروں میں اترے گا۔ ایک چادر بدن کے اوپر کے حصہ میں ہوگی اور دوسری چادر بدن کے نیچے کے حصے میں ہوگی۔ سو میں نے کہا کہ اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود دو بیماریوں کے ساتھ ظاہر ہوگا، کیونکہ تعبیر کے علم میں زرد کپڑے سے مراد بیماری ہے اور وہ دونوں بیماریاں مجھ میں ہیں۔ یعنی ایک سر کی بیماری اور دوسری کثرتِ پیشاب اور دستوں کی بیماری (عیسیٰ مسیح کا معجزہ تھا کہ بیماروں کو تندرست بلکہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے اور مسیح موعود یعنی بزعم خود مرزا قادیانی کی نشانی خود امراض ہیں۔ خاص کر سر کی بیماری اور پیشاب اور دستوں کی بیماری، لیکن کیا عجب ہے یہ چودھویں صدی کا کمال ہو جس سے اچھے اچھوں نے پناہ مانگی۔ (للمؤلف برنی) (مرزا قادیانی کی تالیف تذکرۃ الشہادتین ص 24 منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد 36 نمبر 47 مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

مسیح موعود کی نسبت حدیثوں میں دو زرد رنگ چادروں کا ذکر ہے، ایسی ہی میرے لاحق حال دو بیماریاں ہیں۔ ایک بیماری بدن کے اوپر کے حصہ میں، جو اوپر کی چادر ہے اور وہ دورانِ سر ہے، جس کی شدت سے مجھے بعض وقت میں زمین پر گر جاتا ہوں اور دل کا دورانِ خون کم ہو جاتا ہے اور ہولناک صورت پیدا

ہوجاتی ہے۔ (بعض دیگر دماغی امراض خاص کر مرگی میں یہ کیفیت گزرتی ہے۔ دردِ سر میں تو بیشتر تکلیف رہتی ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے اپنی خرابی صحت میں ہسٹریا کا مرض بھی ظاہر کیا۔ (للمؤلف برنی)

اور دوسری بیماری بدن کے نیچے کے حصے میں ہے‘ جو مجھے کثرتِ پیشاب کی مرض ہے‘ جس کو ذیابیطس کہتے ہیں اور معمولی طور پر مجھے ہر روز پیشاب کثرت سے آتا ہے اور پندرہ یا بیس دفعہ تک نوبت پہنچتی ہے اور بعض اوقات قریب سو دفعہ کے دن رات میں پیشاب آتا ہے اور اس سے بھی ضعف بہت ہو جاتا ہے۔ (میرزا قادیانی کی تالیف براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 201 منقول از اخبار پیغام صلح لاہور جلد نمبر 36 نمبر 47 مورخہ یکم دسمبر 1945ء)

پیشاب کا انتظام

اس پر مجھے یاد آیا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس عاجز کو دوبار ایسی خدمت کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ ایک تو سفر جہلم، میری عادت تھی کہ سفر میں یہ کوشش کرتا تھا کہ رات کے وقت بھی مجھے حضور کے پاس ہی سورہنے کی جگہ ملے۔ چنانچہ جہلم میں حضور کی چارپائی کے نزدیک ہی فرش پر لیٹنے کا مجھے موقع مل گیا اور جب سب لوگ سوئے ہوئے تھے، تو مجھے آہٹ ہوئی کہ حضور چارپائی پر سے اٹھے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا چاہیے۔ حضور نے فرمایا کہ پیشاب کی حاجت ہے۔ سردی کا موسم تھا۔ میں جلدی سے ایک مٹی کا برتن لایا اور مٹی کے ڈھیلے لایا حضور پیشاب سے فارغ ہوئے تو میں برتن اٹھا کر باہر لے گیا۔

دوسری دفعہ لاہور میں جب حضور نے حضرت میاں چراغ الدین صاحب مرحوم کے مکان پر قیام کیا‘ تب بھی رات کے وقت حضور کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ میں جاگ رہا تھا۔ ایک مٹی کا برتن لایا۔ جب حضور فارغ ہوئے تو میں نے ہاتھ بڑھایا اور مٹی کے برتن کو پکڑا کہ باہر لے جاؤں، مگر اس دفعہ حضور نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں ایسا کروں اور ایک کھڑکی سے جو اس کمرے میں تھی، خود ہی پیشاب باہر گرا دیا۔ (مفتی محمد صادق صاحب کا بیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان نمبر 227 جلد 28 مورخہ 9 دسمبر 1940ء)

دو بیماریاں

مجھے دو بیماریاں مدتِ دراز سے تھیں۔ ایک شدید دردِ سر، جس سے میں نہایت بے تاب ہو جایا کرتا تھا اور ہولناک عوارض پیدا ہو جاتے تھے اور یہ مرض قریباً پچیس برس تک دامن گیر رہی اور اس کے ساتھ دورانِ سر بھی لاحق ہو گیا اور طبیبوں نے لکھا ہے کہ ان عوارض کا آخری نتیجہ مرگی ہوتی ہے۔ چنانچہ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر قریباً دو ماہ تک اسی مرض میں مبتلا ہو کر آخر مرض صرع میں مبتلا ہو گئے اور اسی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ لہٰذا میں دعا کرتا رہا کہ خدا تعالیٰ ان امراض سے مجھے محفوظ رکھے۔ ایک دفعہ عالم کشف میں مجھے دکھائی دیا کہ ایک بلا سیاہ رنگ، چار پایہ کی شکل پر، جو بھیڑ کے قد کے مانند اس کا قد تھا

اور بڑے بڑے بال تھے اور بڑے بڑے پنجے تھے، میرے پر حملہ کرنے لگے اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہی صرع ہے تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ زور سے ان کے سینے پر مارا اور کہا کہ دور ہو۔ تیرا مجھ میں حصہ نہیں۔ تب خدا تعالیٰ جانتا ہے، کہ بعد اس کے وہ خطرناک عوارض جاتے رہے اور وہ درد شدید بالکل جاتی رہی۔ صرف دورانِ سر کبھی کبھی ہوتا ہے کہ دو زرد رنگ چادروں کی پیش گوئی میں خلل نہ آئے، دوسری مرض ذیابیطس تخمیناً بیس برس سے ہے، جو مجھے لاحق ہے۔ جیسا کہ اس نشان کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے اور ابھی تک بیس دفعہ کے قریب ہر روز پیشاب آتا ہے اور امتحان سے بول میں شکر پائی گئی۔ ایک دن مجھے خیال آیا کہ ڈاکٹروں کے تجربہ کی رو سے انجام ذیابیطس کا یا تو نزول الماء ہوتا ہے۔ یا کاربنکل یعنی سرطان کا پھوڑا نکلتا ہے، جو مہلک ہوتا ہے۔ سو اسی وقت نزول الماء کی نسبت مجھے الہام ہوا۔ یعنی تین عضو پر رحمت نازل کی گئی، آنکھ اور دو عضو پر اور پھر جب کاربنکل کا خیال میرے دل میں آیا تو الہام ہوا۔ السلام علیکم، سو ایک عمر گزری کہ میں ان بلاؤں سے محفوظ ہوں۔ فالحمدللہ (حقیقۃ الوحی ص 263 مصنفہ غلام احمد قادیانی)

تیس برس

"مجھے دو مرض دامنگیر ہیں۔ ایک جسم کے اوپر کے حصہ میں کہ سر درد اور دورانِ سر اور دورانِ خون کم ہو کر ہاتھ پیروں کا سرد ہو جانا، نبض کم ہو جانا اور دوسرے جسم کے نیچے کے حصہ میں کہ پیشاب کثرت سے آنا اور اکثر دست آتے رہنا۔ یہ دونوں بیماریاں قریب تیس برس سے ہیں۔ (نسیم دعوت ص 68 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

یہ دونوں بیماریاں کبھی دعا سے ایسی رخصت ہو جاتی ہیں، گویا دور ہو گئیں، مگر پھر شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک دفعہ میں نے دعا کی کہ یہ بیماریاں بالکل دور کر دی جائیں تو جواب ملا کہ ایسا نہیں ہوگا...... مسیح موعود کے لیے یہ بھی ایک علامت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے کہ وہ دو زرد چادروں میں اترے گا۔"

(اخبار پیغام صلح لاہور جلد 36 ص 47 مورخہ یکم دسمبر 1948ء)

دائم المرض

میں ایک دائم المرض آدمی ہوں...... ہمیشہ دردِ سر اور دورانِ سر اور کمی خواب اور تشنج دل کی بیماری دورہ کے ساتھ آتی ہے۔ بیماری ذیابیطس ہے کہ ایک مدت سے دامنگیر ہے اور بسا اوقات سو سو دفعہ رات کو یا دن کو پیشاب آتا ہے اور اس قدر کثرتِ پیشاب سے جس قدر عوارضِ ضعف وغیرہ ہوتے ہیں وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ (ضمیمہ اربعین نمبر 3'4 صفحہ 4 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حالت صحت اس عاجز کی بدستور ہے۔ کبھی غلبہ دوران سر اس قدر ہو جاتا ہے کہ مرض کی جنبش

شدید کا اندیشہ ہوتا ہے اور کبھی یہ دوران کم ہوتا ہے۔ لیکن کوئی وقت دورانِ سر سے خالی نہیں گزرتا۔ مدت ہوئی نماز تکلیف سے بیٹھ کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض وقت درمیان میں توڑنی پڑتی ہے، اکثر بیٹھے بیٹھے رینگن ہو جاتی ہے اور زمین پر قدم اچھی طرح نہیں جمتا۔ قریب چھ سات ماہ یا زیادہ عرصہ گزر گیا ہے کہ نماز کھڑے ہو کر نہیں پڑھی جاتی اور نہ بیٹھ کر اس وضع پر پڑھی جاتی ہے، جو مسنون ہے اور قرأت میں شاید قل ہو اللہ بہ مشکل پڑھ سکوں کیونکہ ساتھ ہی توجہ کرنے سے تحریک بخارات کی ہوتی ہے، (خاکسار غلام احمد قادیاں 5 فروری 1891ء (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر 3 ص 88 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

چشم نیم باز

مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ باہر مردوں میں بھی حضرت (مرزا) کی یہ عادت تھی کہ آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیم بند رہتی تھیں...... ایک دفعہ حضرت مرزا قادیانی مع چند خدام کے فوٹو کھنچوانے لگے تو فوٹو گرافر آپ سے عرض کرتا تھا کہ حضور ذرا آنکھیں کھول کر رکھیں ورنہ تصویر اچھی نہیں آئے گی اور آپ نے اس کے کہنے پر ایک دفعہ تکلف کے ساتھ آنکھوں کو کچھ زیادہ کھولا، مگر وہ پھر اسی طرح بند ہو گئیں۔ (سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 77 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

عصبی کمزوری

حضرت مرزا قادیانی کی تمام تکالیف مثلاً دورانِ سر، دردسر، کمی خواب، تشنج دل، بدہضمی، اسہال، کثرتِ پیشاب اور مراق وغیرہ کا صرف ایک ہی باعث تھا اور وہ عصبی کمزوری تھا۔

(رسالہ ریویو قادیان بابت مئی 1937ء)

مرض اعصابی

مخدومی مکرمی اخویم (مولوی نور الدین صاحب) السلام علیکم ورحمتہ و برکاتہٗ

یہ عاجز پیر کے دن 19 مارچ 1891ء کو مع اپنے عیال کے لودھیانہ کی طرف جائے گا اور چونکہ سردی اور دوسرے تیسرے روز بارش بھی ہو جاتی ہے اور اس عاجز کو مرض اعصابی ہے، سرد ہوا اور بارش سے بہت ضرر پہنچتا ہے، اس وجہ سے یہ عاجز کسی صورت سے اس قدر تکلیف اٹھا نہیں سکتا کہ اس حالت میں لدھیانہ پہنچ کر پھر جلدی لاہور میں آئے۔ طبیعت بیمار ہے۔ لاچار ہوں۔ اس لیے مناسب ہے کہ اپریل کے مہینہ میں کوئی تاریخ مقرر کی جائے...... والسلام، خاکسار غلام احمد عفی عنہٗ

(مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم نمبر 2 مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

خرابی حافظہ

مکرمی اخویم سلمہ

میرا حافظہ بہت خراب ہے۔ اگر کئی دفعہ کسی کی ملاقات ہو، تب بھی بھول جاتا ہوں، یاددہانی عمدہ طریقہ ہے۔ حافظہ کی یہ ابتری ہے کہ بیان نہیں کرسکتا۔ (خاکسار غلام احمد از صدر انبالہ احاطہ ناگ پھنی
(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر 3 ص 21 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

بیان کیا مجھ سے مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب نے کہ جن دنوں میں گورداسپور میں کرم دین کا مقدمہ تھا، ایک دن حضرت مرزا قادیانی کچہری کی طرف تشریف لے جانے لگے اور حسب معمول پہلے دعا کے لیے اس کمرہ میں گئے، جو اس غرض کے لیے پہلے مخصوص کرلیا تھا۔ میں اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ باہر انتظار میں کھڑے رہے اور مولوی صاحب کے ہاتھ میں اس وقت حضرت صاحب کی چھڑی تھی۔ حضرت صاحب دعا کر کے باہر نکلے تو مولوی صاحب نے آپ کو چھڑی دی۔ حضرت صاحب نے چھڑی ہاتھ میں لے کر اُسے دیکھا اور فرمایا یہ کس کی چھڑی ہے؟ عرض کیا گیا کہ حضور ہی کی ہے' جو حضور اپنے ہاتھ میں رکھا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا! میں نے تو سمجھا تھا کہ میری نہیں ہے۔
(سیرۃ المہدی حصہ اول ص 227 مؤلفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

بے توجہی

ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جسمانی عادات میں ایسے سادہ تھے کہ بعض دفعہ جب حضور جراب پہنتے تو بے توجہی کے عالم میں اس کی ایڑی پاؤں کے تلے کی طرف نہیں بلکہ اوپر کو ہو جاتی تھی اور بارہا ایک کاج کا بٹن دوسرے کاج میں لگا ہوتا تھا اور بعض اوقات کوئی دوست حضور کے لیے گرگابی (جوتا) ہدیۃً لاتا تو آپ بسا اوقات دایاں پاؤں بائیں میں ڈال لیتے تھے اور بایاں دائیں میں۔ چنانچہ اس تکلیف کی وجہ سے آپ دیسی جوتا پہنتے تھے۔ اسی طرح کھانا کھانے کا یہ حال تھا کہ خود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں تو اس وقت پتہ لگتا ہے کہ کیا کھا رہے ہیں کہ جب کھانا کھاتے کھاتے کوئی کنکر وغیرہ کا ریزہ دانت کے نیچے آجاتا ہے۔
(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 58 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

جیب کے ڈھیلے

آپ کو (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو شیرینی سے بہت پیار ہے اور مرض بول بھی آپ کو عرصہ سے لگی ہوئی ہے۔ اسی زمانہ میں آپ مٹی کے ڈھیلے بعض وقت جیب میں ہی رکھتے تھے اور اسی جیب میں گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔ اسی قسم کی اور بہت سی باتیں ہیں، جو اس بات پر شاہد ناطق

ہیں کہ آپ کو اپنے یارازل کی محبت میں ایسی محویت تھی کہ جس کے باعث اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو رہے تھے۔ (البتہ کھانے میں مرغ، بیٹر، مقویات میں مشک، عنبر مفرح عنبری اور خاص مجربات اور مشاغل میں سرکار عظمت مدار کی توصیف و تائید اور دین میں تاویلات اور نبوت کے دعوے، دنیا کی طرف اسی قدر توجہ باقی رہ گئی تھی، اس سے زیادہ نہیں۔ للمولف (مرزا قادیانی کے حالات مرتبہ معراج الدین عمر صاحب قادیانی تمہ براہین احمدیہ جلد اول ص 27)

مصروفیت اور مراق

میرا تو یہ حال ہے کہ باوجود اس کے کہ دو بیماریوں میں ہمیشہ مبتلا رہتا ہوں، تاہم آج کل کی مصروفیت کا یہ حال ہے کہ رات کو مکان کے دروازے بند کر کے بڑی بڑی رات تک بیٹھا اس کام کو کرتا رہتا ہوں۔ حالانکہ زیادہ جاگنے سے مراق کی بیماری ترقی کرتی ہے اور دورانِ سر کا درد زیادہ ہو جاتا ہے۔ تاہم میں اس بات کی پروا نہیں کرتا اور اس کام کو کیے جاتا ہوں۔ (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیان جلد 5 نمبر 20 مورخہ 13 اکتوبر منقول از کتاب منظور الٰہی ص 349 مولفہ محمد منظور الٰہی صاحب قادیانی)

انہماک

باجود کہ مجھے اسہال کی بیماری ہے اور ہر روز کئی کئی دست آتے ہیں، مگر جس وقت پاخانے کی بھی حاجت ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ابھی کیوں حاجت ہوئی؟ اس طرح جب روٹی کھانے کے لیے کئی مرتبہ کہتے ہیں تو بڑا جبر کر کے جلد جلد چند لقمے کھا لیتا ہوں۔ بظاہر تو میں روٹی کھاتا ہوا دکھائی دیتا ہوں، مگر میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پتہ نہیں ہوتا۔ کہ وہ کہاں جاتی ہے اور کیا کھا رہا ہوں۔ میری توجہ اور خیال اسی طرف لگا ہوا ہوتا ہے (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار الحکم قادیاں جلد 5 نمبر 40 منقول از کتاب منظور الٰہی ص 349 مولفہ محمد منظور الٰہی صاحب قادیانی)

دورانِ سر

پان عمدہ بیگمی (عنصہ) اور ایک انگریزی وضع کا پاخانہ، جو ایک چوکی ہوتی ہے اور اس میں ایک برتن ہوتا ہے، اس کی قیمت معلوم نہیں، آپ ساتھ لاویں۔ قیمت یہاں سے دی جاوے گی۔ مجھے دورانِ سر کی بہت شدت سے مرض ہو گئی ہے۔ پیروں پر بوجھ دے کر پاخانہ پھرنے سے مجھے سر کو چکر آتا ہے (خطوط امام بنام غلام ص 6 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی صاحب بنام حکیم محمد حسین قریشی صاحب قادیانی مالک دوا خانہ رفیق صحت لاہور)

دماغی بے ہوشی

پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہوا کہ جب حضور سخت دماغی محنت کیا کرتے تو اچانک آپ کے دماغ پر ایک کمزوری کا حملہ ہوتا اور بے ہوش ہو جاتے۔

ایک دفعہ کا واقعہ مجھے یاد ہے' جب کہ عیسائی دشمنوں نے حضور پر مقدمہ اقدام قتل کا بنایا اور مسلمان مولوی صاحبان عیسائیوں کی تائید میں گواہیاں دینے کے لیے آئے' تو جس دن بٹالہ میں پیشی تھی اس سے قبل رات عشاء کی نماز کے بعد حضور جواب دعویٰ لکھنے بیٹھے اور مجھے حکم فرمایا کہ میں حضور کے مسودہ کو خوشخط لکھتا جاؤں۔ اندر کے صحن میں حضور بیٹھ گئے۔ لالٹین اور بتیاں روشن کی گئیں...... حضرت صاحب مسودہ لکھتے رہے اور میں نقل کرتا رہا۔ اسی حالت میں رات گزر گئی اور صبح کی اذان ہوگئی۔ اس وقت اچانک حضرت صاحب کو دماغ میں تکلیف محسوس ہوئی، جس سے لیٹ گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ لوگ باہر سے بلائے گئے۔ بہت دیر تک بدن کو دبانے اور ملنے کے بعد ہوش میں آئے۔ (منظر وصال از مفتی محمد صادق صاحب قادیانی مندرجہ اخبار الحکم قادیان خاص نمبر مورخہ 21 مئی 1934ء)

خرابی صحت

عرصہ تین چار ماہ سے میری طبیعت نہایت ضعیف ہوگئی ہے۔ بجز دو وقت ظہر وعصر کے نماز کے لیے بھی نہیں جا سکتا اور اکثر بیٹھ کر نماز پڑھتا ہوں اور اگر ایک سطر بھی کچھ لکھوں یا فکر کروں تو خطرناک دورانِ سر شروع ہو جاتا ہے اور دل ڈوبنے لگتا ہے۔ جسم بالکل بے کار ہو رہا ہے۔ اور جسمانی قویٰ ایسے مضمحل ہو گئے ہیں کہ خطرناک حالت ہے۔ گویا مسلوب القویٰ ہوں اور آخری وقت ہے۔ ایسا ہی میری بیوی دائم المریض ہے۔ امراض رحم وجگر دامن گیر ہیں۔ (ارشاد مرزا غلام احمد قادیانی صاحب مندرجہ اخبار بدر قادیان جلد 2 نمبر 21 منقول از آئینہ احمدیت ص 186 مولفہ دوست محمد قادیانی لاہوری)

سخت بیمار

بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد صاحب نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب (حال عبدالرحیم صاحب درد قادیانی ایم اے) کہ ایک دفعہ والد صاحب (یعنی مرزا غلام احمد قادیانی) سخت بیمار ہو گئے اور حالت نازک ہوگئی اور حکیموں نے نا امیدی کا اظہار کر دیا اور نبض بھی بند ہوگئی، مگر زبان جاری رہی۔ والد صاحب نے کہا کہ کیچڑ لا کر میرے اوپر نیچے رکھو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور اس سے حالت روبہ اصلاح ہو گئی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت (مرزا) قادیانی نے لکھا ہے کہ یہ مرض قولنج زحیری کا تھا۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ

''ایک مرتبہ میں قولنج زحیری سے سخت بیمار ہوا اور سولہ دن تک پاخانہ کی راہ سے خون آتا رہا اور

سخت درد تھا۔" (حقیقۃ الوحی ص 324)

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا تھا کہ پانی اور ریت منگوا کر بدن پر ملی جائے سو ایسا کیا گیا تو حالت اچھی ہوگئی۔ مرزا سلطان احمد صاحب کو ریت کے متعلق ذہول ہو گیا ہے۔

(سیرۃ المہدی حصہ اول ص 203 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

مرغوبات

بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت (مرزا) قادیانی جب بڑی مسجد میں جاتے تھے تو گرمی کے موسم میں کنویں سے پانی نکلوا کر ڈول سے ہی منہ لگا کر پانی پیتے تھے اور مٹی کے تازہ ٹنڈ یا تازہ آب خورہ میں پانی پینا آپ کو پسند تھا اور میاں عبداللہ صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اچھے تلے ہوئے کرارے پکوڑے پسند کرتے تھے۔ کبھی کبھی مجھ سے منگوا کر مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے کھایا کرتے تھے اور سالم مرغ کا کباب بھی پسند تھا...... گوشت کی خوب بھنی ہوئی بوٹیاں بھی مرغوب تھیں...... حضرت صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ گوشت زیادہ نہیں کھانا چاہیے۔ جو شخص چالیس دن لگا تار کثرت کے ساتھ صرف گوشت ہی کھاتا رہتا ہے' اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ دال، سبزی، ترکاری کے ساتھ بدل بدل کر گوشت کھانا چاہیے۔ (سیرۃ المہدی حصہ اول ص 163 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ اس لیے بعض اوقات جب طبیعت کمزور ہوتی تو تیتر' فاختہ وغیرہ کے لیے شیخ عبدالرحیم صاحب نومسلم کو ایسا گوشت مہیا کرنے کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ مرغ اور بٹیروں کا گوشت بھی آپ کو پسند تھا۔ مگر بٹیر، جب سے کہ پنجاب میں طاعون کا زور ہوا، کھانے چھوڑ دیے تھے بلکہ منع کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کے گوشت میں طاعون پیدا کرنے کی خاصیت ہے...... مرغ کا گوشت ہر طرح آپ کھا لیتے تھے۔ سالن ہو یا بھنا ہوا، کباب ہو یا پلاؤ، مگر اکثر ایک ران پر ہی گزارہ کر لیتے تھے اور وہی آپ کو کافی ہو جاتی تھی...... پلاؤ بھی آپ کھاتے تھے۔ مگر ہمیشہ نرم اور گداز اور گلے ہوئے چاولوں کا اور میٹھے چاول تو کبھی خود کہہ کر پکوالیا کرتے تھے مگر گڑ کے اور وہی آپ کو پسند تھے۔ عمدہ کھانے یعنی کباب، مرغ پلاؤ یا انڈے اور اسی طرح فیرینی میٹھے چاول وغیرہ، تب ہی آپ کہہ کر پکوایا کرتے تھے، جب ضعف معلوم ہوتا۔ جن دنوں میں تصنیف کا کام ہوتا یا صحت اچھی ہوتی تو ان دنوں میں معمولی کھانا ہی کھاتے تھے...... دودھ، بالائی، مکھن یہ اشیاء بلکہ بادام روغن تک صرف قوت کے قیام اور ضعف کے دور کرنے کو استعمال فرماتے تھے اور ہمیشہ معمولی مقدار میں۔ بعض لوگوں نے آپ کے کھانے پر اعتراض کیے ہیں۔ مگر ان بیوقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ ایک شخص، جو عمر میں بوڑھا ہے اور اسے کئی امراض لگے ہوئے ہیں اور باوجود ان کے وہ تمام جہان سے مصروف پیکار ہے...... وہ شخص ان مقوی غذاؤں کو صرف بطور قوتِ لایموت اور سدرمق کے طور پر استعمال کرتا ہے تو کون عقل کا اندھا ایسا ہوگا کہ اس خوراک کو لذیذ

حیوانی اور حظوظِ نفسانی سے تعبیر کرے؟ خدا تعالیٰ ہر مومن کو بدظنی سے بچائے۔

میوہ جات آپ کو پسند تھے اور اکثر خدام بطور تحفے کے لایا بھی کرتے تھے۔ گاہے بگاہے خود بھی منگواتے تھے۔ پسندیدہ میووں میں سے آپ کو انگور، بمبئی کا کیلا، ناگپوری سنگترہ، سیب، سردے اور سردلی آم زیادہ پسند تھے۔ باقی میوے بھی گاہے گاہے، جو آتے رہتے تھے، کھایا کرتے تھے۔

زمانہ موجودہ کے ایجادات مثلاً برف اور سوڈا لیمونیڈ' جنجر وغیرہ بھی گرمی کے دنوں میں پی لیا کرتے تھے بلکہ شدتِ گرمی میں برف بھی امرتسر، لاہور سے خود منگوالیا کرتے تھے۔ بازاری مٹھائیوں سے بھی آپ کو کسی قسم کا پرہیز نہ تھا۔ نہ اس بات کی پڑچول تھی کہ ہندو کی ساختہ ہے یا مسلمان کی۔ لوگوں کی نذرانہ کے طور پر آوردہ مٹھائیوں میں سے کھا لیتے تھے اور خود بھی روپے دو روپے کی مٹھائی منگوا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ مٹھائی بچوں کے لیے ہوتی تھی بلکہ ولایتی بسکٹوں کو بھی جائز فرماتے تھے۔ اس لیے کہ ہمیں کیا معلوم کہ اس میں کیا چربی ہے، کیونکہ بنانے والے کا ادعا تو مکھن ہے۔ پھر ہم ناحق بدگمانی اور شکوک میں کیوں پڑیں۔ (سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 132 تا ص 135 مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

شکار کی ضرورت

عام طور پر آپ کو (شکار سے) شوق اور دلچسپی نہ تھی۔ ہاں طیور کے گوشت کو پسند فرماتے تھے اور دراصل حضرت صاحبزادگان میں شکار کا شوق بھی حضرت مسیح موعود کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے تھا جو حضرت والد صاحب قبلہ کی خوشنودی اور دعا کے حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ ان ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غذا بالکل کم ہوگئی تھی اور کوئی چیز نہیں کھاتے تھے۔ پرندے کا شوربا آپ پسند کرتے تھے۔ اس لیے عام طور پر خادم کوشش کرتے تھے کہ کوئی پرند شکار کر کے لائیں۔ اس سلسلے میں حضرت صاحب زادہ صاحب بھی سعی کرتے تھے۔ (حیات النبی جلد اول نمبر دوم ص 139 مولفہ یعقوب علی قادیانی)

کثرت کی آفت

ایک وہ زمانہ تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام باہر مہمانوں میں بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے اور ابتداء میں بعض دفعہ آپ کے ساتھ ایک آدمی، بعض دفعہ دو آدمی اور بعض دفعہ چھ سات آدمی ہوتے تھے۔ آخر ہوتے ہوتے یہ تعداد پندرہ بیس تک جا پہنچی تو آپ نے کھانا باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا چھوڑ دیا کہ اب یہ تکلیف مالایطاق ہے۔ پھر یہ بات نہ رہی اور آپ نے گھر میں بیٹھ کر کھانا شروع کر دیا۔ (تنہائی میں مرزا قادیانی کو یوں بھی کھانا حسب دلخواہ اچھا ملتا ہوگا۔ چنانچہ ذکر ہے کہ مرزا قادیانی کو پرندوں کا گوشت بہت مرغوب تھا۔ مثلاً تیتر، مرغ، بٹیر وغیرہ (للمولف برنی) (میاں بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ قادیان کا ارشاد مندرجہ اخبار الفضل قادیاں جلد 34 نمبر 30 مورخہ 5 دسمبر 1946ء)

درستی صحت

مجھے دماغی کمزوری اور دورانِ سر کی وجہ سے بہت سی ناطاقتی ہوگئی تھی۔ یہاں تک کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اب میری حالت بالکل تالیف وتصنیف کے لائق نہیں رہی اور ایسی کمزوری تھی کہ گویا بدن میں روح نہیں تھی۔ اسی حالت میں مجھے الہام ہوا۔ انرد الیک انوارا لشباب یعنی جوانی کے نور تیری طرف واپس گئے۔ بعد اس کے چند روز میں ہی مجھے محسوس ہوا کہ میری گم شدہ قوتیں پھر واپس آتی جاتی ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد مجھ میں اس قدر طاقت ہوگئی کہ میں ہر روز دو دو جزو نو تالیف کتاب کو اپنے ہاتھ سے لکھ سکتا ہوں اور نہ صرف لکھنا، بلکہ سوچنا اور فکر کرنا، جو نئی تالیف کے لیے ضروری ہے، پورے طور پر میسر آ گیا۔ ہاں دو مرض میرے لاحق حال ہیں۔ ایک بدن کے اوپر کے حصہ میں اور دوسرے بدن کے نیچے کے حصہ میں، اور اوپر کے حصہ میں دوران سر ہے اور نیچے کے حصہ میں کثرتِ پیشاب ہے، یہ دونوں مرضیں اسی زمانہ سے ہیں، جس زمانہ سے میں نے اپنا دعویٰ مامور من اللہ ہونے کا شائع کیا ہے۔ میں نے ان کے لیے دعائیں بھی کیں مگر منع میں خواب پایا اور میرے دل میں القا کیا گیا کہ ابتداء سے مسیح موعود کے لیے یہ نشان مقرر ہے کہ وہ دو زرد چادروں کے ساتھ دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اترے گا سو یہ وہی دو زرد چادریں ہیں۔ جو میری جسمانی حالت کے شامل کی گئیں۔

(حقیقۃ الوحی ص 306 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

روغن بادام

ایسی حالت میں روغن بادام سر اور پیروں، ہتھیلیوں پر ملنا اور پینا فائدہ مند محسوس ہوتا ہے۔ اس لیے میں مولوی یار محمد صاحب کو بھیجتا ہوں کہ آپ خالص تلاش سے ایسا روغن بادام کہ جو تازہ ہو اور کہنہ نہ ہو اور نیز اس کے ساتھ کوئی ملونی نہ ہو تو ایک بوتل خرید کر بھیج دیں۔ پانچ روپیہ قیمت اس کی ارسال ہے۔

(خطوط امام بنام غلام ص 5 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

بادام روغن میری بیماری کے لیے خریدا جائے گا۔ نیا تازہ ہو اور عمدہ ہو۔ یہ آپ کا خاص ذمہ ہے۔ **(خطوط امام بنام غلام ص 7 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)**

مُشک

آپ برائے مہربانی ایک تولہ مشک خالص، جس میں ریشہ، جھلی اور صوف نہ ہوں اور تازہ خوشبودار ہو، بذریعہ ویلیو پے ایبل پارسل ارسال کریں کیونکہ پہلی مُشک ختم ہو چکی ہے اور باعثِ دورہ ضرورت رہتی ہے۔ **(خطوط امام بنام غلام ص 6 مجموعہ مکتوباتِ مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی**

قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

پہلی مُشک ختم ہو چکی ہے۔ اس لیے پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر آپ کی خدمت میں ارسال ہیں۔ آپ دو تولہ مشک خالص دو شیشیوں میں علیحدہ علیحدہ یعنی تولہ تولہ ارسال فرمائیں۔ (ص 302)

آپ بیشک ایک تولہ مشک بقیمت روپیہ خرید کر کے بذریعہ وی پی بھیج دیں۔ ضرور بھیج دیں۔ (ص 3)

پہلی مشک جو لاہور سے آپ نے بھیجی تھی، وہ اب نہیں رہی۔ آپ جاتے ہی ایک تولہ مشک خالص، جس میں چھچھڑا نہ ہو اور بخوبی جیسا کہ چاہیے، خوشبودار ہو، ضرور ویلو کرا کر بھیج دیں۔ جس قدر قیمت ہو، مضائقہ نہیں۔ مگر مشک اعلیٰ درجہ کی ہو، چھچھڑا نہ ہو اور جیسا کہ عمدہ اور تازہ مشک میں خوشبو ہوتی ہے، وہی اس میں ہو (ص 6) خطوط امام بنام غلام۔ مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور۔

مخدومی مکرمی حضرت مولوی صاحب السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ اور اس عاجز کی طبیعت آج بہت علیل ہو رہی ہے۔ ہاتھ پاؤں بھاری اور زبان بھی بھاری ہو رہی ہے۔ مرض کے غلبے سے نہایت لاچاری ہے، مجھ کو آں مکرم نے کسی قدر مشک دیا تھا۔ وہ نہایت خالص تھا اور مجھ کو بہت فائدہ اس سے ہوا تھا۔ اب میں نے کچھ عرصہ ہوا، لاہور سے مشک منگوائی تھی اور استعمال بھی کی، مگر بہت کم فائدہ ہوا۔ بازاری چیزیں مغشوش ہوتی ہیں۔ خاص کر مشک، یہ تو مغشوش ہونے سے خالی نہیں ہوتی چونکہ میری طبیعت گری جاتی ہے اور ایک سخت کام کی محنت سر پر ہے، اس لیے تکلیف دیتا ہوں کہ ایک خاص توجہ اس طرف فرما دیں اور مشک کو ضرور دستیاب کریں۔ بشرطیکہ وہ بازاری نہ ہو، کیونکہ بازاری تو چند دفعہ تجربہ ہو چکا ہے۔ اگرچہ مشک دو ماشے یا تین ماشے ہو، وہ بالفعل کفایت کرے گا مگر عمدہ ہو، اگر اصلی نافہ جو مصنوعی نہ ہو مل جائے تو نہایت خوب ہے، مگر جلد ہو...... (خاکسار غلام احمد از قادیاں 24 اگست 1892ء مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر 21۔ ص 131 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ

کل سے میری طبیعت علیل ہو گئی ہے۔ کل شام کے وقت مسجد میں اپنے تمام دوستوں کے روبرو جو حاضر تھے، سخت درجہ کا عارضہ لاحق حال ہوا۔ اور ایک دفعہ تمام بدن سرد اور نبض کمزور اور طبیعت میں سخت گھبراہٹ شروع ہوئی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا زندگی میں ایک دو دم باقی ہیں۔ بہت نازک حالت ہو کر پھر صحت کی طرف عود ہوا۔ مگر اب تک کلی اطمینان نہیں۔ کچھ کچھ آثار عودِ مرض کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل و رحم فرمائے۔

ایسے وقتوں میں ہمیشہ مشک کام آتی ہے۔ اس وقت مشک، جو بمبئی سے آپ نے منگوا کر بھیجی تھی، لیکن طبیعت کی سخت گرانی اور دل کے اضطراب کی وجہ سے وہ مشک کھولنے کے وقت زمین پر متفرق ہو

کر رہ گئی اور گرنے کے سبب سے خشک تھی اور ہوا چل رہی تھی، ضائع ہوگئی۔ اس لیے مجھے دوبارہ آپ کو تکلیف دینی پڑی۔ یہ مشک بہت عمدہ تھی۔ اس دوکان سے ایک تولہ مشک لے کر جہاں تک ممکن ہو جلد ارسال فرمائیں کہ دورۂ مرض کا سخت اندیشہ ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل پر بھروسہ ہے۔..... (خاکسار غلام احمد قادیان۔ مکتوبات جلد پنجم حصہ اول ص 28 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

سر کے دورے اور سردی کی تکلیف کے لیے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال فرمایا کرتے تھے اور ہمیشہ نہایت اعلیٰ قسم کا منگوایا کرتے تھے۔ یہ مشک خریدنے کی ڈیوٹی آخری ایام میں حکیم محمد حسین صاحب لاہوری موجد مفرح عنبری کے سپرد تھی۔ عنبر اور مشک دونوں مدت تک سیٹھ عبدالرحمٰن صاحب مدراسی کی معرفت بھی آتے رہے۔ مشک کی تو آپ کو اس قدر ضرورت رہتی کہ بعض اوقات سامنے رومال میں باندھ رکھتے تھے کہ جس وقت ضرورت ہوئی فوراً نکال لیا۔

(سیرۃ المہدی حصہ دوم ص 137 مولفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

عنبر

مخدومی مکرمی اخویم سیٹھ صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

عنایت نامہ پہنچا اب بفضلہ تعالیٰ میری طبیعت ٹھہر گئی ہے۔ دورۂ مرض سے امن ہے۔ حقیقت میں یہ عمر، جب انسان ساٹھ پینسٹھ سال کا ہو جاتا ہے، مرنے کے لیے ایک بہانہ چاہتی ہے۔ جیسا کہ ایک بوسیدہ دیوار۔ پر خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس قدر سخت حملوں سے وہ بچا لیتا ہے۔ کل کی تاریخ عنبر بھی پہنچ گیا۔ میری طرف سے آپ اس مہربان دوست کی خدمت میں شکریہ ادا کر دیں، جنھوں نے میری بیماری کا حال سن کر اپنی عنایت اور ہمدردی محض للہ ظاہر کی۔ خدا تعالیٰ ان کو اس خدمت کا اجر بخشے اور ساتھ ہی آپ کو۔ آمین ثم آمین۔ (مکتوب نمبر 67)

عنبر سفید دراصل بہت ہی نافع معلوم ہوا۔ تھوڑی خوراک سے دل کو قوت دیتا ہے اور دورانِ خون کو تیز کر دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ایسی بیماری دامن گیر ہے کہ ان چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ (مکتوب نمبر 68)

(مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم حصہ اول ص 26-27 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

عزیزی اخویم نواب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں بباعث علالت طبع چند روز جواب لکھنے سے معذور رہا۔ میری کچھ ایسی حالت ہے کہ ایک دفعہ ہاتھ پیر سرد ہو کر اور نبض ضعیف ہو کر غشی کے قریب قریب حالت ہو جاتی ہے اور دورانِ خون یک دم ٹھہر جاتا ہے۔ جس میں اگر خدا تعالیٰ کا فضل نہ ہو تو موت کا اندیشہ ہوتا ہے۔ تھوڑے دنوں میں یہ حالت دو دفعہ ہو چکی ہے۔ آج رات پھر اس کا سخت دورہ ہوا۔ اس حالت میں صرف عنبر یا مشک فائدہ کرتا ہے۔ رات

دس خوراک کے قریب مشک کھایا۔ پھر بھی دیر تک مرض کا جوش رہا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ صرف خدائے تعالیٰ کے بھروسے پر زندگی ہے، ورنہ دل جو رئیس بدن ہے، بہت ضعیف ہو گیا ہے۔
(خاکسار مرزا غلام احمد عفی عنہ 20 جون 1899ء)
(مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم نمبر چہارم ص 98 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

مفرح عنبری

یاقوت، مروارید، مرجان، یشب، کہربا، کستوری، زعفران وغیرہ کا ہر دلعزیز مرکب مفرح عنبری بڑی محنت سے تیار ہو گیا ہے۔ قیمت ایک ڈبہ (پانچ روپے)
(اشتہار مندرجہ سرورق ص 2 خطوط امام بنام غلام، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)
میں (حکیم محمد حسین قادیانی) اپنے مولا کریم کے فضل سے اس کو بھی اپنے لیے بے اندازہ فخر و برکت کا موجب سمجھتا ہوں کہ حضور (مرزا قادیانی) اس ناچیز کی تیار کردہ مفرح عنبری کا بھی استعمال فرماتے تھے۔ حضور کو چونکہ دورۂ مرض کے وقت اکثر مشک و دیگر مقوی دل ادویات کی ضرورت رہتی تھی، جو اکثر میری معرفت جایا کرتی تھیں۔
(خطوط امام بنام غلام ص 8 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

افیون

مجھے اس وقت ایک اپنا سرگزشت قصہ یاد آیا ہے اور وہ یہ کہ مجھے کئی سال سے ذیابیطس کی بیماری ہے۔ پندرہ بیس مرتبہ روز پیشاب آتا ہے اور بوجہ اس کے کہ پیشاب میں شکر ہے، کبھی کبھی خارش کا عارضہ بھی ہوتا ہے اور بعض وقت سو سو دفعہ ایک ایک دن میں پیشاب آتا ہے اور کثرتِ پیشاب سے بہت ضعف تک نوبت پہنچتی ہے۔ ایک دفعہ ایک دوست نے مجھے یہ صلاح دی کہ ذیابیطس کے لیے افیون مفید ہوتی ہے۔ پس علاج کی غرض سے مضائقہ نہیں کہ افیون شروع کر دی جائے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ نے بڑی مہربانی کی کہ ہمدردی فرمائی، لیکن اگر میں ذیابیطس کے لیے افیون کھانے کی عادت کرلوں تو ڈرتا ہوں کہ لوگ ٹھٹھا کر کے یہ نہ کہیں کہ پہلا مسیح تو شرابی اور دوسرا افیونی۔
پس اس طرح جب میں نے خدا پر توکل کیا تو خدا نے مجھے ان خبیث چیزوں کا محتاج نہیں کیا۔
(نسیم دعوت ص 67 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)
افیون دواؤں میں اس کثرت سے استعمال ہوتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) فرمایا کرتے تھے کہ بعض اطباء کے نزدیک وہ نصف طب ہے۔ پس دواؤں کے ساتھ افیون کا

استعمال بطور دوا نہ کہ بطور نشہ کسی رنگ میں بھی قابل اعتراض نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک نے علم کے ساتھ یا بغیر علم کے ضرور کسی نہ کسی وقت افیون کا استعمال کیا ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاقِ الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا ایک بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اوّل (حکیم نور الدین قادیانی) کو حضور (مرزا قادیانی) چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔ (مضمون میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل جلد 17 نمبر 6 مورخہ 19 جولائی 1929ء)

جب آپ (یعنی مرزا قادیانی) پہلی بار میرے مطبع میں تشریف لائے تو آپ تکیہ دار موڑھے پر بیٹھ گئے اور ایک موڑھے پر میں بیٹھ گیا اور مجھ سے کتاب کے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ میں نے آپ کی آنکھوں کو خوابیدہ دیکھ کر دھوکہ کھایا کہ شاید آپ پوست یا افیون استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ رئیسوں کا حال عموماً دیکھنے میں آیا، مگر جب حضرت کی تقریر یا گفتگو سنتا تھا اور براہین احمدیہ کے مضامین پر غور کرتا تھا تو سخت حیرت ہوتی تھی کہ افیون وغیرہ کے استعمال کرنے والے کی تو یہ حالت نہیں ہوتی۔ ایسی تصنیف اور تحریر ایسا آدمی کب کر سکتا ہے۔ پھر حضرت صاحب تشریف لے گئے...... اب مجھے اپنی پہلی غلطی اور دھوکہ کھا جانے پر افسوس ہوا اور ندامت ہوئی اور خوب معلوم ہوا کہ یہ نشہ معرفت الٰہی کا نشہ ہے۔ نہ کہ افیون وغیرہ کا، جیسے میں اس وقت سمجھا تھا (مرزا قادیانی تو افیون کے اس درجہ قائل تھے کہ گویا افیون نصف طب ہے۔ یوں بھی قادیانی تحریروں میں افیون کا تذکرہ پایا گیا۔ افیون کا عیب اور کمال یہی ہے کہ تخیل کو مضبوط اور وسیع کر دیتی ہے اور اس کے نشہ میں وہ باتیں سوجھتی ہیں کہ عقل حیران رہ جائے۔ آدمی تیز اور طباع ہو تو پھر سونے پر سہاگہ۔ (للمؤلف برنی) (قادیانی صحابی شیخ نور احمد صاحب مالک مطبع ریاض ہند کا بیان مندرجہ اخبار الفضل قادیاں نمبر 194 جلد 34 مورخہ 20 اگست 1946ء)

آج سے تیس سال قبل بہت سے لوگ ایسے تھے، جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام (مرزا قادیانی) کے متعلق کہتے تھے، انھیں اردو بھی نہیں آتی اور عربی دوسروں سے لکھا کر اپنے نام سے شائع کرتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں، مولوی نور الدین آپ کو کتابیں لکھ کر دیتے ہیں۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی یہ دعویٰ نہ تھا کہ آپ نے ظاہری علوم کہیں پڑھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، میرا ایک استاد تھا، جو افیم کھایا کرتا تھا۔ وہ حقہ لے کر بیٹھ رہتا تھا۔ کئی دفعہ پینک میں اس کے حقہ کی چلم ٹوٹ جاتی۔ ایسے استاد نے پڑھانا کیا تھا۔ غرض آپ کو لوگ جاہل اور بے علم سمجھتے تھے۔ کئی لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ آپ کئی سال پڑھانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ (ارشاد میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 16 نمبر 62 مورخہ 5 فروری 1929ء)

مجھے بچپن میں بیماری کی وجہ سے افیون دیتے تھے۔ چھ ماہ متواتر دیتے رہے مگر ایک دن نہ دی تو والدہ صاحبہ فرماتی ہیں، مجھ پر نہ دینے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس پر حضرت (مرزا) قادیانی نے فرمایا خدا نے چھڑا دی تو اب نہ دو۔ (ارشاد میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیان مندرجہ منہاج الطالبین ص 74 مصنفہ میاں صاحب)

28 جون بروز جمعہ صبح کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مجھے ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور میاں ناصر احمد صاحب کو ساتھ لے کر خواجہ (کمال الدین) صاحب کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔

خواجہ صاحب نے اپنا قصہ سنانا شروع کیا جو علاج کراتے ہیں اور جو عارضے رہے ہیں، سب کا ذکر ہوتا رہا۔ خواجہ صاحب افیون بھی آج کل کھاتے ہیں۔ ایک رتی سے شروع کی تھی۔ ابھی یہ خیال ہے کہ چھ ماہ اور کھائیں تاکہ اعصاب مضبوط ہو جائیں۔ (ڈائری میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیان نوشتہ عبدالرحیم درد قادیانی مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 5 جولائی 1929ء نمبر 2 جلد 17)

سنکھیا

جب مخالفت زیادہ بڑھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کی دھمکیوں کے خطوط موصول ہونے شروع ہوئے تو کچھ عرصے تک آپ نے سنکھیا کے مرکبات استعمال کیے، تاکہ خدانخواستہ آپ کو زہر دیا جائے تو جسم میں اس کے مقابلے کی طاقت ہو۔ (ارشاد میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیان مندرجہ اخبار الفضل قادیان مورخہ 5 فروری 1935ء)

دو بوتل برانڈی

حضور مرزا قادیانی نے مجھے لاہور سے بعض اشیاء لانے کے لیے ایک فہرست لکھ کر دی۔ جب میں چلنے لگا تو پیر منظور محمد صاحب نے مجھے روپیہ دے کر کہا کہ دو بوتل برانڈی کی میری اہلیہ کے لیے پلومر کی دکان سے لیتے آئیں۔ میں نے کہا کہ اگر فرصت ہوئی تو لیتا آؤں گا۔ پیر صاحب فوراً حضرت اقدس کی خدمت میں گئے اور کہا کہ حضور مہدی حسین میرے لیے برانڈی کی بوتلیں نہیں لائیں گے۔ حضور ان کو تاکید فرما دیں۔ حقیقۃً میرا ارادہ لانے کا نہ تھا۔ اس پر حضور اقدس (مرزا قادیانی) نے مجھے بلا کر فرمایا کہ میاں مہدی حسین، جب تک تم برانڈی کی بوتلیں نہ لے لو، لاہور سے روانہ نہ ہونا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اب میرے لیے لانا لازمی ہے، میں نے پلومر کی دوکان سے دو بوتلیں برانڈی کی غالباً چار روپیہ میں خرید کر پیر صاحب کو لا دیں۔ ان کی اہلیہ کے لیے ڈاکٹروں نے بتلائی ہوں گی۔ (اخبار الحکم قادیان جلد 39 نمبر 25 مورخہ 7 نومبر 1926ء)

ٹانک وائن

مجی اخویم حکیم محمد حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے۔ آپ اشیاء خریدنی خود خرید دیں اور ایک بوتل ٹانک وائن

کی، پلومر کی دکان سے خرید دیں۔ مگر ٹانک وائن چاہیے، اس کا لحاظ رہے۔ باقی خیریت ہے والسلام (مرزا غلام احمد عفی عنہ) خطوط امام بنام غلام ص 5 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی مالک دواخانہ رفیق الصحت لاہور)

ٹانک وائن کی حقیقت لاہور میں پلومر کی دکان سے ڈاکٹر عزیز احمد صاحب کی معرفت معلوم کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں۔ حسب ارشاد پلومر کی دکان سے دریافت کیا گیا، جواب حسب ذیل ملا۔

ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے، جو ولایت سے سر بند بوتلوں میں آتی ہے۔ اس کی قیمت ساڑھے پانچ روپے ہے۔ (21 ستمبر 1933ء) سودائے مرزا ص 39 حاشیہ مصنفہ حکیم محمد علی صاحب پرنسپل طبیہ کالج امرتسر)

ٹانک وائن کا فتویٰ

پس ان حالات میں اگر حضرت مسیح موعود برانڈی اور رم کا استعمال بھی اپنے مریضوں سے کرواتے یا خود بھی مرض کی حالت میں کر لیتے تو وہ خلاف شریعت نہ تھا، چہ جائیکہ ٹانک وائن، جو ایک دوا ہے۔ اگر اپنے خاندان کے کسی ممبر یا دوست کے لیے جو کسی لمبے مرض سے اٹھا ہو اور کمزور ہو یا بالفرضِ محال خود اپنے لیے بھی منگوائی ہو اور استعمال بھی کی ہو تو اس میں کیا حرج ہو گیا۔ آپ کو ضعف کے دورے ایسے شدید پڑتے تھے کہ ہاتھ پاؤں سرد ہو جاتے تھے۔ نبض ڈوب جاتی تھی۔ میں نے خود ایسی حالت میں آپ کو دیکھا ہے۔ نبض کا پتہ نہیں ملتا تھا تو اطبا یا ڈاکٹروں کے مشورے سے آپ نے ٹانک وائن کا استعمال اندریں حالات کیا ہو تو عین مطابق شریعت ہے۔ آپ تمام دن تصنیفات کے کام میں لگے رہتے تھے۔ راتوں کو عبادت کرتے تھے۔ بڑھاپا بھی پڑتا تھا تو اندریں حالات اگر ٹانک وائن بطور علاج پی بھی لی ہو تو کیا قباحت لازم آ گئی۔ (از ڈاکٹر بشارت احمد قادیانی فریق لاہوری مندرجہ اخبار پیغام صلح جلد 23 نمبر 15 مورخہ 4 مارچ 1935ء و جلد 23 نمبر 65 مورخہ 11 اکتوبر 1935ء)

گھر کا بھیدی

مرزا شیر علی صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سالے اور (ان کے فرزند) مرزا افضل صاحب کے خسر تھے۔ انھیں لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس جانے سے روکنے کا بڑا شوق تھا۔ راستہ میں ایک بڑی لمبی تسبیح لے کر بیٹھ جاتے۔ تسبیح کے دانے پھیرتے جاتے اور منہ سے گالیاں دیتے جاتے۔ بڑا لٹیرا ہے، لوگوں کو لوٹنے کے لیے دوکان کھول رکھی ہے۔ بہشتی مقبرہ کی سڑک پر دارالضعفاء کے پاس بیٹھے رہتے۔ بڑی لمبی سفید داڑھی تھی۔ سفید رنگ تھا۔ تسبیح ہاتھ میں لیے بڑے شاندار آدمی معلوم ہوتے تھے اور مغلیہ خاندان کی پوری یادگار تھے۔ تسبیح لیے بیٹھے رہتے، جو کوئی نیا آدمی آتا اسے اپنے پاس بلا کر بٹھا لیتے اور سمجھانا شروع کر دیتے کہ مرزا قادیانی سے میری قریبی رشتہ داری ہے۔ آخر میں نے کیوں

نہ اسے مان لیا۔اس کی وجہ یہی ہے کہ میں اس کے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک دوکان ہے، جو لوگوں کو لوٹنے کے لیے کھولی گئی ہے...... میں مرزا کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہوں۔ میں اس کے حالات سے خوب واقف ہوں، اصل میں آمدنی کم تھی۔ بھائی نے جائیداد سے بھی محروم کر دیا۔اس لیے یہ دوکان کھول لی ہے۔آپ لوگوں کے پاس کتابیں اور اشتہار پہنچ جاتے ہیں۔آپ سمجھتے ہیں کہ پتہ نہیں کتنا بڑا بزرگ ہوگا۔ پتہ تو ہم کو ہے، جو دن رات اس کے پاس رہتے ہیں۔ یہ باتیں میں نے آپ کی خیر خواہی کے لیے آپ کو بتائی ہیں۔ (میاں بشیرالدین محمود احمد قادیانی کی تقریر جلسہ سالانہ 1945ء مندرجہ اخبار الفضل قادیان نمبر 91 جلد 34 مورخہ 17 اپریل 1946ء)

مجاہدات

مخدومی مکرمی اخویم مولوی صاحب سلمہٗ تعالیٰ۔

یہ بات مسلم اور واضح رہے کہ راست باز انسان کے لیے ایسے امور کی غرض سے کسی قدر مجاہدہ ضروری ہے۔ الکرامات ثمرۃ مجاہدات۔

علالتِ طبع بہت حرج انداز ہے۔ اگر یہ مقابلہ صحت اور طاقتِ دماغی کے ایام میں ہوتا تو یقین تھا کہ تھوڑے دن کافی ہوتے، مگر اب طبیعت تحمل شدائد مجاہدات نہیں رکھتی اور ادنیٰ درجے کی محنت اور خوض اور توجہ سے جلد بگڑ جاتی ہے۔ (خاکسار غلام احمد 31 مارچ 1891ء)

(مکتوبات احمد یہ جلد پنجم نمبر 2 ص 103 مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی)

توجہات

مخدومی مکرمی اخویم (مولوی نورالدین قادیانی)

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ دو روز سے میں نے اس شخص کے لیے توجہ کرنا شروع کیا تھا مگر افسوس کہ اس عرصہ میں میرے گھر کے لوگ ایک دفعہ سخت علیل ہو گئے یعنی تیز تپ ہو گیا، جس کی وجہ سے مجھے ان کی طرف توجہ کرنا پڑی۔کل ارادہ ہے کہ ان کو مسہل دوں۔ بعد ان کی صحت کے پھر توجہ میں مصروف ہوں...... والسلام خاکسار غلام احمد (مکتوبات احمد یہ جلد پنجم نمبر 2 مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

یہ عقد ہمت اور توجہ شمشیر تیز سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ میری رائے میں نبیوں کی تمام کامیابی کا بڑا موجب یہی توجہ باطنی تھا۔ خاکسار غلام احمد از قادیان 29 فروری 1888ء (مکتوبات احمد یہ جلد پنجم نمبر 2 مولفہ یعقوب علی عرفانی قادیانی)

میری طبیعت آپ کے بعد پھر بیمار ہو گئی۔ ابھی ریزش کا نہایت زور ہے۔ دماغ بہت ضعیف ہو گیا ہے۔ آپ کے دوست ٹھاکر رام کے لیے ایک دن بھی توجہ کرنے کے لیے مجھے نہیں ملا۔ صحت کا منتظر ہوں۔ والسلام (خاکسار غلام احمد مورخہ یکم جنوری 1890ء مکتوباتِ احمد یہ جلد پنجم نمبر 2 مولفہ یعقوب علی

عرفانی قادیانی)

پنجابی حلق

بے شک یہ درست ہے کہ پنجابی حلق ہر ایک لفظ پوری طرح ادا نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایک شخص نے اعتراض کیا کہ یہ تو قرآن کا صحیح تلفظ عربی لہجہ میں ادا نہیں کر سکتا ہے۔ ایسا شخص کہاں مسیح ہو سکتا ہے۔ اس کی یہ بات سن کر سید عبداللطیف صاحب شہید نے اس پر ہاتھ اٹھایا۔ مگر مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت مسیح نے بھی انھیں روک دیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک دفعہ ایک لکھنؤ کا آدمی آیا۔ آپ نے قرآنِ کریم کا ذکر کیا تو کہنے لگا۔ اچھے مسیح موعود بنے ہو کہ ق اور ک میں بھی فرق نہیں جانتے۔ (خطبہ جمعہ میاں محمود قادیانی خلیفہ قادیاں مندرجہ اخبار الفضل قادیاں جلد 16 نمبر 22 مورخہ 14 ستمبر 1938ء)

نماز

اب پنجاب میں حاجی (ریاض الدین احمد) صاحب فقط وحشت دل کا علاج کرنے اور سیر سپاٹے کو گئے تھے۔ دل میں آئی کہ چلو ذرا مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی مل لیں۔ دیکھیں کس قماش کے بزرگ ہیں۔ لاہور سے روانہ ہوئے، قادیان میں پہنچے۔ مرزا قادیانی مرحمت و اخلاق سے ملے۔ اپنے کانگری کیشن کے رکن اعظم حکیم نور الدین صاحب مرحوم سے ملایا اور پھر مرزا قادیانی نے اپنے حجرے میں جو مسجد سے ملحق تھا، اپنی خلوتِ خاص میں جگہ دی۔ اتنے میں نماز کا وقت آ گیا۔ حکیم نور الدین صاحب نے محراب مسجد میں کھڑے ہو کے نماز پڑھائی اور مرزا صاحب اپنے حجرے میں کھڑے ہو گئے۔ نماز کی ایک رکعت ہوئی تھی کہ کیا دیکھتے ہیں، مرزا قادیانی نیت توڑ کے گھر کے اندر چلے گئے اور حاجی صاحب سخت حیران۔ کیا افتاد پیش آئی، جو مرزا قادیانی کو نماز کی نیت توڑ دینے پر مجبور ہونا پڑا۔ نماز کے بعد حاضرین مسجد سے یہ واقعہ بیان کیا اور اس کا سبب پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ مرزا قادیانی پر نماز میں جب وحی نازل ہوتی ہے تو آپ بیتاب ہو کے اندر چلے جاتے ہیں۔ (رسالہ دلگداز لکھنؤ بابت مارچ 1916ء) (تقریر میاں محمود احمد قادیانی خلیفہ قادیاں مندرجہ اخبار الفضل قادیاں مورخہ 7 فروری 1920ء نمبر 62 جلد 17)

بیان کیا ہے کہ حضرت ایک رکعت کے بعد نماز کی نیت توڑ کر گھر کے اندر چلے گئے۔ اگر کسی بیماری کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوا ہو تو محل اعتراض نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق دورانِ سر اور بردِ اطراف کا مرض ہے اور یہ وہ زرد چادریں تھیں، جو روزِ ازل سے خدا نے اپنے مسیحا کے لیے بطورِ خلعت خاص مقدر فرمائی تھیں۔ (اخبار الفضل قادیاں جلد 3 نمبر 107 مورخہ 18 اپریل 1916ء)

حضرت مولانا عنایت اللہ چشتی

مشاہداتِ قادیان

فطرت کے مقتضیات اختیاری نہیں ہوتے۔ بھوک، پیاس، انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ لباس انسانی اختیار کا معاملہ ہے۔ سفید؟ یا سیاہ؟ یا سبز؟ جو چاہے استعمال کرے یہ اس کے اختیار میں ہے۔ البتہ فطری تقاضیات کا اظہار یا انھیں پورا کرنا انسانی شعور وعقل پر موقوف ہے۔ عقل مند فطری تقاضے کا اظہار، یا اس کے حصول کی کوشش اپنے معیارِ عقل وشعور کے مطابق کرے گا اور کم عقل انسان اس کا اظہار یا حصول اپنے شعوری انداز کے مطابق عمل میں لائے گا مثلاً بھوک ایک فطری تقاضا ہے اور اس سے کوئی بھی ''صحت مند انسان'' مستثنیٰ نہیں، لیکن اسے پورا کرنے کے طریق مختلف ہیں۔ ایک ''چوری'' کر کے اسے مٹائے گا تو دوسرا ''محنت مزدوری'' یا ''تجارت'' سے کما کر اس خواہش کو پورا کرے گا اور اسی طرح ایک تیسرا آدمی ''ڈاکہ'' ڈال کر بھوک دور کرنے کی کوشش کرے گا۔

اسی طرح ''جنسی تقاضا'' فطری ہے اور ہر صحت مند انسان میں پایا جاتا ہے۔ اس تقاضے کا وجود ہر انسان کی فطرت میں گندھا ہوا ہے۔ یہ الگ معاملہ ہے کہ کسی وجود میں کم، اور کہیں زیادہ۔ اس تقاضے کا وفور ''رومان'' کہلاتا ہے اور لوگ اسے ''دل پھینکنے'' سے بھی تعبیر کرتے رہتے ہیں۔ اس تقاضے کا اظہار و حصول بھی شعوری مقدار کے تحت ہوتا ہے۔ کم عقل انسان اس کا اظہار وحصول یوں کرتا ہے کہ کسی راہ جاتی ''معصومہ'' پر ہاتھ ڈال دیتا ہے اور رسوائی کے ساتھ ساتھ بعض اوقات شدید زدوکوب کا شکار ہو جاتا ہے، اور ایک دوسرا انسان جس کا شعور پہلے سے مختلف ہے پیسے دے دلا کر ''سودا بازی'' کر لیتا ہے اور ایک تیسرا انسان جس کا شعور پہلے دونوں سے مختلف ہے باوجود انتہائی خواہش کے صبر وتحمل کا دامن تھامے رکھتا ہے اور بعض اوقات وہ بڑے ایمان آزما حالات سے دوچار ہوتا ہے مگر ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتا اور معاشرہ کے معمول کے مطابق جائز ومعقول راہیں تلاش کرنے میں مصروفِ کار رہتا ہے۔ تقاضا ایک ہے، ابتدائے آفرینش سے فطرت میں گندھا گیا ہے لیکن اس کے اظہار وحصول کی راہیں مختلف ہیں جو ہر انسان اپنے شعور کے مطابق اختیار کرتا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی میں قدرت نے ''جنسی تقاضے'' بڑی ''فیاضی'' سے ''ودیعت'' فرمائے تھے

اور اس کے اظہار اور حصول کا جو طریق مرزا نے اختیار کیا تھا، مکمل ثبوت کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہے۔ ''معقولیت'' یا ''غیر معقولیت''؟ یا ''اندازِ فکر و شعور'' کی جانچ قارئین خود کریں گے۔

یاد رہے کہ ''معاشی عسر'' یا ''یسر'' انسانی عقل و شعور اور فطری مطالبات پر بڑا اثر انداز ہوتا ہے۔ ابتدائی ایام میں مرزا ''معاشی تنگی'' کا بری طرح شکار تھا۔ اس نے خود لکھا ہے: ''معاشی تنگی اور عسرت کی وجہ سے میں اس مردے کی مانند تھا جسے مرے ہوئے مدت گزر گئی ہو اور کوئی نہ جانتا ہو کہ یہ کس کی قبر ہے؟'' اس دور میں مرزا نے اپنے ''مغل خاندان'' میں شادی کی تھی اور جس طرح بن پڑا گزر اوقات کرتا رہا۔ مرزا سلطان احمد اور فضل احمد دو لڑکے بھی ہوئے اور کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی اور نہ آپس میں کبھی ''رنجش'' ہوئی۔ یہ دور ''دورِ عسر'' تھا اور اس میں تمام مطالبات بھی ٹھپ رہے لیکن جب دوسرا دور آیا اور ''ٹھگی'' سرک پڑی اور ''روپیہ ملنا'' شروع ہو گیا تو فطری مقتضیات بھی جاگ اٹھے اور انھوں نے ''رومانی انداز'' اختیار کر لیا۔ اس زمانہ میں قادیان کے قریب سے نہر کی کھدائی ہو رہی تھی اور ایک ''اوورسیئر'' یا ''سر دیئر'' جس کا نام ''ناصر'' تھا، نہر کی کھدائی کا نگران تھا۔ اسے مرزا نے اپنے گھروں کے ساتھ ہی مکان دے رکھا تھا۔ یہ شخص صبح کام پر چلا جاتا اور شام کو واپس گھر آ جاتا۔ جہاں مرزا صاحب کی معیشت کروٹ لے رہی تھی، وہاں ان کی فطری قوت جو قدرت نے انھیں فراخ دلی سے ودیعت فرمائی تھی مگر معاشی عسرت نے اسے تھپکی دے کر سلا رکھا تھا، اب معاشیات میں تبدیلی آئی تو وہ قوت بھی آہستہ آہستہ بیدار ہو کر ''رومانی انداز'' اختیار کرنے لگی۔

ناصر اوورسیئر جو مرزائیوں کے گھر میں بسیرا کیے ہوئے تھا اس کے ہاں ایک ''نوخیز غزالہ صفت لڑکی'' آہستہ آہستہ ''قتالہ'' کا انداز اختیار کر رہی تھی۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وہ ''سن شعور'' کو پہنچ گئی اور نگاہوں کو ''خیرہ'' کرنے لگی۔ ''نصرت'' نام تھا۔ ہندوستانی انداز اور وہی ہندوستانی ''چلبلا پن'' صاف اردو بولتی تھی اور سننے والوں کے دل ''موہ'' لیتی تھی۔ مرزا نے ابتدائی ایام میں ہی جب کہ وہ ''بچی'' تھی مگر اس کے انداز سے بھانپ لیا تھا کہ اس نے آگے چل کر کیا ہونا ہے؟ مرزا کی للچائی ہوئی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ ''ناصر اوورسیئر'' ان کے گھر رہتا تھا اور اس کے ساتھ حسن سلوک تو مرزا نے بڑے عرصہ سے شروع کر رکھا تھا اور وہ ان کا ممنونِ احسان تھا۔ آپ جانتے ہیں ایک اوورسیئر کی اس زمانہ میں کیا تنخواہ ہوتی تھی؟ یہی پچیس، تیس روپے، ان کے گھر بار کا کسی کو علم نہ تھا اور نہ کبھی وہ گھر گیا تھا!

مرزا ابھی بوڑھا تو نہ تھا، مگر جوان بھی نہ تھا، یہی چالیس پینتالیس کا پیٹا تھا۔ ممکن ہے ناصر ''اوورسیئر'' پہلے ہی انداز سے اس کے عزائم بھانپ رہا تھا۔ مرزا نے خواہش کا اظہار کیا تو وہ راضی ہو گیا اور لڑکی ''نصرت جہاں بیگم'' بن کر مرزا کے ''حرم'' میں داخل ہو کر ''ام المؤمنین'' کہلائی اور اس کا باپ ''میر ناصر نواب'' کے نام سے مشہور ہوا اور مرزا غلام احمد کے قلم نے اسے خواجہ ''میر درد'' دہلوی کی اولاد سے قرار دے کر اسے بڑی شہرت دی۔ اس شادی کا بڑا چرچا ہوا۔ ''میر ناصر نواب'' کا ''وطن مالوف'' کسی کو معلوم نہ

تھا۔ وطن تو ضرور ہوگا مگر وہاں ان کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہ تھی۔ ماں باپ نے کوشش کر کے تھوڑا بہت پڑھایا اور اس نے ''اوورسیئر'' یا ''سرویئر'' کا کورس کرلیا۔ اس وقت موجودہ دقتیں نہ تھیں اور نہ ہی ''مانگ'' زیادہ تھی اور لکھے پڑھے لوگ بہت کم دستیاب ہوتے تھے۔ نتیجۃً وہ ملازمت کے بعد زندگی بھر کے لیے قادیان کے ہوکر رہ گئے۔ ابتداء میں مرزا کے ''دعاوی'' پر ایمان نہ لائے تھے۔ چونکہ اپنی لڑکی مرزا کے نکاح میں دے چکے تھے اس لیے زیادہ دیر تک استقامت نہ رکھ سکے اور آخر مرزا سے ''بیعت'' ہوگئے۔

میں 32-1931ء میں جب قادیان گیا اس وقت ''میر ناصر نواب'' زندہ موجود تھے مگر دماغی توازن کھو بیٹھے تھے اور لوگ ان سے مذاق کیا کرتے تھے۔ قادیانی محلوں میں عموماً پھرتے رہتے تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور اس کے بڑے بیٹے مرزا سلطان احمد کو ''عاق'' کر کے ''جائداد'' سے ''محروم'' کر دیا تھا مگر مرزا سلطان احمد پر اس کا زیادہ اثر نہ ہوا کیونکہ وہ سرکار انگریزی میں اچھے عہدہ پر ملازم تھا اور مرزا غلام احمد کے بڑے بھائی مرزا غلام قادر نے اسے اپنا متبنٰی بنا کر اپنی جائداد کا ''وارث'' بنا دیا تھا جبکہ وہ جائداد مرزا غلام احمد کی جدی جائداد سے نصف تھی یعنی نصف کا حصہ دار غلام احمد اور دوسرے نصف کا مالک مرزا سلطان احمد ہوگیا۔ اس بیوی یعنی ''نصرت جہاں بیگم'' سے مرزا کے تین لڑکے ہوئے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔ بڑے لڑکے کا نام مرزا ''محمود احمد'' تھا جو بعد میں ''بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان'' کے نام سے مشہور ہوا۔ دوسرے لڑکے کا نام مرزا ''بشیر احمد'' تھا جس نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے کیا تھا۔ ''ایم۔ایم۔احمد (''مظفر احمد'') جو پاکستان گورنمنٹ میں بڑے اعلیٰ عہدہ پر فائز رہا ہے خلیفہ محمود کا بھتیجا اور مرزا بشیر احمد کا لڑکا ہے۔ میانوالی کا ایک ''نیازی پٹھان'' جو پشاور میں رجسٹرار تھا، ''مرزائی'' ہوگیا تھا اس نے اپنی لڑکی مرزا بشیر احمد کو دی تھی۔ ایم۔ایم۔احمد اس کا لڑکا تھا۔ گویا ایم۔ایم۔احمد کے ''ننہال'' میانوالی کے ''نیازی پٹھان'' ہیں۔ مرزا غلام احمد کے مرنے کے بعد وہ مرزا محمود کو چھوڑ کر محمد علی لاہوری کا ''پیرو'' ہوگیا تھا اس کے بیٹے یعنی ایم۔ایم۔احمد کے ماموں ''قادیانیت'' اور ''لاہوریت'' دونوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور بڑے باعزت اور برسرروزگار ہیں۔

تیسرے بیٹے کا نام ''شریف احمد'' ہے وہ زیادہ پڑھا لکھا نہ تھا اس لیے قابل ذکر لوگوں کی صف میں اس کا نام کبھی نہیں سنا۔ مرزا غلام احمد کی اس بیوی سے دو لڑکیاں تھیں بڑی کا نام ''مبارکہ بیگم'' تھا اور چھوٹی کا نام ''حفیظہ بیگم'' یا ''امۃ الحفیظ'' تھا۔

نواب مالیر کوٹلہ کے خاندان میں سے ایک شخص ''محمد علی'' تھا۔ جسے خاندانی نسبت سے ''نواب محمد علی'' کہا جاتا تھا۔ وہ عقیدۃً ''شیعہ'' تھا! ''مرزائیت سے متاثر ہوا تو اس نے مرزا غلام احمد کو لکھا کہ: ''میں شیعہ ہوں اور آپ کی تحریک سے متاثر ہوں۔ کیا کوئی شیعہ بھی آپ کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے!'' تو مرزا نے اسے لکھا کہ: ''داخل ہوسکتا ہے! تم مجھے آ کر ملو!'' چنانچہ وہ مرزا کو ملا تو مرزائی ہوگیا اس کا ایک بیٹا

بھی تھا جو نواب ''عبداللہ'' کہلاتا تھا۔ دونوں باپ بیٹا مرزائی ہو کر قادیان آ گئے۔ مرزا غلام احمد کی دو لڑکیاں تھیں۔ ''مبارکہ بیگم'' اور دوسری کا نام غالباً ''امتہ الحفیظ بیگم'' تھا۔ مرزا نے اپنی دونوں لڑکیاں دونوں باپ بیٹوں کے نکاح میں دے دیں۔ مبارکہ بیگم نواب محمد علی کے نکاح میں آئی اور امتہ الحفیظ بیگم نواب عبداللہ کے نکاح میں آئی اور دونوں قادیان آ گئے اور میرے قیام قادیان کے دوران میں یہ لوگ مستقلاً قادیان میں ہی قیام پذیر تھے۔

مرزا کی معیشت میں جوں جوں اضافہ ہوتا گیا اس کی ''رومانی قوت'' جوان ہوتی گئی۔ مرزا کی عمر جب پچاس سے متجاوز ہوئی اور اس کی ''معاشی حالت'' ''بام عروج'' پر پہنچ کر بلند معیاروں کو چھونے لگی تو اس کی رومانی خواہش کب خاموش رہنے والی تھی؟ اس نے بھی بڑی تیزی سے سر اٹھایا مگر جسمانی حالت رو بہ زوال تھی اس لیے اس نے حکیم ''نور الدین'' کو خط لکھا۔ حکیم نور الدین بھیرہ کا رہنے والا، خاندانی پیشہ کے لحاظ سے ''نائی'' اور علم و حکمت میں ''یکتائے زمانہ'' تھا اور ''مہاراجا کشمیر کے معالج خصوصی کی حیثیت'' سے وہاں مقیم تھا۔ مرزا کا سودا برطانوی حکومت سے مہاراجا پٹیالہ نے کرایا تھا اور انگریزی حکومت مہاراجا کی بڑی شکر گزار ہو رہی تھی۔ مہاراجا کشمیر کو رشک آیا کہ: ''کاش یہ سودا میرے ذریعہ سے ہوتا؟'' مہاراجا اس تاک میں تھا کہ کوئی موقع میسر آئے تاکہ میں حکومت کو خوش اور ممنون کرنے والی ''خدمت'' سرانجام دے کر مہاراجا پٹیالہ کا ''ہم پلہ'' ہو جاؤں۔

انگریزی حکومت کا سودا تو مرزا غلام احمد سے ہو چکا اور اس نے کام بھی شروع کر دیا تھا اور انگریز اس کے کام سے خوش اور مطمئن بھی تھا مگر ''انگریز بچہ'' مسلمان پر اتنا اعتماد کرنے والا نہ تھا کہ وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا۔ اسے کھٹکا لگا ہوا تھا کہ مرزا غلام احمد کسی غلط فہمی کی وجہ سے کسی مرحلہ پر اس سے پیچھے نہ ہٹ جائے کیونکہ حکومت کو چار جانب نگاہ رکھنی پڑتی ہے اور علانیہ اور کھلم کھلا کسی ایک فریق کو ہمیشہ اپنا معتمد نہیں بنا سکتی۔ اس لیے اس نے ضرورت محسوس کی کہ کوئی ایسا ''قابل ترین آدمی'' ہو جس کا اسلام میں علمی مقام اونچا اور ''قابل اعتماد'' ہو اور وہ کسی ''قابل اعتماد شخصیت'' کے ذریعہ سے ہی ہمیں ملے تاکہ ہم اسے مرزا غلام احمد کے ساتھ نتھی کر دیں اور وہ مرزا کو پھسلنے نہ دے۔ یہ ''ضمانت'' کسی بڑے قابل اعتماد آدمی کی ہو۔

مہاراجا کشمیر اسی تاک میں تھا، اس ضرورت کے احساس کی خبر پاتے ہی اس نے وائسرائے سے ملاقی ہو کر ''اپنا آدمی'' اس کام کے لیے پیش کر دیا اور وہ آدمی تھا ''حکیم نور الدین بھیروی'' جو مہاراجا کا ''معالجِ خاص'' اور ہر طرح سے موزوں ''علم و فضل میں پختہ''، ''طب'' میں ''ماہر'' اور بڑا ''قابل اعتماد'' تھا۔ انگریز نور الدین کی ''موزونیت و قابلیت'' کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اب مہاراجا کشمیر اور پٹیالہ انگریزی حکومت کے لیے دونوں ایک دوسرے کے ہم پلہ تھے اور یوں مہاراجا کشمیر کی ''حسرت'' پوری ہو گئی۔

حکیم نور الدین کا مرزا سے رابطہ اور اس کی معاونت کا قصہ بیان کرنے میں میرا بہت وقت

صرف ہوا ہے۔ مگر اس ''رابطہ'' کا سمجھنا کہ حکیم نور الدین مرزا سے کیوں ''منسلک'' ہوا؟ بہت ضروری تھا کیونکہ حکیم صاحب مرزا سے علم وفضل میں برتر اور ارفع تھے نیز اس بات کا سمجھانا بہت ضروری تھا کہ ''فاضل'' ''مفضول'' کا کیوں تابع ہوا؟ یہی وجہ ہے کہ حکیم نور الدین ''مرزا کی اصلیت و قابلیت'' کا پوری طرح علم رکھنے کے باوجود آخر تک مرزا سے چمٹے رہے۔ مجھے ایک قابل اعتماد آدمی نے بتایا ہے کہ: ''حکیم نور الدین کو کہا جاتا تھا کہ: اللہ کی قسم کھا کر کہو کہ مرزا غلام احمد اپنے ''دعاوی'' میں سچا ہے تو وہ کہتے: ''دلائل سے تو ثابت کروں گا کہ مرزا اپنے دعاوی میں سچا ہے مگر قسم نہیں اٹھاتا۔'' چنانچہ حکیم صاحب کو اس ''رفاقت'' کا ''صلہ'' مل گیا کہ وہ مرزا کے ''جانشین'' قرار دیے گئے مگر حکیم صاحب کی بیوی اور ان کی اولاد مرزائیت سے ایک حد تک ''بیزار'' رہی۔ کیونکہ خود حکیم صاحب دل کی گہرائیوں میں مرزا کے دعاوی سے متفق نہ تھے اور گھروں میں باتیں وہی جاتی ہیں جو دراصل دل کی آواز ہوتی ہیں اور وہی قلوبِ سامعین پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اگر حکیم نور الدین کی بیوی ''خدا ترسی'' نہ کرتی؟ تو مباہلہ والے عبدالکریم جلا دیے جاتے۔ البتہ ان کا اپنا یہ نقصان ضرور ہوا کہ نہ مسلمانوں کا ان پر اعتماد رہا اور نہ ہی مرزائیوں کا ''ع'' نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم؟ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃ!

''مرزا کی ''رومانی کہانی'' کچھ ادھر ادھر کی باتوں'' میں لمبی ہوگئی۔ دراصل میں یہ بتا رہا تھا کہ مرزا غلام احمد نے دوسری شادی کے بعد حکیم نور الدین کو خط لکھا کہ: ''جب میں نے دوسری شادی کی تھی تو مدت تک مجھ کو یقین رہا کہ میں ''نامرد'' ہوں۔ صبر کیا اور دعا کرتا رہا جو قبول ہوگئی۔'' (مکتوباتِ احمدیہ جلد پنجم 5)

''صبر'' کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مرزا حکیم نور الدین سے ادویہ منگا کر رات دن استعمال کرتا رہا۔ کیونکہ دراصل دوسری شادی کے دوران مرزا کی عمر ڈھل چکی تھی۔ بڑے ''شوق کی شادی'' تھی۔ ذرہ اور ہو کر پریکٹس کرتا رہتا؟ ''ڈھلتی جوانی'' میں ''اعتدال'' کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کمزوری ایک ضروری لازمہ ہے اور بروقت ''احساس'' کر لیا جائے تو ''مقوی ادویہ'' کچھ نقصان کر دیتی ہیں چنانچہ مرزا کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا کہ...... ''مقوی ادویہ'' کے استعمال سے ''نقصان'' ہو گیا اور صحت بحال ہو گئی جیسا کہ مرزا نے خود تحریر کیا ہے کہ:

''محمد یوسف سامانہ نے کئی دفعہ مجھے ایک معجون بنا کر بھیجی جس میں ''کچلہ مدبر'' تھا۔ ''تقویت دماغ'' اور ''قوت باہ'' کے لیے ''فائدہ مند'' ہے۔ مدت سے میرے استعمال میں ہے''!

(مکتوباتِ احمدیہ حصہ پنجم 5 ص 25)

مرزا پر یہ دور ''خوش حالی'' کا تھا اس کے بعد مزید دولت کی ''ریل پیل'' ہوگئی اور ''نبوت'' و ''مسیحیت'' کا تیر نشانہ پر بیٹھا۔ ''مقوی ادویہ'' نے اثر کیا تو مرزا نے حکیم صاحب کو لکھا کہ:

''اب زیادہ تر ''الہام'' اس بات کے ہو رہے ہیں کہ عن قریب ایک اور ''نکاح'' تمھیں کرنا

پڑے گا اور جناب الٰہی سے یہ بات ''قرار'' پا چکی ہے'' (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم خط 2)

اس کے بعد مرزا نے ایک ''اشتہار'' دیا جو آٹھ صفحات پر مشتمل تھا اور اس کا عنوان تھا ''نئی شادیوں کی پیشین گوئی'' جس کا مضمون یہ تھا۔

''خداوند کریم نے مجھے ''بشارت'' دے کر کہا ہے کہ ''خواتین مبارکہ'' سے جن خواتین کو اس اشتہار کے بعد تو پائے گا تیری بہت ''نسل'' ہوگی'' (''آئینہ کمالات اسلام'' ص 648)

اس کے بعد ایک اور اشتہار دیا جو پہلے اشتہار کی وضاحت میں تھا اس اشتہار کے الفاظ یہ ہیں:

''اس عاجز نے 20 فروری 1886ء کے اشتہار میں جو ''پیشین گوئی'' خدائے تعالیٰ کی طرف سے بیان کی تھی کہ اس نے مجھے بشارت دی کہ بعض بابرکت عورتیں اس اشتہار کے بعد بھی تیرے نکاح میں آئیں گی اور اولاد پیدا ہوگی۔'' (''مندرجہ تبلیغ رسالت'' جلد اوّل ص 89)

اور ساتھ ہی الہام ہوا۔ ''بستر عیش'' (''حمامۃ البشریٰ ص 88)

معلوم ہونا چاہیے کہ ان دو اشتہارات کے بعد مرزا کے نکاح میں کوئی ''عورت'' نہیں آئی اور اس کا خدا اسے ''جھوٹی اور بے اصل بشارات'' دے دے کر مرزا کا ''دل پر چارا'' کرتا رہا مگر مرزا کے جب تک دم میں دم رہا ''مایوس'' ہونے والا نہ تھا۔ تلاش جاری رکھی اور اس سلسلہ میں حکیم نور الدین کو جو اس کا ''راز دان'' تھا۔ خط لکھا کہ: ''دو رشتے مل رہے ہیں مگر ایک ان میں سے ''بدصورت'' ہے اور دوسری استخارہ میں ''بدبخت'' معلوم ہوئی ہے۔''

حیرانی تو اس امر پر ہے کہ یہ انداز پیغمبرانہ ہے یا اوباشانہ ہے؟ کیا ''بستر عیش'' کی جستجو خدا کے مقبول بندے بھی کرتے ہیں؟ اس کے ماننے والوں پر حیف ہے کہ ان کا پیغمبر ''بستر عیش'' تلاش کرتا ہے اور اس کا خدا توقع دلا دلا کر مکر جاتا ہے۔ یہ ''خدا'' ہے یا کوئی ''مسخرہ''؟ نعوذ باللہ من ذالک۔

باوجودیکہ حالات مایوس کن ہیں کہ اس کی عمر پچاس برس سے تجاوز کر رہی ہے۔ ''قویٰ مضمحل'' ہو رہے ہیں اور بیماریوں کی آماجگاہ بنے ہوئے ہیں مگر ''رومان'' ''جوان سے جوان تر'' ہو رہا ہے اور اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا۔ وہ برابر جستجو اور تلاش میں منہمک ہے۔

نظریں ایک ایسی ''دوشیزہ'' پر جمی ہوئی ہیں جو رشتہ میں مرزا کی بھتیجی بنتی ہے اور وہ مرزا کے ''حقیقی ماموں زاد بھائی کی ''لڑکی'' ہے، وہاں جا کر مرزا تیر چلاتا ہے۔ عمر میں اتنا تفاوت ہے کہ وہ لڑکی مرزا کی پوتیوں کی عمر کے برابر ہے۔ خود مرزا نے لکھا ہے کہ:

''كُنْتُ جَاوَزْتُ الْخَمْسِيْنَ وَ هِيَ جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ.''

''میری عمر پچاس برس سے تجاوز کر رہی تھی اور وہ ایک نوخیز لڑکی تھی۔''

شاید ابھی ''بلوغت'' کے قریب ہو۔ مرزا کے ماموں زاد بھائی کا نام ''احمد بیگ'' تھا اور وہ

ہوشیار پور کا رہنے والا تھا۔ وہ بڑا بد بخت ہوتا اگر اس معصومہ کو اس ''ہوس ناک بوڑھے'' کے حوالہ کرنے پر راضی ہو جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا اور صاف انکار کر دیا۔ اس دوران لڑکی کے باپ کو ایسی مشکل کا سامنا کرنا پڑا اور ممکن تھا کہ وہ اس مشکل سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے ''زہر کا پیالہ'' پی لینے پر مجبور ہو جاتا، مگر کوئی بھی مشکل اسے یہ ''زندہ مکھی'' نگلنے پر مجبور نہ کر سکی اور وہ ثابت قدم رہا!

وہ مشکل مرحلہ یہ آیا کہ مرزا احمد بیگ کی ہمشیر مرزا غلام احمد کے چچازاد بھائی سے بیاہی گئی تھی۔ جس کا نام ''غلام حسین'' تھا اور وہ عرصہ پچیس برس سے مفقود الخبر تھا اور اس کی جائداد جو اس وقت کے نرخوں کے مطابق چار پانچ ہزار روپیہ کی قیمت کے برابر تھی وہ جائداد ''کاغذاتِ مال'' میں اس کی بیوی کے نام منتقل ہو چکی تھی اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ''انگریزی قانون'' میں ایسی جائداد عورت اپنی زندگی میں تصرف میں رکھ سکتی تھی اور اس سے استفادہ کر سکتی تھی مگر اس کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ اس جائداد کو فروخت کرے یا کسی دوسرے طریقہ سے وہ جائداد کسی کے نام منتقل کرے۔ اس کے مرنے کے بعد وہ جائداد پسماندہ وارثان کو مل جاتی تھی۔ وارثانِ بازگشت میں مرزا غلام احمد بھی تھا کیونکہ محمد حسین جو مفقود الخبر تھا، وہ مرزا غلام احمد کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ عورت مرزا احمد بیگ ہوشیار پوری کی بہن اور اس کے بیٹے ''محمد بیگ'' کی پھوپھی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ جائداد میرے بھتیجے کو منتقل ہو جائے اور یہ انتقال بغیر وارثانِ بازگشت کی مرضی کے نہ ہو سکتا تھا جس میں مرزا غلام احمد حصہ دار تھا اس لیے مرزا احمد بیگ مرزا غلام احمد کے پاس آیا اور کہا کہ: اس انتقال پر آپ دستخط کر دیں کیونکہ آپ وارثانِ بازگشت میں سے ایک ہیں۔ مرزا کے وارے نیارے ہو گئے اور یہ امید پختہ ہو گئی کہ: ''اب یہ لڑکی ضرور مجھے مل جائے گی کیونکہ ان کا کام میری رضا مندی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور انھیں کام کرانا ضروری ہے اور چار پانچ ہزار روپے کا معاملہ ہے اس لالچ میں آ کر وہ ضرور مجھے لڑکی دیں گے۔'' مرزا سیدھا ہاتھ کان کو لگانے والا نہ تھا۔ کہا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ میں ''استخارہ'' کر لوں پھر تمہارا کام کر دوں گا۔'' استخارہ کیا تھا؟ ایک دھوکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کہا میں نے استخارہ کیا ہے اور خدا نے جو کچھ مجھے کہا ہے۔ سن لو۔

مرزا صاحب خود ایک اشتہار میں تحریر کرتے ہیں۔

''احمد بیگ کے اصرار پر حسب عادت استخارہ کیا وہ تو آسمانی نشان نکلا۔ یعنی اس قادر مطلق نے مجھے فرمایا کہ اس ضمن میں احمد بیگ کی دختر کلاں ''محمدی بیگم'' کے نکاح کے لیے سلسلہ جنبانی کر اور ان کو کہہ دے کہ تمام سلوک و مروت اس سے اسی نکاح پر کیا جائے گا اور یہ نکاح تمھارے لیے موجب برکت و رحمت ہوگا۔ ان تمام برکتوں اور رحمتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار 20 فروری 1882ء میں درج ہیں۔ اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا ''انجام'' نہایت ہی برا ہوگا۔

(اشتہار مرزا مندرجہ ''تبلیغ رسالت'' جلد اوّل و ''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ص286)

مرزا کو یقین تھا کہ جائداد کا معاملہ ہے وہ ضرور لالچ میں آ کر لڑکی کا نکاح کر دیں گے۔ اس یقین پر بڑے پرامید اعلانات شروع کر دیے۔ ملاحظہ ہو نمونہ اعلانات۔

اشتہار دہم جولائی 1988ء میں خدا کی جانب منسوب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''ہم...... (خدا) نے خود اس سے تیرا نکاح باندھ دیا ہے میری باتوں کو کوئی بدلا نہیں سکتا۔''

(''فیصلہ آسمانی تبلیغ رسالت'' جلد دوم ص 85)

اور پھر بڑے وثوق سے اعلان کیا۔

''یہ پیشین گوئی خدائے بزرگ کی طرف سے ''تقدیر مبرم'' (اٹل) ہے۔ عنقریب اس کا ''وقت'' آئے گا۔ قسم خدا کی یہ پیشین گوئی بالکل ''سچ'' ہے۔ تم جلدی نتیجہ دیکھ لو گے۔'' (''انجام آتھم'' ص 223)

یہ شخص خدا پر جھوٹ اور افتراء باندھ رہا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ یہ اپنے ''نوشتہ قلم'' سے ہی ذلیل و خوار ہو جائے۔ اس لیے وہ احمق ایسی باتیں لکھتا رہا جو انہونی تھیں اور آخر تک نہ ہوئیں۔ مرزا نے ان کو اپنے ''صدق و کذب'' کا معیار ٹھہرایا تھا اور اعلان کیا۔

''اور میں اس ''خبر کو اپنے سچ و جھوٹ'' کا ''معیار'' بناتا ہوں اور میں نے جو کہا ہے خدا سے ''خبر'' پا کر کہا ہے!'' (''انجام آتھم'' ص 223)

اس لڑکی کے ''وصال'' کے لیے کون سی کوشش تھی جو مرزا نے اٹھا نہیں رکھی؟ پہلے لالچ دیا اور ''فرمایا'':

''خدا نے مجھ پر عیاں کیا کہ احمد بیگ سے کہہ دے کہ ''پہلے وہ تمھیں اپنی دامادی میں قبول کرے اور تمھارے نور سے روشنی حاصل کرے'' اور اس سے کہہ دے کہ ''مجھے اس زمین کے ''ہبہ'' کا حکم مل گیا ہے جس کے تم خواہش مند ہو بلکہ اس کے ساتھ اور زمین بھی دی جائے گی اور احسانات بھی کیے جائیں گے بہ شرطے کہ تم نکاح کر دو!'' (آئینہ کمالات اسلام ص 572)

جب اس سے کام نہ بنا تو ''دھمکی'' پر اتر آئے اور کہا:

''مجھے اللہ نے یہ بھی بتلایا ہے کہ اگر کسی اور ''شخص'' سے اس لڑکی کا نکاح ہوگا تو نہ اس لڑکی کے لیے یہ ''مبارک'' ہوگا؟ اور نہ تمھارے لیے۔ ''مصائب'' نازل ہوں گے جن کا نتیجہ ''موت'' ہوگا۔ یہ حکم اللہ کا ہے تم کو ''نصیحت'' کر دی۔''! (''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ص 286)

وہ لوگ بڑے مضبوط دل و دماغ کے مالک تھے اس لیے اپنی معصومہ کو ''مرزا کے جہنم'' میں جھونکنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ جب انھیں نہ ''ترغیب'' اور نہ ''تہدید'' آمادہ کر سکی تو مرزا ''پہلی تنخواہ پر کام کرنے والے'' کی طرح ''منت سماجت'' اور ''الحاح وزاری'' پر اتر آیا۔ ملاحظہ ہو مرزا کا ''نیا جال'' لکھتا ہے:

''اے عزیز! آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ میری ''سنجیدہ بات'' کو لغو سمجھتے ہو؟ اور میرے ''کھرے'' کو ''کھوٹا'' خیال کرتے ہو؟ بخدا میرا یہ ارادہ نہیں کہ آپ کو تکلیف دوں آپ مجھے احسان کرنے والوں میں

سے پائیں گے۔ اگر آپ نے مان لیا تو مجھ پر ''مہربانی'' ''احسان'' اور ''نیکی'' ہوگی میں اپنی زمین اور باغ میں سے بھی آپ کو حصہ دوں گا۔ ساری عمر شکر گزار رہوں گا۔ آپ کی درازئ عمر کے لیے ارحم الراحمین کی جناب میں دعا کروں گا اور آپ سے ''وعدہ'' کرتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کو اپنی زمین و اپنی مملوکات کا ایک تہائی (1/3) حصہ دوں گا اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس میں سے جو کچھ مانگیں گے میں دوں گا۔ آپ مجھے مصیبتوں میں اپنا دست گیر اور بار اٹھانے والا پائیں گے اس لیے ''انکار'' میں اپنا وقت ضائع نہ کیجئے۔ یہ خط پروردگار کے حکم سے لکھ رہا ہوں۔'' (''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ص 573)

آپ مرزا کے خط کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور دیکھیں کہ: ایک ''بوڑھے'' کو ''عشق و محبت'' نے کتنا پریشان کر رکھا ہے؟ بیوی موجود ہے؟ اولاد پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں موجود ہیں؟ عمر پچاس سال سے تجاوز کر چکی ہے؟ لیکن وہ ایک ''لڑکی'' کے ''رومان'' میں ''ہلکان'' ہو رہا ہے اور اس کے بعد بھی ''نبوت'' ''مسیحیت'' اور ''مہدویۃ'' کا دعویٰ؟ العجب ثم العجب؟

سچ ہے ''عشق'' میں ''مایوسی'' کی کوئی ''گنجائش'' نہیں چنانچہ مرزا نے اسی اصول پر کاربند ہوتے ہوئے پھر ایک طویل خط لکھا اور اس میں ''نیا رنگ بھرا'' اور ''نیا لالچ'' پیش کیا۔ مرزا کے سینہ میں ''عشق و محبت'' کی آگ سلگ رہی ہے اور ایک ''نوخیز چھوکری'' کی یاد نے اسے ''بے چین'' کر رکھا ہے۔ ''عشق'' اور ''بڑھاپا''؟ خوب۔ ''اجتماع نقیضین'' ہے!

یوں تو اس کائنات میں مشاہدہ ہوتا ہے کہ ان ''نوخیز حسین جلادوں'' نے بڑے بڑے لوگوں کو ''اسیر زلف'' کیا اور انھوں نے جان کی بازی لگا کر ان کے ''وصال'' کی کوشش کی مگر اس ''قادیانی مغل بچہ'' نے ''بالکل'' نیا طریقہ'' اختیار کیا اور ہر جگہ ''خدائے قدوس'' کے ''نام'' اور ''الہام'' کو درمیان میں گھسیڑنے کی سراسر ''ناروا'' ''الحادی رسم'' ایجاد کی۔ خط کو پڑھیے اور حظ اٹھایئے۔ مرزا لکھتا ہے:

''خدا کی طرف سے ''حکم'' ہوا کہ احمد بیگ (لڑکی کے والد) کو ''مطلع'' کر دے کہ وہ ''رشتہ'' منظور کر لے۔ یہ اس کے حق میں ''خیر و برکت'' اور ''ہمارے انعام و اکرام'' کی ''بارش'' کا ''سبب'' بنے گا ورنہ وہ ''مورد عتاب'' ہوگا اور ہمارے ''قہر'' سے نہ بچ سکے گا۔ میں نے خدا کا حکم پہنچا دیا۔ اپنی طرف سے تو میں یہی عرض کرتا ہوں کہ میں آپ کا ہمیشہ ''ادب و لحاظ'' ہی ملحوظ رکھتا ہوں؟ اور آپ کے حکم اپنے لیے ''فخر'' سمجھتا ہوں اور ہبہ پر جب لکھو ''حاضر'' ہو کر دستخط کر جاؤں۔ اس کے علاوہ میری ''املاک'' خدا کی ہے یا ''آپ'' کی۔ عزیز ''محمد بیگ'' (احمد بیگ کے لڑکے اور محمدی بیگم کے بھائی) کے لیے پولیس میں ''بھرتی'' کرانے کی اور ''عہدہ'' دلانے کی ''خاص کوشش'' اور ''سفارش'' کر لی ہے تاکہ وہ کام میں لگ جائے اور اس کا ''رشتہ'' میں نے اپنے ایک عقیدت مند سے جو بہت امیر آدمی ہے۔ تقریباً کر دیا ہے۔''

(رسالہ ''نوشتہ غیب'' ماخوذ از ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'')

خط کو پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہاں مرزا ''بردہ فروشی'' کی ''حوصلہ افزائی'' کر رہا ہے، اور ساتھ ہی محمد بیگ کی ''ملازمت'' اور ''رشتہ'' کا ''لالچ'' بھی دے رہا ہے۔ مقام شرم ہے کہ دعویٰ ''تقدس'' ''نبوت'' اور ''مسیحیت'' کا؟ اور یہ لچھن اور کرتوت؟ اللہ تعالیٰ ایسی ''روحانی آتش'' سے محفوظ رکھے (آمین)

مرزا اس سلسلہ میں حکیم نورالدین سے بھی ''امداد'' کی خواہش کرتا رہا ہے مگر انداز وہی ''سراسر مکر اور فریب'' مرزا نے جو خط حکیم نورالدین کو لکھا وہ بھی پڑھ لیجئے۔ وھوہذا۔

''محمد بیگ (احمد بیگ کا لڑکا) جو آپ کے پاس ہے اس کے والدین بوجہ ''بے سمجھی'' مجھ سے ''عداوت'' رکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ نے اس لڑکے کی ہمشیرہ کی نسبت وہ ''الہام'' فرمایا تھا جو شائع ہو چکا ہے لیکن ان لوگوں کے دلوں میں ''مخالفت کا جوش'' ہے۔ معلوم نہیں وہ امر (نکاح) کیوں کر؟ اور کس راہ سے ''وقوع'' میں آئے گا؟ محمد بیگ کے کتنے خطوط اس مضمون کے پہنچے کہ: ''حکیم صاحب سے سفارش کریں کہ وہ مجھے پولیس کے محکمہ میں نوکر کرا دیں۔'' بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ''نرمی''، ''کارگر'' نہیں ہوگی تاہم کیا مضائقہ ہے کہ ان لوگوں کی ''سختی'' کے عوض ''نرمی'' برت کر دیکھ لیں آپ اس کے ذہن نشین کرا دیں کہ ''تیری نسبت انھوں (مرزا) نے بہت کچھ سفارش لکھی ہے اور تیرے لیے جہاں تک ''گنجائش'' اور ''مناسب وقت'' ہو کچھ فرق نہ ہوگا اگر محمد بیگ یہاں آئے تو ساتھ لیتے آئیں۔''

(خلاصہ مکتوب مندرجہ ''مکتوبات احمدیہ'' جلد پنجم 5 مکتوب نمبر 73)

اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ مرزا کس ''قماش'' کا ''بزرگ'' تھا؟ جب ان ''حربوں'' میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے ''نیا طریق کار'' ایجاد کیا۔ سچ ہے ''ضرورت'' ''ایجاد'' کی ''ماں'' ہے۔ مرزا آخر تک مایوس نہیں ہوتا۔ البتہ خط کا انداز بدل کر نیا زاویہ پیش کر دیتا ہے کہ شاید ان پر کوئی چیز اثر انداز ہو جائے؟ یہ خط بہت لمبا ہے میں اس کے ضروری حصے نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں لیکن پھر بھی کافی طوالت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مرزا قادیانی لکھتا ہے:

''کن لفظوں میں بیان کروں؟ تا میرے دل کی ''محبت''، ''خلوص'' اور ''ہمدردی'' جو آپ کی نسبت مجھ کو ہے۔ وہ آپ پر ظاہر ہو جائے؟ خدائے تعالیٰ کی قسم میں اس بات میں بالکل ''سچا'' ہوں کہ ''الہام'' ہوا تھا کہ آپ کی ''دختر کلاں'' کا ''رشتہ'' اس ''عاجز'' سے ہوگا اور اگر دوسری جگہ ہوگا تو خدائے تعالیٰ کی ''تنبیہات'' وارد ہوں گی اور آخر اسی جگہ ہی ہوگا کیونکہ آپ میرے عزیز و پیارے ہیں اس۔ میں نے ''عین خیر خواہی'' سے آپ کو بتلایا کہ دوسری جگہ اس کا رشتہ کرنا ہرگز ''مبارک'' نہ ہوگا۔ میں نہایت ظالم طبع ہوتا کہ اگر آپ کو اس الہام کی خبر نہ دیتا اور میں اب بھی ''عاجزی'' اور ''ادب'' سے آپ کی ''خدمت'' میں ''ملتمس'' ہوں کہ اس رشتے سے ''انحراف'' نہ فرمائیں؟ شاید آپ کو معلوم ہے یا نہیں؟ کہ

دس لاکھ سے زیادہ آدمی اس ''پیشین گوئی'' پر اطلاع رکھتے ہیں اور ایک جہان کی اس طرف نظریں لگی ہوئی ہیں۔ ہزاروں پادری ''حماقت'' سے منتظر ہیں کہ یہ پیشین گوئی جھوٹی نکلے تو ہمارا پلہ بھاری ہو۔'' لیکن خدا ان کو رسوا کرے گا اور اپنے ''دین'' کی مدد کرے گا۔ لاہور جا کر دیکھا کہ ہزاروں مسلمان اس کے ''پورا'' ہونے کی ''دعائیں'' کر رہے ہیں۔ ویسے یہ عاجز تو خدائے تعالیٰ کے ''الہامات'' پر جو تواتر سے اتر رہے ہیں ''ایمان'' لایا ہوا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ اپنے ''ہاتھ'' سے اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کے لیے ''معاون'' بنیں تا کہ خدائے تعالیٰ کی برکتیں آپ پر نازل ہوں۔ خدائے تعالیٰ سے کوئی بندہ لڑ نہیں سکتا اور جو ''امر'' (مرزا کا نکاح) آسمان پر پڑھا جا چکا ہے؟ زمین پر ہرگز نہیں ''بدل'' سکتا۔ خدا وہ بات آپ کے دل میں بھی ڈال دے جس کا اس نے مجھے الہام کیا ہے۔ اس خط میں کوئی نا ملائم بات ہو تو معاف کر دیں۔''

(خاکسار احقر العباد غلام احمد عفی عنہ 17 جولائی 1892ء بروز جمعہ منقول از ''کلمہ فضل ربانی'' ص 123)

اس خط میں مرزا ''نئی بات'' یہ لایا ہے کہ: ''ہزاروں پادری منتظر ہیں'' اور ''لاہور کے لوگ دعائیں مانگ رہے ہیں۔'' احمد بیگ پر اس کا کیا اثر ہوتا تھا؟ کچھ بھی نہ ہوا بلکہ الٹا اثر یہ ہوا کہ یہ ''خط و کتابت پرائیویٹ تھی۔'' ''خفیہ تھی۔'' لیکن مرزا احمد بیگ نے اسے شائع کر دیا۔ اب مرزا کو احمد بیگ کی جانب سے پوری طرح مایوسی ہوگئی۔ مگر اصل ''مقصد یعنی'' ''محمدی بیگم'' کے نکاح میں آنے سے مایوس نہ ہوا اور ایک دوسرا ہتھیار استعمال کرنے کی ٹھانی۔ وہ یہ کہ ایک شخص ''مرزا علی شیر بیگ'' یہ جو مرزا احمد بیگ والد محمدی بیگم کا بہنوئی تھا اور اس کی لڑکی ''عزت'' بی بی مرزا غلام احمد کے بیٹے فضل احمد سے بیاہی ہوئی تھی۔ مرزا غلام احمد کے پہلی بیوی سے دو لڑکے تھے ''سلطان احمد''، ''فضل احمد'' مرزا فضل احمد مرزا کی پہلی بیوی کا چھوٹا لڑکا تھا اس کے نکاح میں علی شیر بیگ کی لڑکی تھی جو احمد بیگ کی ''بھانجی'' تھی۔ مرزا کو یہ نئی ترکیب سوجھی اور اس نے علی شیر کو خط لکھا، مرزا کے خط میں تو وہی محمدی بیگم کے نکاح کا رونا تھا مگر علی شیر نے مرزا کو جو خط لکھا وہ ضرور پڑھنے کے قابل ہے اور اس میں بہت ''پتے کی باتیں'' ہیں۔ اب ہم وہ خط درج کرتے ہیں جو مرزا نے علی شیر بیگ کو لکھا تھا! مرزا لکھتا ہے کہ:

''میں آپ کو ''غریب طبع''، ''نیک خیال'' اور ''اسلام پر قائم'' سمجھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ عید کی تیسری تاریخ کو محمدی بیگم کا ''نکاح'' ہونے والا ہے۔ اس مشورے میں آپ کی ''بیوی'' بھی شریک ہے۔ دوسری جگہ نکاح کے مشورے میں شریک لوگ ''میرے دشمن'' بلکہ ''دین اسلام کے سخت دشمن'' ہیں۔ ''عیسائیوں'' اور ''ہندوؤں'' کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ ''اللہ اور رسول کے دین'' کی کچھ ''پرواہ'' نہیں کرتے۔ چاہتے ہیں کہ مجھے ''ذلیل اور رسوا'' کریں۔ اب اگر میں ''خدا کا'' ہوں تو وہ مجھ کو ''ذلت'' سے بچائے گا۔ آپ کے گھر کے لوگ میری طرف داری کرتے۔ بھائی کو سمجھاتے تو وہ کیوں نہ سمجھ جاتا؟ کیا میں ''چوہڑا''، ''چمار'' تھا؟ جو مجھ کو لڑکی دینا ''عار'' یا ''ننگ'' تھی؟ جن کو میں خویش سمجھتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان

کی لڑکی سے میری اولاد ہو اور وہ میری ''وارث'' ہو وہی میری ''عزت کے پیاسے'' ہیں۔ میں نے خط لکھے کہ ''پرانے رشتے مت توڑو'' جواب تک نہ آیا؟ سنا ہے کہ آپ کی بیوی نے یہاں تک کہہ دیا کہ: ''میں اپنی بہو (آپ کی بیٹی) کو اپنے بیٹے فضل احمد سے طلاق دلانا چاہتا ہوں تو طلاق دلا دے پرواہ نہیں۔'' میں نے آپ کی بیوی کو رجسٹری کر کے خط بھیجا کہ: اگر میں ''ذلیل'' ہوں تو آپ کی بیٹی عزت بی بی کو فضل احمد کے نکاح میں رہنے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر آپ کی بیوی نے اپنے بھائی کو نکاح سے نہ روکا تو ادھر محمدی بیگم کا نکاح ہوگا ادھر عزت بی بی کو طلاق، اس خط کا جواب بھی نہیں آیا۔ اگر میرے ساتھ نکاح کرا دیں تو ہر ''خدمت'' کے لیے ''بہ دل و جان حاضر'' ہوں۔ میرا مال ان کا ''مال'' آپ کو بھی لکھتا ہوں کہ: احمد بیگ پر زور ڈلوائیں ورنہ ہمیشہ کے لیے رشتے ناطے توڑ دوں گا۔'' (ماخوذ از ''قادیانی مذہب'' خط محررہ 1891ء)

اس خط کا جو جواب مرزا علی شیر بیگ نے دیا وہ ''قابل دید و شنید'' ہے اور اعلیٰ اخلاقی جرأت کا نادر نمونہ ہے اور ''ایثار قربانی کا بلند پایہ مرقع'' مرزا کی گراوٹ کی یہ حد ہے کہ وہ اپنی ''ہوس نفسانی'' کے پورا نہ ہونے کی صورت میں معصومہ عزت بی بی کو جو علی شیر بیگ کی بیٹی اور مرزا غلام احمد کی بہو ہے، طلاق کی دھمکی دے رہا ہے؟ اگر علی شیر بیگ کی فطرت میں کمزوری ہوتی تو وہ کہتے کہ: ''محمدی بیگم جائے جہنم میں۔ وہ ایک بوڑھے مریل (جو متعدد بیماریوں کا گھر ہے) کے گلے ''مڑھی'' جا رہی ہے تو میرا کیا؟ میں اپنی معصومہ بیٹی کو جو اپنے خاوند کے ساتھ بہ خیر و خوشی آباد ہے اسے طلاق دلوا کر اس کی زندگی کو کیوں اجیرن بنا دوں؟ لیکن علی شیر ''حق و انصاف'' اور ''انسانی ہمدردی'' کے پیش نظر اپنی بیٹی کی قربانی پر تو آمادہ ہو جاتے ہیں مگر محترمہ محمدی بیگم کو عذاب میں ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ مرزا علی شیر بیگ کا خط درج ذیل ہے ملاحظہ کریں۔

''مجھے غریب طبع'' یا ''نیک'' جو کچھ بھی آپ خیال کریں آپ کی مہربانی ہے۔ ہاں ''مسلمان'' ضرور ہوں۔ مگر آپ کی ''خود ساختہ نبوت'' کا قائل نہیں۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مجھے ''سلف صالحین'' کے طریقہ پر ہی رکھے اور اسی پر میرا خاتمہ بالخیر کرے۔

باقی رہا تعلق چھوڑنے کا معاملہ؟ تو بہترین تعلق خدا کا ہے وہ نہ چھوٹے اور باقی عاجز مخلوق کا تعلق ہوا تو پھر کیا؟ اور نہ ہوا تو پھر کیا؟ احمد بیگ کے متعلق میں کر ہی کیا سکتا ہوں؟ نہ فضول ''ایمان گنواتے؟'' اور نہ ''الہام بازی'' کرتے اور نہ وہ کنارہ کش ہوتا؟

یہ ٹھیک ہے آپ نے خویش ہونے کی حیثیت سے رشتہ طلب کیا مگر آپ خیال فرمائیں کہ اگر آپ کی جگہ احمد بیگ ہو اور احمد بیگ کی جگہ آپ ہوں تو خدا لگتی کہنا کہ تم ''کن کن باتوں کا خیال'' کر کے رشتہ دیتے؟ اگر احمد بیگ تمہاری لڑکی کے لیے ''سوال'' کرتا اور وہ ''مجمع الامراض'' ہونے کے علاوہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا ہوتا اور اس پر وہ ''مسیلمہ کذاب'' کے کان بھی کتر چکا ہوتا؟ آپ کو خط لکھتے وقت آپے سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔ ''لڑکیاں'' سبھی کے گھروں میں ہیں۔ یہی نظام عالم ہے۔ آپ میری بیٹی کو بلا قصور

طلاق دلوائیں گے تو یہ بھی ''جھوٹی پیغمبری'' کی ''نئی سنت'' قائم کر کے ''بدزبانی کا سیاہ داغ'' ''مول'' لیں گے!
باقی روٹی تو خدا اس کو بھی کہیں سے دے گا۔ ''تر'' نہ سہی؟ ''خشک'' سہی؟ مگر وہ خشک بہتر ہے جو ''پسینہ کی کمائی'' سے پیدا کی جاتی ہے؟ میری بیوی کو کیا حق ہے کہ وہ اپنی بیٹی کو ''طلاق سے بچانے کے لیے'' ''بھائی کی لڑکی کو دائم المریض آدمی'' جو ''ہراق سے خدائی تک'' پہنچ چکا ہے، دینے کے لیے بھائی سے لڑے؟'' (مکتوب محررہ 4 مئی 1891ء منقول از ''قادیانی مذہب کا محاسبہ'')

قارئین دونوں خطوط کو غور سے پڑھیں۔ ایک خط ''مدعی نبوت'' و ''مسیحیت'' و ''مہدویت'' کا ہے اور دوسرا خط ایک ''مسلمان'' کا ہے جسے کوئی بھی ''دعویٰ'' نہیں۔ مرزا غلام احمد کی ''ہٹ دھرمی'' اور مرزا علی شیر بیگ کے ''استدلال'' پر بھی غور ضروری ہے اور خصوصاً اپنی قربانی دے کر بھی وہ ایک معصومہ کی تباہی پر راضی نہ ہوا۔ مرزا کو اگر شرافت سے کچھ بھی ''حصہ'' ملا ہوتا؟ تو وہ علی شیر بیگ کی بیٹی کو ''طلاق'' نہ دلواتا؟ مگر یہاں شرافت کا کام ہی کیا تھا؟ یہاں تو دل میں شیطان نے بسیرا کر رکھا تھا اور مرزا غلام احمد کو ہر ''بدی'' پر آمادہ کر رہا تھا اور وہ اس کے ''داؤ'' میں آ چکا تھا اور اس کا ہر ''حکم'' ماننے کے لیے چشم براہ تھا۔''

الحاصل مرزا غلام احمد کا یہ ''تیر'' بھی خطا گیا اور مرزا علی شیر بیگ اس کے ''نامعقول مطالبہ'' سے متفق نہ ہوا تو ایک اور تیر ترکش سے نکالا اور مرزا علی شیر بیگ کے سینہ میں پیوست کیا۔ وہ نیا تیر یہ ہے کہ اپنی بہو سے جو مرزا فضل احمد کی بیوی تھی اس کی والدہ کے نام خط لکھوایا۔ وہ خط ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی ماں کو لکھتی ہے:

''اس وقت میری تباہی و بربادی کا خیال کرو۔ مرزا صاحب مجھ سے کسی طرح کا فرق نہیں کرتے تم اپنے بھائی (میرے ماموں محمدی بیگم کے والد) کو سمجھاؤ تو سہی؟ اگر نہیں تو پھر مجھے طلاق ہوگی اور رسوائی ہوگی۔ اگر منظور نہیں تو پھر کسی کو بھیج کر یہاں سے بلوالو!'' (منقول از ''قادیانی مذہب کا محاسبہ'')

مرزا کا منجھلا لڑکا مرزا بشیر احمد اپنی کتاب ''سیرت المہدی'' میں لکھتا ہے کہ: ''اس شادی کے سلسلہ میں مرزا صاحب نے شادی کرا دینے والے سے انعام کا وعدہ کیا تھا۔'' مرزا بشیر احمد لکھتا ہے۔

''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری نے کہ محمدی بیگم کے ماموں مرزا امام دین کو رشتہ کرانے پر انعام کا وعدہ بھی کیا تھا۔'' (''سیرت المہدی'' حصہ اوّل ص 193)

یاد رہے کہ مرزا ''امام دین'' مرزا غلام احمد کا چچازاد بھائی تھا اور مرزا احمد بیگ کی بیوی اس کی بہن تھی۔ باپ کا نام ''غلام محی الدین'' تھا جو مرزا غلام احمد کا حقیقی چچا تھا۔

آخر کار مرزا کی بدبختی سے اس کے تمام ''حربے'' ناکام اور سارے ہتھیار کند ہو گئے اور محمدی بیگم کا نکاح 17 اپریل 1892ء کو موضع ''پٹی مغلاں'' ضلع امرت سر کے ایک نوجوان مرزا ''سلطان محمد'' صاحب سے ہو گیا۔ جب اس نکاح کی خبر مرزا کو ملی تو وہ شدید غیظ و غم کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھا اور

ہارے ہوئے جواری کا پارٹ ادا کرنے پر مجبور ہوا اور شرافت ونجابت سے گری ہوئی ایسی حرکات کا ارتکاب کیا کہ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی اور آسمان نے مسکراتے ہوئے اس کی نبوت ومسیحیت کا مذاق اڑایا! اب ذرہ وہ 'حرکاتِ سفلیہ'' بھی سن لیجئے جو مرزا سے سرزد ہوئیں۔

اوّل: یہ کہ اپنی خاندانی بیوی جو مرزا سلطان احمد ومرزا فضل احمد کی ماں تھی، اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اس کا قصور اس سے زیادہ کچھ نہ تھا کہ وہ ''محمدی بیگم کی رشتہ دار'' تھی ورنہ مرزا کے ساتھ محمدی بیگم کے رشتہ نہ ہونے میں اس کا کوئی قصور یا پارٹ نہیں تھا۔

دوم: یہ کہ مرزا علی شیر بیگ کی لڑکی کو جو مرزا فضل احمد کے نکاح میں تھی بلا قصور طلاق دلوا دی۔ حالانکہ یہ لڑکی جس کا نام عزت بی بی تھا آخر دم تک اپنے خسر مرزا غلام احمد کے حق میں رہی اور اس نے اپنے والدین کو خط لکھے کہ: ''رشتہ ہو جانے کی کوشش کرو ورنہ میری بربادی ہو جائے گی جب کہ میں اپنے خاوند سے خوش وخرم وقت گزار رہی ہوں۔''!

سوم: یہ کہ مرزا سلطان احمد کو اپنی جائداد سے محروم کر کے ''عاق'' کر دیا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ ''چراغ بی بی'' کا بیٹا تھا اور چراغ بی بی محمدی بیگم کی رشتہ دار تھی۔

ان ''انسانیت سوز حرکات'' اور بے گناہوں کی زندگیاں منغص کر کے بھی مرزا کی ''آتش رومان'' فرو نہ ہوئی بلکہ ایک اور اشتہار شائع کر کے اعلان کر دیا کہ:

''محمدی بیگم کے دوسری جگہ نکاح کے بعد تمام تعلقات خویشی وقرابت وہمدردی دور! کسی ''نیکی بدی'' ''رنج وراحت'' ''شادی اور ماتم'' میں شرکت ختم۔ اب ان سے تعلق رکھنا ''قطعاً حرام'' اور ''ایمانی غیوری'' کے برخلاف ایک ''دیوثی'' کا ''کام'' ہے۔'' (خلاصہ اشتہار مندرجہ تبلیغ رسالت جلد دوم ص 6)

مرزا کے منجھلے لڑکے مرزا بشیر احمد نے محمدی بیگم سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جانے پر اپنے غیظ وغضب کی یوں ترجمانی کی ہے۔

''حضرت صاحب نے یہاں تک اعلان کر دیا کہ: ''جن رشتہ داروں نے (مرزا کے) ''نکاح کی مخالفت'' کی ہے اب ان کی ''قبریں'' بھی ہمارے ساتھ ''اکٹھی'' نہیں بنیں گی۔''

(''سیرۃ المہدی'' جلد اوّل ص 26)

آپ حیران ہوں گے کہ ''بڑھاپے کا رومان'' ایسی بری بلاء ہوتی ہے کہ آخر دم تک انسان اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اگر واقعی کوئی ''الہام'' یا ''آوازِ غیبی'' اس بارہ میں سنائی دی تھی تو اس مرحلہ پر وہ اس سے مایوس ہو کر یقین کر لیتا کہ وہ آواز جس نے ''محمدی بیگم کے وصال'' کی ''توقع'' دلائی تھی؟ یا کوئی الہام جس نے محمدی بیگم کے وصال کی جانب ''اشارہ'' کیا تھا؟ ''وہ شیطانی آواز'' اور ''ابلیسی الہام'' ہے۔ اس لیے ایسے الہام کنندہ سے ہمیشہ کے لیے خبردار جاتا جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ

ان الشیطین لیوحون الی اولیائهم لیجادلوکم.

شیاطین اپنے دوستوں کو آوازیں دیتے اور انھیں جھوٹے الہام اور وحی بھیجتے ہیں تا کہ تم کو لڑاتے رہیں۔ (121:6)

حقیقت اور اصلیت یہ ہے کہ مرزا کو روزِ روشن کی طرح عیاں تھا کہ کوئی الہام نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی ''غیبی آواز'' آئی ہے جس نے ''محمدی بیگم کے وصال'' کی جانب اشارہ کیا ہو۔ یہ خالصتہً اور یقیناً ''بڑھاپے کا رومان'' اور ''مقوی ادویہ'' سے ''عارضی قوت باہ'' کا ''ابال'' تھا اور کچھ نہیں؟ البتہ شیطان نے مرزا کی یہ رہنمائی ضرور کی تھی کہ ''اس ''رومانی خواہش'' کے اظہار کو ''الہامی جامہ'' پہناؤ تا کہ شاید ''حصولِ مقصد'' میں کچھ ''معین و مددگار'' ثابت ہو۔'' ورنہ مرزا کو پورا پورا علم تھا کہ محمدی بیگم کے وصال کی خواہش نہ کسی الہام کی رہین منت ہے؟ اور نہ ہی کسی ''غیبی آواز'' کی ممنون؟ بلکہ یہ سب کچھ ''مقوی باہ ادویہ'' کے استعمال سے بڑھاپے میں عارضی شہوت کا ابال اور جوش تھا اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اتنی ناکامیوں کے مایوس و ناامید نہ ہوا اور محمدی بیگم کا مرزا سلطان محمد سے نکاح ہو جانے کے بعد بھی نہایت ڈھٹائی سے نیا پینترا بدلا اور اعلان کیا۔

''خدائے تعالیٰ نے پیشینگوئی کے طور پر اس عاجز پر ظاہر فرمایا کہ: ''مرزا احمد بیگ کی دختر کلاں انجام کار تمھارے نکاح میں آئے گی اور وہ لوگ بہت عداوت کریں گے اور بہت مانع آئیں گے اور کوشش کریں گے کہ ایسا نہ ہو۔ لیکن آخر کار ایسا ہی ہوگا'' اور فرمایا کہ: ''خدائے تعالیٰ ''ہر طرح'' اس کو تمہاری طرف لائے گا۔ ''باکرہ'' ہونے کی حالت میں؟ یا ''بیوہ'' کر کے؟ اس کام کو وہ ضرور پورا کرے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے'' (''ازالہ اوہام'' ص 198)

مرزا نے ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا کہ:

''محمدی بیگم جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روزِ نکاح سے اڑھائی سال تک فوت ہو جائے گا۔'' (''آئینہ کمالاتِ اسلام'' ص 572)

مگر مرزا کی الٹی تقدیر اور کھوٹی قسمت کے اثر سے ہوا یہ کہ نکاح کے بعد اڑھائی سال بھی گزر گئے اور محمدی بیگم کے خاوند مرزا سلطان محمد کی وفات بھی نہ ہوئی اور اس پر بھی پورے ملک میں ہنسی اڑی تو مرزا آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے ایک نہایت ہی غضب آلود اعلان کیا کہ:

''بدفطرتو! اپنی فطرتیں دکھاؤ؟ لعنتیں بھیجو! ٹھٹھے کرو؟ صادقوں کا نام کاذب اور دروغ گو رکھو؟ لیکن عنقریب دیکھو گے کہ کیا ہوتا ہے؟ سلطان محمد کے ''خوف'' اور ''رجوع'' سے اس کی موت ٹل گئی لیکن نفس پیشینگوئی یعنی اس ''عورت'' کا اس ''عاجز کے نکاح'' میں آنا: ''تقدیر مبرم'' ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ ''الہام الٰہی'' میں یہ فقرہ موجود ہے۔ ''لاتبدیل لکلِمٰاتِ اللّٰہِ'' اللہ کی بات ہرگز نہیں ٹل سکتی۔ پس

ٹل جائے تو خدا کا کلام باطل ہوتا ہے۔" (اعلان مرزا مندرجہ "تبلیغ رسالت" جلد سوم ص 166)

پھر اس اعلان کی "تائید" میں ایک اور "بڑا زوردار" اعلان کیا کہ: "محمدی بیگم ضرور میرے نکاح میں آئے گی۔" مرزا صاحب تحریر کرتے ہیں:

"اس عاجز کو ایک سخت بیماری آئی یہاں تک کہ قریب موت تک نوبت پہنچ گئی بلکہ موت سامنے دیکھ کر وصیت بھی کر دی۔ اس وقت یہ پیشینگوئی آنکھوں کے سامنے آ گئی اور معلوم یہ ہو رہا تھا کہ اب آخری دم ہے اور کل "جنازہ" نکلنے والا ہے تب میں نے اس پیشین گوئی کی نسبت خیال کیا کہ شاید اس کے اور معنی ہوں گے جو میں نہیں سمجھ سکا؟ تب اس حالت میں قریب الموت مجھے الہام ہوا۔ "الحقُّ من رَبِّکَ فَلا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ" یعنی "یہ بات تیرے رب کی طرف سے سچ ہے۔ تُو کیوں شک کرتا ہے" خدا نے "تازہ یقین" دلا دیا کہ تُو نا امید مت ہو۔" ("ازالہ اوہام" ص 298)

یہ تھے "مرزائے قادیان کے الہام" اور اس کے خدا کی طرف سے مرزا کو بار بار یاد دہانی اور یقین دہانی؟ مگر وائے ناکامی مرزا کو 1908ء میں اچانک "ہیضہ" نے آ دبوچا اور وہ اس دارِ فانی سے رخصت ہونے پر مجبور ہو گیا لیکن اس کا "مد مقابل" جوڑا مرزا سلطان محمد اور اس کی بیوی محمدی بیگم اللہ کے فضل و کرم سے زندہ اور حین حیات تھے اور مرزا کی موت کے بعد بھی ایک عرصہ زندہ رہے۔ (بلکہ 1968ء میں ہفت روزہ "چٹان" لاہور) کی عمارت کے اندر رئیس الکتابت سیّد "نفیس الحسینی" صاحب کے کمرے میں اسی خاندان کے ایک نوجوان سے ملاقات ہوئی جس نے دوران گفتگو بتایا تھا کہ "محمدی بیگم" صاحبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرزا کی ازلی و ابدی تکذیب و تذلیل کی خاطر ابھی تک زندہ موجود ہیں گو اب بہت معمر اور ضعیف ہیں۔ ابو معاویہ دنیا جہانِ فانی ہے وقت آنے پر اپنی طبعی عمر پورا کر کے مرزا سلطان محمد تو فوت ہو گئے اور محترمہ "محمدی بیگم" خاوند کے فوت ہو جانے کے بعد بھی قیام پاکستان تک زندہ رہی۔

جس زمانہ میں میرا قیام قادیان میں تھا تو ہم ملک کے تمام اطراف میں اپنے مبلغ بھیجتے تھے تو وہ پٹی مغلاں (جو محمدی بیگم کا وطن تھا) میں بھی جایا کرتے تھے۔ محمدی بیگم ان کی بڑی خدمت کرتی تھی۔ البتہ اس کی یہ خواہش ضرور ہوتی تھی کہ: "مرزا غلام احمد کی تردید کے بڑے موضوع ہیں۔ اس نکاح والی پیشین گوئی کا ذکر نہ کیا جائے تو کیا فرق پڑتا تھا؟" چنانچہ ہمارے مبلغ پٹی مغلاں کے اجتماعات میں اس پیشین گوئی کا تذکرہ نہیں کرتے تھے۔ پٹی مغلاں کے رہنے والے ایک بزرگ "مرزا شجاع بیگ" تھے جو کسی زمانہ میں حکومت کی جانب سے پٹی میں "آنریری مجسٹریٹ" بھی تھے۔ کبھی کبھی قادیان آیا کرتے تھے، ان کا قیام مرزائیوں کے مہمان خانہ میں ہوتا تھا اور وہ مجھے اپنے ہاں بلا بھیجتے تھے اور غلام احمد کے "عقائد و نظریات" کے خلاف دیر تک گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

''اطالوی حسینہ'' ''مس روفو''

آج کل رواج ہوگیا ہے کہ ''بڑے ہوٹلوں، پر مالکان ہوٹل ''خوبصورت اور حسین لڑکیاں، ملازم رکھ لیتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ''نازک اداؤں'' اور ''چلبلے اندازوں'' کے ساتھ گاہکوں کے سامنے کھانا رکھتی ہیں اور انھیں خوش کرنے کے لیے ''محبانہ گفتگو'' کرتی ہیں وہ لوگ جاتے وقت انھیں بھی کچھ دے جاتے ہیں اور مالکان ہوٹل پر بھی ان کا زیادہ بوجھ نہیں پڑتا۔ انھیں معمولی تنخواہ اور کھانا دینا پڑتا ہے۔ ویسے وہ خود اچھی بھلی کمائی کر لیتی ہیں۔ ''سسل ہوٹل'' والوں کو ایک ''اطالوی لڑکی'' مل گئی جو نہایت خوبصورت تھی۔ مولانا ظفر علی خان اس کے تعارف میں یوں ارشاد فرماتے ہیں ۔

''روما'' سے ڈھل کے ''برق کے سانچے'' میں آئی تھی
اب کس ''حریم ناز'' میں ''جان جہاں'' گئی؟

عموماً ''دل پھینک حضرات'' پوچھ لیتے ہیں کہ: ''کس ہوٹل میں رونق زیادہ ہے؟'' تو وہاں چلے جاتے ہیں۔ کسی نے مرزا محمود خلیفہ قادیانی سے کہہ دیا کہ: ''آپ یوں بدنام ہوتے پھرتے ہیں۔ سسل ہوٹل منٹگمری روڈ لاہور میں ''ایک پری'' روما سے آئی ہے۔ آپ اگر اسے دیکھ پائیں گے تو آپ کو یہ ''سیاہ برقعے'' جنھیں آپ الٹ کر بدنام ہو رہے ہیں؟ سب کچھ بھول جائیں گے!'' خلیفہ صاحب نے یہ ''مژدۂ جاں فزا'' سن کر ''رخت سفر'' باندھا اور سسل ہوٹل لاہور پہنچ گئے۔ اطالوی حسینہ کو دیکھا تو ''لٹو'' ہو گئے پہلے تو اسے آمادہ کیا کہ: ''وہ قادیان میرے ساتھ آئے''! مگر وہ آمادہ نہ ہوئی تو ''سیر و سیاحت کے بہانہ'' سے کار میں بٹھایا اور قادیان لے آئے۔ چونکہ سسل ہوٹل والوں کا بڑا نقصان ہو گیا تھا۔ انھوں نے واویلا کیا۔ اس اطالوی حسینہ کی ڈیوٹی صرف گاہکوں کے سامنے کھانا لا رکھنا نہ تھا؟ بلکہ اس کے ذمہ کچھ انتظامی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ ''رقص و سرود'' اور دیگر ''سامانِ تعیش'' کے کمروں کی ''چابیاں'' بھی اس کے پاس رہتی تھیں! اس وجہ سے بھی ہوٹل والوں کو پریشانی ہوئی! اخبارات میں چھپا؟ عوام میں واویلا ہوا؟ ساتھ ہی مرزا محمود نے محسوس کیا کہ ملک میں واویلا ہو رہا ہے اور بدنامی ہو رہی ہے۔ سب سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ وہ حسینہ قادیان ''خوشی'' سے نہیں آئی تھی؟ اور وہ ''قادیان کی رہائش'' پر ''راضی نہیں ہو رہی تھی؟ مرزا محمود نے مجبور ہو کر اسے واپس لاہور بھیج دینے پر ''رضا مندی'' کا اظہار کیا اور اسے مبلغ پانچ ہزار روپیہ دے کر اپنی کار کے ذریعہ لاہور بھیج دیا۔ لاہور پہنچ کر اس نے مرزا محمود کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہا کہ مجھے ''جبراً قادیان لے جا کر میری آبرو ریزی کی گئی؟'' قانونی مشیر نے اسے مشورہ دیا کہ: ''تم پیشہ ور لڑکیاں ایسا الزام عدالت میں ثابت نہیں کر سکتیں؟ اور عدالت تمہاری اس بات کو بہ مشکل تسلیم کرے گی؟'' تو اس حسینہ نے اپنے وکیل کو کہا کہ: ''مجھے زیادہ غصہ اس بات پر ہے کہ جس وقت خلیفہ قادیان میں میری آبرو ریزی کر رہا تھا تو اس وقت اس نے اپنی لڑکی کو 'پاس بٹھا رکھا تھا؟'' تو وکیل نے کہا: ''ممکن ہے تم سچ کہتی

ہو؟ مگر عدالت اسے تسلیم نہیں کرے گی؟ اس لیے وہ مجبوراً چپ ہو کر رہ گئی۔

جب یہ خبر اخبارات میں آئی اور ملک میں عام شہرہ ہوا تو مرزا محمود کی اپنی قادیانی جماعت بھی ''برے تاثر'' سے نہ بچ سکتی تھی؟ اس لیے اسے ضرورت پڑی کہ وہ اپنی جماعت کو ''مطمئن'' کرے۔ اس لیے خلیفہ نے ایک خطبہ جمعہ میں بتایا کہ: ''یہ میرے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں ایک یورپین لیڈی کو اپنے ساتھ قادیان لایا تھا کہ ''میری لڑکیوں کی اتالیق'' ہو اور انھیں ''انگریزی لہجہ'' سکھائے۔ دشمنوں نے خواہ مخواہ مجھے بدنام کرنے کے لیے میرے خلاف پروپیگنڈا کر دیا ہے۔''

لیکن سوال یہ ہے کہ مرزا محمود کا مقصد اگر انگریزی سکھانے کے لیے ''اتالیق'' رکھنا ہوتا تو وہ کسی ''برطانوی لیڈی'' کی تلاش کرتا؟ اور یہ کہ بجائے ''نوخیز خوبصورت لڑکی'' کے وہ ''عمر رسیدہ'' یا ''ادھیڑ عمر کی خاتون'' ہوتی؟ نہ کہ ''خوبصورت'' ''دل رُبا'' ''نوخیز لڑکی'' ہوتی؟ علاوہ ازیں ایک ''اطالوی'' کے لیے ''انگریزی زبان'' ایسی ہے؟ جیسے ہمارے لیے ہے جیسا کہ ''انڈین'' ''محنت شاقہ'' اور ایک مدت دراز کے بعد ''انگریزی میں مہارت'' حاصل کر سکتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح ایک ''اطالوی نژاد'' کو بڑی ''محنت شاقہ'' سے ''انگریزی'' سیکھنی پڑتی ہے اور جو ایک مدت صرف کرنے کے بعد انگریزی میں مہارت حاصل کر لیتا ہے تو وہ خود ''مرد'' ہو؟ یا ''عورت''؟ ہوٹلوں کی گھٹیا ''ملازمت'' کیسے اختیار کر سکتا ہے؟ اس کے لیے تو کئی ''باعزت روزگار'' موجود ہیں۔

یہ ''ایک ''کھلی'' اور ''ناقابل تردید حقیقت'' ہے کہ مرزا محمود اس حسینہ کو اپنی ''ہوس رانی'' اور ''عیش پرستی'' کے لیے لایا تھا مگر وہ قادیان آنے پر ''راضی'' نہ تھی؟ اور جب ''بہ جبر'' قادیان لائی گئی تو وہاں ''رہائش پذیر'' ہونے پر ''راضی'' نہ ہوئی؟ ادھر عوام میں ''شور اٹھا'' تو خلیفہ گھبرا گیا اور اسے واپس لاہور بھیجنے پر راضی بلکہ ''مجبور'' ہوا اور ساتھ ہی اس کا منہ بند کرنے کے لیے'' مبلغ پانچ ہزار روپیہ دے کر اپنی کار کے ذریعہ اسے واپس لاہور پہنچا دیا مگر وہ پانچ ہزار روپیہ پر راضی نہ ہوئی اور خلیفہ کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہتی تھی لیکن اسے ''خلیفہ کا جرم'' ثابت کرنا مشکل نظر آیا اور وکیل سے مشورہ کے بعد ''بہ امر مجبوری'' ''خاموش'' ہو گئی۔ اطالوی حسینہ کی یہ خبر لاہور کے تمام اخبارات میں چھپی مگر ''زمیندار'' نے اس میں بہت زیادہ ''دل چسپی'' لی اور خوب ''نمک مرچ'' لگا کر ''خلیفہ کے ذلیل اور سیاہ کردار کو عوام میں ''اجاگر'' کیا۔ اور اس سلسلہ میں کئی نظمیں بھی اخبار ''زمیندار'' میں شائع ہوئیں۔ قارئین کی دل چسپی کے لیے میں یہاں مولانا ظفر علی خان کی دو نظمیں درج کیے دیتا ہوں ۔

اطالوی حسینہ

اے کشورِ اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے تیرے فیض سے چمن

پیغمبر جمال تیری دِل رُبا ادا
پروردگار عشق ترا چُلبُلا چلن
اُلجھے ہوئے ہیں دل تری زلف سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سو فتن
پروردۂ فسوں ہے، تری آنکھ کا خمار
آوردۂ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن
پیمانہ نشاط تیری ساق صندلی
بیعانہ سرور ترا مرمری بدن!
رونق ہے ہوٹلوں کی ترا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشہ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

دوسری نظم یہ ہے۔

ہوٹل سسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایمان کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوفِ خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورِ کون و مکاں گئی
بن کے خروش حلقہ رندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جانِ جاں گئی

یہ چیستان سنی تو ''زمیندار'' نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے؟
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو!
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے میں آئی ہے روفو
دبستان میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستان میں اے بے وقوفو
بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو!
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبد الرؤفو!
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زوفو!

31 مارچ 1924ء

فتنۂ آخر زماں

اے قادیاں، اے قادیاں تیرے بڑے لنگور کو
لپٹا لیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا ناچ کر کشمیر اور میسور کو
جس کی ترش روئی ملی نیبو کو اور اچور کو
لکھوں دمشقی گورخہ یا اندلس کی مادیاں
اے قادیاں اے قادیاں اے فتنۂ آخر زماں
پیسہ ترا ایمان ہے، گالی تری پہچان ہے
جنس نفاق و کفر سے چمکی تری دکان ہے

بہتاں خدا پر باندھنا تیرے نبی کی شان ہے
الہام جو بھی ہے ترا آوردۂ شیطان ہے
یہ بھی خدا کا آخری اسلام پر احسان ہے
نقاش کی مٹھی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے
اے قادیاں اے قادیاں اے دشمن اسلامیاں
اے فتنہ آخر زماں

اس اطالوی حسینہ کا نام ''مس روفو'' تھا اور لوگ بازار میں مس روفو کے گیت گاتے تھے اور مزہ لے لے کر ''روفو اور مرزا محمود کا تذکرہ'' کرتے تھے۔ اخبار زمیندار کا شدت سے انتظار ہوتا تھا جب زمیندار آتا تو ہجوم اس پر پل پڑتا تھا۔ بازار میں بیٹھ کر ایک شخص بلند آواز سے وہ اخبار پڑھتا تھا اور بیسیوں سامعین اس کے گرد بیٹھے سن رہے ہوتے تھے۔

مس روفو کا یہ ''تمام واقعہ'' میرے قیام قادیان کے دوران ''ظہور پذیر'' ہوا۔ مرزائیوں کا بازار سے گزرنا دوبھر ہو رہا تھا۔ اگر بہ امر مجبوری کسی مرزائی کا ادھر سے گزر ہوتا؟ وہ بے چارہ سر جھکائے جلدی سے گزرنے کی کوشش کرتا تھا! ان تمام ''واقعات'' کی ''رپورٹیں'' مرزا محمود کو ''قصر خلافت'' میں پہنچ رہی ہوتی تھیں اور ''مرزائی دنیا'' میں ایک ''زلزلہ'' سا ''ہنگامہ'' برپا تھا۔ ''نہ جائے ماندن''؟ ''نہ پائے رفتن''؟ آخر مجبور ہو کر اور ''رونی صورت'' بنا کر مرزا محمود نے ''خطبہ'' دیا اور کہا کہ: ''دیکھو! کتنا بڑا ظلم ہے میں ایک ''یورپین لیڈی'' کو لاہور سے لایا تھا تاکہ وہ میری ''لڑکیوں'' اور ''بیویوں'' کو ''انگریزی لب و لہجہ'' سکھائے؟ مگر ''دشمنوں'' نے ''پرکاہ'' کو ''انبار'' بنا کر میرے خلاف ہنگامہ برپا کر دیا؟ میں نے کون سی بری بات کی ہے کہ اس قدر ہنگامہ اٹھایا جا رہا ہے؟'' اس خطبہ میں بیٹھے باخبر سامعین ہنسی اڑا رہے تھے کہ ایک ''اطالوی نوخیز حسینہ'' اور ''انگریزی لب ولہجہ'' اطالوی لوگ تو انگریزی کے بعض الفاظ سکھائے جانے سے بھی نہیں ادا کر سکتے تھے؟ تو بھلا ایک نوخیز اطالوی لڑکی کیا خاک انگریزی لب ولہجہ کسی کو سکھائے گی؟ بہرحال وہ ایک ''دل چسپ دور'' تھا۔ ایک وہ زمانہ کہ مرزا محمود کے ''تقدس کا سایہ'' ہر انسان پر ''چھایا'' ہوا تھا خواہ وہ کسی بھی ''مکتب فکر'' سے تعلق رکھتا ہو؟ اور ایک وہ دور بھی ہم نے دیکھا؟ کہ ''سرعام بازار میں مرزا محمود کا ''مذاق'' اُڑایا جا رہا تھا؟ اور احرار نے وہاں وہ ''فضاء پیدا کر دی تھی کہ مرزائی یہ سب کچھ دیکھتے اور ''ٹس'' سے ''مس'' نہ ہوتے۔ ''انگریزی حکومت'' جو مرزائیت کو اپنا ''خود کاشتہ پودا'' تصور کرتی تھی؟ وہ ''مجبور'' تھی کہ قادیان میں ''امن'' قائم رکھے اور ''مرزائی جبر وتشدد'' کا ''سدباب'' کرے اس لیے اس نے ''پولیس کی سپیشل گارڈیں'' متعین کر رکھی تھیں اور ''مرزائی ڈکٹیٹر شپ'' کا ''دست تطاول'' ''شل'' ہو رہا تھا۔

حکیم عبدالعزیز

حکیم عبدالعزیز قادیان میں رہائش پذیر تھا۔ مرزائی ہونے کے بعد اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر کے مستقلاً قادیان آ گیا تھا۔ بڑا سمجھ دار اور مرزائیت کا اہم ممبر تھا اور قادیانی ذیلی شاخ ''انصار الاحمدیہ'' کا سیکرٹری تھا۔ طب یونانی سے بھی اچھی واقفیت رکھتا تھا اور جماعت کا اہم معزز فرد تھا۔ مرزا محمود کے متعلق جب کریکٹر کی کمزوریوں کے انکشافات ہونے شروع ہوئے تو خلیفہ کے قریب ہونے کے باوجود اسے بھی حقیقت حال معلوم کرنے کی جستجو ہوئی۔ آدمی بڑا عقل مند اور ذکی الفہم تھا اور آخر کار صحیح نتیجہ پر پہنچنے میں کامیاب ہوگیا اور اسے حق الیقین ہوگیا کہ مرزا محمود کے خلاف الزامات درست ہیں اور حقائق نفس الامریہ کے عین مطابق ہیں تو جماعت نے علیحدہ ہونے کا اعلان کر کے ہمارے پاس آ گیا اس کے ساتھ تین پڑھے لکھے نوجوان اور بھی تھے۔ جنھوں نے حکیم صاحب کے ساتھ جماعت سے جدا ہونے کا اعلان کیا تھا۔ کچھ عرصہ تو وہ لوگ قادیان میں اقامت پذیر رہے۔ حکیم صاحب نے اپنا مطب ہماری آبادی میں بنالیا تھا۔ بعد میں حکیم صاحب لاہور آ کر لاہوری جماعت سے منسلک ہو گئے۔ آدمی بڑے قابل فہیم اور اعتمادی تھے اس لیے جماعت لاہور نے انھیں اپنے کسی کام پر لگالیا اور وہ مستقلاً لاہور آ گئے۔ ان کے تین دوسرے ساتھی تھے جن میں سے ایک کا نام ''عبدالرب برہم'' تھا اور دوسرا ''شبنم'' کے نام سے مشہور تھا۔ تیسرے کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔

حکیم صاحب نے خلیفہ محمود کی قادیانی جماعت سے علیحدہ ہونے کا اعلان 40-1939ء میں کیا تھا جبکہ برطانیہ دوسری جنگ عظیم میں الجھا ہوا تھا۔ خلیفہ محمود نے اپنے ایک خطبہ میں حکومت برطانیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''اگر گورنمنٹ مجھ سے دعا کی درخواست کرے تو میں دعا کروں گا اور گورنمنٹ کو یقیناً فتح ونصرت ہوگی۔'' خلیفہ صاحب کا یہ خطبہ اخبار ''الفضل'' میں چھپا تو حکیم صاحب نے اس خطبہ کے جواب میں ایک طویل بیان دیا جو بہت سے حقائق کو اپنے اندر لیے ہوئے تھا اور ساتھ ہی مرزا محمود کو مباہلہ کا چیلنج دے دیا۔ حکیم صاحب کا یہ بیان رسالہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ کے 11 اگست 1940ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ میں قادیان میں تھا اور سب کارروائی میری آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔ قارئین کی آگاہی کے لیے وہ بیان ذیل میں من وعن درج کیا جاتا ہے۔

''جناب خلیفہ صاحب نے اپنے خطبہ میں زور دار الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ: ''اگر حکومت برطانیہ مجھ سے درخواست دعا کرے تو میری دعا کے سبب حکومت برطانیہ کو یقیناً فتح ہوگی۔'' ''دابستگانِ خلافت'' بھی جناب خلیفہ صاحب کے اس دعویٰ کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں تا کہ جناب خلیفہ صاحب کا تعلق باللہ اور دعاؤں میں غیر معمولی مقبولیت ثابت ہو لیکن ہم اس معمے کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ایک طرف تو خلیفہ صاحب ''برٹش امپائر'' کی وفاداری کا راگ الاپا کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ ان کی

کامیابی کے لیے سچے دل سے دعا تک کرنے کو بھی تیار نہیں جبکہ رعایا کا بچہ بچہ گورنمنٹ سے ہمدردی رکھتا ہے اوران کے عدل وانصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے دلی اخلاص سے فتح کی دعائیں مانگ رہا ہے؟ اس وقت خلیفہ صاحب حکومت کے مصائب میں اور اضافہ کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور انھیں الٹا اپنے سامنے جھکانا چاہتے ہیں اور ان کی کامیابی کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ ہمارے بادشاہ کی کامیابی یقینی ہے ہمیں تو ان کی وفاداری کی سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیوں مشکلات کی گھڑیوں میں بھی بغیر گورنمنٹ کی درخواست کے دعائیں نہیں کرتے؟ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ خلیفہ صاحب کے اس بلند بانگ دعویٰ میں کہاں تک صداقت ہے؟ اور ان کی دعاؤں کو کہاں تک مقبولیت حاصل ہے؟ اگر ان کی دعاؤں میں ایسی ہی قبولیت ہے جیسا کہ انھوں نے دعویٰ کیا ہے تو میں پوچھتا ہوں کہ:

-1 جب آپ نے ''احمدیہ سٹور'' قوم کے ہزاروں روپیہ سے جاری کیا تھا اور اس میں آپ نے اپنی ذمہ داری پر لوگوں سے روپیہ لیا تھا کیا اس میں کامیابی کے لیے دعائیں نہ کی تھیں؟ اگر کی تھیں تو سٹور کیوں تباہ و برباد ہوا؟ جس کے صدمہ سے کئی احمدی پاگل ہو گئے؟ اور بہت سارے اپنی تمام عمر کی کمائی سٹور میں تباہ و برباد کر کے مفلس وقلاش بن کر رہ گئے؟

-2 ''ایسٹرن ٹریڈنگ کمپنی'' میں قوم کا کس قدر روپیہ برباد ہوا؟ ''گلوب ٹریڈنگ کمپنی'' کا کس قدر روپیہ تباہ ہوا؟ ''گٹ فیکٹری'' کا کیا حشر ہوا؟ پھر قومی سرمایہ سے قائم شدہ ''بک ڈپو'' کا سرمایہ کہاں گیا؟ یہ تمام کام جو قومی سرمایہ سے قائم ہوئے اور آپ کی سرپرستی میں جاری رہے اور آپ ان کی ترقی اور کامیابی کے لیے دعائیں فرماتے رہے کیا پھر ان کا انجام ناکامی نہ ہوا؟ اس وقت آپ کی دعائیں کیوں کارگر نہ ہوئیں؟

-3 کیا جناب کو یاد نہیں جب آپ کے قیمتی گھوڑے چور لے گئے اور آپ نے ان کی واپسی کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ گھوڑے تو واپس کیا آنے تھے؟ الٹا آپ سے ''بھونگے کی رقم'' بھی کھا گئے۔ اس وقت آپ کی دعاؤں کو کیا ہوا؟

-4 کیا آپ کو علم ہے کہ آپ نے ''دلکشا پرفیومری کمپنی قادیان'' جس کے آپ واحد مالک تھے کی ایک شاخ کٹڑہ ''جیمل سنگھ'' امرت سر میں کھولی؟ جس کا افتتاح آپ نے خود اپنے ہاتھوں سے وہاں پہنچ کر لمبی چوڑی دعاؤں کے بعد کیا۔ اس کے بعد اس کا جو حشر ہوا کیا آپ بھول سکتے ہیں؟ اس وقت آپ کی دعائیں کیوں بے اثر ہو گئیں؟

-5 ''سٹار ہوزری قادیان'' کے لیے، آپ نے احمدی احباب پر کس قدر زور ڈال کر سرمایہ وصول کیا ان کا جو حشر ہو رہا ہے وہ کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ کیا اس کے لیے دعائیں نہیں فرماتے؟

-6 قاضی ''محمد علی'' نوشہروی کو ''سزائے پھانسی'' سے بچانے کے لیے آپ نے نہ صرف خود ہی

دعائیں فرمائیں بلکہ تمام جماعت سے بھی دعائیں کروائیں اور روزے رکھوائے اور قوم کا ہزاروں روپیہ خرچ کر کے ''پریوی کونسل'' تک اپلیں بھی کی گئیں۔ کیا اس وقت آپ کی دعائیں؟ روزے؟ اور اپلیں اکارت نہ گئیں؟ اور قاضی محمد علی کو پھانسی نہ ہوئی؟

-7 کیا قادیان میں ''احرار کانفرنس'' کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی تک کا زور نہ لگایا؟ اور ہر رنگ میں اسے روکنے کی کوششیں نہیں ہوئیں؟ پھر احرار کانفرنس قادیان میں منعقد ہوئی یا نہ؟ اس وقت آپ کی دعائیں کہاں گئیں؟

-8 کیا احرار کانفرنس کے بعد سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کو پھنسانے کے لیے کوئی کسر باقی رکھی؟ نتیجہ کیا ہوا؟ ''مقدمہ بخاری کا فیصلہ'' آپ کے خلاف ہوا جس کی اپیلوں وغیرہ پر قوم کا کم از کم چالیس ہزار روپیہ کا خرچہ بتایا جاتا ہے۔ اس وقت آپ کی دعائیں کہاں جا چھپیں؟

-9 چودھری ''فتح محمد'' سیال (جو آپ کے ناظر اعلیٰ ہیں) کو جب آپ نے الیکشن کے لیے کھڑا کیا تھا کیا ان کی کامیابی کے لیے دعائیں نہ کی تھیں؟ جبکہ ظاہری طور پر قوم کا پسینہ کی جگہ لہو بہا کر کمایا ہوا روپیہ ہزاروں کی تعداد میں بے دریغ بہایا گیا اور صبح سے لے کر شام تک آپ خود بڑی عرق ریزی سے قادیان پولنگ پر ووٹ گزارتے رہے۔ کیا پھر بھی اس میں ناکامی کا منہ دیکھنا نہ پڑا؟ اس وقت آپ کی دعائیں کیوں رد ہوئیں؟

-10 کیا ''عزیز احمد'' قلعی گر کو پھانسی سے بچانے کے لیے آپ نے دعائیں نہ کیں؟ اور قوم کا ہزاروں روپیہ برباد کر کے پریوی کونسل تک اپلیں نہ کی گئیں؟ اور کیا آپ کی دعاؤں کا الٹا اثر یہ نہ ہوا؟ کہ جب آپ نے قلعی گر کو بچانے کے لیے لاہور ہائیکورٹ میں اپیل کرائی تو ہائیکورٹ نے قاتل کو تو کیا بری کرنا تھا؟ الٹا آپ کے خلاف بھی ریمارکس دے دیے جس پر آپ نے ایک بیان کے دوران میں تسلیم کیا کہ: ''ان ریمارکس سے جو آگ آپ کے دل کو لگی ہوئی ہے اس کو کوئی پانی ٹھنڈا نہیں کر سکتا۔'' اب آپ خدارا فرمائیں کہ اب بھی آپ کی دعاؤں کی قبولیت پر یقین کیا جا سکتا ہے؟

-11 پھر آپ نے اس آگ کو بجھانے کے لیے تین قابل وکلاء کی خدمات حاصل کر کے ہائیکورٹ میں ریمارکس حذف کرنے کی درخواست دی جس کے بالمقابل یہ خاکسار معمولی سے وکیل کو ہی لے کر پیش ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی تمام دعائیں اور کوششیں بے اثر ثابت ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ جیسے کمزور و بیکس انسان کو فتح دی اور آپ کی اپیل خارج ہوگئی؟

''حسن ابن صباح'' کی پیروی

اسی قسم کے اور بیسیوں واقعات ہیں جن کی تفصیل کی اس جگہ گنجائش نہیں لیکن حقیقت یہی ہے

کہ آج تک آپ کی دعائیں الٹا اثر ہی دکھاتی رہیں۔ اس کے بالمقابل آپ کے بعض سادہ لوح مریدوں کا یہ لکھ دینا کہ: ''ہمارا فلاں کام آپ کی دعاؤں سے ہوا'' کچھ حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ ایسے اتفاقی واقعات دنیا میں ہوتے رہتے ہیں اور سادہ لوح مرید ایسے واقعات کو ''اپنے پیروں کی کرامات'' ہی ظاہر کیا کرتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ امور جن میں پوری کوشش، توجہ اور انہماک سے دعائیں کیں اور قوم سے بھی کروائیں، ان میں ناکامی کیوں ہوئی؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور قطعاً کوئی خاص مرتبہ حاصل نہیں اور نہ ہی آپ کی دعاؤں میں غیر معمولی مقبولیت ہے۔ اس وقت آپ کا گورنمنٹ کو دعا کی درخواست کرنے کے لیے مائل کرنے کی کوشش کرنا: ''حسن ابن صباح'' والی چال ہے ورنہ کیا وجہ ہے کہ آپ نے اپنے معترضین کے خلاف ہمیشہ دعا کا پاکیزہ ہتھیار استعمال کرنے کی بجائے ''کفار والاحربہ'' ''بائیکاٹ'' استعمال کیا؟

''مباہلہ کا چیلنج''

اگر آپ یہ فرمائیں کہ: اس وقت آپ کو یہ مقام حاصل نہ تھا جواب ہوا ہے تو اب بھی ہماری طرف سے آپ کو کھلا چیلنج ہے کہ اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ خدا کے برگزیدہ اور مقرب بن چکے ہیں اور وہ الزامات جو آپ کی ذات پر آئے دن لگ رہے ہیں غلط اور بے بنیاد ہیں تو آؤ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مل کر دعا کریں اور میدان مباہلہ میں نکلیں تاکہ روز روز کا جھگڑا ختم ہوکر حق و باطل میں فیصلہ ہو اور وہ تمام احمدی جو اس تنازعہ کی وجہ سے تذبذب میں پڑ چکے ہیں اور وہ تمام مخلصین جماعت جو منافق قرار دیے جا چکے ہیں راہ راست پر آئیں اور وہ تمام اعتراضات جو آئے دن ان حالات کی وجہ سے سلسلہ پر لگ رہے ہیں ختم ہوں۔

''مباہلہ میں پوزیشن کا سوال''

اگر آپ فرمائیں کہ: ''ہماری پوزیشن ہی کیا ہے کہ آپ ہمارے بالمقابل مباہلہ کے لیے نکلیں؟'' تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس پر اس قسم کے الزامات لگ جائیں تو اس کی تو اپنی پوزیشن ہی خطرہ میں پڑ جاتی ہے جب تک وہ الزامات سے بریت ثابت نہ کرے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر چند ذلیل عورتوں نے ہی اسی قسم کا الزام لگایا تھا تو وہ (حضرت یوسف علیہ السلام) جیل خانہ سے باہر نہیں نکلے جب تک بریت ثابت نہ کر دی؟ اسی طرح حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ پر جب بعض منافقین نے الزام لگایا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عائشہ صدیقہؓ سے ''سلام کلام'' بند کر دیا جب تک اللہ تعالیٰ نے بریت نہیں فرما دی؟ اور شہنشاہِ اسلام حضرت عمرؓ نے خطبہ تک بند کر دیا جب تک ایک معمولی معترض کے اعتراض کا تسلی بخش جواب نہ دے لیا وغیرہ؟ کیا ان معترضین میں سے کسی ایک معترض کی پوزیشن ان بزرگوں جیسی تھی؟ اگر نہیں تھی؟ اور یقیناً نہیں تھی تو پھر ان بزرگوں نے کیوں ان معترضین کے

جواب دینے ضروری سمجھے؟ اور الزامات سے بریت ثابت کی؟''

''مکرر چیلنج''

بالآخر میں امید کرتا ہوں کہ آپ ضرور ''میدانِ مباہلہ'' میں نکلیں گے اور اگر آپ نے میدان مباہلہ میں آنے کی جرأت کی تو میں نہ صرف اکیلا ہی نہیں بلکہ کم از کم بیس افراد کو اپنے ہمراہ لاؤں گا جو ''دعا مباہلہ'' میں شریک ہوں گے اور کم از کم دو ہزار ایسے اشخاص کو بھی ساتھ لاؤں گا جو ہمیشہ کے لیے اس ''نشان'' کے ''زندہ گواہ'' ٹھہریں گے! لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ کے وعید ''**ولن يتمنوه أبدا بما قدمت ايديهم**'' سے ڈر گئے اور میدان مباہلہ میں نہ نکلے؟ تو یاد رکھیں کہ آپ کے وہ تمام دعاوی جن کو آپ آئے دن پیش کرتے رہتے ہیں غلط اور بے بنیاد ٹھہریں گے؟ اور ماننا پڑے گا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور ہرگز ہرگز کوئی مرتبہ حاصل نہیں! اور آپ کا آپ کی طاقت کے نشہ میں ''ہم کمزور و بیکس احمدیوں'' کو ''منافق'' قرار دینا غلط اور ظلم عظیم ہے۔ ورنہ کسی ایک خدا کے برگزیدہ کی مثال پیش کرو جو منافقوں کے بالمقابل میدان مباہلہ میں نہ نکلا ہو؟ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

(حکیم ''عبدالعزیز'' سیکرٹری ''انجمن انصار احمدیہ'' قادیان)

جی آر اعوان

احمقوں کی جنت

ربوہ میں بس کے ذریعے آئیں تو سڑک کی ایک جانب پہاڑ ہی پہاڑ اور ان کے دامن میں مرزائیوں کا جنت دوزخ ہے جبکہ دوسری جانب دریائے چناب تک شہر آباد ہے۔ تاہم دریا کے قریب سڑک کے دونوں جانب آبادیاں ہیں۔ پرانے اڈے سے شہر کی طرف داخل ہوں تو ایک طرف قصر خلافت اور اس سے ملحقہ ''پوش علاقہ'' ہے۔ لاری اڈے سے شہر آنے والی یہ سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے، جس کے ایک حصے پر قصر خلافت، جامعہ نصرت کالج و نصرت گرلز ہائی سکول ہے اور دوسری جانب یہی سڑک امور عامہ اور تحریک جدید کے دفاتر کے سامنے سے گزرتی ہوئی گول بازار میں داخل ہو جاتی ہے۔ گول بازار بھی دراصل گول نہیں بلکہ درانتی کی مانند آدھا گول ہے۔ اب تو شہر کی شکل بدل چکی ہے، تاہم 1965ء میں اس کی صورت ایسی ہی تھی، جیسی بتلائی جا رہی ہے۔ دکانوں کا سلسلہ منان ٹیلر کی دکان سے شروع ہو کر زیرہ ہاؤس پر ختم ہوتا تھا۔ زیرہ ہاؤس کے سامنے سے ایک سڑک گزرتی ہے جو ریلوے پھاٹک کو کراس کرتی ہوئی شہر کے دوسرے حصے کی طرف جاتی ہے، جس پر فضل عمر ہسپتال، ٹیلی فون ایکسچینج اور تنویر سٹوڈیو وغیرہ آتے ہیں۔ ریلوے لائن شہر کے وسط میں سے گزرتی ہے جس کے ساتھ ساتھ جانے والی ریلوے روڈ دریا کی طرف اور غلہ منڈی اور فیکٹری ایریا کی طرف جاتی ہے۔ دریا کی طرف جانے والی اسی سڑک پر جامعہ احمدیہ، تعلیم الاسلام ہائی سکول اور تعلیم الاسلام کالج ہیں۔

ربوہ کے تمام داخلی راستوں پر بڑے بڑے سائز کے بورڈ آویزاں تھے جن پر جلی حروف میں ''سگریٹ نوشی ممنوع ہے'' لکھا ہوا تھا۔ یہاں آنے والے اجنبی ان بورڈوں کو پڑھ کر اکثر سگریٹ پھینک دیتے یا جیبوں میں اچھی طرح چھپا دیا کرتے تھے۔ میں نے شہر میں پھرتے ہوئے دیکھا کہ ہر کریانے کی دکان پر نہ صرف سگریٹ فروخت ہوتے بلکہ چلتے پھرتے لوگ سگریٹ پیتے بھی نظر آتے تھے، جبکہ پان سگریٹ کے کئی کھوکھے بھی تھے۔ گول بازار میں پان سگریٹ کی سب سے بڑی دکان ''فہیم موٹے'' کی تھی۔ اس سلسلے میں لوگوں سے پوچھا گیا کہ جب شہر میں سگریٹ نوشی ممنوع ہے تو یہاں سگریٹ کی دکانیں کیوں ہیں؟ بتایا گیا کہ سرعام سگریٹ پینا منع ہے۔ گھروں کے اندر سگریٹ، حقہ اور بیڑی پی جا سکتی ہے۔ بعد میں

پتہ چلا، یار لوگ پینے والی بہت سی چیزیں چھپ کر پی لیں تو ان پر کوئی گرفت نہیں ہوتی تھی۔ جب سرعام سگریٹ پینے والوں کا ذکر کیا گیا تو ایک شرمندہ سے تبسم کے علاوہ کوئی جواب نہ مل سکا۔

ربوہ میں اردو کے ایک پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی تھے جن کے والد مولوی احمد خان نسیم مرزائی مبلغ تھے جو پاکستان بھر کے دیہات کے دورے کر کے سادہ لوح دیہاتیوں کو گھیر گھار کر مرزائی بناتے تھے۔ ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی ''قینچی'' کے سگریٹ پیتے تھے۔ ان کے لیے شہر کا ایک مخصوص دکان دار خصوصی طور پر اس برانڈ کے سگریٹ منگوایا کرتا تھا۔ ڈاکٹر پروازی جامعہ احمدیہ کے کواٹروں میں رہتے تھے۔ ریلوے لائن کے کنارے کنارے چلتے ہوئے جب وہ تعلیم الاسلام کالج پڑھانے جاتے تو کھلے عام سگریٹ پیتے ہوئے جاتے تھے جب کہ ایم ایم احمد کے بھائی ہسٹری کے پروفیسر مرزا مجید عرف میاں موجی تو کار میں آتے جاتے، کلاس پڑھاتے وقت اور سرعام بھی ''پائپ'' منہ میں ٹھونسے رکھتے تھے۔ شہر میں سگریٹ نوشی کی جتنی ممانعت تھی، اتنی زیادہ سگریٹ کی فروخت ہوتی تھی۔ مرزائیت کو میرا نارسا ذہن تو پہلے ہی سمجھتا تھا، مگر سگریٹ نوشی کے متعلق ان کی دورنگی نے ''مرزا غلام احمد'' کی نبوت کا فلسفہ مزید واضح کر دیا کہ مرزائیت منافقت آگیں اور دو نمبر مذہب ہے۔

''رحمت بازار غلہ منڈی'' میں لاہور ہاؤس، شاہد کلاتھ ہاؤس، بھٹی چیپ سٹور، سلیم ورائٹی ہاؤس، نعیم پمپی ہاؤس اور دارالخیر جنرل سٹور بہت مشہور دکانیں تھیں۔ دکاندار تو سارے ہی مرزائی اور اپنے ''نبی'' کی طرح بڑے طرار تھے لیکن شاہد کلاتھ ہاؤس اور دارالخیر جنرل سٹور والے سب پر بازی لے گئے تھے۔ یہ دونوں ہاتھوں سے لوٹتے بھی تھے اور ان کی دکانوں میں حوروں کی بھیڑ بھی لگی رہتی تھی۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ دارالخیر جنرل سٹور کے مالک امین کی بیوی معمولی شکل وصورت کی خاتون تھی۔ اس کے ایک دوست نے اس کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تو امین نے بے نیازی سے کہا اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ شہر کی ہر ماہ جبین تو میری جیب اور دکان پر ہوتی ہے۔ گول بازار میں بھی بہت سی دکانیں تھیں لیکن مون لائٹ جنرل سٹور، بیت اللباس اور احمدیہ ماڈرن سٹور قابل ذکر ہیں۔ مون لائٹ جنرل سٹور کے مالک کو ''پیرجی'' کہتے تھے۔ یہ شخص نہایت اچھا آدمی تھا۔ شنید ہے کہ وہ اندر خانے مسلمان ہو گیا تھا تاہم بعد میں ربوہ کے قریب ہی ایک حادثے میں انتقال کر گیا تھا۔ لیکن احمدیہ ماڈرن سٹور جو ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور تھا، اس کا مالک تو اوّل درجے کا بے ایمان تھا۔ مرزائی امت اس دکان کو احمدیہ مادر.........سٹور کہا کرتی تھی۔

ربوہ شہر کئی عجیب وغریب لوگ تھے جس میں مرزا منور کا بیٹا مرزا مظہر عرف میاں مجو قابل ذکر ہے۔ اس کا دماغی توازن درست نہیں تھا۔ انتہائی فربہ مرزا مظہر ہاتھوں میں اخبار، بغل میں کتابیں اور منہ میں پان رکھے شہر میں گھومتا رہتا تھا۔ اس کے شلوار کے پائنچے ٹخنوں سے اوپر ہوتے جب کہ ایک ہاتھ میں چھڑی ہوتی تھی۔ لوگ اسے مذاقاً چلتی پھرتی لائبریری کہا کرتے تھے۔ جونہی کوئی اسے لائبریری کہتا، مرزا

مظہر کے منہ سے گالیاں اور کف برسنا شروع ہو جایا کرتا تھا۔ ربوہ شہر میں ریلوے اسٹیشن' گول بازار کے پھاٹک اور دار ضیافت کے پہلو میں ایک کچا کمرہ ہے جس کی بنیادیں انتہائی پکی ہیں۔ یہ وہ کمرہ ہے جہاں قیام پاکستان کے بعد ربوہ آنے پر مرزا محمود احمد نے قیام کیا تھا۔ اس یادگار کمرے کو پرستش کا مقام دے دیا گیا ہے۔ لوگ زیارت کے طور پر یہ کمرہ دیکھنے جاتے ہیں لیکن ''مرزائی امت'' کے پیشواؤں' پیروکاروں اور علمبرداروں کی تضاد فکر ملاحظہ ہو۔ اس کمرے کے اردگرد کوئی امیر وکبیر خاندان مقیم نہیں بلکہ یہاں تیسرے درجے کے ''کمی کمین'' لوگ رہتے ہیں جن میں ہمارا ایک کلاس فیلو محمود احمد شمس عرف پو پو بھی رہتا تھا' جس کی والدہ کے ساتھ ایک افریقی مبلغ نے شادی کی اور کئی بچوں کی شکل میں اسے مرزائیت کا داغ دے کر بھاگ گیا۔ وہ بیچاری بچوں کا ایک ''ترنڈ'' لے کر ''اپنے نبی کے یادگار کمرہ'' کے قرب میں مرزائیت کا ماتم کرتی تھی۔

ربوہ میں ایک شخص عزیز راجیکی تھا جس کی وضع قطع دیکھ کر میں بہت حیران ہوتا تھا۔ انتہائی لمبے قد کا بھاری بھرکم شخص سفید تہبند اور کرتہ پہنا کرتا تھا جبکہ اس کے سر پر بہت بڑی سی سفید پگڑی ہوتی جس میں اس کا بڑا سا چہرہ چھپ کر رہ جاتا۔ سکھوں کی طرح ڈاڑھی اور مونچھوں نے اس کے ہونٹ بھی چھپا رکھے تھے۔ کہا جاتا کہ یہ ''مرزا غلام احمد'' کے صحابی مولوی غلام رسول راجیکی کا بیٹا ہے۔ اس شخص کا مسلک ''سدومیت'' سے بڑا گہرا تعلق تھا اس کے جلو میں ہر وقت شہر کے ''نوخیز امرد'' گھوما کرتے تھے جن میں ملک خدا بخش ہرل تھانیدار کا بیٹا قابل ذکر ہے۔

ربوہ سے سرگودھا جائیں تو لالیاں اور 46 اڈے کے درمیان ایک 58 چک ہے جس کو ''چک قصائیاں'' کہا جاتا ہے۔ یہ چک درحقیقت جسم فروشی کا اڈہ ہے جس کو اگر دیہی بازار حسن کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ ہم جب سکول و کالج میں پڑھا کرتے تھے تو اکثر مرزائی لڑکے ایک دوسرے کو کہتے ''چلو شکار کے لیے چک قصائیاں چلیں'' تب میں سمجھتا تھا کہ یہ لوگ شاید پرندوں کے شکار کے لیے کسی گاؤں جانے کی بات کرتے ہیں لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ یہ چک مرزائیوں نے اپنی تسکین کے لیے آباد کر رکھا تھا۔ دروغ برگردن راوی ہمارے ایک مرزائی کلاس فیلو جس کا نام قصداً یہاں لکھنا مناسب نہیں' مجھے بتایا تھا کہ ماضی کی ایک اداکارہ ناصرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ربوہ کے محلہ فیکٹری ایریا کے کسی تحصیلدار کی بیٹی تھی۔

جس زمانے کی یہ باتیں ہیں' تب ربوہ کی درس گاہوں کو مثالی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے اور اس زمانے کے ربوہ سے فارغ التحصیل طلباء یہ بات بڑے وثوق سے بتا سکتے ہیں کہ ربوہ میں تعلیم کا معیار ملک بھر کے باقی تعلیمی اداروں جیسا ہی تھا۔ کوئی تخصیص نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ جنسی تعلیم عام تھی۔ وقت سے پہلے ہر لڑکا وہ باتیں سیکھ جاتا تھا جو زندگی سنوارنے کی بجائے تباہ کر دیا کرتی ہیں۔

سکول و کالج کے ہوسٹل تو ''جنسی انسٹی ٹیوشن'' تھے جہاں لڑکے لڑکیوں کو ''گے اور لزبین'' کلچر کی تعلیم کے علاوہ تربیت بھی دی جاتی تھی۔لیکن ہوش وخرد سے عاری والدین نہ جانے کیوں اپنے بچوں کو گھروں سے دور جنسی درندوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔جامعہ نصرت کالج اور سکول کی لڑکیاں ہوسٹل کے بند دروازوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دیواریں پھاند کر جہاں مرضی ہو چلی جاتیں اور خوش وقت ہو لیا کرتی تھیں۔بلکہ بتانے والے بتاتے ہیں کہ لڑکیوں کے ہوسٹل کے دروازے قصر خلافت کے دروازوں کے آمنے سامنے رکھنے کے بھی کئی مقاصد ہیں۔

ربوہ میں بھونڈی نہایت تیاری سے کی جاتی تھی۔لڑکے ٹیڈی پتلونیں پہن کر سائیکلوں پر شہر کی سڑکوں پر گھومتے اور سیاہ برقعوں میں ملبوس حوروں کو آنکھوں سے اشارہ کرتے۔اگر بات بن جاتی تو ریل گاڑی میں بیٹھ کر چنیوٹ کے ریلوے سٹیشن پر چلے جاتے۔یہاں انہیں دوسری طرف سے آنے والی ٹرین کی آمد تک کافی موقع مل جاتا۔اس کے علاوہ چنیوٹ سرگودھا اور لائل پور کے سینما گھر ''ڈیٹ'' کے لیے بہترین مقامات تھے۔

''مرزائی امت'' کے پیروکاروں کو ''شیعہ مسلک'' سے خدا واسطے کا بیر تھا۔یہ اپنے خاص خاص فنکشن خاص طور پر محرم کے ایام میں رکھا کرتے تھے۔شادی بیاہ کی بیشتر تقاریب دسویں محرم کو ہوا کرتی تھیں۔ان بدبختوں کا اس بارے میں موقف یہ تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی یزید کے ساتھ جنگ سیاسی تھی اور ایک نافرمان کے حاکم وقت کے ہاتھوں قتل ہو جانے پر افسوس کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے۔ہمارے سکول میں دسویں جماعت کی الوداعی پارٹی بھی دسویں محرم کو ہوئی جس میں ہم لوگوں نے احتجاجاً شرکت نہیں کی تھی۔اس کے علاوہ ماتم اور مجالس عزا اور بالخصوص مجلس شام غریباں کا ربوہ میں زبردست مذاق اڑایا جاتا تھا۔چمن عباس، چنیوٹ اور احمد نگر میں تعزیہ اور ذوالجناح کے جلوس نکلتے تو خدام الاحمدیہ کے شیر جوان خاص طور پر وہاں بھونڈی کرنے کے لیے جاتے اور اگلے روز اپنی خباثت کے قصے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔حالانکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کے جلسہ سالانہ پر ان کی حوریں ''اڑانے'' کے لیے باہر سے ربوہ میں کون کون آتا تھا،لیکن وہ یہ نہیں سوچتے تھے کیونکہ ورثے میں ملی ہوئی بے غیرتی کے باعث شرم اس امت سے کوسوں دور تھی۔

طلاق ربوہ میں جس قدر عام تھی،اس کی مثال کسی اور معاشرے میں بہت ہی کم ملتی ہے۔یہاں مرد اور عورتیں دونوں طلاق کو مرضی کے مطابق استعمال کر لیتے تھے۔ہمارے سکول کے ایک ٹیچر اسماعیل صاحب کے فلاسفی کے پروفیسر بیٹے مبارک احمد کی شادی ہوئی تو سہاگ رات کو ہی لڑکی نے لڑکے کے ساتھ رہنے سے انکار کر دیا اور اگلے ہی روز دونوں میں طلاق ہوگئی اور اسی ہفتے دونوں کی نئی شادیاں کر دی گئیں۔طلاق کے بعد خواتین میں عدت گزارنے کا بھی کوئی تصور نہیں تھا۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ افتخار بیگم کو محض اس بناء پر طلاق دے دی کہ اس کو کسی اور لڑکی سے محبت تھی جبکہ اس کا باپ اس لڑکی کو صرف اپنے اغراض و مقاصد کے لیے "بہو" بنا کر لانا چاہتا تھا۔ اس شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق کے ساتھ تحریر کیے جانے والے خط میں لکھا "ہمارے معاشرے میں سسر کا بہو کے ساتھ تعلقات استوار کر لینا معمول کی کارروائی ہے۔ لہٰذا میں آپ کو اپنے باپ کے چنگل سے بچانے کے لیے طلاق دے رہا ہوں۔" یہ واقعہ بھی محلہ دارالرحمت شرقی کی ایک مکین لڑکی سے پیش آیا۔

اکثر مرزائی عورتیں شوقیہ طلاق بھی لے لیتی تھیں۔ ایسی کئی مثالیں دیکھی گئی ہیں۔ ایک شخص عبدالواسع کی بہن نے جب کسی ٹھوس وجوہ کے بغیر طلاق لے لی تو ہمارے ایک کلاس فیلو محمود نے اس بارے میں بتایا کہ مذکورہ خاتون ازدواجی بندھن کی قائل نہیں تھی۔ اس نے گھر والوں کے مجبور کرنے پر شادی کی اور ایک "بچہ" حاصل کرنے کے بعد شوہر اور سسرال سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔ محمود کے مطابق ربوہ سے وابستہ اکثر تعلیم یافتہ خواتین میں یہی رجحان پایا جاتا ہے۔ وہ صرف بچہ حاصل کرنا چاہتی ہیں تاکہ معاشرے میں ان سے "تنہا عورت" کا لیبل اتر جائے۔ اس مقصد کے لیے وہ کسی بھی عام شخص سے شادی کر لیتی ہیں اور مقصد حاصل ہوتے ہی کسی بھی بات کو جواز بنا کر نجات حاصل کر لیتی ہیں۔

ربوہ میں طلاقوں کی ایک اور وجہ بھی ہے جس پر مرزائی بے زار افراد کی اکثریت پوری طرح متفق ہے۔ ان لوگوں کے مطابق مرزائی امت کے مرد حضرات اپنے پیشوا اور اس کی آل کے نقش قدم پر چلتے ہوئے "سدومیت" کے اس قدر رسیا ہیں کہ وہ بیویوں کو بھی تختہ مشق بننے پر مجبور کرتے ہیں۔ بعض خواتین اپنی مجبوریوں کے باعث سر تسلیم خم کر لیتی ہیں جب کہ اکثریت اس پر طلاق کو ترجیح دیتی ہیں۔ ہمارے محلّہ میں ایک خاتون بشریٰ نے محض اسی وجہ سے طلاق لے لی کہ وہ شوہر کی یہ خواہشات پوری کرنے سے قاصر تھی۔

ربوہ سے کوٹ امیر شاہ جانے والے راستے پر پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع و عریض چار دیواری ہے جس میں قبروں کا لامتناہی سلسلہ ہونے کے باوجود بہت سی زمین ابھی مزید قبروں کے لیے باقی ہے۔ یہ قبرستان مرزائیوں کی جنت ہے۔ اس چار دیواری کے پیٹ میں آنے والے مرزائی اپنی امت کے "نام نہاد جنتی" کہلاتے ہیں۔ اس قبرستان سے ملحقہ چار دیواری کے باہر سبزہ اور سایہ دار درختوں سے محروم گورستان ان لوگوں کا ہے، جنھیں "مرزائی بادشاہ" کی جنت حاصل نہیں ہوئی یا دوسرے لفظوں میں یہ کہا جائے کہ وہ "جنت" حاصل نہیں کر سکے۔ دراصل ان لوگوں کو غالب کے بقول "اس جنت" کی حقیقت کا پتہ تھا چنانچہ انھوں نے محض دل کو خوش رکھنے کے لیے "ایسی جنت" کے حصول کے لیے پیر اور پر نہیں مارے۔

مرزائی امت کے "جنتیوں" کے اس مقبرے کو بہشتی مقبرہ کہتے ہیں جو مدینہ کے "جنت البقیع" کا مماثل تیار کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اور یہ بھی اس امر کی عکاسی کرتا ہے کہ قادیانی امت اسلامی

اصطلاحات اور شعائر اسلامی کی ایک نہایت بھونڈی نقل کر رہی ہے۔

''بہشتی مقبرہ'' یعنی مرزائیوں کی جنت میں داخلے کی ٹکٹ کے بارے میں جب مقامی لوگوں سے دریافت کیا تو کئی ایک نے بچ بچا کر وضاحت کرنے کی کوشش کی اور بتایا کہ ''خاندان نبوت'' کے کل پرزوں نے اپنی امت کو چاروں طرف سے لوٹنے کے لیے مختلف بہانے بنا رکھے ہیں۔ جنت کی ٹکٹ کی قیمت دراصل بہشتی مقبرے میں قبر کی زمین کی قیمت ہے جس کو جنت کی کنجی قرار دے کر اس کی بھاری قیمت لگا دی گئی۔ عقل مارے مرزائی بے شمار گناہ کرنے کے باوجود دولت کے زور پر جنت میں جانے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ اسے مرزائیوں کی جنت کے بجائے احمقوں کی جنت کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ وہ اس لیے کہ کوئی بھی شخص زندگی میں اپنی قبر کھود کر نہیں بیٹھتا۔ یہ درست ہے کہ کسی کو اپنی موت کی خبر نہیں، کوئی دم بھی دم آخر ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود ایک امید کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے لوگ موت کے بارے میں لحہ بھر کے لیے بھی نہیں سوچتے اور برسوں جیئے چلے جاتے ہیں۔ لیکن ربوہ کی نبوت باطلہ کے پرچارکوں نے امت کی جیبیں خالی کرانے کے لیے انھیں زندگی میں اپنی قبریں بنانے پر مجبور کر دیا ہے۔ بہشتی مقبرے میں قبر حاصل کرنے کا خواہشمند جب چندہ وصیت ادا کر دیتا ہے یا اس کی اقساط کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے تو اسے موصی نمبر اور وصیت کا سرٹیفکیٹ جاری کر دیا جاتا ہے تا کہ اس کے مرنے کے بعد نام نہاد بہشتی مقبرہ میں اس کی قبر کی جگہ مخصوص ہو سکے۔ ایسے شخص کو مرزائی امت بہت خوش نصیب کہتی ہے۔

کہتے ہیں ''قبرستان جا کر انسان کو موت یاد آتی ہے اور وہ زندگی کے سبق سیکھتا ہے۔ ربوہ کے ایک مکین خورشید احمد چیمہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موصوف واقف زندگی تھے۔ اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ کاٹ کر مرزائی خاندان نبوت کا دوزخ بھرتے تھے۔ مرزائیوں کے بہشت میں ان کی قبر کا رجسٹرڈ نمبر بھی لگا دیا گیا تھا۔ ایک روز وہ اپنی قبر دیکھنے بہشتی مقبرے گئے تو قدرت کو ان کی سادگی پر پیار آ گیا اور جس نے انھیں ہدایت دینے کا وسیلہ بنا دیا۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ انھوں نے دیکھا کہ ان کی قبر میں کتا پیشاب کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر انھیں اس قدر نفرت ہوئی کہ انھوں نے ایسی جنت کا خیال دل سے نکال دیا اور چندوں کی رقوم، عزیز و اقارب اور مرزائی نبوت اور اس کے خانوادوں پر تین حرف بھیج کر مسلمان ہو گئے۔

نام نہاد صحابیوں کی افراط

قدرت اللہ شہاب نے اپنی تصنیف ''شہاب نامہ'' میں ایوب چوک جھنگ کے ایک موچی کی عظمت کا ذکر کیا ہے، جس کی خودداری کو سابق صدر ایوب خان نے بھی خراج تحسین پیش کیا تھا۔ ربوہ کے رحمت بازار میں ولی محمد کی آٹا پیسنے والی چکی کے پاس ایک سلیم موچی کا ''تھڑا'' تھا۔ یہ شخص نہایت سچا، کھرا، دیانتدار اور با اخلاق تھا۔ میں نے گزشتہ اوراق میں کئی ایک مرزائیوں کا ذکر کیا ہے، جو مرزائیت کے بدنما وجود میں نہ صرف اجلے اور علیحدہ نظر آتے تھے بلکہ انھیں مرزائی کہتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے۔ میرا بہت دل

چاہتا تھا کہ کاش یہ لوگ مرزائی نہ ہوتے۔ سلیم موچی کا شمار بھی انھیں لوگوں میں ہوتا تھا۔ سلیم ابا جی کی بہت عزت کرتا تھا۔ ہم لوگ اسے اکثر کہا کرتے تھے:

''سلیم! تم شکل و عادت سے مرزائی نہیں لگتے۔ پھر تم ان بدبختوں میں کہاں آ پھنسے ہو۔''

ہمیشہ کی طرح سلیم مسکرا دیتا اور کہتا ''دیکھیں جی ماں باپ احمدی تھے۔ میں بھی احمدی بن گیا۔ وہ کچھ اور ہوتے تو کچھ اور بن جاتا۔''

سلیم کو کئی بار ابا جی نے مسلمان ہونے کی پیشکش کی لیکن وہ انکار کیے بغیر خاموش ہو جایا کرتا تھا۔ ایک روز میں سلیم کی دکان پر کھڑا تھا کہ وہاں ایک بہت ہی بوڑھا سا شخص آ کر بیٹھ گیا۔ اس شخص کی زبان کپکپا رہی تھی اور ہاتھوں میں رعشہ طاری تھا۔ اتنے میں اور لوگ بھی اس بوڑھے کے پاس آ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سلیم کی دکان کو لوگوں کے ایک گول دائرے نے گھیر لیا۔ ہر شخص بوڑھے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے اصرار کر رہا تھا:

''بابا جی کچھ باتیں سنائیں اپنے زمانے کی۔''

کانپتی آواز میں بابے نے کہا ''ٹھہر جاؤ اوئے منڈیو! مینوں ساہ تے لین دے او۔'' قدرے تامل کے بعد بابے نے ''مرزا غلام احمد'' کے بارے میں مختلف قصے اور قادیان کی کہانیاں سنانی شروع کر دیں۔ اسی دوران اس نے سیلاب کے دنوں کا ایک لطیفہ بھی سنا ڈالا۔ لطیفہ انتہائی غلیظ تھا۔ مجھے اتنے بزرگ بندے کے منہ سے ایسا لطیفہ سن کر بڑی مایوسی ہوئی۔ مگر تمام سامعین اس لطیفے پر قہقہے لگا رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''بابا جی اک ہور سنو۔''

بابا اپنے ''نبی'' کے تذکرے کو غلیظ لطیفوں کے ساتھ مکس کر کے کوئی گھنٹہ بھر اپنے ماننے والوں کو محظوظ کرتا رہا۔ اس دوران اس کے لیے دودھ کا ایک بھرا ہوا پیالہ لایا گیا جو اس نے پیا اور کہا ''ہٹو اوئے منڈیو! ہن مینوں جان دیو۔''

بابا چلا گیا۔ میں نے سلیم سے پوچھا یہ بابا کون تھا؟ سلیم حسب معمول مسکرایا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، ایک اور شخص مجھے سرزنش کے انداز میں کہنے لگا ''اسے بابا مت کہو، بلکہ بابا جی کہو، یہ تو ہمارے حضرت مسیح موعود کے صحابی ہیں۔ انھیں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ یہ تو کبھی موج میں آ جائیں تو بات کرتے ہیں ورنہ تو لوگ ان کی باتیں سننے کو ترستے ہیں۔''

''صاہابی'' میں نے ذرا لمبا کر کے کہا، اور سٹپٹا کر رہ گیا۔ لیکن مجھ سے نہ رہا گیا۔ میں نے سلیم سے کہا ''صحابی کا درجہ تو وہ ہوتا ہے جو حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمر فاروق ؓ کو حاصل تھا، جن کی زندگی کا لمحہ لمحہ، ان کی گفتگو کا حرف حرف ایک درس اور مشعل راہ تھا۔ یہ کیسا صحابی ہے جس نے اتنے بیہودہ

لطائف سنا ڈالے اور لوگ واہ واہ کر رہے ہیں۔'' اس سے پہلے کہ مذکورہ شخص کے ساتھ میری تو تکار ہو جاتی، سلیم نے نہایت معاملہ فہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات کو سنبھال لیا اور جب وہ شخص چلا گیا تو سلیم کہنے لگا ''بھیا! تم خواہ مخواہ ان پھڈوں میں نہ پڑا کرو، ہر شخص کی عقیدت کا اپنا معیار ہوتا ہے، انھیں یہی پسند ہے پھر لڑنا کیسا۔''

میں بھی یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ جس نبی کا یہ صحابی ہے، وہ ''نبی آخر کیسا ہوگا'' کیونکہ مرزا غلام احمد کے مختصر سے مختصر کلام میں بھی زیادہ سے زیادہ دشنام شامل رہی ہیں۔ چنانچہ اس کے مصاحب جیسے پڑھے ہیں، ویسے ہی پڑھائیں گے۔

مجھے ذاتی طور پر بھی مرزائیوں کے ایک نیم صحابی سے ملاقات کا پالا پڑا۔ یہ شخص بھی کوئی 80 کے پیٹے میں تھا۔ اس کی زبان کترنی کی طرح چلتی تھی۔ اس کے ہر موضوع کی تان آ کر ''سیکس'' پر ٹوٹا کرتی تھی۔ اس کے پاس کوئی بھی شخص آکر بیٹھتا، یہ اس سے جنسی موضوعات پر بات چیت کر کے خوش وقت ہوتا۔ ایک دن کہنے لگا میں اگر چہ عمر کے اس حصے میں ہوں جب انسان ''خصی بیل'' جیسے حال میں ہوتا ہے لیکن میرے اندر زندگی کے تمام تر ''کرنٹ'' موجود ہیں۔ اب بھی میں بس، ریل یا تانگے میں بیٹھوں تو عورتیں بالخصوص نو عمر لڑکیاں مجھے بوڑھا آدمی سمجھ کر ساتھ بٹھا لیتی ہیں۔ ان کے خیال میں، میں بے ضرر سا بوڑھا ہوں حالانکہ صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔ میرا تو رواں رواں اس وقت عمر رفتہ کو صدائیں دے رہا ہوتا ہے اور مجھے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے جو میری عمر کا اقتضا نہیں ہے۔

ربوہ میں مجھے ''مرزا غلام احمد'' کے ایک اور صحابی کو بھی دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ سال خوردہ شخص اپنی عمر کی سنچری بنانے والا تھا۔ سرخ سر اور داڑھی والا سیاہ رو بابا ''آرے آرے تیرے گھر تے مینا رے'' کہلاتا تھا۔ اسے سوہنی، موہنی اور کومل سی لڑکی سے شادی کا بے حد شوق تھا۔ ایک روز میں سکول سے واپس آ رہا تھا تو اپنی گلی کی نکڑ پر بڑے چھوٹے لوگوں کا ایک مجمع دیکھا جس میں سفید شلوار قمیص اور شملے دار پگڑی والا ایک پستہ قد بوڑھا کھڑا دعا مانگ رہا تھا جب کہ سب لوگ اونچی آواز میں آمین کہتے جا رہے تھے۔

دعا کا خلاصہ یہ تھا:

> ''اے اللہ مجھے اتنی دولت دے کہ میں اس کے ڈھیر کے نیچے دب جاؤں۔ مجھ سے نکلا نہ جائے۔ لوگ آ کر مجھے نکالیں۔ پھر مجھے ایک بڑا سا گھر دے جس میں باغ ہوں، باغیچے ہوں اور پھول کھلیں۔ بہت سے نوکر چاکر اور کنیزیں اس گھر میں چلتی پھرتی نظر آئیں۔ میں ایک کو بلاؤں تو ساری بھاگی چلی آئیں.......... اس گھر میں ہر وقت مختلف انواع کے لذیذ کھانے پکیں۔ اے اللہ میاں جب یہ ساری چیزیں آ جائیں تو پھر اس گھر میں ایک بہت ہی چھوٹی سی عمر کی نازک سی،

شرمیلی سی، خوبصورت سی لڑکی بھیج دے جو مجھ پر فریفتہ ہو جائے۔ وہ مجھے کہے کہ میرے ساتھ شادی کرلو۔ میں کہوں نہیں۔ وہ مناتی جائے میں انکار کرتا جاؤں اور پھر میں مان جاؤں۔ جب ہماری شادی ہو جائے تو ہم ہنسی خوشی سکھی سکھی اس گھر میں رہیں اور دن رات یہ گانا گائیں ''آرے آرے تیرے گھرتے منارے......... آرے آرے تیرے گھرتے منارے۔''

دعا ختم ہونے کے بعد بابے نے یہ گانا شروع کیا تو لوگ بھی ساتھ گانا گانے لگے۔ پھر ''بابے'' نے دھمال ڈالنی شروع کر دی۔ وہ اتنا ناچا کہ کیا کوئی جوان ناچے گا۔ رقص و سرود ختم ہوا تو میں نے اپنے ایک پڑوسی انیس احمد سے پوچھا یہ کون تھا تو کہنے لگا یہ ہمارے حضرت صاحب کے صحابی تھے۔ اس کے بعد میں نے شہر میں اکثر اس بڈھے کو پھرتے دیکھا جو لوگوں کو دیکھتے ہی اپنا راگ ''آرے آرے تیرے گھرتے منارے'' الاپنا شروع کر دیتا تھا۔ جس کے جواب میں لوگ اسے پیسے دیا کرتے تھے۔ اسے دیکھ کر منہ سے بے ساختہ نکلتا ''صحابی نہ ہوا بھکاری ہوا۔''

ہماری گلی میں بلکہ گھر کے بالکل سامنے دو کچے سے مکان تھے۔ ایک میں معذور شخص چاچا محمد حسین رہتا تھا جبکہ دوسرے میں اسلم چھن اور اس کا بھائی اچھو اپنی والدہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے۔ اس مکان کا مالک ایک بوڑھا ضعیف آدمی تھا جس کو لوگ ''بابا ہل جل'' کہا کرتے تھے۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں کہ یہ بابا خود کہاں رہتا تھا لیکن کبھی کبھی جب آتا تو لوگ اسے بھی ''نیم صحابی'' کہا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد کا یہ صحابی جب بھی آتا اپنے کرایہ داروں کو انتہائی غلیظ گالیاں دیتا اور مکان خالی کرنے کے لیے کہا کرتا تھا۔ ایک بار تو اس نے اندھیر ہی مچا دیا۔ اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو لایا اور چاچا محمد حسین کے گھر والوں کو مکان خالی کرنے کو کہا۔ انھوں نے منت سماجت کر کے مہلت جو مانگی بس پھر کیا تھا۔ بابا بپھر گیا اور گالیوں کی بھرمار کر دی۔ اپنا لٹھ نما ڈنڈا در و دیوار پر برسانے لگا۔ اس کی طرف سے فائر کرنے کا حکم ملنے کی دیر تھی، اس کے ساتھ آئے ہوئے حواریوں نے بیچارے محمد حسین کے گھر کا سامان باہر پھینک دیا۔ یہ لوگ رات بھر گلی میں رہے اور اگلے دن نہ جانے کیسے سر چھپانے کے لیے کوئی کوٹھڑی تلاش کی۔ ''بوڑھے ہل جل صحابی'' نے مکان گروا کر اس کی جگہ نیا مکان تعمیر کروایا۔ اس میں زیادہ کرایہ دینے والے کرایہ دار رکھ لیے۔ یہ تھا ''مرزا غلام احمد'' کے صحابیوں کا کردار۔ حالانکہ صحابی تو اچھی صحبت کے باعث لوگوں پر مہربان ہوتے ہیں اور خود دکھ اٹھا کر خلق خدا کو سکھ پہنچاتے ہیں۔

ربوہ میں ہر دوسرا تیسرا ضعیف و نحیف بوڑھا خود کو صحابی یا نیم صحابی کہلا کر اتراتا پھرتا تھا۔ ہمارے سکول کے ایک لڑکے کا دادا بہت بوڑھا تھا۔ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت تاہم یہ بابا ہر کسی کو گالیاں خوب دیا کرتا تھا۔ اس کی دشنام طراری سے بچنے کے لیے بابے کی آل اولاد نے اسے ایک

کمرے میں بند کر رکھا تھا۔ایک دن دروازہ کھلا رہ گیا اور بابا کسی طرح گھر سے باہر نکل آیا اور گھر کے باہر تھڑے پر بیٹھ کر ہر آنے جانے والے کے شجرہ نسب پر طبع آزمائی شروع کر دی۔ بابے کے گھر والوں نے اسے گھر کے اندر لے جانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں اینٹیں مارنی شروع کر دیں۔ آخر کار شام کو بابا تھک ہار کر گھر کے اندر چلا گیا تو اس کے گھر والوں نے اسے کمرے میں بند کر کے ''لاک'' لگا دیا۔لوگوں نے صاحب خانہ سے پوچھا کہ یہ بابا جی کون تھے تو جواب دیا گیا یہ ہمارے ابا جی اور حضرت مسیح موعود کے صحابی ہیں۔

میرے کئی کلاس فیلو بہت کٹر مرزائی ہونے کے باوجود ''مرزا غلام احمد'' اور اس کی ذریت کے بارے میں میرے خیالات کو درست تسلیم کرتے تھے۔ میں نے اپنے ایک ہم جماعت سے پوچھا ''یار! یہ صحابی کا کیا چکر ہے۔تمھارے شہر میں ہر گھر سے کوئی نہ کوئی صحابی نکل آتا ہے۔'' موصوف نے کہا ''یار تم ان چکروں میں نہ پڑا کرو۔کون کیا ہے؟ یہ صرف اللہ جانتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خود کو صحابی کہہ کر دل پشوری کر لیتا ہے تو تمھیں کیا اعتراض ہے۔ ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے یہاں تو ایک اینٹ اٹھاؤ، اندر سے صحابیوں کے ''اجڑ'' نکل آئیں گے۔ کیونکہ ربوہ میں یہ فیشن ہے کہ ہر شخص ''خاندان نبوت'' سے قرابت داری ظاہر کرنے کے لیے اپنے باپ دادا کو صحابی یا نیم صحابی کا درجہ دے ڈالتا ہے۔''

مرزائیوں کی تنظیم مجلس خدام احمدیہ درحقیقت جماعت کی ایک ایسی فوج ہے جس سے ہر جائز و ناجائز کام لیا جا سکتا ہے۔ان میں بہت سے جرائم کے بادشاہ ہیں اور اس فوج کے کمانڈر مرزا طاہر تھے۔ یہ صبح اپنا کلینک بھگتا کر خدام الاحمدیہ کے دفتر میں آ جاتے اور پھر وہاں مرزائیت کی گھناؤنی سرگرمیوں کے لیے سکیمیں تیار کی جاتی تھیں۔

مرزا طاہر کے کلینک پر مرد و زن دونوں ہوا کرتے تھے۔لیکن صنف نازک کی تعداد زیادہ ہوتی۔ خواتین کہتی تھیں ''میاں تاری تو باتوں سے مرض دور کر دیتے ہیں۔'' ایک بار موصوف نے ایک خاتون نور احمد عابد کی بیوی رشیدہ بیگم کو کہہ دیا ''آپ کی جوانی تو برسوں قائم رہنے والی ہے'' جس پر موصوفہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔وہ دنوں تک مرزا طاہر کے تاثرات اپنی سہیلیوں کو بتاتی پھری۔ مزے کی بات یہ تھی کہ وہ جب یہ بات کسی کو بتاتی تو ساتھ ہی شرم سے گلنار ہو جاتی تھی۔ مرزا طاہر کی نیلی شیشیوں میں سفید دانے دار گولیوں میں کوئی شفا تھی یا نہیں تھی، مگر اس کی ''زبان اور ہاتھ'' خواتین کے لیے بڑے شافی تھے۔

مرزا محمود کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تخریب کارانہ ذہن کے مالک تھے۔ جماعت میں سے کہیں سے کوئی تنقید یا فتنہ سر اٹھاتا تو وہ بڑی چابکدستی کے ساتھ اسے دبا دیا کرتے تھے۔ اس کے لیے اعلیٰ درجے کے مخبر رکھے جاتے جو اوّل تو فتنہ اٹھنے ہی نہ دیتے اور کہیں کوئی ''ابنارمیلٹی'' نظر آتی، ان کے کارندے وہاں پہنچتے اور صورت حال پر قابو پا لیا کرتے تھے۔ مرزا محمود احمد کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری

بھی مرزا طاہر نے اپنے سر لے لی۔ آل نبوت کے کالے کرتوتوں پر اگر کسی شخص نے انگشت نمائی کرنے کی کوشش کی تو مرزا طاہر نے اس کی گردن وہیں ماردی۔ ربوہ میں ''گردن مارنا اور جان مار دینا'' کے الفاظ محاورہ کے طور پر استعمال ہوتے تھے اور یہ جملے خاندان نبوت کے سپوت زیادہ تر استعمال کرتے تھے۔ مرزا طاہر کو دہشت گردی اور تخریب کاری کی علامت اور روح رواں سمجھا جاتا تھا۔ اپنی انہی خوبیوں اور سازشوں کی بنا پر انھیں ''مسند خلافت'' حاصل ہوئی۔

مرزا غلام احمد کسی زمانے میں سیالکوٹ میں رجسٹری محرر تھے، انھیں زمین ہتھیانے اور اپنے نام لگانے کے جملہ گر آتے تھے، پھر انگریز سے انھوں نے خلعت نبوت بھی تو محض مال وزر کے لیے حاصل کی تھی۔ ''مرزا غلام احمد'' نے قادیان کی ساری زمین لمبی مدت کے لیے پٹے پر حاصل کر لی اور پھر وہ زمین رہائشی پلاٹوں کی شکل میں اپنے ہی پیروکاروں میں فروخت کر کے قیمت حاصل کر لی۔ مگر زمین کے انتقال مرزائی خریداروں کے نام نہ کرائے گئے۔ یوں وہ رند کے رند رہے اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جانے دی۔ دولت تو مرزا قادیانی کے گھر کی لونڈی اسی وقت بن گئی تھی جب انھوں نے انگریز کے کہنے پر کاشانہ رسالت میں نقب لگائی اور جھوٹے نبی بن بیٹھے۔ ''مرزا غلام احمد'' کے مرنے کے بعد یہ ساری دولت اور زمینیں نصرت جہاں کی اولاد کو مل گئیں جبکہ ''پھجا اور اس کی ماں نامراد ہی رہے۔'' مرزا محمود احمد اپنے باپ کے بھی باپ نکلے۔ جھوٹ، عیاری، عیاشی اور مکاری میں باپ کو بھی مات کر دیا۔ باپ مسیح موعود تھا تو بیٹا مصلح موعود۔ باپ نبی تھا تو بیٹا خلیفہ۔ باپ لٹیرا تھا تو بیٹا راہزن تھا۔ بہرکیف قیام پاکستان کے بعد مرزائی نبی کی آل اور مرزائی امت جب بادلِ نخواستہ قادیان سے ربوہ آئے تو یہاں مرزا محمود نے باپ والی چال چلی۔ پہلے تو اس نے قادیان کی جملہ زمینوں کے بدلے سندھ میں سونا اگلتی زمینیں کلیم کرالیں اور ان کو مختلف دیہات بنا کر اپنے بیٹوں کے نام لگا دیا۔ کسی کے بقول سندھ میں ناصر آباد، منصور آباد، مبارک آباد سمیت کئی ریلوے سٹیشن مرزائیوں کے نبی زادوں کے نام ہیں۔ ان زمینوں سے اگلنے والا سونا بھی مرزائی آل نبوت کی تجوریوں کو ہی بھرتا ہے۔

اس کے علاوہ مرزا محمود احمد نے ربوہ جس کا اصل نام ''چک ڈھگیاں'' ہے یہاں 99 سال کے لیے غالباً 1034 ایکڑ زمین ایک آنہ فی مرلہ کے حساب سے حاصل کر لی۔ یہ زمین بھی مرزائی امت کو فروخت کر کے اپنے ''مالی گھڑے'' بھر لیے گئے۔ مکان خریدنے کے باوجود زمین کا انتقال کبھی بھی خریدار کے نام نہیں کرایا گیا۔ یوں مرزا محمود احمد نے اپنی امت سے دھوکہ دہی کی بنا پر کروڑوں روپیہ کما لیا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مرزائی خواہ کتنا ہی اس مذہب سے بے زار کیوں نہ ہو، وہ صرف مکان کی خاطر ربوہ چھوڑنے کی جسارت نہیں کرتا۔

ربوہ میں مختلف ادارے بھی ہیں جو خود ساختہ قوانین کے سہارے چل کر اپنی امت سے پیسے

بٹورنے کے لیے حیلہ جوئی کرتے ہیں۔ ان اداروں اور دفاتر میں امور عامہ، تحریک جدید، فضل عمر فاؤنڈیشن، فضل عمر ہسپتال اور مجلس خدام احمدیہ شامل ہیں۔ یہ سب سونے کی مرغیاں ہیں جو مسلسل سونے کا انڈہ دے کر جماعت کے ''بڑوں'' کے خزانے بھرتی رہتی ہیں۔

عبدالسلام عمی نے صرف فضل عمر ہسپتال کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ہسپتال درحقیقت ایک خیراتی ہسپتال ہے جس کی تعمیر لوگوں کے عطیات سے ہوئی ہے۔ ہسپتال کے ہر کمرے کے باہر نصب تختی یہ بتاتی ہے کہ اس کمرے کا خرچ کس نے دیا ہے۔ یہاں ادویہ لوگوں کے صدقات و خیرات سے آتی ہیں۔ انتہائی قیمتی آلات جماعت کے خون پسینے کی کمائی سے لائے گئے ہیں لیکن علاج کی سہولیات و مراعات صرف ''بالا بلندوں اور منہ لگے'' لوگوں کو حاصل ہیں۔ جہاں تک غرباء کا تعلق ہے انھیں دوا ملے نہ ملے لیکن دھکے ضرور ملتے ہیں۔ ہسپتال کی باگ ڈور ''مرزا منور'' کے ہاتھ میں ہے۔ جن کی رسائی ہے ان کے وارے نیارے، نہیں تو جہنم میں گئے سارے۔''

چندے جن کی کئی اقسام تھیں، وہ بھی مرزائی خاندان نبوت پر ''ہن'' برساتے اور اس ''شجر ممنوعہ'' کو شاداب رکھتے تھے۔ اطفال کا چندہ بچوں سے، ناصرات کا چندہ لڑکیوں سے، خدام کا چندہ نوجوانوں سے، لجنہ اماء اللہ کا چندہ خواتین سے اور انصار اللہ کا چندہ بوڑھوں سے وصول کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چندہ وصیت سمیت کئی چندے کالے قوانین کی طرح اس امت پر مسلط تھے اور انھیں گھن کی طرح چاٹ رہے تھے۔

جامعہ احمدیہ مرزائیوں کی ''مبلغ ساز'' فیکٹری تھی جس میں مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے تبلیغ کرنے والا خام مال تیار ہوتا تھا۔ جماعت کی خدمت کا جذبہ لے کر یہاں آنے والے مبلغ اپنی زندگی اور زر ادارے کی نذر کرتے اور اسے بخشش کا ذریعہ خیال کرتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کی خام خیالی ہے، جلد ہی انھیں اصل حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے، مگر وہ اس کمبل کو چھوڑ سکتے ہیں نہ ریچھ انھیں چھوڑتا ہے۔

جماعت کے تمام افراد جن کا کسی نہ کسی حوالے سے کوئی ذاتی کاروبار ہے انھیں بھی آمدنی کا ایک حصہ بلا کسی حیل و حجت کے مرکز کی نذر کرنا پڑتا ہے۔ بے شمار دکاندار، زمیندار، صنعت کار، فیکٹری مالک، ٹرانسپورٹر اور حکماء ڈاکٹر اپنی دولت پر لگے ہوئے مرزائیت کے جگّے ٹیکس بڑی باقاعدگی سے جماعت کو دیا کرتے تھے۔ مرزا غلام احمد اور ان کی آل اولاد نے جماعت کو چندہ کی اہمیت اور افادیت سے اس قدر ہپناٹائز کر رکھا ہے کہ وہ چلتے پھرتے آتے جاتے سوتے جاگتے چندے کی ادائیگی کو ایک مسنون فعل قرار دیا کرتے ہیں۔ ''چندا اڈکشن'' کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک مرزائی کو مسلمانوں نے قائل کر لیا کہ ''مرزا جھوٹا'' نبی ہے لہٰذا اسے ماننا خدا اور اس کے رسول کے احکام سے انکار کے مترادف ہے۔ قریب تھا کہ یہ شخص مسلمان ہو جاتا مگر اس نے محض اس وجہ سے اسلام قبول نہیں کیا کہ وہ مرزائیت چھوڑ کر چندہ کسے دے گا۔

میں نے سن رکھا تھا کہ مرزا ناصر قصر خلافت میں جس جگہ عام لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں

وہاں ایک بڑا صندوق رکھا ہے۔ اسے یار لوگ ''طلسمی صندوق'' کہا کرتے تھے۔ ہفتے میں دو روز مرزا ناصر سے عام ملاقات ہوتی تھی۔ جس کے لیے پہلے سے وقت لیا جاتا تھا۔ اور بعض اوقات تو باری بھی بڑی مشکل سے آتی تھی۔ چنانچہ جب یہ لوگ ملاقات کے لیے آتے تو اس صندوق کا پیٹ بھرنے کے لیے دولت، قیمتی کپڑے اور تحائف، اجناس، خوشبویات اور دیگر عطیات جھولیاں بھر کر لاتے تھے۔ جب مجھے اپنے اباجی کے ہمراہ قصر خلافت جانے کا موقع ملا تو میں نے وہ صندوق دیکھا جسے صدمے سہہ کر صدقات دینے والے بھرتے تھے۔ لوگ آتے صرف ''السلام علیکم'' کہتے، دعا کی درخواست کرتے اور روپے، زیور، بانڈز اور اپنی متاع گراں اس صندوق میں ڈال کر چلے جاتے۔ اس صندوق کی ساری آمدن صرف اور صرف ''مرزا ناصر احمد'' کی ہوا کرتی تھی۔ یہ سب تو آمدن کے جائز اور ظاہری ذرائع تھے جن سے مرزائیت پھل پھول رہی تھی۔ اس کے علاوہ بے شمار ناجائز ذرائع بھی مرزائیت کو پال پوس رہے تھے۔

محمد علی پھل فروش گول بازار میں پھلوں کی ریڑھی لگایا کرتا تھا۔ یہ شخص قصر خلافت کے ان پرانے ملازموں میں سے تھا جو اندر کے بھید اور خاصے کی بات جانتے تھے۔ نہ جانے اس شخص سے کیا خطا ہوئی جس کی بنا پر اسے قصر خلافت کی خدمت سے الگ کر دیا گیا۔ محمد علی نے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے گول بازار میں ریڑھی لگا لی لیکن جھوٹے خاندان نبوت پر یہ خوف سوار رہنے لگا کہ محمد علی کہیں ان کے اندر کے راز افشا نہ کر دے۔ یہ خوف بالآخر محمد علی کے قتل پر منتج ہوا۔ اسے کسی نامعلوم شخص نے قتل کر کے تعلیم الاسلام ہائی سکول کے قریب پہاڑی کے ساتھ عیسائیوں کی بستی میں پھینک دیا۔ مقتول کے لواحقین کے اصرار کے باوجود مرزائی ارباب حل و عقد نے یہ کیس پولیس کے حوالے کرنے کے بجائے اپنے نام نہاد تھانیدار عزیز بھانبڑی کے حوالے کر دیا لیکن جب دباؤ بڑھا تو مجبوراً یہ مقدمہ پولیس کو دینا پڑا تاہم مرزائیوں نے یہ قتل عیسائیوں پر ڈال دیا۔ جب پولیس نے عیسائیوں کو پکڑا اور تھانے میں مارا پیٹا تو ربوہ بھر کے تمام خاکروبوں نے احتجاجاً ہڑتال کر دی۔ دو تین دن کوڑا کرکٹ اٹھانے جب کوئی نہ آیا تو تعفن نے مرزائی امت اور اس کے آقاؤں کی عقل ٹھکانے لگا دی۔ انھوں نے پولیس کے حکام بالا کی مٹھی اور جیب گرم کر کے عیسائی چھڑا لیے اور یوں محمد علی کا پراسرار قتل داخل دفتر کرا دیا گیا۔ اس قتل کے محرکات کیا تھے، اندر کے لوگ جب دبے دبے الفاظ میں سرگوشیاں کرتے تو کئی باتیں سننے کو ملتی تھیں۔ کہنے والوں کا کہنا تھا کہ محمد علی قصر خلافت کے خواتین و حضرات کے بہت سے رازوں سے واقف تھا۔ ایک بار اس نے اپنے کسی ساتھی ملازم سے یہ بات کہہ دی کہ اسے جب بھی موقع ملا وہ قصر خلافت اور مرزائیت چھوڑ دے گا اور جھوٹے خاندان نبوت کی کہانیاں عام کر دے گا۔ یہ بات ''مذہبی وڈیروں'' کو پتہ چلی تو انھوں نے محمد علی سے اس کا روزگار، مکان اور بیوی بچے چھین لینے کی دھمکی دی جس پر اس نے جواباً للکارا کہ وہ بھی اندر کے راز ساری امت میں پھیلا دے گا۔ بعد میں اسے قصر خلافت سے نکالتے وقت یہ سمجھوتہ ہوا کہ ''خاندان'' اسے کوئی

نقصان نہیں پہنچائے گا جبکہ محمد علی بھی اپنی زبان بند رکھے گا۔ محمد علی نے کچھ عرصہ تو زبان بند رکھی مگر مرزائیوں کی سی آئی ڈی کو معلوم ہوا کہ محمد علی وقتاً فوقتاً ''خاندان'' والوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ربوہ میں ''خاندان'' کا لفظ صرف مرزا غلام احمد کے خانوادہ کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ مرزائی ظالموں نے محمد علی کو قتل کرا دیا۔ شہر میں اکثر واقف حال لوگ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی ماہر کھوجی محمد علی کے قتل کا کھوج لگائے تو ''کھرا'' مرزا لقمان کے گھر جا نکلے۔

یہ مرزا لقمان کے قول و عمل کا اثر تھا یا مرزا غلام احمد کی تعلیم کی کرامت تھی کہ ربوہ میں عام لڑکے بھی معمولی معمولی باتوں پر اتنی لمبی لڑائیاں کرتے جو کئی کئی ہفتوں اور مہینوں پر محیط ہو جاتیں اور فریقین موقع ملتے ہی مخالف پر حملہ کر دیا کرتے تھے۔ سکول سے چھٹی کے بعد عموماً لڑکے گھات لگا کر بیٹھ جاتے اور مخالف فریق کو آتے ہی اپنی زد میں لے لیتے۔ لوہے کے ''مکے اور چاقو'' عام سے عام لڑکے کی جیب میں ہوا کرتے تھے۔

مرزا لقمان کے بعد ربوہ میں اگر کسی کا راج تھا تو وہ عزیز بھانبڑی تھا۔ یہ ہمارے سکول ٹیچر مولوی ابراہیم بھانبڑی کا بھائی اور اٹامک انرجی کمیشن کے ایک سرکردہ آفیسر منیر احمد بھانبڑی کا سسر تھا۔ عزیز بھانبڑی نہ صرف مرزا لقمان کے عقوبت خانوں اور ٹارچر سیلز کی نگرانی کرتا بلکہ اس کے اپنے بھی تشدد گھر تھے۔ جرم و خطا اور تعزیر و سزا کو جانچنے کا اس شخص کا اپنا ہی معیار تھا۔ ''ستم پہ خوش کبھی لطف و کرم پر رنجیدہ'' کے فلسفے کے مطابق کسی کو معمولی سی بات پر دھن کر کے رکھ دیتا اور کسی کو بڑے سے بڑے جرم پر بھی معافی دے دیتا تھا۔ لڑکوں کے سر پر ٹوپی نہ ہوتی تو انھیں چھڑیوں سے مارتا، کسی کے بال بڑھے ہوتے یا قلمیں لمبی ہوتیں تو سرعام بال کاٹ دیتا تھا...... اسے دیکھ کر مرزائی لڑکوں کی سٹی گم ہو جاتی تھی۔ اسے مرکز کی طرف سے اچھی رہائش اور بہت سی مراعات حاصل تھیں۔ کہنے والے کہتے تھے کہ یہ سب کچھ محض اس وجہ سے ہے کہ عزیز بھانبڑی ''خاندان'' والوں کا بھیدی ہے اور اس ڈر سے کہ کسی وقت کوئی لنکا نہ ڈھادے، وہ لوگ اس کو ہمیشہ خوش رکھا کرتے تھے۔

واقفان حال کا کہنا ہے کہ محمد علی پھل فروش کی زبان بندی کے لیے بھی عزیز بھانبڑی کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ لیکن مقتول اپنی ضد پر اڑا رہا تو اسے ٹھکانے لگانے میں بھی عزیز بھانبڑی نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ یہ کوتوال شہر دوپہر ڈھلتے سائیکل پر سوار ہو کر پورے شہر کا گشت کیا کرتا تھا۔

مرزائی اکابرین کی ''ذاتی'' بہادری کا یہ عالم تھا کہ ایک بار ربوہ کے باغی نوجوانوں نے رابعہ انقلابی کے نام سے ایک گروہ بنایا اور رابعہ انقلابی کے نام سے مرزا ناصر کو خط لکھا کہ وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت ربوہ فتح کرنے آ رہی ہے۔ بس پھر کیا تھا، خوف کی ایک لہر نے ''خاندان'' کے ہر مرد کو چوڑیاں پہن کر قصر خلافت میں چھپ جانے پر مجبور کر دیا جبکہ ''امت'' کے نوجوانوں کو قصر خلافت اور شہر کی حفاظت پر مامور کر

دیا گیا۔ شہر کے داخلی راستوں پر موجود پہرے دار شہر میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تلاشی لیتے اور کسی اجنبی کو ربوہ میں نہ آنے دیتے۔

یہ صورت حال ایک دو ماہ قائم رہی مگر مرزائی قوم اور اس کے سالار ایک بار تو خوف سے لرز گئے۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ تنویر فوٹو سٹوڈیو کے مالک احمد زمان کے ساتھ پیش آیا۔ یہ لوگ لاری اڈا کے پاس پہرہ دے رہے تھے کہ خواتین کا ایک گروپ شہر میں داخل ہوا۔ ان لوگوں نے حسب معمول انھیں پرسش کیے بغیر ہی شہر میں جانے دیا۔ مرکز کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو فوٹو گرافر اور اس کے ساتھیوں کو قصر خلافت طلب کر کے پوچھا گیا کہ مذکورہ خواتین کو تلاشی کے بغیر کیوں جانے دیا گیا ہے؟ تنویر نے مرزا ناصر کو بتایا کہ خواتین کو نہ روکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ''خاندان'' کی عورتیں تھیں۔ اس پر سوال کیا گیا کہ ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ خاندان کی خواتین تھیں'' تنویر نے جواب دیا ''آنکھوں سے کیونکہ ایسی آنکھیں صرف خاندان والوں کی ہی ہو سکتی تھیں'' اس معنی خیز جواب نے مرزا ناصر کو چپ کرا دیا۔

منافقت کے چکنے چکنے پات

یہ حقیقت ہر شخص جانتا ہے کہ ملک کی تمام کلیدی آسامیوں پر آج بھی مرزائی براجمان ہیں اور جن دنوں کے حقائق یہاں رقم ہیں تب تو ملک بھر میں مرزائی راج تھا۔ ہر محکمے کی بڑی بڑی کرسی مرزائیوں کے قبضے میں تھی۔ یہ اتفاق کی بات نہیں بلکہ مرزائی نبی اور اس کے خلفاء کی منظم منصوبہ بندی تھی کہ ملک کے اعلیٰ اداروں کی اعلیٰ آسامیوں پر ان کا قبضہ رہے۔ انہی حقائق کے پیش نظر مسلمان کیا، مرزائی بھی نوکریوں کے لیے مرزائی خاندانِ نبوت کے پیچھے مارے مارے پھرتے تھے۔

غرباء پر چندہ کی جو آفت ''مرزائی امت'' کی طرف سے مسلط ہے، اس کا تذکرہ اس سے پہلے کئی بار کیا جا چکا ہے۔ ہمارے پڑوس میں چاچا محمد حسین ایک بیمار اور لاچار شخص رہتا تھا۔ اس کی بیوی گھر والوں کا پیٹ بھرنے کے لیے مختلف گھروں کا کام کرتی تھی۔ مگر ان غریبوں کے لیے بھی چندہ دینا لازمی تھا۔ اس کی زبوں حالی دیکھ کر اباجی سے رہا نہ گیا، وہ اسے لے کر مرزا منصور کے پاس گئے اور کہا ''ظالمو! دیکھو یہ شخص کچھ کما نہیں سکتا لیکن تم لوگوں کو پالنے کے لیے چندہ باقاعدگی سے دیتا ہے۔ کچھ تو خوف خدا کرو۔''

ربوہ کا سالانہ میلہ

ربوہ میں رمضان شریف کو کوئی اہمیت دی جاتی تھی نہ عیدین پر کسی مسرت کا کوئی اہتمام کیا جاتا تھا۔ یہاں تو بس جلسہ سالانہ ہی عید اور بقر عید تھیں۔ فروری 1966ء کی بات ہے جب ربوہ میں ہمیں پہلا رمضان شریف گزارنے کا موقع ملا۔ ہمارے گھر میں روزہ اور تراویح کی باقاعدہ پابندی ہوتی تھی۔ میں سکول میں روزہ رکھ کر جاتا تو طلبہ میرا خوب مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اکثر ساتھی کہا کرتے:

''او توں روزہ رکھیا ہویا اے''۔

''ہاں تو'' جواب دیا جاتا۔

''روزہ تو طلبہ پر فرض ہی نہیں۔اس سے پڑھنے والوں کا دماغ کمزور ہو جاتا ہے''۔یہ مرزائی طلبہ کی دلیل ہوتی تھی۔اس کے علاوہ مرزائی مکتبۂ فکر کا فلسفہ یہ تھا کہ طلبہ محنت کش اور بوڑھے روزہ سے مستثنٰی ہوتے ہیں۔ایک مولوی صاحب نے اس بارے میں اپنے ''باطل نبی'' کا ارشاد سنایا:

''روزہ رکھنے سے انسان خصی ہو جاتا ہے''۔

ہمارے ایک استاد محمد ابراہیم بھانبڑی اپنے باوا کی اس فکر کی بنا پر کہا کرتے تھے: روزہ جماعت پر اس لیے فرض نہیں کہ ''مسیح موعود'' نے اپنی امت کو اس جسمانی مشقت سے نجات دلا دی ہے۔ان کا اس سلسلے میں یہ استدلال تھا کیونکہ کام بھی ایک عبادت ہے۔روزے سے انسان کم غذا لیتا ہے، اس وجہ سے کمزور ہو جاتا ہے۔یوں اس کی استعداد کار کم ہو جاتی ہے۔چنانچہ وہ کام جیسی عبادت سے محروم ہو جاتا ہے۔چنانچہ ایک عبادت کے لیے دوسری عبادت ترک نہیں کی جاسکتی۔

ایک مرتبہ میں اپنے ابا جی کے ہمراہ مرزا ناصر کے فلاسفی کے پروفیسر بیٹے مرزا انس کے تعلیم الاسلام کالج کے دفتر میں بیٹھا تھا کہ مرزا انس نے ابا جی سے کہا:

''صوفی صاحب! آپ مجھے کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میرا وزن کم ہو جائے''۔

ابا جی نے کہا ''آپ روزے رکھا کریں''۔

''نہیں صوفی صاحب نہیں۔کوئی اور بات بتائیں روزہ رکھنے کے بعد انسان افطاری میں عام حالات سے بھی زیادہ کھا جاتا ہے۔چنانچہ وزن کم ہونے کے بجائے بڑھ جاتا ہے، ویسے بھی روزہ قابل عمل عبادت نہیں''۔مرزا انس نے جواب دیا۔

ربوہ میں روزہ اور تراویح کے نعم البدل کے طور پر روزانہ نماز ظہر سے عصر تک مسجد مبارک میں قرآن پاک کا درس ہوا کرتا تھا، جس میں ایک سپارہ کا ترجمہ و تفسیر بیان کی جاتی تھی۔یہ درس سننا ہر شخص پر لازم تھا۔رمضان میں سکول و کالج دوپہر میں ایک بجے بند ہو جاتے تھے اور تمام طلبہ و طالبات اور اساتذہ مسجد مبارک پہنچ جاتے تھے۔کوئی طالب علم درس سنے یا نہ سنے مگر وہاں حاضری لازمی لگوانی پڑتی تھی۔یہ پابندی رمضان کے ابتدائی ایام میں تو سختی سے کی جاتی تھی مگر رفتہ رفتہ لڑکے مسجد کے بجائے ادھر ادھر پہاڑوں میں گھومتے پھرتے رہتے،۔جبکہ اساتذہ بھی درس سننے کے بجائے گھر بھاگ جاتے تھے۔اکثر یہ بھی دیکھنے میں آتا کہ مسجد میں لوگ جاتے ہی نہیں تھے اور مولوی صاحب کو درس دیواروں کو سنانا پڑتا تھا۔رمضان گزرتا تو عید الفطر اس طرح منائی جاتی جس طرح مسلمان کرسمس مناتے ہیں۔نہ نئے کپڑے سلوانے کا اہتمام کیا جاتا، نہ دکانیں لگتیں نہ کوئی تفریحی پروگرام ہوتا۔اس کے برعکس جلسہ سالانہ کی مہینوں

پہلے تیاری شروع کر دی جاتی تھی۔

بقر عید پر بھی لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں گوشت دیتے نہ غیروں میں بانٹا جاتا تھا، جبکہ ہر شخص قربانی کا گوشت آدھا اپنے گھر رکھ لیتا اور آدھا صدر محلّہ کو بھجوا دیتا محلّہ کا صدر گوشت کے ایک ایک کلو کے پیکٹ بنا کر ان لوگوں کے گھروں میں بھیج دیا کرتا جو قربانی نہیں کرتے تھے۔ہم ربوہ میں کیونکہ اکیلے تھے،کوئی عزیز یا رشتہ دار تو تھا نہیں۔ چنانچہ جب ہم نے پڑوسیوں کو گوشت بھجوایا تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ہم نے خیال کیا کہ ہم مرزائی نہیں، اس لیے یہ گوشت قبول کرنے سے گریز کررہے ہیں۔ہم نے ایک پڑوسی ثناء اللہ زرگر سے پوچھا تو اس نے کہا بات احمدی غیر احمدی کی نہیں' قصہ یہ ہے کہ ''حضور'' کا حکم ہے کہ گوشت خود تقسیم کرنے کے بجائے صدر محلّہ کے حوالے کرو، وہ خود جس کو مناسب سمجھے گا' بھیجے گا۔

جلسہ سالانہ جسے عیدین پر فوقیت حاصل تھی' جلسہ کم میلہ زیادہ ہوتا تھا۔مرزائی جلسہ پر حاضری کو حج اور عمرے کے برابر سمجھتے تھے۔مہینوں سے اس کی تیاریاں شروع ہو جاتیں۔زنانہ اور مردانہ سکول و کالج کے وسیع کھیل کے میدانوں میں ''پرالی'' کے پہاڑ لگ جایا کرتے تھے۔امیر مرزائی تجوریوں کے منہ کھول دیتے۔بڑے بڑے شہروں میں شاپنگ کی جاتی جبکہ غریب مرزائی سال بھر کی جمع شدہ' پونجی جلسہ پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ربوہ میں تین لنگر خانے اور ایک دارا لضیافت تھا۔اول الذکر تینوں سال بھر بند رہتے تھے لیکن جلسہ سالانہ کے دوان 9 دن کے لیے کھول دیئے جاتے۔یہاں گائے' بیل' اور بھینسوں کے ریوڑ کے ریوڑ لائے جاتے۔جلسہ سالانہ پر آئے ہوئے مہمانوں کو صبح کے وقت ''ماش کی چھلکوں'' والی دال اور رات کو ''سنڈھے'' کا گوشت اور آلو پکا کر کھلایا جاتا۔لنگر خانے سے روٹی کے حصول کے لیے باقاعدہ راشن کارڈ جاری کیا جاتا۔

جلسہ سالانہ پر اندرون ملک اور بیرون ملک سے مہمان آتے جس میں اکثریت اپنے ربوہ میں مقیم رشتہ داروں کے ہاں ٹھہرا کرتی۔تمام تعلیمی اداروں میں جلسہ کے دنوں میں چھٹیاں کر دی جاتیں اور ان کے کمروں میں بھی مرد وزن قیام کرتے اور پرالی پر سو جاتے تھے۔اس کے علاوہ بھی کسی کو جائے قیام نہ ملتی تو وہ خیموں میں سوتے اور 26، 27، 28 دسمبر کی ٹھٹھرتی راتوں میں اس چندہ خور خاندان کو بددعائیں دیتے جو سارا سال پیسے لینے کے باوجود ان کے لیے رہائش کا مناسب انتظام بھی نہیں کرتا تھا۔جلسہ پر سکولوں کے طلباء، اساتذہ، شہریوں اور دیگر دفاتر کے اہلکاروں کی ڈیوٹیاں لگائی جاتیں جو مہمانوں کی خدمت کرتے۔یہاں ایک بات قابل ذکر ہے۔ظلی حج یعنی جلسہ سالانہ کے موقع پر ڈیوٹیاں لگاتے وقت اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا کہ ہر شعبے میں ڈیوٹی دینے والے ''خوش شکل امرد'' لازمی شامل کیے جائیں تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کے آتش شوق کو سرد کریں۔کئی خوب رو لڑکوں کو تختہ مشق منانے کے لیے جلسہ

سالانہ کا انتظار کیا جاتا اور ڈیوٹیوں کی آڑ میں انہیں شکار کیا جاتا تھا۔

مرزائی جلسہ پر اپنے خلیفہ کی تقاریر سنتے' شدید سردی میں ''دال اور شورا'' پیتے۔ پرالی پر سوتے' ڈیوٹیاں دیتے اور ''درثمین'' کے اشعار پڑھتے تھے۔ ربوہ میں جلسہ پر مختلف سٹال لگتے، انواع و اقسام کی نمائش لگتی' سرمہ' انگوٹھیاں' مٹھائیاں بیچنے کے علاوہ ''وہ'' دھندا بھی عروج پر ہوتا۔ اکثر لڑکے لڑکیاں اپنی غربت کا دوزخ سرد کرنے کے لیے جلسہ سالانہ کا انتظار کرتے اور ضمیر کو سلا کر مال کما لیا کرتے تھے۔

جلسہ سالانہ پر بہت سے لوگ تماشائی بن کر دوسرے شہروں سے حور و غلمان اور میلہ دیکھنے ربوہ آیا کرتے تھے۔ ایک بار ہماری بھیرہ کی ایک پڑوسن ''زیبی پھپھانی'' ''ماچھن'' مرزائیوں کا جلسہ دیکھنے ہمارے پاس ربوہ آ گئی۔ امی جان اسے جامع نصرت کالج کے زنانہ جلسہ گاہ میں لے گئیں۔ مرزا ناصر کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر سال جلسہ سالانہ کے آخر پر تجدید بیعت کراتے تھے۔ میں اور میرا بھائی امی جان کے ساتھ تھے اور وہ ہمارے ساتھ مصروف تھیں کہ اسی دوران مرزا ناصر کی اختتامی تقریر شروع ہوگئی۔ تقریر کے آغاز میں انہوں نے تمام حاضرین جلسہ کو تجدید بیعت کے لیے کہا۔ پہلے قرآنی آیات پھر درود پاک پڑھا گیا۔ بیچاری ''زیبی پھپھانی'' مرزا ناصر کے پیچھے آیات و درود پڑھنے لگی۔ جونہی مرزا ناصر نے کہا کہ ''میں مرزا ناصر کے ہاتھ پر سلسلہ احمدیہ کی بیعت کرتی ہوں'' ہماری امی جان نے بھاگ کر زیبی کو بازو سے پکڑ لیا اور کہا:

''نی جھلیے، ایہہ مردود تے اپنی بیعت کران لگا ای، تو کافر ہوناں اے'':

زیبی جو روا روی میں مرزا ناصر کے ساتھ ساتھ پڑھے جا رہی تھی فوراً خاموش ہوگئی اور اس نے لاحول پڑھی۔ امی جان نے جب اسے روکا تو ان کی آواز سن کر بہت سی عورتیں ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ کئی ایک نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا:

''لگتا ہے یہ کوئی غیر احمدی عورت ہے۔''

جلسہ سالانہ پر ''مرزائی حوروں'' کی بھی چاندی ہوا کرتی تھی۔ ان کی ڈیوٹیاں بھی حسین لڑکوں کی طرح مخصوص خدمات کے لیے لگائی جاتیں جن کا فیصلہ خاندانِ نبوت کے اکابرین کیا کرتے تھے۔ ڈیوٹیوں کی آڑ میں اکثر لڑکیاں گھروں سے باہر بہ آسانی رہ لیتی اور ''من کی مراد'' پا لیتی تھیں۔

ربوہ میں سگریٹ نوشی ممنوع تھی مگر لوگ سرعام تمباکو نوشی کرتے تھے۔ ریڈیو لگانا منع تھا۔ مگر ٹیپ ریکارڈر پر دیسی اور بدیسی گانے سننے میں کوئی ممانعت نہ تھی۔ ہماری ایک جاننے والی بی اے کی طالبہ بصیرت ایک گانا ''او ملی ٹھنڈک نگاہوں کو تیرے دیدار سے ہو سکے تو آواز دے' آواز مجھ کو پیار سے' اس لے ولحن سے گاتی، یوں لگتا جیسے مالا خود گا رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا کلاس فیلو مومن ''چلو اک بار پھر سے اجنبی بن جائیں ہم دونوں'' سنا کر محفل جما لیا کرتا تھا، جبکہ اعجاز اکبر ''سجناں نے بوہے اگے چک تان لئی'' مزے لے لے کر گاتا تھا۔ شکیل کی آواز بھی بے مثل تھی۔

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو میری پروانے کی صورت یارب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ! برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اسی راہ پر چلانا مجھ کو

اس کے برعکس ہمارے ہیڈ ماسٹر ملک حبیب الرحمٰن کے حکم پر سکول میں اسمبلی کے دوران کلام محمود کی یہ نظم کلام اقبال کا ہم پلہ قرار دے کر پڑھائی جاتی تھی۔

نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے
پر ہے یہ شرط کہ ضائع میرا پیغام نہ ہو
خدمت دین کو اک فضل الٰہی جانو
اس کے بدلے میں کبھی طالب انعام نہ ہو
جب گزر جائیں گے ہم تم پہ پڑے گا سب بار
سستیاں ترک کرو طالب آرام نہ ہو
میری تو حق میں تمھارے یہ دعا ہے پیارو
سر پہ اللہ کا سایہ رہے ناکام نہ ہو

جس کو شاعری سے ذرا سا بھی شغف ہے وہ کلام محمود کا اقبال کی شاعری سے موازنہ کرنے کی جسارت ہی نہیں کر سکتا۔ لیکن مرزائی علامہ سے محض اس وجہ سے بغض و عناد رکھتے ہیں کیونکہ جس طرح انھوں نے پاکستان کا عظیم تصور پیش کیا، اسی طرح اس پیکر حکمت نے مرزائیت کو خطرے کی گھنٹی قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کو خبردار کیا کہ قادیانیت، یہودیت کا چربہ ہے۔

علامہ صاحب فرماتے ہیں: مرزائیت اسلام کے ضوابط کو برقرار رکھتی ہے لیکن اس قوت ارادی کو فنا کر دیتی ہے جس کو اسلام مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ میں نے تحریک مرزائیت کے ایک رکن کو خود اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق نازیبا کلمات کہتے ہوئے سنا۔ سیاسی نقطہ نظر سے وحدت اسلامی اس وقت متزلزل ہو جاتی ہے جب اسلامی ریاستیں ایک دوسرے سے جنگ کرتی ہیں اور مذہبی نقطہ نظر سے اس وقت، جب مسلمان بنیادی عقائد یا ارکان شریعت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور ابدی

وحدت کی خاطر اسلام اپنے دائرے میں کسی باغی جماعت کو روا نہیں رکھتا، صرف اسلام کے دائرے سے باہر ایسی جماعت کے ساتھ دوسرے مذاہب کے پیروؤں کی طرح رواداری برتی جا سکتی ہے اور بس یہ وہ حقائق ہیں جن سے مرزائیت کو سب سے پہلے کافر مذہب علامہ اقبال نے قرار دیا اور انھوں نے اپنے مطالعہ سے مرزا قادیانی کو خدا کا باغی، دین کا قاتل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن قرار دیا ہے یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کو علامہ سے خاص بغض تھا۔

میں نے کئی مرزائیوں سے سنا کہ اگر علامہ اقبالؒ اور شورش کاشمیری مرزائی ہوتے تو مرزائیت کو کوئی خطرہ نہیں تھا، وہ دنوں میں پھلتی پھولتی اور دنیا پر اپنا تسلط قائم کر لیتی۔ یہاں اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مرزائی امت کو اپنے جھوٹے نبی کی تصدیق کے لیے علامہ اقبال اور شورش کاشمیری جیسے عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کتنی ضرورت تھی۔ دروغ بر گردن راوی اکثر مرزائی علامہ اقبال پر الزام لگایا کرتے تھے کہ وہ پہلے مرزائی تھے اور بعد میں انھوں نے اس مذہب کو چھوڑ دیا حالانکہ علامہ اقبال کی بالغ نظری کو جدید و قدیم کی اس چپقلش کا تازیست احساس رہا۔ انھوں نے مرزائیوں کے مسئلہ پر جو مضامین لکھے، ان میں کئی جگہ عقیدے کو اپنے ناخن فکر سے کھولا۔ یہی وہ عوامل ہیں جو مرزائی نبی اور اس کے برگ و بار خلفاء اور امت کو علامہ اقبال کی ذات کے خلاف زہر اگلنے پر مجبور کرتے رہے۔

بھارتی روزنامے "سٹیٹس مین دہلی" کی تحریریں اس بات کی گواہ ہیں کہ علامہ انگریزوں کو کھلے خطوط تحریر کرتے رہے جن میں قادیانیوں اور مسلمانوں کی نزاع کے معاشرتی اور سیاسی پہلوؤں سے آگاہ کیا گیا۔

ہم لوگ جب ایف۔ اے میں پڑھتے تھے تو ہمارے نصاب میں علامہ اقبالؒ کا یہ کلام شامل تھا۔

کبھی اے حقیقت منتظر، نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں
طرب آشنائے خروش ہو، تو نوا ہے محرم گوش ہو
وہ سرود کیا کہ چھپا ہوا ہے سکوت پردہ ساز میں
تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں
دم طوف کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں نہ میری حدیث گداز میں
نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں
نہ عشق میں رہیں گرمیاں، نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں

ربوہ میں مرزائی نبوت نے سینما نہیں بننے دیا لیکن اس کی ضرورت چنیوٹ سے پوری کرنے کو معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ ہم لوگ جمعہ کی چھٹی گزار کر ہفتہ کو چنیوٹ سے سکول آتے تو ہمارے مرزائی ساتھی سب سے پہلا سوال یہ کرتے کہ شمع اور نیلم سینما میں کون سی نئی فلم آئی ہے۔ قدرت کے قہر سے مالا مال ربوہ شہر میں گرمیوں میں زندگی گزارنا انتہائی مشکل تھا۔ دوپہر کے وقت تو گھر سے باہر نکلنا تندور میں قدم رکھنے کے مترادف تھا۔ اس شہر کی کلر زدہ زمین جنگلی کیکروں کے علاوہ کوئی چیز اگلتی نہ تھی۔ ایسی صورت میں چنیوٹ کا پڑوس ربوہ کے لیے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا۔ صبح سویرے چنیوٹ سے سبزی' ترکاری کے ریڑھے بھر کر ربوہ آتے۔ گوشت گیہوں بھی وہیں سے لایا جاتا۔ اس کے باوجود مرزائی چنیوٹ کو دشمن شہر کہا کرتے تھے۔

چنیوٹ کے شہید چوک میں ایک کلینک دارالصحت تھا اس کو ایک مرزائی ڈاکٹر عبداللہ چلاتا تھا۔ اس کا بیٹا طاہر بن عبداللہ ہمارا کلاس فیلو تھا۔ موصوف اپنی سدوی صفات کے باعث سکول بھر میں چلتا پھرتا اشتہار تھا۔ طاہر بن عبداللہ نے ایک بار بتایا کہ اس کے باپ کا کلینک پہلے ربوہ میں ہوا کرتا تھا' لیکن کلینک پر مریض کوئی نہیں آتا تھا۔ مرزا منور کی اجارہ داری کے باعث دوسرے ڈاکٹر محض ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے تھے۔ چنانچہ طاہر کے والد نے اپنا کلینک چنیوٹ منتقل کیا تو چاندی برسنا شروع ہو گئی۔

ہمارے پڑوسی مستری فضل دین کی بیٹی امۃ المتین ایک مرزائی سلیم کی بیوی اور دو بچوں کی ماں تھی۔ سلیم لائل پور (فیصل آباد) میں ملازم تھا۔ وہاں اس کے ایک خاتون سے تعلقات ہو گئے۔ اس نے امۃ المتین کو دھوکے سے لائل پور بلایا اور اس سے دوسری شادی کے اجازت نامے پر دستخط کرا لیے۔ موصوفہ گھر لوٹی تو اس صدمے نے اس پر اس قدر اثر کیا کہ وہ پاگل ہو گئی۔ ابتدائی علاج کے لیے اسے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل کیا گیا مگر جب صورتحال قابو سے باہر ہو گئی تو اسے لاہور کے مینٹل ہسپتال میں منتقل کرا دیا گیا۔ کافی علاج کے باوجود اسے کوئی افاقہ نہ ہوا تو اس کے گھر والے اسے واپس ربوہ لے آئے۔ امۃ المتین دن رات چھت پر چڑھ کر اپنے ماں باپ' مرزائی نبی' اس کے خاندن کو انتہائی فحش گالیاں دیا کرتی تھی۔ اس کے گھر والے اور محلے دار اس کیفیت سے سخت پریشان اور نالاں تھے۔ لیکن عجیب اتفاق تھا کہ وہ ہم سب کے ساتھ نہایت پیار اور ادب و احترام سے پیش آتی۔ ابا جی صحن میں نماز پڑھ رہے ہوتے تو وہ بڑی عقیدت سے انہیں دیکھا کرتی۔ ایک روز اس کی والدہ رشیدہ بیگم ابا جی کے پاس آئی اور عرض کی ''صوفی صاحب! ہم ہیں تو احمدی' آپ سے بات کرنا بھلا معلوم نہیں ہوتا لیکن مجبور ہیں۔ ہماری مدد کریں اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا اجر دے گا''۔

ابا جی نے کہا ''بہن! بتاؤ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں''۔

کہنے لگی ''آپ میری بیٹی امۃ المتین کو کوئی ایسا تعویذ دے دیں جس سے وہ ٹھیک ہو جائے''۔ ابا جی نے جواب دیا ''آپ لوگ ان چیزوں پر یقین رکھتے ہیں؟ یہ تو ان لوگوں کے لیے ہیں جن کا ان پر کامل

اعتقاد ہوتا ہے"۔

اس پر رشیدہ بیگم رونے لگ گئی اور کہا "احمدیت" بیشک ہمارا مذہب ہے لیکن اسے ہم نے بادل نخواستہ قبول کر رکھا ہے۔ اسے چھوڑیں تو جائیداد رشتہ دار اور سماجی تعلقات جاتے ہیں۔ اس کے اختیار کرنے سے جو کچھ ہم نے کھویا ہے، وہ ہم ہی جانتے ہیں۔ آپ مہربانی فرما کر ہم پر ترس کھائیں مجھ سے اپنی بیٹی کی حالت دیکھی نہیں جاتی۔"

اباجی نے امتہ المتین کو کچھ تعویذ اور پانی دم کر کے دینا شروع کیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند یوم میں وہ بالکل ٹھیک ہو گئی۔ وہ اباجی کی اس قدر معتقد ہوئی کہ باقاعدگی سے آ کر دین کی باتیں پوچھنے لگی۔ تاہم ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس نے مرزا قادیانی اور اس کے دین کو برا بھلا اور جھوٹا کہنا نہ چھوڑا، وہ سرعام کہتی "مرزا غلام احمد قادیانی ایک جھوٹا اور مکار انسان تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر مرزائی اسے پاگل سمجھتے مگر درحقیقت وہ بالکل نارمل تھی جس کو اس کے گھر والے بھی تسلیم کرتے تھے۔ ایک بار کسی نے امتہ المتین سے پوچھا کہ تم کسی ڈاکٹر کے علاج سے تندرست ہوئی تو اس نے کہا "میں تو صوفی صاحب کے دم کیے ہوئے پانی سے ٹھیک ہوئی ہوں۔" سوال کرنے والے مرزائی نے اس بات پر یقین نہ کیا اور دم کیے ہوئے پانی کو لیبارٹری میں ٹیسٹ کروایا۔ جب وہاں پانی محض خالص پانی ثابت ہوا تو وہ شش و پنج میں مبتلا ہو گیا کہ مسلمان سچے یا وہ اور اس کا مذہب "مرزائیت"۔

ربوہ کے ہی ایک مرزائی کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ان کی شادیاں نہیں ہو رہی تھیں وہ بہت ہی متفکر تھا۔ اپنے "مرزوں" سے بار بار دعائیں کرا کے مایوس ہو چکا تو اسے کسی نے ہمارے ہاں بھیج دیا۔ اباجی نے اسے کہا کہ تم "مرزائیت" سے تائب ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری مشکل آسان کر دے گا۔ اس نے واقعی ایسا کیا اور قدرت نے چھ ماہ کے اندر اس کی تمام بیٹیوں کے ہاتھ پیلے کر کے اسے سرخرو کر دیا۔

اقبال دشمنی

علامہ اقبالؒ نے قادیانیت کو کھلم کھلا الگ مذہب قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ مرزائیوں کو ان کے ساتھ خدا واسطے کا بیر ہے۔ وہ ہر گھڑی، ہر ساعت علامہ کی مخالفت میں سرگرم رہتے ہیں۔ جن دنوں میں تعلیم الاسلام ہائی سکول میں پڑھتا تھا، ان دنوں ملک بھر کے دیگر مدارس میں صبح اسمبلی کے وقت علامہ اقبال کی یہ دعا پڑھائی جاتی تھی۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
دور دنیا کا میرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے

نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی، نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں
جو میں سربسجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا! تجھے کیا ملے گا نماز میں

ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی نے یہ کلام پڑھاتے ہوئے زہر اگلا کہ علامہ کی اس نظم کا توڑ مرزا غلام احمد کی بیٹی نواب مبارکہ بیگم نے اپنی کتاب ''درعدن'' میں کر دیا ہے جس کا مطالعہ کر کے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موصوفہ کی فکر علامہ اقبال سے کتنی بلند ہے۔ اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ کہاں ''راجہ بھون کہاں گنگو تیلی'' یہ شخص ایک عظیم انسان کو کس ''جنس کاسد'' کے ساتھ ملا رہا ہے۔ نواب مبارکہ بیگم کا کلام ملاحظہ ہو۔

مجھے دیکھ طالب منتظر، مجھے دیکھ شکل مجاز میں
جو خلوص دل کی رمق بھی ہے ترے ادعائے نیاز میں
تیرے دل میں میرا ظہور ہے، تیرا سر ہی خود سر طور ہے
تیری آنکھ میں میرا نور ہے، مجھے کون کہتا ہے دور ہے
مجھے دیکھتا جو تو نہیں تو یہ تیری نظر کا قصور ہے
مجھے دیکھ طالب منتظر مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبین نیاز میں
مجھے دیکھ رفعت کوہ میں مجھے دیکھ پستی کاہ میں
مجھے دیکھ عجز فقیر میں، مجھے دیکھ شوکت شاہ میں
نہ دکھائی دوں تو یہ فکر کر کہیں فرق ہو نہ نگاہ میں
مجھے دیکھ طالب منتظر، مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبین نیاز میں
کبھی بلبلوں کی صدا میں سن کبھی دیکھ گل کے نکھار میں
میری ایک شان خزاں میں ہے میری ایک شان بہار میں
مجھے دیکھ طالب منتظر، مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبین نیاز میں
میرا نور شکل ہلال میں میرا حسن بدر کمال میں
کبھی دیکھ طرز جمال میں کبھی دیکھ شان جلال میں
رگ جاں سے ہوں میں قریب تر، تیرا دل ہے کس کے خیال میں

مجھے دیکھ طالب منتظر، مجھے دیکھ شکل مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تیری جبین نیاز میں

مرزائی امت اس بات کی شدت سے خواہش مند تھی کہ وہ حضرت علامہ اقبال کے مدمقابل کے طور پر اپنے ہاں کوئی ایسی شخصیت سامنے لائے لیکن ان احمقوں کو یہ معلوم نہیں کہ دانائے راز صدیوں میں آتا ہے جس کا مقابلہ مرزا غلام احمد جیسے مسیلمہ کذاب نہیں کر سکتے۔ اکثر مرزائی کلاس فیلو یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ ان کے نبی کے فیض کے اثر سے سب سے زیادہ مرزائی شہر اقبال سیالکوٹ میں ہوئے ہیں۔ قصہ مختصر مرزائیوں نے مرزا غلام احمد کی شان بلند کرنے کے لیے جس طرح کئی پاپڑ بیلے اس طرح علامہ کے مرتبہ کو کم کرنے کے لیے بے شمار حربے استعمال کیے لیکن نہ وہ اپنے ''نبی'' کا مقام بلند کر سکے نہ علامہ کی شان گھٹا سکے۔

کالج کا ماحول بھی بالکل تعلیم الاسلام ہائی سکول جیسا تھا۔ یہاں بھی مذہبی حوالے سے مرزائی اجارہ داری تھی۔ نصابی مضامین کے علاوہ ایک اضافی مضمون ''تھیالوجی'' ہر طالب علم پر پڑھنا لازم تھا اور مرزائی کتب پر مشتمل تھا۔ کالج کے یونیفارم میں ''موئی'' کالی ٹوپی اور سیاہ انڈر گریجویٹ گاؤن شامل تھا۔ کالج کے تمام اساتذہ بظاہر خوش مزاج مگر تعصب کے ''پرکالے'' تھے۔ ہمیں اردو ڈاکٹر ناصر احمد پرویز پروازی پڑھایا کرتے تھے۔ وہ اپنے پیریڈ میں کسی نہ کسی بہانے مرزائیت کا پرچار جاری رکھا کرتے تھے۔ انہیں کالج کی طرف سے آفس کے لیے جو کمرہ دیا گیا تھا وہ درحقیقت ایک ''کشادہ غسل خانہ'' تھا چنانچہ جب بھی کسی لڑکے کو کمرے میں بلانا مقصود ہوتا تو وہ کہتے ''ارے میاں ذرا میرے غسل خانے میں آ جانا''۔

جو لڑکے کمرے کی حقیقت سے واقف تھے انہیں تو کوئی حیرت نہ ہوتی لیکن نئے لڑکے ایک مرتبہ تو گھبرا جاتے۔ ان کی گھبراہٹ اپنی جگہ بجا ہوتی کیونکہ ربوہ کے اساتذہ کی اکثریت ''گے کلچر'' کی خوگر تھی۔ کلاس میں پروازی صاحب اکثر لڑکوں سے پوچھا کرتے بھئی! آپ نے کبھی عشق فرمایا ہے؟ لڑکے بھی جواباً پوچھتے ''سر! آپ نے کبھی فرمایا ہے؟ اس پر پروازی صاحب کہتے میں نے عشق فرمایا نہیں کیا ہے اور جن سے کیا وہ میری اہلیہ ہیں۔'' ہمارے ایک کلاس فیلو نعیم شاہ سے انہوں نے پوچھا کیا تم نے کبھی عشق فرمایا ہے؟ ''کہا جی'' پوچھا ''کس کے ساتھ؟'' نعیم شاہ نے کہا جناب محلے کی ایک لڑکی کے ساتھ۔ اس پر پروازی صاحب فرمانے لگے بھئی دیکھ لینا کہیں وہ لڑکا نہ ہو اور تمہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں''۔

صوفی بشارت ایم اے عربی کی کلاسیں لیا کرتے تھے، جن میں لڑکیاں بھی ہوتی تھیں۔ کلاس روم کے وسط میں ایک بڑا سا پردہ لگا دیا گیا تھا جس کے دوسری طرف لڑکے ہوتے تھے۔ درمیان میں یعنی دونوں اصناف کے سامنے صوفی صاحب براجمان ہوتے تھے۔ ان پر لڑکیوں کے روئے جمال دیکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی تاہم لڑکوں کے لیے ان کی ہم جماعت لڑکیاں شجر ممنوعہ تھیں جن کی طرف دیکھنا زنداں میں

جانے کے مترادف تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکا اپنے لمبے قد کی وجہ سے دھر لیا گیا۔ موصوف ایم اے عربی کا طالب علم تھا اس کا ''لمبا قد'' کمرے میں معلق پردے سے اونچا تھا۔ وہ کلاس میں کھڑا تھا کہ اس دوران صوفی بشارت کلاس میں وارد ہوئے، انہوں نے سمجھا، لڑکا پردے کے اس پار کسی ''پری'' کو دیکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بس پھر کیا تھا، قہر بشارت عود کر آیا اور اس طالب علم کو کالج سے بے جرم نکال دیا گیا۔ ربوہ میں یہ بات عام تھی کہ صوفی بشارت اولاد جیسی نعمت سے محروم ہونے کے باعث اپنی محرومیوں کا حساب طلباء سے لیتے تھے۔ عربی کی طالبات میں سے ایک حسن و جمال کی پرتو اپنے ایک ہم جماعت پر فریفتہ ہو گئی لیکن اس طالب علم نے اپنے کالج بدر ہم جماعت کا حوالہ دے کر ہاتھ جوڑتے ہوئے موصوفہ سے کہا ''اے دشمن عقل و آگہی! مجھے معاف ہی کرو مجھ میں قہر بشارت برداشت کرنے کی ہمت نہیں''۔

اسلامیات کے پروفیسر عثمان صدیقی، جنھیں پھلبہری کے داغوں کے باعث ''بابا عالم سرخ پوش'' کہا جاتا تھا، گو مرزائی تھے مگر ان میں دیگر مرزائیوں جیسا حوصلہ نہیں تھا۔ ایک بار وہ سورہ یوسف پڑھا رہے تھے تو انہوں نے حضرت یوسف اور زلیخا کے بارے میں کچھ خرافات بیان کرنے کی کوشش کی جس پر میرے سمیت چند مسلمان طلبہ نے ان سے برملا کہا ''جناب آپ نصابی کتب پڑھا رہے ہیں لہٰذا ان میں ''اپنی جماعت'' داخل نہ کریں ورنہ ہم کلاس کا بائیکاٹ کر دیں گے۔'' بس اتنی بات کہنے کی دیر تھی، صدیقی صاحب سیدھے ہو گئے۔

فضل عمر ہوسٹل میں ہر قسم کی شراب ملتی تھی۔ کوئی مرزائی لڑکا مے نوشی کرتا ہوا پکڑا جاتا تو معاملہ دبا دیا جاتا مگر جب کوئی مسلمان لڑکا گرفت میں آ جاتا تو اس کی باقاعدہ تشہیر کی جاتی اور اسے کالج سے نکال دیا جاتا۔ ایک بار ہمارے ایک دوست شاہد نسیم پر بھی شراب نوشی کا الزام لگایا گیا۔ اس سے قطع نظر وہ قصور وار تھا یا نہیں، اس کو باقاعدہ سزا دی گئی اور کالج چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔

احمدی ڈاٹ آرگ

قادیانیت کے تعاقب میں

زیر نظر مضمون اینٹی قادیانیت ویب سائٹ www.ahmedi.org پر قادیانیت سے متعلق نہایت علمی اور انکشافاتی مضامین سے اخذ کردہ ہے۔ قادیانی عقائد و عزائم اور ان کی موجودہ سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے والے معروف صحافی و قلم کار جناب احمد کریم شیخ اور جناب ایس اے خاں کے تحقیقی مضامین پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ مضامین قادیانیت کی اندرون خانہ مذموم سرگرمیوں کی حقیقت پر مبنی ہیں اور کوئی ذی شعور شخص ان تلخ حقائق سے انکار نہیں کر سکتا۔ قادیانی جماعت کے بانی آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی، اس کے بیٹوں اور نام نہاد قادیانی خلفاء کی متنازعہ تحریروں اور بھیانک کردار پر ان حضرات کا قلم نشتر کا کام کرتا ہے۔ کچھ اصولی باتوں سے قطع نظر اس سائٹ پر قادیانیت کی موجودہ تمام سرگرمیوں کا بہترین انداز میں تعاقب کیا جاتا ہے۔ پھر یہاں ان سرگرمیوں کا زبردست پوسٹ مارٹم کر کے ہر خاص و عام کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ اس ویب سائٹ کے منتظمین کی محنت، جرأت اور بے باکی قابل داد ہے۔ وہ جن جانگسل حالات میں کام کر رہے ہیں، یہ تاریخ کا ایک حصہ اور اپنی مثال آپ ہے۔

بعض اہم اور انکشافاتی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی جماعت کے بعض اہم سرکردہ راہنما ذہنی طور پر جماعت چھوڑ چکے ہیں اور ایک خاص مصلحت کے تحت جماعت سے عارضی تعلق قائم رکھے ہوئے ہیں، یہ حضرات اندرون خانہ اپنی جماعت کی تمام سرگرمیوں کی رپورٹ اس سائٹ کے منتظمین کو فراہم کرتے ہیں۔ پھر یہ معلومات عام قارئین کے استفادہ کے لیے سائٹ پر جاری کر دی جاتی ہیں۔ یہ مضمون ایسی ہی دلچسپ اور ہوشربا معلومات پر مشتمل ہے۔ پڑھیے، سر دھنیے اور قادیانی ذہنیت پر لعنت بھیجیے! (مرتب)

ایک عیسائی کے لیے دعائے مغفرت

فرینکفرٹ...... جرمنی سے ملنے والے ایک تراشہ کے مطابق محمودی شریعت جس میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے کسی فوت ہونے والے فرد کے لیے نماز جنازہ تو کجا ہاتھ اٹھا کر

دعائے مغفرت کرنے کی بھی اجازت نہیں، اسی جماعت محمودیہ جرمنی کے نیشنل امیر غیر مختون عبداللہ واگس ہاؤزر کے والد Hans Wagishauser کی وفات ہوئی ہے تو ان کی قبر تیار ہونے پر جرمنی کے "کثیر تعداد میں جمع افراد جماعت نے اجتماعی دعا کی۔" محمودیت کے کردار کی منافقت اور خبث باطن کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مرزا محمود سے پوچھا گیا تھا کہ کسی مسلمان کا معصوم بچہ فوت ہو جائے تو کیا اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے؟ تب مرزا محمود نے بڑے غضب کے ساتھ کہا کہ کیا کسی عیسائی، ہندو یا یہودی کا بچہ مر جائے تو اس کا جنازہ پڑھو گے؟...... ان محمودیوں کے نزدیک کسی مسلمان کے لیے دعائے مغفرت کرنا جائز نہیں ہے۔ کسی ایسے لاہوری احمدی کا جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے جو مسیح موعود پر ایمان رکھتا ہو مگر مرزا محمود کی محمودیت کا منکر ہو اور تو اور ایسے احمدی جو اسی جماعت سے متعلق ہیں مگر کسی وجہ سے سسٹم کی چیرہ دستیوں سے خفا ہوتے ہیں، ان کا جنازہ تک نہیں پڑھا جاتا۔ دعا نہیں کی جاتی مگر اب اسی نظام محمودیت نے ایک نئی تاریخ رقم کر دی ہے۔ ایک عیسائی کی موت پر اس کی قبر پر دعائے مغفرت کرائی ہے اور باقی جماعت کو بھی ان الفاظ میں دعائے مغفرت کرنے کی تحریک کی گئی ہے۔ "قبر تیار ہونے پر کثیر تعداد میں جمع افراد جماعت نے اجتماعی دعا کی۔ احباب جماعت سے درخواست دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کے ساتھ اپنی رحمت و مغفرت کا سلوک فرمائے" (بحوالہ "اخبار احمدیہ" جرمنی۔ مئی 2002ء...... مطبوعہ اٹیچڈ الفضل انٹرنیشنل لندن)

انکشافات

فرینکفرٹ...... سائٹ کے نمائندہ کے دورہ جرمنی کے دوران یہ انکشاف ہوا ہے کہ وہاں جن افراد کو اخراج کی سزا دی گئی تھی ان میں سے بعض افراد نے جماعت کے اس اقدام کو عدالت میں چیلنج کر دیا ہے۔ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں پہلی پیشی دسمبر کے مہینہ میں ہے، جبکہ مزید دو تین مقدمات بھی دائر ہو رہے ہیں۔ جماعت کے موجودہ جنرل سیکرٹری زبیر احمد خلیل کے بارے میں مصدقہ اطلاع ہے کہ وہ سابقہ پاکستانی فوجی افسر ہیں۔ پاکستان میں ان کا کورٹ مارشل ہوا تھا۔ وہاں وہ فوج میں ہونے کے باوجود ایک ٹریول ایجنٹ کے ساتھ مل کر جماعت کے افراد کو بیرون ملک اسمگل کیا کرتے تھے۔ جماعت کے خلاف نئے دائر ہونے والے مقدمات میں ایک اہم مقدمہ افراد کی منظم اسمگلنگ کا بھی ہوگا۔ اس میں زبیر احمد خلیل کا کردار اور امور عامہ کے بعض سابقہ سیکرٹریوں کا کردار بھی کھل کر سامنے آئے گا۔ زبیر احمد خلیل کے بہنوئی ان سے پہلے جماعت کے جنرل سیکرٹری تھے اور ان کو دو دفعہ جماعت کی عورتوں کے ساتھ موقع پر پکڑا گیا تھا۔ ایک بار لانگن شہر کی ایک آئس کریم شاپ کی لیٹرین میں اور ایک بار زبیر احمد خلیل کی بہن نے خود نیشنل امیر کی معیت میں انھیں ایک گھر سے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا...... زبیر احمد خلیل کے کزن، مولوی پاوے کے فرزند اور مولانا عطاء المجیب راشد امام مسجد فضل لندن کے داماد مقصود الحق جو امور عامہ اور کئی دوسرے اہم شعبوں میں رہ چکے ہیں اور ہمیشہ اہم عہدوں پر فائز رہتے ہیں، ان کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ

ربوہ میں ایک بار ان کے ساتھ تین احمدیوں نے مل کر زبردستی بدفعلی کی تھی۔ اس پر مقصود الحق نے ربوہ کی پولیس سے رابطہ کیا' وہاں اپنے ساتھ ہونے والی اس بدفعلی کی شکایت درج کرانے گئے، جس کے نتیجہ میں ان کو اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی ساری تفصیل بتانا پڑی۔ اس زیادتی کی خبر تب اخبارات میں شائع ہوئی تھی۔ نیشنل امیر جرمنی کے بارے میں ایک ''نوری'' خبر کا انکشاف بھی ہوا ہے لیکن ابھی اس کے مزید شواہد جمع کیے جا رہے ہیں، جلد ہی نیشنل امیر جرمنی کی ''نوری خبر'' آن لائن ہوگی۔ ایسے سارے کرتوتوں والے لوگ یہاں جماعت کے افراد کی معمولی معمولی سی کوتاہیوں پر سخت فیصلے صادر کرتے ہیں۔

میں متعدد مغربی ممالک کا سفر کر چکا ہوں اور ان ممالک کے جماعتی عہدیدار گھرانوں کے حالات سے بہت اچھی طرح سے واقف ہوں۔ اس لیے میں سارے محمودیوں کو چیلنج دے کر کہتا ہوں کہ تمھارے سارے انگلینڈ' امریکہ' کینیڈا' جرمنی اور دوسرے یورپین ممالک میں آباد گھرانوں میں سے ایک بھی عہدے دار کا گھر ایسا نہیں ہے جو زنا سے پاک ہو۔

جیسا گرو ویسے چیلے

اسلام آباد کے دوست نے بڑی بنیادی بات کہی ہے۔ مرزا محمود زانی تھا تو اس کی امت نے بھی زانی ہونا تھا۔ چونکہ فورم میں یہ نکتہ ابھارنے والا محمودی داؤد مجوکہ ہی لگتا ہے اس لیے سب سے پہلے اسے یہ بتایا جاتا ہے کہ تمہاری کنواری سالی تین ہفتے گھر سے بھاگی رہی تھی۔ اس کے کردار کے بارے میں کیا کہتی ہے جماعت؟ محمودیت کے ایک بڑے مبلغ مولوی ابراہیم بقاپوری کی بیٹی ربوہ میں پچاس کی دہائی میں گھر سے بھاگنے والی پہلی لڑکی تھی۔ اس کی بیٹی کے بارے میں کیا کہے گی جماعت؟ چوہدری ظفر اللہ خان کی ایک بیوی لاہور میں ساتھ رہتے ہوئے ایک دوسرے احمدی سے تعلقات استوار کر کے گھر سے بھاگ گئی۔ دوسری بیوی نے انگلینڈ پہنچ کر چوہدری ظفر اللہ خان کی بجائے ایک نوجوان سے تعلقات استوار کر لیے۔ ایسے شرمناک کرداروں کے ہوتے ہوئے بھی جماعت کے افراد کو حیا نہیں آتی کہ دوسروں پر جھوٹے الزام لگا کر انگلی اٹھاتے ہیں۔ یہ سارے واقعات بالکل اوپن قسم کے واقعات ہیں۔ اب جماعت والے مغربی ملکوں میں کسی ایک احمدی عہدے دار کا گھر کا نام بتائیں کہ وہ بڑا پاک صاف گھر ہے' سائٹ اسی گھر کا سارا کچا چٹھا کھول کر پیش کر دے گی۔ ویسے سائٹ کے نزدیک ہر گھر کی اپنی زندگی ہے کوئی جیسے چاہے زندگی گزارے لیکن جب ہر کسی کو آزادی ہے تو جماعت کے کسی فرد کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ جماعت چھوڑنے والوں کے خلاف اس قسم کی ہرزہ سرائی کرے۔ اس لیے بہتر ہے کسی مخالف کے بارے میں اس طرح کی ہرزہ سرائی کرانے سے پہلے اپنے داغدار دامن کو دیکھ لیا کریں۔ وگرنہ سائٹ اسی سطح پر جماعت کو جواب دے گی جس سطح تک وہ گرتی جائے گی۔

مولوی صدیق اور مولوی پادوے کی قرآن اٹھا کر کھائی گئی حلفیہ قسموں کا نتیجہ

یہاں کینیڈا سے ملنے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ربوہ کے ابتدائی ایام میں ایک بار مولوی ابوالمنیر نورالحق (عرف مولوی پادا) نے مولوی محمد صدیق گورداسپوری (خلافت لائبریری) کے ساتھ گپ شپ کرتے ہوئے کہا کہ یار! ''تفسیر کبیر'' کا سارا کام ہم کرتے ہیں اور نام خلیفہ ثانی کا ہو جاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ دونوں مولوی بھی علماء کی اس کمیٹی میں شامل تھے جو مرزا محمود کی ''تفسیر کبیر'' لکھتے تھے۔ مولوی محمد صدیق گورداسپوری کو معلوم تھا کہ بات تو مولوی پادوے کی درست ہے لیکن خوشامد پسند مولوی صدیق نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور جا کر مرزا محمود کو ساری بات سچ سچ بتا دی کہ مولوی پادا اس طرح کہہ رہا تھا۔ مرزا محمود نے اسی وقت مولوی پادوے کو بلا لیا اور اس سے اس بارہ میں پوچھا۔ مولوی پادا اس صورتحال کو بھانپ کر صاف مکر گیا کہ میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا۔ آخر اس کے نتیجہ میں مسجد مبارک میں ایک اجتماع ہوا۔ اس میں مولوی محمد صدیق نے مولوی نورالحق پادا سے منسوب اپنے الزام کے سچ ہونے کے سلسلے میں حلفیہ قسم کھائی۔ جواباً مولوی نورالحق پادا نے اس الزام کی تردید میں حلفیہ قسم کھا کر اپنی بریت کی۔ دونوں نے اپنے اپنے حلفیہ بیان قرآن اٹھا کر دیے۔ اہل ربوہ کی ایک بڑی تعداد اس موقع پر موجود تھی۔ اس حلفیہ الزام اور حلفیہ صفائی کے بعد دونوں فریقوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا اور دونوں ہی نظام جماعت کے پسندیدہ کردار رہے۔ اس وقوعہ کے وقت مولوی نسیم مہدی کے خاندان کے کئی افراد بھی مسجد مبارک میں موجود تھے۔ وہ خود بھی اس واقعہ کا ایک بار ذکر کر چکے ہیں۔

چندہ

یہ صحیح ہے کہ کسی بھی تنظیم کو چلانے کے لیے چندہ ضروری ہے' اور جماعت احمدیہ میں چندہ جات کو جو اہمیت ہے' وہ کسی سے بھی مخفی نہیں' مرزا قادیانی سے لے کر تمام خلفاء نے چندوں پر ہی زور دیا ہے لیکن خلیفہ ثانی کے دور سے جماعت کو جس طرح جذبات کو ابھار کر مجبور کر کے' بلیک میل کر کے مذہب کے نام پر لوٹا جا رہا ہے، اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مرزا محمود صاحب کے دور میں ایک بار خواجہ حسن نظامی صاحب نے قادیان کو اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ خلیفہ ثانی صاحب کی دعوت پر وزٹ کیا۔ اس کے بعد اپنے ایک آرٹیکل میں لکھتے ہیں کہ ''ہم نے قادیان میں امور عامہ کا معائنہ کیا' نشر و اشاعت اور تحریک جدید کے دفاتر دیکھے' غرض بہشتی مقبرہ پہنچے تو اسے سبزہ و رستہ کے اعتبار سے واقعی جنت معنوی پایا' لیکن ایک بات بڑی حیران کن تھی کہ اس کے تمام درختوں اور پیڑوں پر قطار اندر قطار بیٹھے ہوئے پرندے ایک ہی راگ الاپ رہے تھے چندہ، چندہ، چندہ۔ اس بات کو لکھے ہوئے بھی ساٹھ ستر سال گزر چکے ہیں' اس کے بعد سے مرزا محمود صاحب اور ان کے بیٹوں کے ادوار میں تو اس سے کہیں زیادہ غریب احمدیوں کا خون نچوڑا

جا رہا ہے اور اب تو ان کی ہڈیاں بھی چھوڑی جا رہی ہیں۔

اب جب سے خلیفہ خامس نے اقتدار سنبھالا ہے' ان کا بھی مطالبہ جماعت سے مزید قربانیوں کا ہے' اور سنا ہے کہ اب چندوں کے بقایا جات کی بڑی سختی سے پڑتال اور وصولی کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ دیکھیں اب نویں نکور خلیفہ صاحب کونسی نئی تحریک جماعت کو پیش کرتے ہیں۔

جماعت میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی

مرزا محمود نے غلط طور پر نظام جماعت کی انتہائی آمرانہ تشکیل کی اور پھر مرزا طاہر احمد نے اسے مزید بھیانک روپ دیا۔ اس کے مطابق کسی ادنیٰ عہدیدار کی نافرمانی بھی خلیفہ کی نافرمانی ہے اور خلیفہ کی نافرمانی دراصل خدا کی نافرمانی ہے۔ اس طرح کسی بھی گھٹیا ذہنیت کے مالک' کسی بھی بدکار عہدیدار کی نافرمانی کو براہِ راست خدا کی نافرمانی بنا دیا گیا۔ اسی کے نتیجہ میں ہر مقامی حلقے سے لے کر نیشنل سطح تک کتنے ہی جھوٹے خدا پیدا ہو گئے ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں اپنی خدائی قائم کیے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے ایک خاص طرز کی بیوروکریسی جماعت کے نظام کے نام پر وجود میں آ چکی ہے...... ایک اور فاش قسم کی غلطی یا ظلم یہ ہوا کہ جس عہدیدار کے خلاف کوئی جائز شکایت کی گئی' اس کی انکوائری اسی کے پاس بھیج دی گئی۔ یہ وہی کلچر ہے جو پٹواری کے خلاف شکایت کو پٹواری کے پاس انکوائری کے لیے بھیجنے والا کلچر ہے۔ اس کے جماعتی نظام کے نام پر خاصے بھیانک نتائج نکلے ہیں۔

مرزا مسرور احمد نے جرمنی کے جلسہ کے موقع پر اپنے لکھائے ہوئے خطبہ جمعہ میں ایک موقع پر ان لوگوں پر برہمی کا اظہار کیا جو جماعت سے اختلاف رکھتے ہوئے جماعت کے اندر ہیں اور کہا کہ وہ جماعت سے نکل کیوں نہیں جاتے۔ ان کے اس فرمان کے نتیجہ میں اگلے دن یعنی ہفتہ کے روز ہی راحیل شیخ اور ان کے پورے خاندان نے جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اس کی خبر اتنے بڑے پیمانے پر نکلی کہ جماعت کے مرکزی پریس سیکرٹری کو وضاحتی بیان جاری کرنے پڑ گئے لیکن اس وضاحتی بیان میں ایک ایسی گھسی ہوئی بات دہرائی گئی ہے جس کا ہمیں نوٹس لینا پڑ گیا ہے۔ جماعت کے ترجمان نے دوسری وضاحتوں کے ساتھ یہ کہا کہ جماعت کا گند تھا جو جماعت سے نکل گیا۔ یہ ایسا بے ہودہ جواب یا عذر ہے جو کھسیانی بلی کے کھمبا نوچنے سے بھی بدتر ہے۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک وہ وقت تھا کہ جب ایک مسلمان مرتد ہو جاتا تو یہ ایک قیامت برپا ہونے والی بات ہوتی۔ اگر جماعت سے نکلنے والوں کو مرتد کہا جاتا ہے تو ان کے نکلنے پر قیامت برپا ہونے کا احساس ہونے کے بجائے خوشی کی کیا بات ہے؟ اور سوال یہ ہے کہ جماعت کو اپنے ظالمانہ اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے سسٹم کی تباہ کاریوں کا ابھی تک اندازہ کیوں نہیں ہوا؟ جماعت کی آبادی میں کروڑوں کے اضافہ کی ساری خبریں مکمل جھوٹ اور اس عہد کا بدترین جھوٹ ہیں لیکن جماعت سے نکلنے والے یہ اہم افراد احمدیت کے وہ تربیت

یافتہ تھے' جو مرزا طاہر احمد کے ''پیدا کردہ'' کروڑوں افراد پر بھاری تھے۔ انھیں گند کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جماعت اپنی غلطیوں کو ماننے پر تیار نہیں ہے۔ جو قومیں ایسی جھوٹی رعونت کا شکار ہو جاتی ہیں، وقت انھیں خود مار مار کر سمجھاتا ہے۔ جماعت کی قیادت کو شاید ابھی اندازہ نہیں ہے لیکن ہم وقت سے پہلے بتا رہے ہیں کہ آنے والے وقت میں امریکہ' کینیڈا اور یورپ کے تمام ممالک جماعت کے اندرونی نظام کی انسانیت سوز' مجرمانہ اور خلافِ قانون کارروائیوں کا سختی سے نوٹس لیں گی اور پھر جماعت کو ذلت کے ساتھ پسپائی اختیار کرنی پڑے گی۔ اس وقت کے آنے سے پہلے ہم جماعت کو انتباہ کر رہے ہیں کہ وہ اپنے داخلی انتظامی کردار میں بہتر تبدیلیاں لے آئے۔ وگرنہ ہمارا یہی لکھا ہوا ایک وقت ان کا منہ چڑائے گا۔ یہ وہ حقائق ہیں جو مستقبل قریب میں رونما ہونے والے ہیں۔ اگر جماعت کی ہائی کمان انھیں دیکھنے اور ان آنے والے دنوں کے قدموں کی چاپ سننے سے عاری ہے تو شورِ قیامت برپا ہونے پر خود ہی جان لے گی کہ نظام جماعت کی اطاعت کے نام پر غیر قانونی' خلافِ انسانیت اور خلافِ قانون اقدامات کی کتنی بڑی قیمت ادا کرنا پڑی ہے۔

خلیفہ اور جھوٹ!

قرآن جھوٹ کو فساد فی الارض قرار دیتا ہے اور قادیانی خلیفہ جھوٹ کو اپنی زندگی کا مشن بنائے ہوئے ہیں۔ خلافت جماعت کی تعداد کے معاملے میں ابتداء سے ہی منافقانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔ کبھی بھی جماعت نے اپنی سو سالہ سے زائد زندگی میں تعداد کے معاملے میں سچائی سے کام نہیں لیا۔ حساس ذہنوں میں اکثر یہ سوال ابھرتا ہے کہ جماعت تعداد کے متعلق کیوں سچائی سے کام نہیں لیتی۔ جماعت کس کو دھوکہ دے رہی ہے۔ اپنے لوگوں کو یا کہیں ایسا تو نہیں کہ نام نہاد تبلیغ کا شعبہ پوری تندہی سے خلیفہ صاحب کو اندھیرے میں رکھے ہوئے ہے اور بھولے بھالے خلیفہ صاحب بغیر تحقیق اور غور و فکر کے ہر جلسہ سالانہ کے موقع پر ستائشی نعروں کی گونج میں کروڑوں کی تعداد کا اعلان پہ اعلان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب آنے والے جلسہ پر تعداد 160 ملین کا اعلان ہوگا اور اسے ایک الٰہی نشان قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کے منہ پر طمانچہ خیال کریں گے اور ایم ٹی اے پر ہر روز تعداد کا ورد ہوگا۔ جماعت کا وہ نوجوان طبقہ جو تعلیم کے ساتھ ساتھ جماعت کے کاموں میں بھی عملی طور پر حصہ لے رہا ہے' اس وقت شدت سے اس مخمصے کا شکار ہے کہ کیوں خلیفہ صاحب بغیر سوچے سمجھے' بغیر تصدیق کے اعلان پہ اعلان کرتے چلے جاتے ہیں' آخر مبالغے اور جھوٹ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مانا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے جوش و جذبہ میں یہ لکھ دیا کہ میں نے اتنا لکھا ہے کہ پچاس الماریاں بھر جائیں یا میرے نشانوں کی تعداد دس لاکھ ہے وغیرہ' ہمارے خیال میں وہ ایک جوش کے تحت اور اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے انھوں نے لکھا' مگر یہاں تو ایسا معاملہ نہیں ہے! جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قبیلہ کا سردار، سربراہ کسی سیاسی یا ذاتی مفاد کی خاطر احمدیت کو جائن کر لیتا ہے تو اس کا سارا قبیلہ اس کے نقش قدم پر چل نکلتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

1- کیا اس قبیلے جس کی تعداد لاکھوں اور کروڑوں بیان کی جاتی ہے' کہ اس اعلان احمدیت کو ہم تبدیلی ایمان وعقیدہ قرار دے سکتے ہیں؟

2- کیا خلیفہ صاحب اقرار کرتے ہیں کہ انھوں (نو احمدی) نے عقل وبصیرت اور غور وفکر کے بعد احمدیت کو قبول کیا ہے؟

3- کیا احمدیت کی باگ ڈور ان نئے احمدیوں کے ہاتھ دی جاسکتی ہے' اگر وہ اکثریت کی بناء پر آنے والے خلیفہ کا انتخاب اپنے میں سے کرلیں؟

یقیناً احمدی اکابرین اس سوال کو احمقانہ قرار دیں گے اور فرنچ کٹ داڑھی کی اوٹ سے طنزیہ ہنسی کے ساتھ ارشاد فرمائیں گے خلیفہ اور مرزا فیملی سے باہر! عقل کے ناخن لو میاں! المیہ یہ کہ جماعت کی حالت ایک ایسے افیونی کی طرح ہے جو نشے میں بے سدھ پڑا ہے، اسے اپنے اردگرد کی کوئی ہوش نہیں، اسے صرف اپنے نشے سے غرض ہے' یعنی جماعت جانتے بوجھتے ہوئے اپنے آپ کو دھوکہ دے رہی ہے کہ جو خلیفہ صاحب سچ جھوٹ فرمائیں گے اس پر نعرہ احمدیت بلند کیا جائے اور دوسری طرف سے خلیفہ صاحب' مرزا غلام احمد کی جے کا نعرہ بلند کرتے ہوئے احباب جماعت کا مالی' علمی اور اخلاقی جنازہ نکالتے ہیں۔ اللہ نے کبھی اس قوم کی حالت نہیں بدلی جو اپنی حالت خود نہیں بدلتی!

انسان کی بھی عجیب مجبوریاں ہیں! اس قفس سے آزادی بھی چاہتا ہے اور قربانی سے گریز بھی' چاہتا ہے کہ آزادی خود چل کر آجائے اور گلے بھی خود لگے! کوئی اس لیے زبان نہیں کھولتا کہ باپ گھر سے نہ نکال دے گا' ماں صدمے سے مرجائے گی' سسرال والے بیوی لے جائیں گے اور بیٹی گھر واپس آجائے گی اور جو بہن بیٹی بیاہنے والی ہیں ان کی شادیاں کیسے ہوں گی؟ وغیرہ وغیرہ! ایک لمحہ سوچیے کہ کیا یہ تمام مصائب کفار مکہ نے مسلمانوں کو نہیں دیے؟ کیا کفار مکہ اور جماعت احمدیہ کے ہتھکنڈوں میں کوئی فرق ہے؟ کیا ہمارے مصائب اور اس وقت کے مسلمانوں کے مصائب میں کوئی فرق ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیا مذہب دنیا میں ایسے ہی ہوتا ہے؟ کیا ہمیں آزادی اظہار رائے کا کوئی حق نہیں؟ کیا جس عمل کو جماعت ظلم قرار دیتی ہے وہی اپنے افراد کے ساتھ روا نہیں رکھتی؟ ہماری جماعت کے یہ فرعون خلیفے اور ان کے ہامان یہ مربی' مشنریز' مبلغ اور امیر وغیرہ جن سے خون آشام درندے بھی شرماتے ہیں' یہ لٹیرے انسانیت پر ذلت کا داغ نہیں ہیں؟

شکل مومناں کرتوت کافراں!

جماعت احمدیہ پاکستان کا اس وقت سالانہ بجٹ پچاس کروڑ روپے سے زیادہ ہے' جماعت کا انٹرنل آڈٹ کا مضبوط نظام ہونے کی وجہ سے بغیر اعلیٰ افسران کی مرضی کے خورد برد ناممکن ہے مگر اس کے باوجود گذشتہ برسوں لاکھوں روپے کا خلافت لائبریری اور وقف جدید کے شعبہ میں غبن ہوا' لائبریرین حبیب الرحمٰن زیروی کو تبدیل کر کے دوسرے محکمہ میں لگایا گیا جب کہ اللہ بخش صادق انچارج وقف جدید چند ماہ قبل

30 لاکھ روپے خرد برد کر کے اپنے خاندان کے ساتھ کینیڈا فرار ہو گیا' لائبریری کے اکاؤنٹینٹ کو نوکری سے برخاست کر دیا گیا مگر اس کے باس کو بوجہ چھوڑ دیا گیا۔ مالی بدعنوانی کی یہ خبر کوئی نئی نہیں' عرصہ قبل صدر انجمن احمدیہ خزانہ کے ایک بڑے ستون سعید احمد عالمگیر مرحوم بھی فیکٹری ایریا ربوہ میں ایک خوبصورت کوٹھی بنانے کے بعد ایک بڑی نقدی لے کر کینیڈا چلے گئے تھے۔ چند ماہ قبل شعائر اللہ ہادی علی چوہدری کے بارے میں فراڈ کی کہانیاں اخباروں کی زینت بنیں تو وہ بھی وقتی طورا اپنے بھائی کے پاس کینیڈا چلے گئے تھے اور مُک مُکا کے بعد پھر واپس لندن تشریف لے آئے تھے' لگتا ہے کہ کینیڈا جماعتی چوروں کی محفوظ پناہ گاہ ہے' کینیڈا کی پارلیمنٹ میں ایک رکن اسمبلی نے یہ سوال اٹھاتے ہوئے کہا تھا کہ کینیڈا دنیا بھر کے چوروں کی پناہ گاہ معلوم ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے احمدی ابھی ایم ٹی اے کے سابقہ روح رواں جسوال برادران کی مالی بدعنوانیوں کو نہیں بھولے' خود لندن میں بیٹھے ہر جماعتی سرخیل کے تین سے بھی زیادہ ذاتی مکانات ہیں' بغیر ڈکار کے کھانے پینے کا جب یہ سلسلہ اوپر سے ہی شروع ہو تو نچلی سطح پر راستہ خود بخود ہی کھل جاتا ہے کہ جب بڑے ہی چور یا کانے ہوں تو پھر بھید کھلنے کا ڈر کیسا؟ لندن میں یورپ کی سب سے بڑی عبادت گاہ دارالفتوح کی مالی بدعنوانیوں سے پردہ بھی خود مرزا طاہر احمد صاحب نے ہی اٹھایا تھا' پانچ ملین پونڈ کا غبن اور مرزا طاہر احمد کی خاموشی! کیا آج تک کسی کو لوگوں کی خون پسینے کی کمائی کا کوئی جواب یا جواز دیا گیا؟ نہیں نہیں...... کبھی نہیں' اسی طرح کراچی کی بڑے پیانے پر مالی بدعنوانیاں بھی مرزا طاہر احمد صاحب ہی کے دور میں منظر عام پر آئیں۔

ربوہ کے فضل عمر ہسپتال کے سربراہ جب مرزا منور احمد صاحب تھے تو ان کا دامن بھی چوری سے پاک نہ رہ سکا' مرزا منور احمد صاحب جب ہسپتال کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھے تو ربوہ کے ایک صاحب کی اہلیہ جو کہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی' اس کو فوری فیصل آباد ہسپتال لے جانا پڑا' فضل عمر ہسپتال سے ایمبولنس مانگی گئی تو جواب دیا گیا کہ ایک گاڑی تو میاں صاحب شکار پر لے گئے ہیں جب کہ دوسری ایمبولنس کے دو ٹائر پنکچر ہیں آپ اپنے خرچ پر ٹائر ڈلوا کر گاڑی لے جاسکتے ہیں۔ (سبحان اللہ باکمال لوگ لاجواب سروس)

امریکہ کے ایک اہم اور مشہور و معروف احمدی کا قادیانی جماعت سے اعلان لاتعلقی

سائٹ کو مصدقہ ذرائع سے اطلاع ملی ہے کہ جماعت احمدیہ کی امریکہ سے چلائی جانے والی ویب سائٹ ''ڈبلیو ڈبلیو ڈبلیو ٹومب آف جیسس'' (www.tombofjesus.com) کے ویب ماسٹر' مسٹر ابوبکر نے 27 سال احمدی رہنے کے بعد' جماعت احمدیہ (قادیانی گروپ) سے اپنے تعلق کو مورخہ 25 مئی 2003ء شام 10 بجے' بمقام شکاگو امریکہ' ختم کرنے کا اعلان کیا ہے اور بہائی مذہب میں شمولیت اختیار کر لی ہے' جماعت احمدیہ کی اس خبر کو دبانے کی اور مسٹر ابوبکر کو منانے کی کئی ہفتوں پر محیط کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔

مسٹر ابوبکر نے علیحدگی کا جو خط جاری کیا ہے اس میں انھوں نے واشگاف لفظوں میں لکھا ہے کہ ''میرے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) کشمیر میں فوت ہوئے یا انھیں صلیب دی گئی۔'' اس طرح ایک بار پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جماعت احمدیہ کے ایک بنیادی عقیدے کا رد اس شخص نے کیا ہے جو کہ برس ہا برس سے جماعت کے اس عقیدہ کا پرچار کر رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں دفن ہیں۔ جماعت احمدیہ نے اس خبر کو دبانے کے لیے پورا زور لگایا' مگر کبھی ایسی خبریں بھی چھپی ہیں۔ مسٹر ابوبکر کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جماعت کی تعلیمات اور طریقہ سے اتنے متنفر ہوئے ہیں کہ انھوں نے کسی بھی اسلامی فرقے میں شامل ہونے سے انکار کیا اور بہائی مذہب میں شامل ہو گئے ہیں۔

عراق کی صورتحال اور قادیانی جماعت کا کردار

''افغانستان کی صورتحال پر جماعت کی قیادت نے اور مجموعی طور پر جماعت نے جس سفاکی اور بے رحمی کے رویے کا اظہار کیا تھا، اس کے بعد اب عراق پر حملہ ہونے کے بعد بھی جماعت کا رویہ ویسے کا ویسا ہے۔ امریکی صدر بش نے برملا طور پر کروسیڈ کا اعلان کیا۔ کسر صلیب کی دعوے دار جماعت منہ میں گھنگنیاں ڈالے پڑی رہی۔ عراق پر انتہائی بے رحمانہ حملہ ہو گیا ہے اور جماعت کی قیادت ابھی تک بے شرمی کی حد تک منافقانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ پاکستان میں کسی احمدی کو کوئی نقصان پہنچنے پر لندن سے فوراً جماعتی پریس ریلیز جاری کرنے والے جماعتی ترجمان بھی بے حسی کے ساتھ ایک اسلامی ملک کی بربادی دیکھ رہے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کے دور اقتدار میں ان کا اور جماعت کا یہ شرمناک کردار عالم اسلام کے حوالے سے بھی اور انسانیت کے حوالے سے بھی ہمیشہ جماعت کے خدمت انسانیت کے بلند بانگ دعووں کو باطل ثابت کرتا رہے گا۔ ربوہ کے پوپ سے تو ویٹیکن کا پوپ زیادہ اچھا رہا کہ اس نے زبانی کلامی سہی اور دنیا کے دکھاوے کے لیے سہی، حملہ آوروں کی مذمت تو کی ہے۔

طالبان کی غلطیاں اپنی جگہ مگر افغانستان میں ظلم وستم کی انتہا ہو گئی اور جہاں تہاں محمودی حضرات خوشی سے بغلیں بجاتے رہے اور اسے خدا کی طرف سے محمودیت کے حق میں افغانیوں کے لیے سزا جتلاتے رہے۔ اب عراق کی صورتحال سب کے سامنے ہے اور اس جماعت کی بے حسی سب کے سامنے ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ جماعت کا ان اسلامی ممالک کی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن جماعت اور اس کی قیادت تو اس وقت بھی کچھ نہیں بولی جب امریکہ کے صدر جارج ڈبلیو بش نے کھل کر اعلان کر دیا کہ اب صلیبی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ تا حال امریکی صدر نے اپنے اس بیان کی تردید نہیں کی اور کوئی وضاحت بھی نہیں کی۔ مسلمانوں کے دکھوں اور تکالیف پر خوش ہونے والے محمودی حضرات اب اچھی طرح دیکھ لیں اور

سمجھ لیں کہ ان کا نہ تو عالم اسلام سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی یہ جماعت ''کسر صلیب'' کا دعویٰ کرنے والے مسیح موعود کی نمائندہ کہلانے کی مستحق ہے۔ اگر ان کو کاسر صلیب مسیح موعود کے نام کی ذرہ بھر بھی غیرت ہوتی تو واقعی صدر بش کے بیان پر فوراً جواب دیتی اور کاسرِ صلیب کے بیان کے مطابق تجدید اعلان کرتی کہ مذہبی رنگ میں اب صرف قلم کا جہاد باقی ہے اور تمہاری اس صلیبی جنگ کے جواب میں ہمارا قلمی جہاد ہوگا۔ جماعت اسلام کے ساتھ تو منافقت کر ہی رہی تھی اب تو خود مسیح موعود کی تعلیمات اور نام کے ساتھ بھی غداری کر رہی ہے۔''

قادیانی جماعت میں نئی بیعتوں کی حقیقت

آپ نے اس بادشاہ کا قصہ تو سنا ہوگا' کہ جس کے دربار میں دو ہشیار قسم کے چالباز آئے' اور کہا کہ ہم ایک ایسا کپڑا تیار کر سکتے ہیں جو صرف عقلمند کو نظر آئے گا اور بیوقوف اس کپڑے کو نہیں دیکھ سکے گا۔ بادشاہ نے منہ مانگے پیسے دیے کہ اس کپڑے سے میرے لیے لباس تیار کرو۔ بادشاہ کے وزیر کپڑے کی تیاری کے دوران کپڑا دیکھنے جاتے رہے اور ان کو کچھ بھی نظر نہ آئے' لیکن وہ بیوقوف کہلانے کے ڈر سے یہ نہ کہیں کہ ہمیں تو کچھ نظر نہیں آ رہا، حتیٰ کہ وہ دن بھی آ گیا' کہ بادشاہ کو اس کپڑے کا لباس پہنایا گیا' لیکن بادشاہ کو بھی کوئی کپڑا نظر نہ آیا۔ لیکن اب وہ بھی سمجھا کہ اگر میں نے کہا کہ کپڑا نظر نہیں آ رہا تو ان لوگوں اور دوسروں پر میری بیوقوفی کا پول کھل جائے گا' کیونکہ آخر میرے یہ سب اہلکار کپڑے کو دیکھ رہے ہیں' وہ اب شہر میں نکلا تو لوگوں نے دیکھا کہ بادشاہ ننگا ہے' لیکن سب بیوقوف کہلانے کے ڈر سے خاموش رہے' لیکن ایک بچہ بول اُٹھا کہ بادشاہ ننگا ہے' اس کی دیکھا دیکھی دوسرا بچہ بھی بول اٹھا اس طرح ہر طرف بادشاہ ننگا ہے، کی باتیں ہونے لگیں...... اسی طرح خلیفہ رابع کو بھی دو ہشیار جولاہوں نے بیعتوں کا لباس پہنایا اور ان کے مربیوں اور امراء نے وزیروں والا کردار ادا کیا' کہ کہیں ایک بھی احمدی نظر نہ آنے کے باوجود احمدیت کے ہزاروں پروانوں کے غول کے غول حضور کی چراگاہ میں چرتے ہوئے دکھا دیے اور خلیفہ رابع بھی اس بادشاہ کی طرح جس کو ننگا ہونے کے باوجود پورا یقین تھا کہ لباس پہنا ہوا ہے' کوئی نیا احمدی نظر نہ آنے کے باوجود بھی' یہ یقین کر بیٹھے کہ واقعی سیلاب کی طرح بیعتیں آ رہی ہیں' پہلے ہزاروں' پھر لاکھوں' پھر کروڑوں بیعتوں کا اعلان کرنا شروع کر دیا حالانکہ پوری دنیا میں' ہر جماعت میں ہر شخص دیکھ رہا تھا کہ سوائے جعلی کارروائی کہ کہیں کوئی بیعت نہیں ہے' مگر کوئی بھی منہ نہیں کھول رہا تھا کہ کہیں جماعت کے یہ بڑے بڑے بزرجمہر اس کے اخلاص پر شبہ کرتے ہوئے اسے منافق نہ قرار دے دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں اس کا جماعت کی رُکنیت کا سرٹیفکیٹ ہی نہ روک لیا جائے۔

1- کیا حقیقت میں سترہ (17) کروڑ احمدی اس دنیا میں آج موجود ہیں؟ بیعتوں کی اصل حقیقت کیا ہے؟ جس بھی امیر یا مشنری نے سب سے زیادہ بیعتیں کرائی ہیں، انھیں ماڈل کے طور پر

جماعتوں میں متعارف کرایا جائے' اور جنھوں نے غلط بیانی سے کام لے کر خلیفہ وقت کو دھوکا دیا اور جماعت کی بدنامی کا باعث بنے، انھیں بے نقاب کیا جائے۔

-2 خاندان مسیح موعود کے وہ افراد جو کسی بھی وجہ سے جماعت کی بدنامی کا باعث بنے' اور وہ بھی جو شراب' جوئے' زنا اور دھوکا دہی میں ملوث تھے یا ہیں ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ایک عام احمدی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مرزا طاہر احمد کی طرف سے جماعت کا ہر سال کروڑوں میں اضافہ ہونے کے انتہائی مبالغہ آمیز اور کاذبانہ دعووں سے قطع نظر (مرزا طاہر احمد کے ان دعووں کا بھرپور تجزیہ کیا جائے گا) اگر جماعت کو مجموعی طور پر چند لاکھ کی تعداد کے باوجود 14 کروڑ ہی مان لیا جائے تب بھی ان کے غلبہ کے دعووں سے ان کی سچائی ثابت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ عیسائی دنیا گزشتہ دو ہزار سال سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور ان کی خدائی میں شریک مانتی ہے۔ دو ہزار سال سے ان کی تعداد مسلسل بڑھ رہی ہے اور آج دنیا میں سب سے زیادہ تعداد ان کی ہے' سب سے زیادہ ظاہری شان وشوکت اور حکومت (وہ حکومت جس کے حصول کے لیے مرزا محمود ساری زندگی تڑپتے رہے) دنیا بھر میں عیسائیوں کے پاس ہے۔ ان کے بے شمار چرچ' تبلیغی مشن ہاؤس' مشنری دنیا بھر میں عیسائیت کو پھیلا رہے ہیں۔ اس کے باوجود نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بیٹا ہیں اور نہ ہی موجودہ عیسائیت حضرت عیسیٰ کا اصل مذہب ہے۔ اس لیے محض اپنی 50 لاکھ تعداد کو 14 کروڑ کہہ دینے سے غلبہ ملتا ہے اور نہ ہی ایم ٹی اے چینل پر مذہبی ایکٹنگ کرنے سے احمدیت پھیل رہی ہے اور نہ ہی ایسا کوئی نام نہاد غلبہ سچائی کی دلیل بن سکتا ہے۔

جماعت احمدیہ جرمنی کا نیا امیر

جماعت احمدیہ جرمنی ایک عیسائی کے نام سے جرمنی میں رجسٹرڈ کرائی گئی ہے۔ جماعت کے موجودہ امیر کا ظاہری اسلامی نام عبداللہ واگس ہاؤزر بتایا جاتا ہے لیکن یہ ایسے ہی ہے جیسے فلمی اداکاروں کے اصل نام کچھ اور ہوتے ہیں اور لوگوں کے لیے فلمی نام کچھ اور ہوتے ہیں۔ جماعت کی رجسٹریشن جو یہاں کرائی گئی ہے اس میں ان کا جماعتی (فلمی) نام عبداللہ واگس ہاؤزر نہیں بلکہ اصلی نام **Hans Peter Uwe Wagishauser** ہے۔ اسی نام سے دستخط کیے گئے ہیں۔ جماعت کی طرف سے جماعت کے نئے دستور **Constitution** (اسے جرمن زبان میں **Satzung** کہتے ہیں) کی درخواست میں ایسا ہی ریکارڈ پر موجود ہے۔ اسی دستور میں لکھا ہے کہ جماعت کے چندہ جات لازمی نہیں ہیں بلکہ مرضی ہے تو دیں ورنہ بے شک نہ دیں۔ جبکہ سارے احمدی جانتے ہیں کہ مسیح موعود کے لازمی چندہ جات کے بعد کتنے چندوں کا بوجھ دن بدن بڑھایا جا رہا ہے اور اسے جگا ٹیکس کے طور پر وصول کیا جاتا ہے۔

خیانت

مغل شہزادوں کی عیش و عشرت اور آرام اور ربوہ کے احمدی عوام الناس کی بے وقعتی کا اندازہ ایک چھوٹی سی پرانی خبر سے لگایا جا سکتا ہے۔ ربوہ میں ایک اوورسیئر ہوا کرتے تھے۔ ان کا نام چوہدری غلام حسین تھا۔ ان کے خاندان کی بڑی جماعتی خدمات تھیں۔ تن من دھن سے جماعت کی خدمت میں جتے ہوئے چوہدری غلام حسین اوورسیئر کو ایک دن دل کا دورہ پڑا۔ ایمرجنسی میں جماعت کی واحد ایمبولینس منگائی گئی تو پتہ چلا کہ حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب ایمبولینس لے کر شکار کھیلنے گئے ہوئے ہیں۔ قومی امانت کو اصل مقصد کے بجائے ذاتی عیاشی کے لیے استعمال کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوورسیئر چوہدری غلام حسین بروقت طبی امداد نہ ملنے کے باعث مر گیا۔ ربوہ کے مکینوں کے لیے بے حسی اور اپنی عیش کے لیے جماعتی امانتوں میں خیانت کی ہزاروں مثالوں میں سے یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔

''میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا''

''میرے نانا صاحب گرامی 80ء کی دہائی کے اوائل میں ماہ فروری میں نارووال میں رحلت فرما گئے۔ اطلاع ملنے پر میری والدہ اور میرے بڑے بھائی کے ہمراہ میرا بغرض جنازہ وہاں جانا طے پایا۔ وہاں پہنچ کر مقامی اور غیر مقامی افراد کا ایک انبوہ دیکھنے کو ملا' نانا جان چونکہ ایک فدائی و شیدائی احمدی تھے اس لیے انھوں نے اپنی رہائش بھی احاطہ مسجد میں بنے ایک کمرے میں بمع نانی جان رکھی ہوئی تھی چونکہ جنازہ اگلے روز پڑھنا طے پایا تھا اس لیے جو افراد اس غرض سے تشریف لائے تھے ان کی اکثریت ساتھ والے گھروں میں رہائش پذیر ہوگئی۔ مربی سلسلہ جناب ہادی علی چوہدری صاحب کی راہ دیکھی جا رہی تھی، عالی مرتبہ شام کو تشریف لائے تو یہ جان کر کہ جنازہ کل پڑھنا طے پایا ہے، کافی سیخ پا ہوئے۔ خیر ان کی شب بسری کا انتظام دوسرے احباب کے ہمراہ مسجد میں کر دیا گیا اور حضرت مآب کے لیے عین محراب کے سامنے جگہ مخصوص کی گئی۔ شومئی قسمت کہ میرے بڑے بھائی جو کہ میرے ہمراہ پہلے سے ہی وہاں لیٹے ہوئے تھے چونک گئے اور بولے کہ یار یہ بندہ صحیح نہیں ہے، اگر یہ یہاں سویا تو میں بھاگ جاؤں گا۔ اسی دوران ہادی علی صاحب مسجد میں داخل ہوئے اور اپنی مخصوص جگہ پر آ کر لیٹ گئے۔ میرے بھائی حسب وعدہ اٹھ کر وہاں سے باہر چلے گئے۔ میں تعاقب میں گیا اور معاملہ جاننا چاہا تو بھائی بولے کہ جب ہم یہاں رہتے تھے تو ابو کے ان سے بہت اچھے مراسم تھے جس کی وجہ سے جماعتی امور کے سلسلے میں جب بھی مربی صاحب یہاں آتے ہمارے ہاں ہی ٹھہرتے۔ ابو نے مجھے کہہ رکھا تھا کہ یہ جب بھی تشریف لائیں میں ان کا بہت خیال رکھوں تب سے یہ خبیث میرے کمرہ میں ہی رات کو سوتا تھا اور ساری ساری رات مجھے پریشان کرتا تھا، کبھی یہ میرے بستر میں آ دھمکتا اور کبھی مجھے اپنے بستر میں آنے کی دعوت دیتا، ساری رات نہ خود سوتا اور نہ یہ

مجھے سونے دیتا جب میرے انکار پر اس کا کچھ نہ بن پاتا تو مجھے کہتا کہ چلو تم جیتے میں ہارا اب تم جو چاہو کر لو اور میں ہاتھ جوڑ لیتا' باعث ندامت میں نے کسی سے بھی اس بات کا ذکر آج تک نہیں کیا اور اگر اب یہ بندہ پھر یہاں میرے ساتھ سوئے گا تو یہ پھر ویسی ہی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں نے بھائی کو تسلی دی اور کہا کہ ایک تو یہ خدا کا گھر ہے اور دوسرا اور بھی بہت سارے لوگ یہاں سو رہے ہیں اور پھر میں بھی پاس ہی ہوں اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں، بھائی مان گیا اور میں احتیاط برتتے ہوئے دونوں کے درمیان سو گیا۔ پونے تین بجے رات اچانک ایک زناٹے دار تھپڑ کی آواز کے ساتھ ہی گھبرا کر میں اٹھ بیٹھا' ساتھ ہی کسی نے لائیٹ آن کر دی' کیا دیکھتے ہیں کہ مربی صاحب اپنی جگہ چھوڑ کر میرے بھائی کے پہلو میں آدھے ننگے لیٹے ہوئے رجولیت کی طاقت کا اظہار کرتے ہوئے احمدیہ تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کی کوشش میں مصروف تھے۔ سب کے جاگ جانے کے بعد وہاں کافی تماشا ہوا اور اکثر احباب بغیر نماز جنازہ پڑھے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ یہ ہادی علی چوہدری صاحب وہی مربی ہیں جو لندن میں خلیفہ وقت مرزا طاہر صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری بنے اور بعد میں مربیوں کے باس یعنی وکیل التبشیر بھی رہے۔ ماشاء اللہ!

اُف یہ تبلیغ جسے دیکھ کے جی ڈرتا ہے
کیا مسافر تھے جو اس راہ گزر سے گزرے

جماعت کی اخلاقی حالت کا ایک نمونہ

10 اپریل 1996ء کو جرمنی کے ایک شہر Langen میں واقع Cafe Dolomiti میں جنسی بے راہروی کا ایک نہایت شرمناک واقعہ ہوا تھا۔ تب جماعت کی لجنہ اماء اللہ کی نیشنل مجلس عاملہ کی ایک اہم سیکرٹری کے خاوند' جو خود بھی نیشنل جنرل سیکرٹری رہ چکے ہیں اور جو جرمنی میں مرزا طاہر احمد کی تقریروں کا ساتھ ساتھ جرمن ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہے ہیں (ہم لجنہ کی نیشنل سیکرٹری اور ان کے نیشنل جنرل سیکرٹری شوہر کے نام احتراماً نہیں دے رہے) مذکورہ شخص جو عمر کے لحاظ سے خاصے بزرگ ہیں' مذکورہ کیفے میں گئے۔ وہاں ایک احمدی عورت' جو ربوہ گولبازار کے ایک معروف دوکاندار کی بیٹی ہے' کے ساتھ ''ملاقات'' کا وقت طے تھا۔ ملاقات کے دوران پہلے عورت اور پھر مرد ٹوائلٹ کے بہانے تہہ خانے میں چلے گئے۔ کیفے کے کاؤنٹر کلرک نے جب دیکھا کہ واپسی میں دیر ہو گئی ہے تو نیچے جا کر ان کی تلاش میں ٹوائلٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ جب ٹوائلٹ کا دروازہ کھلا تو عورت اپنے کپڑے درست کرتی ہوئی اور مرد بزرگ پتلون کی بیلٹ باندھتے ہوئے باہر نکلے۔ مغرب میں سیکس کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اس سلسلے میں کسی تیسرے فرد کی طرف سے کسی مداخلت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن ''سیکس اِن ٹوائلٹ''؟.......... کیفے میں موجود تمام لوگوں کے لیے یہ کوئی اخلاقی مسئلہ نہیں بلکہ ایک مضحکہ خیز صورتحال تھی چنانچہ سب لوگوں نے دل

کھول کر قہقہے لگائے۔ یہ واقعہ دوپہر گیارہ بجے سے بارہ بجے کے درمیان ہوا تھا۔ جرمنی کے مشنری انچارج سے لے کر نیشنل امیر تک سب کو اس واقعہ کا علم ہے۔

مالِ مفت دلِ بے رحم!

ربوہ (چناب نگر) سے ایک خاتون (لجنہ) نے ماہنامہ مصباح کے چند تراشے ارسال کیے ہیں جو 1957ء کی اشاعت سے ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ جب میں احمدی آرگ پر جماعتی نظام، چندے کا عمومی مصرف اور خاندان مسیح موعود کا خصوصی، چندے کا غلط استعمال کے بارے میں پڑھتی تھی تو مجھے کبھی یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سائٹ سچ لکھ رہی ہے مگر جب میں نے خود اپنی آنکھوں سے روزنامہ الفضل کی اشاعت ماہ جنوری 1998ء میں بحوالہ مصباح یہ مضمون پڑھا ''ہماری تاریخ۔ بیگم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب، یورپ کے چند ممالک کی سیر'' تو میری آنکھیں کھلی کھلی رہ گئیں کہ ہمیں تو ہر دم یہی نصیحت سننے کو ملتی ہے کہ سادگی اختیار کرو، سادہ زندگی بسر کرو اور اپنا پیٹ کاٹ کر بھی جماعت کے لیے مالی قربانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لو، مگر جب میں نے اسے پڑھا کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب خلیفہ ثانی علاج کی خاطر یورپ گئے تھے اور جماعت کے پاس اتنا فنڈ بھی نہیں تھا کہ علاج کا پورا بوجھ برداشت کر سکتی اور اس وقت اگر میں غلط نہیں تو حضور کو بعض جماعت کے مخیر احباب نے قرض بھی دیا تھا یا حضور نے لیا تھا، جبکہ خالصتاً جماعت کے پیسے پر جانے والے لوگوں نے کس طرح وہاں عیاشیاں کیں، کہاں کہاں ٹھہرے، کن کن ریسٹورانوں میں کھانے کھائے، اگر خاندان مسیح موعود کے پاس روپے پیسے کی اتنی فراوانی تھی تو نوبت قرض کی کیوں آئی؟ یہی پیسے چندے میں کیوں نہ دیے؟ کیا خاندان مسیح موعود پر چندہ واجب نہیں؟

بیگم صاحبہ لکھتی ہیں

''خلیفہ ثانی سے فون پر طے کر لیا تھا کہ ہم آ پکورائن ہوٹل **(Rhine Hotel)** میں ملیں گے...... یہاں سے ہم نے اکٹھے ہالینڈ روانہ ہونا تھا...... ہمارا پروگرام یہ تھا کہ دوپہر کا کھانا سینٹ پیٹرز برگ **(St Petersberb)** کے ایک ہوٹل میں کھائیں گے، اس ہوٹل کی خوبصورتی کی ایک دوست سے بہت تعریف سن چکے تھے، اس لیے وہاں جانے کا بہت شوق تھا...... کھانا وغیرہ کھا کر ہم لوگ ہوٹل کے ساتھ جو خوبصورت جنگل ہے، اس میں سیر کرتے رہے اور تصویریں لیں۔ یہاں سے **(Bed godesberg)** کے لیے روانہ ہوئے جہاں ہم نے حضرت ماموں جان (خلیفہ ثانی مرزا محمود صاحب) کو ملنا تھا، اس ہوٹل میں ہماری پہلے ہی بکنگ ہوئی ہوئی تھی...... پانچ بجے کے قریب ہم ہیگ پہنچ گئے یہاں جس کوٹھی میں رہائش کا انتظام کیا ہوا تھا، وہاں جماعت کے بہت سے دوست اور کچھ مستورات حضرت صاحب کے استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے، مکان میں چونکہ جگہ کم تھی اس لیے ہم ہوٹل میں ٹھہرے...... چوہدری صاحب (ظفر

اللہ خان صاحب) نے اس ہوٹل کی بہت تعریف کی...... نہایت ہی خوبصورت ہوٹل تھا، ہوٹل کے سامنے بہت خوبصورت جھیل تھی جس میں بطخیں اور مرغابیاں تیرتی پھرتی تھیں...... ہیگ میں ہم بارہ دن ٹھہرے رات کو اپنے ہوٹل چلے جاتے تھے...... بہت پُرلطف دن گزرے...... میں جتنا لطف وہاں اٹھا سکتی تھی باوجود اتنے دلچسپ ماحول کے اتنا لطف نہ اٹھا سکی، روز شام کو سیر کے لیے چلے جاتے تھے، ایک دو دفعہ شاپنگ کے لیے بھی گئے...... ہیگ کے قیام کے دوران ہم تین روز کے لیے ہیمبرگ (جرمنی) گئے...... دو تین دفعہ ہیمبرگ میں دکانوں پر گئے...... چوتھے دن ہم ہیمبرگ سے پھر واپس ہیگ آ گئے...... اس دفعہ آ کر ہمیں ہوٹل سمندر کے کنارے ملا، کمرے کے بالکل سامنے کمرے کی چوڑان کے برابر ایک شیشے کی کھڑکی تھی جس میں سے تمام سمندر کا نظارہ نظر آتا تھا، اور کھڑکی کے باہر بالکونی سی بنی ہوئی تھی جہاں میز کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور وہاں بیٹھ کر ساحل کا نظارہ بہت خوبصورت لگتا تھا۔''

(سائٹ)...... محترم قارئین: اس مضمون کو مکمل پڑھنے کے لیے آپ ''روزنامہ الفضل ربوہ کے ماہ جنوری 1998ء کے شمارہ جات ملاحظہ کر سکتے ہیں یا ماہنامہ مصباح کے 1957ء کے شمارے، اس مضمون کے حوالے سے ہم آپ کی توجہ اس طرف دلانا چاہیں گے کہ وہ لوگ جو اشاعت اسلام کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر اپنے بچوں کے منہ سے نوالہ نکال کر صرف اور صرف اللہ کی خاطر اپنا مال جماعت کو دیتے ہیں، کیا وہ ایسی پُرتعیش اور رنگین کہانیوں کے متحمل ہو سکتے ہیں؟ ان کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی جب وہ یہ پڑھتے ہوں گے کہ ''سمندر کے کنارے ہوٹل میں قیام جہاں سے سمندر کا حسین نظارہ اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، دل کو لبھا لینے والے نظارے'' جب کہ خود وہ لوگ جن کے پیسے پر یہ تمام عیاشیاں اور ان کے بچے ربوہ کی آگ برساتی دوپہر میں ننگے پاؤں ننگے سر، کلرزدہ مٹی کا غسل کرتے ہوئے سکول سے گھر کو لوٹتے ہیں، ربوہ کے باسی جب کھانا کھاتے تو ان کے لقموں میں ربوہ کی کلرزدہ مٹی بھی شامل ہوتی، جبکہ خاندان مسیح موعود کے افراد انہی ذہنی و جسمانی غلاموں کے روپے پیسے پر ہالینڈ اور جرمنی کے ان ریستورانوں میں ان کھانوں سے اپنی اشتہاء مٹا رہے ہوتے جن سے یورپ کے امرا اپنی امارت کا اظہار کرتے ہیں۔ آج بھی صورت وہی ہے بلکہ آج کل لوگوں کو نہیں، سربراہوں کو اپنی مالی حیثیت سے متاثر کیا جاتا ہے، غریب لوگوں سے وصول کیے ہوئے چندے سے سربراہوں کو قیمتی تحائف سے نوازا جاتا ہے۔ خاندان مرزا غلام احمد کے افراد کے ناموں پر جتنی جائیداد اور دنیا کے مختلف ممالک میں فکسڈ ڈپازٹ ہیں، کیا وہ بتا سکتے ہیں یہ کیسے اور کہاں سے رقم لے کر ایسا ہوا؟ مرزا غلام احمد کے خاندان کا ہر فرد کروڑوں کا مالک ہے۔ اور یہ تمام روپیہ پیسہ جماعت کے چندہ کا ہے، جماعت کے خون پسینے کی کمائی کا ہے جس پر یہ غاصب خاندان قابض ہے اور مسلسل سادہ لوح لوگوں کا استحصال کیے جا رہا ہے، اور مالی قربانی کے نام پر آج بھی ان کے گلے کاٹے جا رہے ہیں۔

میں نے ربوہ دیکھا

شورشِ زہد بپا ہے میں کہاں آ نکلا
ہر طرف مکر و ریا ہے میں کہاں آ نکلا
نہ محبت میں حلاوت' نہ عداوت میں خلوص
نہ تو ظلمت' نہ ضیا ہے' میں کہاں آ نکلا
چشم خود بیں میں نہاں حرص زر و گوہر کی
کذب کے لب پہ دعا ہے' میں کہاں آ نکلا
راستی لحظہ بہ لحظہ ہے رواں سوئے دروغ
صدق پابند جفا ہے' میں کہاں آ نکلا
دن دہاڑے ہی دکانوں پہ خدا بکتا ہے
نہ حجاب اور نہ حیا ہے' میں کہاں آ نکلا
یاں لیا جاتا ہے بالجبر عقیدت کا خراج
کیسی بے درد فضا ہے میں کہاں آ نکلا
خندہ زن سفلگی ہے اس کی ہر ایک سلوٹ میں
یہ جو سرسبز قبا ہے' میں کہاں آ نکلا
دلنوازی کی ہواؤں کے پھریروں کے تلے
جانے کیا رینگ رہا ہے' میں کہاں آ نکلا
عجز سے کھلتی سمٹتی ہوئی باچھوں پہ نہ جا
ان کے سینوں میں دغا ہے' میں کہاں آ نکلا
یہ ہے مجبور مریدوں کی ارادت کا خمار
یہ جو آنکھوں میں جلا ہے' میں کہاں آ نکلا
قلب مومن پہ سیاہی کی تہیں اتنی دبیز
ناطقہ سہم گیا ہے' میں کہاں آ نکلا
الغرض یہ وہ تماشا ہے جہاں خوفِ خدا
چوکڑی بھول گیا ہے' میں کہاں آ نکلا

(ثاقب زیروی)

یاسر مرزا ابن مرزا افضل مشنری کینیڈا کی سرگرمیاں

کینیڈا سے ملنے والی ایک خبر کے مطابق وہاں پر جماعت کے اعلیٰ عہدیداران کی اولادیں بڑی حد تک بگڑ چکی ہیں۔ اس سلسلے میں ایک تازہ مثال یہ معلوم ہوئی ہے کہ وہاں کے ایک مشنری صاحب مرزا افضل ہیں۔ ان کا ایک بیٹا یاسر مرزا نامی ہے۔ اسکول کا طالب علم ہے۔ اس کے اسکول کا نام ہے: Glenforset High School یہ اسکول Fieldgate Mississauga میں واقع ہے۔ اس کی ہر طرح کی لڑکیوں سے دوستی ہے۔ ہر ہفتے یا زیادہ سے زیادہ دو تین ہفتے کے بعد اس کے ساتھ ایک نئی لڑکی ہوتی ہے۔ اسکول کے احمدی طلبہ و طالبات سمیت کئی احمدیوں نے یاسر مرزا ابن مرزا افضل مربی سلسلہ کو لڑکیوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالنے کی حد تک تو سرِ عام دیکھا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنی بہن کے سامنے بھی ایسی حرکتیں کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ خبر کے مطابق حال ہی میں (دو ہفتے پہلے) اسکول میں ایک حنا پروگرام تھا۔ اس پروگرام میں اس کی بہن بھی شریک تھی۔ مگر یہ وہاں جا کر وہاں سے ایک لڑکی کو ساتھ لے کر پروگرام سے غائب ہوگیا۔ اگر چہ اس خبر میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اسے درج کرنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ جماعت اپنی پاکیزگی کے دعوے نہ کیا کرے۔ یورپ اور امریکہ کینیڈا میں جماعت کا مجموعی کردار اتنا گندہ ہو چکا ہے کہ اب یہ واقعی خلیفہ زانی مرزا محمود کی جماعت کے افراد لگتے ہیں۔ یہ جماعت اک شجر ہے جس کو محمودی صفت کے پھل لگے۔ یہ تو پھر نوجوانوں کی باتیں ہیں' یہاں تو اعلیٰ عہدیداران' مشنریز اور دیگر احباب بھی اپنی اپنی توفیق اور وسائل کے مطابق خشوع وخضوع سے جنسی غلط کاریوں میں مصروف ہیں۔

مرزا محمود احمد کا ایک قابل تقلید نیک عمل

''جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں گا۔ قیام انگلستان کے دوران مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے' کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں جہاں یورپین سوسائٹی عریاں نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے مگر مجھے ایک اوپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے۔ اسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا: کیا یہ ننگی ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ ننگی نہیں۔ بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے ننگی معلوم ہوتی ہیں'' (بحوالہ اخبار ''الفضل'' شمارہ 28 جنوری 1924ء)

محرم اور غیر محرم میں فاصلہ

جرمنی سے موصولہ ایک اطلاع کے مطابق جرمنی کی جماعت کے نیشنل امیر پیٹر واگس ہاؤزر اور فوزیہ نوری کے بارے میں پہلے جو خبر دی گئی تھی' نئی اطلاع سے اس کی مزید تصدیق ہوتی ہے۔ اگر یہ خبر غلط ثابت ہو جائے تو ہم ہر سزا کو بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔ موصولہ اطلاع کے مطابق پیٹر واگس ہاؤزر نہ صرف نیشنل سیکرٹری جائیداد اسماعیل نوری کے گھر آتا جاتا ہے بلکہ اسماعیل نوری کی بیوی فوزیہ نوری نے اس کے سر میں تیل ڈال کر مالش بھی کی ہوئی ہے۔ یہ خبر سو فیصد سچ ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ اسلام میں محرم اور غیر محرم کے درمیان کتنے فاصلے کا تعین ہے؟ اور کیا کسی خاتون کا کسی غیر محرم کے سر میں تیل ڈالنا جائز ہے؟ ابھی بات سر کے بالوں سے شروع ہوئی ہے...... یہ کہانی دور تک جانے والی ہے۔

سکھوں سے شادیاں اور ناجائز مراسم

جرمنی میں مقیم ایک احمدی کی بال بچوں والی بیوی نے ایک سکھ سے جسمانی تعلقات قائم کر لیے اور کھلے عام اس کے ساتھ رہنے لگی۔ عورت کے خاوند نے جماعتی طور پر کارروائی کرنا چاہی تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بیوی کی نظام جماعت کے لندن مرکز تک رسائی ہے۔ چنانچہ جماعت کا فیصلہ خاوند کے خلاف ہوا۔ خاوند نے عدالت سے رجوع کیا۔ شاید یورپی عدالتوں میں ایسے کیس نہ ہونے کے برابر ہوں کہ 18 سال سے کم عمر کے بچوں کو عورت کے مقابلہ میں مرد کے حوالہ کر دیا جائے۔ عدالتی فیصلہ خاوند کے حق میں ہوا اور اسے اس کے بچے دے دیے گئے۔ تب نظام جماعت نے اسے غیر علانیہ طور پر زیر عتاب رکھ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیوی کی بدکاری سے دُکھی شخص جماعت کے غیر انسانی اور غیر اسلامی رویے سے دلبرداشتہ ہو کر دل کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا اور اسی بیماری میں چل بسا۔ اس کی سابقہ بیوی آج بھی اسی سکھ کے ساتھ رہتی ہے۔ مذکورہ شوہر کے ناروے میں مقیم رشتہ داروں کا کہنا ہے کہ نظام جماعت ہی اس کے گھر کی بربادی اور اس کی ہلاکت کا موجب بنا ہے اور قدرت کی طرف سے مرزا طاہر احمد کو اسی جرم کی یہ سزا ملی ہے کہ اس کی بیٹی کا خاوند مرزا لقمان احمد بھی اب ایک سکھ عورت کے ساتھ رہتا ہے اور مرزا طاہر کی بیٹی بھی ویسی ہی اذیت میں مبتلا ہے جیسی اذیت میں اس کے نظام جماعت نے مذکورہ بالا مرحوم خاوند کو مبتلا کیا تھا۔

حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی بھاگ جانے والی بیویاں

حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان' جو نظام جماعت کے ایک بڑے فدائی تھے، ان کی ایک بیوی باقاعدہ طور پر گھر سے بھاگ گئی تھی۔ بعد میں اس نے ایک اور مشہور احمدی صنعتکار (شاہنواز، شیزان کے مالک) سے شادی کر لی تھی۔ نظام جماعت نے اس غیر اخلاقی حرکت میں ملوث کسی فرد کو کوئی سزا نہیں دی۔ مذکورہ صنعت کار کے اداروں کے اشتہار آج بھی جماعتی رسائل میں چھپتے رہتے ہیں۔ حضرت سر

چوہدری محمد ظفر اللہ خان کی ایک اور بیوی جو پہلے ان کی سیکرٹری تھی' پھر انھوں نے اس سے شادی کر لی تھی، وہ انگلینڈ میں ایک نوجوان سے جسمانی تعلقات قائم کر بیٹھی اور حضرت سر چوہدری محمد ظفر اللہ خان کو مجبور کیا کہ انھیں طلاق دے دیں۔ چنانچہ حضرت چوہدری صاحب کو ایسا ہی کرنا پڑا۔

احمدی لڑکی کی شادی یا جماعت کے مشنری کا ''پیپر میرج'' کرانے کا فراڈ

کینیڈا میں گنتی کے جو چند گورے احمدی کیے گئے تھے، ان میں سے ایک آئزک (اسحاق) صاحب بھی ہیں۔ آپ جماعت کے مربی بھی ہیں۔ ان آئزک صاحب کی شادی ایک پاکستانی خاتون بشریٰ سے کر دی گئی۔ اب کچھ عرصہ پہلے پاکستان میں مقیم بشریٰ کے بھائی اور کینیڈا کے مذکورہ مربی آئزک صاحب کے سالے عبدالرؤف نامی جوان کی شادی ایک احمدی لڑکی کے ساتھ طے کرائی گئی۔ سال ڈیڑھ سال کی کاغذی کارروائی کے بعد جیسے ہی لڑکا کینیڈا پہنچا اس نے آتے ہی شادی سے انکار کر دیا۔ بھید کھلا کہ پہلے ہی سے ان لوگوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ شادی کو صرف کینیڈا کے ویزے کے طور پر استعمال کیا جائے گا اور کینیڈا پہنچتے ہی لڑکی کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں جماعتی طور پر فریقین میں جھگڑا چل رہا ہے۔ اس کا شرمناک ترین پہلو یہ ہے کہ جماعت کے بعض عہدیداران لڑکی والوں پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی اس لیے آدھا حق مہر دلا دیتے ہیں۔ نسیم مہدی سے کنفرم کر لیجیے کہ اس وقت پاکستان سے کسی ایجنٹ کے ذریعے کینیڈا پہنچنے کے لیے کم از کم پندرہ لاکھ روپے لگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک طرف آئزک مربی کی بیوی اور سالے کی مکاری سامنے آتی ہے کہ ایک احمدی بچی کی زندگی کو تاش کا پتہ سمجھ کر کھیلنے کی کوشش کی۔ دوسری طرف یہ المیہ ہے کہ جماعت سارے حالات جانتے ہوئے ایسا فیصلہ کرنے پر زور دے رہی ہے جو سراسر احمدی بچیوں کی توہین کا فیصلہ ہے۔

جنسی بدکاریوں کا ڈنکا

جرمنی میں ابھی تک جتنے اعلیٰ عہدیدار موجود ہیں یا اعلیٰ عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں، ان میں سے طاقتور عہدیداروں میں ایک قدرِ مشترک پائی جاتی ہے۔ وہ انسانی اسمگلنگ کے جرم میں باقاعدہ طور پر ملوث رہے ہیں اور بعض ان میں سے نشہ باز بھی ہیں۔ مثلاً عاقل خان جو نیشنل سیکرٹری امور عامہ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز تھے۔ عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے انسانی اسمگلنگ کے بنیادی اسکینڈل میں گرفتار ہوئے۔ سزا پائی اور سرکاری جیل سے سزا بھگت کر نکلے۔ ان کے بعد عبدالسبحان طارق نیشنل سیکرٹری امور عامہ بھی انسانی اسمگلنگ کا کاروبار ''خدمت دین'' کے طور پر کرتے رہے۔ ان کے دست راست جعلی ڈاکٹر وسیم پارٹ ٹائم طور پر یہ کاروبار کرتے رہے۔ خود انھوں نے اپنی سالی کو پاکستان سے بلایا تو اپنی بیوی کے پاسپورٹ پر اپنی بیوی کے طور پر بلایا۔ (بعد میں آدھی گھر والی کو پوری گھر والی سمجھے رہے یا نہیں...... یہ الگ کہانی ہے جو پھر

سہی) پھر اپنے بھتیجے کو اپنے بیٹے کے پاسپورٹ پر بیٹے کے طور پر لے کر آئے اور اسے اپنے گھر میں باقاعدہ غلام کے طور پر رکھا ہوا ہے۔ زبیر احمد خلیل پاکستان میں فوج میں اچھے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھا کر باقاعدہ انسانی اسمگلنگ کرتے رہے۔ ان کے خلاف پاک فوج میں کارروائی ہونے لگی تو ملک چھوڑ کر نکل گئے۔ یہ چند مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جماعت جرمنی میں خصوصی طور پر انسانی اسمگلنگ کرنے والوں اور اس جرم میں دلچسپی لینے والوں کو اعلیٰ عہدوں کے لائق سمجھا جاتا ہے۔ نشہ بازی میں یوں تو کئی عہدیدار مبتلا ہیں۔ عبدالسبحان طارق کی شراب نوشی کی داستانیں اب ہر کوئی سناتا پھرتا ہے۔ خود نیشنل امیر پیٹر واگس ہاؤزر اور ہدایت اللہ نشہ باز رہ چکے ہیں۔ ممکن ہے نیشنل امیر پیٹر واگس ہاؤزر کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ احمدیت قبول کرنے سے پہلے نشہ کرتے تھے' اب نشہ نہیں کرتے لیکن ان کے صاحبزادے بھی نشہ باز ہیں۔ یہ محض الزام نہیں ہے۔ میڈیکل چیک اپ سے ان کے بیٹے کا نشہ باز ہونا ثابت ہوسکتا ہے۔ ناصر باغ میں کئی بار اسے سر عام سگریٹ میں چرس بھر کر پیتے دیکھا گیا ہے۔ اعلیٰ عہدیداروں کی جنسی بدکاریوں کی داستان الگ سے ہے۔ ہر عہدیدار اپنے عہدے اور اپنی عمر کے مطابق جماعت کی سرگرم خواتین کے ساتھ مشغول ہے اور یوں تبلیغی سرگرمیوں سے دین کا ڈنکا بج رہا ہے۔

بڑے میاں سو بڑے میاں' چھوٹے میاں سبحان اللہ

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے خاص رفیق اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے پہلے مبلغ مفتی محمد صادق صاحب جب امریکہ گئے تو وہاں مالی مشکلات کی وجہ سے انھیں رہائش کی مشکل پیش آئی' بچت کی خاطر بطور پیئنگ گیسٹ ایک امریکن خاتون کے مکان میں اس کے ساتھ رہنے لگے۔ اکیلی عورت اکیلے مولوی صاحب' رنگین موسم' جوان راتیں اوپر سے تنہائی، عورت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو رات کو بستر اٹھا کر مولوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ میں بھی حسین اور تم بھی جواں تو پھر دیر کس بات کی؟ مولوی صاحب نے **لاحول ولا** پڑھا اور پاکستان اپنے گرو مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سے رابطہ کیا اور مشورہ چاہا، گرو اس کام کے کاریگر تھے، انھوں نے مشورہ دیا کہ نکاح کر لو منافع ہی منافع ہے آم کے آم گٹھلیوں کے دام۔ چنانچہ مولوی صاحب نے چند دوست بلائے' نکاح پڑھا اور مرغی حلال کر لی۔ وقت خوبصورتی سے گزر رہا تھا، تبلیغ احمدیت عروج پر تھی کہ ایک روز عورت ہاتھ میں ٹیلیگرام لیے چیختی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی مولوی صاحب سامان اٹھاؤ اور جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے تیر ہو جاؤ کیونکہ میرا خاوند چھٹیوں پر آج ہی گھر واپس آ رہا ہے۔ مولوی صاحب جو شاید نکاح سے قبل عورت سے یہ پوچھنا بھول گئے تھے کہ وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ' ناچار جلدی میں جو ہاتھ آیا سامان سمیٹا اور بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے کہتے ہوئے کہیں اور روانہ ہو گئے۔ وقت گزرا مولوی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے، ان کا ہونہار بیٹا احمد صادق مبلغ بنا اور امریکہ تعینات ہوا چونکہ بڑے نام ور شخصیت کی اولاد تھی سوچا کہ

باپ کی طرح کوئی بڑا کام کروں، بیوی کی لاکھوں ڈالر کی لائف انشورنس کروا کر پاکستان بھجوادیا اور تھوڑا عرصہ بعد پاکستان سے جعلی ڈیتھ سرٹیفکیٹ منگوا کر کلیم کر دیا انشورنس سے رقم لی اور امیر ہو گئے۔ کسی نے شکایت کی یا انشورنس کمپنی کو شک گزرا تو انھوں نے اپنا نمائندہ ربوہ ان کے گھر ایک گفٹ پیکٹ دے کر بھجوایا کہ احمد صادق صاحب نے اپنی بیوی کے لیے تحفہ بھیجا ہے۔ بیوی نے دستخط کر کے تحفہ وصول کر لیا اور یوں احمد صادق صاحب تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچانے کے بجائے خود جیل پہنچ گئے اور والد محترم کی طرح نام روشن کر گئے۔

فرق

خاص اور عام مربیوں میں جو واضح فرق ہے، اس کی ایک چھوٹی سی جھلک یہ ہے کہ ربوہ میں ایک بڑی کلغی والے شاہی وفادار مبلغ ابوالمنیر نورالحق کے ایک بیٹے سے جب ربوہ کے چند احمدی لڑکوں نے بدفعلی کی تو جماعتی طریق کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کیس فوری طور پر پولیس کے حوالے کر دیا گیا اور مہینوں ملزموں کی ضمانتیں بھی نہیں ہونے دی گئیں اور فیصل آباد میں متعین ایک غریب مربی کی نوجوان بیٹی سے جب جماعت کے ایک بڑے نام ور ستون کے ایک بیٹے نے زیادتی کی تو صاحب زادے کو تو کچھ نہ کہا گیا البتہ مربی صاحب کو سندھ کے دور دراز ایک ایسے بیابان علاقے میں بھیج دیا گیا جہاں نہ دیوا تھا نہ بتی۔

شاہی ٹکڑوں پر پلنے والے

''وہ مربی جو بارسوخ ہیں جن کے تعلقات اعلیٰ سطح پر ہیں جن کے بڑوں نے خاندان مغلیہ کی بے پناہ خدمت کی ہوئی ہے ان کی بدکاریوں میں شامل رہے ہیں یا ان پر پردے ڈالتے رہے ہیں اور ہر انتخاب خلافت کے موقع پر شاہی خاندان کا ساتھ دیتے رہے ہیں، ایسے مربی امریکہ، کینیڈا اور یورپ کے رنگین ممالک میں تعینات ہیں اور ہر سیاہ سفید کے مالک ہیں، نہ یہ خدا سے ڈرتے ہیں اور نہ خدا کی مخلوق سے۔ ان کے ہاتھ اور زبانوں سے کوئی محفوظ نہیں، زندگی کی تمام آسائشوں سے مالا مال ہیں۔ گھر، گاڑی، پٹرول، ٹیلیفون، فیکس، ٹی وی، ویڈیو، سٹیریو موبائل فون، فرنیچر، اخبارات، میڈیکل فزیلیٹز اور ہر چیز مفت ملنے کے علاوہ معقول تنخواہ وصول کرتے ہیں، ان میں سے اکثر زیادہ گھی کھانے کی وجہ سے باؤلے ہو چکے ہیں، یہ خود کسی سے سلام نہیں لیتے، سلام کا جواب دینے کے بجائے صرف گردن ہلا دینا ہی کافی سمجھتے ہیں۔ چہرے پر ہر وقت تیوریاں چڑھائے رکھتے ہیں، نمازیوں کو بلاوجہ انتظار کروا کر نماز پڑھاتے ہیں، مسجد کے داخلی دروازے سے لے کر اگلی صف تک پہنچتے پہنچتے دو تین شرفاء کو بغیر وجہ کے جھڑک کر گزریں گے، خطبات میں حاضرین کو جھڑکیاں دینا فرض سمجھتے ہیں، بیماری کا بہانہ بنا کر روزہ نہیں رکھتے مگر افطار پارٹیوں میں سب سے آگے ہوتے ہیں، کھانا شروع کریں گے تو مرغ کی ٹانگ کو سب سے پہلے ہاتھ ڈالیں گے،

سفر کریں گے تو فرنٹ سیٹ پر بیٹھیں گے، اپنا بریف کیس ہمیشہ دوسرے کو پکڑائیں گے، کسی کے گھر دعوت پر جائیں گے تو خالی ہاتھ ہوں گے جبکہ واپسی پر دونوں ہاتھوں میں گفٹ پیکٹ ہوں گے۔"

تحریک جدید

"عبدالسبحان طارق صاحب ناظر امور عامہ (حقیقت میں ناظر عقوبت خانہ) کا کردار بچپن میں بھی نافع الناس تھا۔ ربوہ میں ریلوے روڈ پر دارالرحمت شرقی میں اپنی پھوپھی کے پاس رہتے تھے اور بڑے نرم، سفید اور...... ہوا کرتے تھے اور ان سے اس وقت فیض پانے والے ایک دوست نے بتایا ہے کہ آج کل ان کو کوئی پرانا فیض یافتہ نظر آ جائے تو اس کو ڈرانے، دھمکانے کا کام بہانے بہانے سے شروع کر دیتے ہیں تا کہ وہ دباؤ میں رہے اور کہیں پول نہ کھول دے۔ پچھلے دنوں میں ایک نے ان کا گریبان بھی پکڑ لیا تھا اور شنید ہے کہ ان کے دفتر میں کسی صاحب نے بآواز بلند ماں بہن کی گالیاں بھی دی تھیں۔"

گرم ترین خبر یہ ہے کہ ان کی اہلیہ صاحبہ جن کا خلیفہ کے خاندان سے تعلق اور رشتہ داری ہے، مکرمی امیر صاحب جرمنی کے ان کے ساتھ جنسی تعلقات کافی عرصہ سے قائم ہیں۔ اور یہ تعلقات بھی عبدالسبحان طارق کو اخراج سے نہیں بچا سکے.......... اس پر قدرے حیرانگی ہے؟

دوسری اہم خبر یہ ہے کہ مبارک احمد تنویر صاحب مشنری بھی مرزا قادیانی کے صاحبزادے بشیر احمد ایم اے کی سنت پوری کر رہے ہیں اور عزیزم عدیل جو کہ بیت السبوح میں رہائش پذیر ہیں اور ایک اہم سیکرٹری صاحب کے فرزند ہیں، بیت السبوح کی ٹنل میں قابل اعتراض حالت میں پکڑے گئے اور بات کو رفع دفع کر دیا گیا۔ مگر تاڑنے والے تاڑ گئے تھے: مکرمی امیر صاحب کے زیر نگرانی کاشف عارف صاحب شعبہ ایم ٹی اے اور شعبہ لجنہ میں کام کرنے والی لڑکیاں پھنسائی گئیں۔ بذریعہ **E.Mail** اور جلسہ سالانہ کے موقع پر بہت سارے لوگوں نے ان لڑکیوں کے ساتھ میٹنگ پوائنٹس پر ملاقاتیں کیں کیونکہ حضور انور تشریف نہیں لائے اور جلسہ سالانہ کا اہم شعبہ ملاقات نے دوسری ملاقات کا بندوبست کیا۔ اس کی تفصیل اور ثبوت مکرمی امیر صاحب کے پاس موجود ہیں۔ ان سے اس بارہ میں بیان حلفی لیا جا سکتا ہے۔

"ڈی این اے ٹیسٹ"

لاہور سے ایک دوست نے جنوری کے اداریہ میں خلیفہ مرزا طاہر احمد کے ذکر کے ساتھ خلیفہ صلاح الدین کا ذکر کرنے پر ہمیں برا بھلا کہا ہے اور اسے بالکل بے جواز قرار دیا ہے۔ غصے میں لکھتے ہوئے مذکورہ دوست بہت آگے تک چلے گئے ہیں۔ ان کی برہمی چونکہ ان کے اس اخلاص کا نتیجہ ہے جو ان کی بے خبری کی وجہ سے ہے۔ اس لیے ان کی ساری برہمی کا برا منائے بغیر ان کی خدمت میں عرض ہے کہ "آئی ٹی" پر جماعت کے ایک اہم کردار "راون آئی" نے خود ہی ڈی این اے ٹیسٹ کی پیش کش کی تھی، اور اس

کے بعد اپنے اس نک نیم کے ساتھ کینیڈا کے جعلی مہدی کی ٹیم سے ایسے غائب ہوا جیسے گدھے کے سر سے سینگ...... ڈی این اے ٹیسٹ کی تجویز ایسی زبردست ہے کہ اس کی وجہ سے اب مرزا محمود کی نسل کی پہچان ہوکر رہے گی۔ حالات لازماً ایسا رخ اختیار کریں گے، آج نہیں کل، کل نہیں پرسوں...... وہ قیامت کی گھڑی آنے والی ہے جب مرزا محمود کی ساری اولاد کو ان کی قبروں سے نکال کر ان کے ڈی این اے ٹیسٹ کیے جائیں گے۔ جدید تر سائنس ان سب کی پہچان بتا دے گی۔ اگر سب اچھا ہوا تو اس سے مرزا محمود پر لگے سارے الزام باطل ہو جائیں گے اور سب اچھا نہ ہوا تو محمودیت کی اصلیت ظاہر ہو جائے گی۔ اس قیامت کی گھڑی سے اب نجات ممکن نہیں ہے۔ یہ روز محشر یہیں برپا ہوگا۔

اعتراف

فروری کے احمدیہ گزٹ میں جو لکھا گیا ہے کہ مرزا عبدالحق صاحب کا بیٹا مرزا طاہر احمد (چیئرمین ٹیکسٹ بک بورڈ) اپنے دوستوں میں کہا کرتا تھا کہ وہ تو مرزا محمود کے نطفہ سے ہے، تو یہ بالکل درست بات ہے۔ اس کے لیے ایک ثبوت خود جماعت کے ایک اہم فرد راجہ غالب احمد ہیں۔ چونکہ مرزا طاہر اور راجہ غالب ایک ہی ادارہ میں تھے اس لیے وہاں راجہ غالب سے بھی انھوں نے یہ بات بارہا کہی تھی۔ راجہ غالب احمد کبھی بھی حلفاً اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ اگر راجہ غالب احمد اس بیان کی تردید کرنا چاہیں تو ''احمدیہ گزٹ آن لائن'' کے صفحات حاضر ہیں۔ ورنہ ان کی خاموشی کا مطلب یہی ہوگا کہ مرزا طاہر نے ان سے مذکورہ بات کی تھی۔

تعارفی خاکہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے!

-1 مرزا بشیر الدین محمود احمد، 2- مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، 3- مرزا شریف احمد صاحب (پہلوان)

-1 مرزا محمود، بدنام زمانہ خلیفہ زا.........، فخر الدین ملتانی صاحب کا قا..........، انتظامی امور کا انتہائی قابل اور لفظوں سے کھیلنے کا ماہر!

-2 مرزا بشیر احمد ایم۔اے، گھر کے رازوں سے پردہ اٹھانے والا، سیرۃ المہدی کا مصنف!

-3 مرزا شریف احمد، دینی و دنیاوی تعلیم سے عاری۔ افیونی اور پسندیدہ کھیل لڑکوں سے کھیلنا! سب سے بڑی قابلیت جواب ملی کہ مرزا مسرور احمد صاحب آف خلیفہ جماعت کے ''دادا جی''!

مرزا شریف احمد صاحب، کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے! پہلے قادیان میں پہلوانی کرتے رہے، پاکستان آ کر مرزا محمود نے نشے کی لت ڈال دی جو افیون سے شروع ہو کر لڑکوں کے ساتھ کھیل کھیلنے پر اختتام پذیر ہوئی، اسی کھیل کے دوران دنیا سے رخصت ہوئے! مرزا منصور احمد کی شکل میں جو مرزا مسرور

احمد صاحب کے نامی گرامی والد ہونے کا بھی شرف حاصل کر گئے، (یہ نشہ بھی کیا شے ہے کہ ایک طرف زندگی کو کھا جاتا ہے، دوسری طرف زندگی کا شہتیر بھی ہے، نشہ والوں کو نشہ نہ ملے تو موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے...... شراب اور اس کے بہن بھرا (بھنگ، افیون وغیرہ) ایسی خراب شے ہیں کہ ان سے مٹی پلید ہوتی ہے۔ مرزا غلام احمد۔ ملفوظات جلد 4 صفحہ 89)

مرزا شریف احمد صاحب کے بیٹے تھے مرزا منصور احمد صاحب جن کے چشم و چراغ جناب مرزا مسرور احمد صاحب ہیں۔ مرزا منصور احمد کیا تھے، یہ بھی ایک داستان ہے۔ مہذب لفظوں میں ان جیسا مرزا خاندان میں اور کوئی اتھرا غنڈہ نہ تھا، انتہائی سفاک اور بدمزاج شخص، تفصیل پھر۔

ناصرہ بیگم۔ یہ والدہ تھیں جناب مرزا مسرور صاحب کی اور مشہور زمانہ بیٹی مرزا محمود کی...... بہن مرزا ناصر احمد کی...... جن کے متعلق اس وقت اتنا ہی کافی ہے کہ قادیان کی ڈھاب اور مردہ بچہ۔ تفصیل پھر۔

مرزا منصور اور ناصرہ بیگم کے بطن سے جن بچوں نے جنم لیا وہ خاندانی شادیوں کی عبرتناک کہانی ہے، امتہ القدوس ان کے پورے جسم پر کوئی بال نہیں۔ مرزا ادریس احمد، ان کے جسم پر کوئی بال نہیں۔ مرزا مغفور احمد تفصیل نامعلوم۔ مرزا مسرور احمد جماعت کے نئے خلیفہ، دینی تعلیم کا خانہ خالی، پیشہ خلافت، آپ کی شادی مرزا طاہر احمد کی بھانجی امتہ السبوحی کے ساتھ، تفصیل پھر۔

بہت سے لوگوں کو یہ مختصر تعارف کی جھلک پسند نہ آئے گی، اس میں ان کا قصور نہ ہوگا کیونکہ انھیں کچھ علم نہیں اور نہ ہی تصور کر سکتے ہیں کہ اس ظالم خاندان اور اس کے ظالمانہ نظام نے کس طرح سے معصوم بچوں کو بلکنے پر مجبور کیا، کس طرح سے معصوم لڑکیوں کی عزتیں اس شاہی خاندان کے نابکار شہزادوں نے لوٹیں، کس طرح سے عمر رسیدہ لوگوں کو بے عزت کیا۔ یہ بڑی المناک داستان ہے۔"

فرار

مرزا محمود کا شرمناک قسم کا جنسی بداعمالیوں کا کردار ان کے مخالفین نے نہیں بلکہ ان کے اپنے مریدوں نے بے نقاب کیا ہے اور یہ مرید بھی وہ ہیں جو مختلف ادوار میں مرزا محمود کے انتہائی قریبی رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض ان میں سے ایسے ہیں جن سے مرزا طاہر کی والدہ سمیت مرزا محمود کی باقی بیویاں پردہ تک نہیں کرتی تھیں (یہ اعتراف خود مرزا محمود کے خطبات میں محفوظ ہے) اور بعض ایسے ہیں جو مرزا محمود کی قادیان سے غیر موجودگی میں نائب امیر المومنین سمجھے جاتے تھے۔ مرزا محمود کی پاکیزگی کا کوئی ثبوت دینے کا آسان راستہ وہی تھا کہ خود جماعتی تحقیقاتی کمیشن بٹھا لیا جاتا، بانی جماعت کے بیان کردہ اصول کے مطابق مباہلہ کے ذریعے صفائی دے دی جاتی یا پھر کم از کم حلفیہ بیان ہی دے دیا جاتا۔ مرزا محمود ساری زندگی ان میں سے کسی مناسب طریق کی طرف نہیں آئے۔ ان کے بعد ان کی ساری اولاد کو اس سلسلے میں مباہلہ نہ سہی کم از کم حلفیہ بیان دینے کے لیے بار بار دعوت دی گئی۔ مگر گھر کے سارے بھیدی اپنے باپ کے اصل کردار

کو بخوبی جانتے تھے۔ اسی لیے کوئی اپنے باپ کی پاکیزگی کا سادہ سا حلف اٹھانے کی جرأت نہ کر سکا۔ جس قسم کے حلف اٹھانے کے لیے مرزا محمود کی اولاد سے مطالبہ کیا جاتا رہا۔ اگر مرزا طاہر احمد کے 1988ء میں جاری کیے گئے مباہلہ کے ساٹھ نکات کو غور سے دیکھا جائے تو اس میں ایسی ایسی معمولی باتوں کی تردید کے لیے بھی مباہلہ کیا گیا ہے جن کی اتنی اہمیت نہیں تھی۔ مثلاً یہ الزام کہ لیاقت علی خان کے قتل میں احمدیوں کی سازش شامل تھی۔ ذرا ان ساٹھ نکات کو دیکھیں تو سہی۔ اگر ایسے معمولی مسئلوں پر مباہلہ کے چیلنج دیے جا رہے تھے تو پھر ایسے ہولناک الزامات کے جواب میں اپنی صفائی دینے کے لیے مرزا محمود نے مباہلہ کیوں نہیں کیا اور خود مرزا طاہر احمد نے جہاں اتنی معمولی باتوں کو بھی مباہلہ کے نکات میں شامل کیا، وہاں اپنے والد پر لگنے والے اتنے خوفناک جنسی الزامات کی صفائی دینے کے لیے اس نکتے کو کیوں شامل نہیں کیا، اس بات پر غور کریں اور ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ اسی سوال پر غور کرنے سے آپ کو اپنے اندر سے ہی درست جواب مل جائے گا۔

مرزا محمود بمقابلہ کلنٹن

مرزا محمود کی پوری زندگی میں ان پر زنا کاریوں کے جو خوفناک قسم کے الزامات لگتے رہے ہیں ان کے جواب کے لیے آسان اور معقول راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ ابھی تک جماعت کی طرف سے کسی رنگ میں بھی جتنے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے یا جو کچھ کہنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کے حوالے سے صرف اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی پر زنا کا الزام ہو اور اس کی طرف سے مرزا محمود کی صفائی والا جواب دیا جائے تو دنیا کا ہر زنا کار اس الزام سے بری قرار پاتا ہے۔ ہمارے نزدیک سابق امریکی صدر بل کلنٹن اس لحاظ سے مرزا محمود سے بہت عظیم ہیں کہ معمولی ردوکد کے بعد انھوں نے نہ صرف اپنے جنسی سکینڈل کو تسلیم کر لیا بلکہ علی الاعلان اس پر شرمندگی کا اظہار بھی کر دیا۔

ایم ٹی اے کی خدمت

کینیڈا کے مشن ہاؤس میں مبشر ڈار کے باکسر بھائی اور ان کی منگیتر کے ساتھ رونما ہونے والا افسوس ناک واقعہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جماعت میں امراء کے سر چڑھے عہدیدار بعض اوقات گھٹیا اور ذلیل حرکات صرف اس لیے کر ڈالتے ہیں کہ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ انھیں بچانے والے سائیں موجود ہیں، چند برس قبل جرمنی میں ایم ٹی اے کے لیے جب بچیوں کی ایک ہفت روزہ تربیتی کلاس کا فرینکفرٹ میں اہتمام کیا گیا تو ایک رات ایم ٹی اے کے ہنرمندوں نے ہی ایک کلاس میں آئی ہوئی بچی کا اجتماعی ریپ کر ڈالا اور جن کیمروں سے وہ خلیفہ وقت کے روحانی پروگراموں کی عکسبندی کرتے تھے انہی کیمروں سے اس اجتماعی ریپ کی فلمبندی بھی کرتے رہے، ''مجاہدین'' چونکہ اپنوں میں سے تھے اس لیے کیس کو دبا

دیا گیا۔ باکسر بھائی نے اگر اپنے زور بازوؤں سے ردعمل دکھایا تو یہ اس کا فطری عمل تھا جبکہ بدتمیزی کے مرتکب ہونے والے شخص کا اصولی طور پر نظام از جماعت سے اخراج ضروری تھا جو ظاہر ہے سائیں ڈاڈھے ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا۔ جماعت کے انتہائی اعلیٰ عہدے پر فائز ان کی بہن کے ساتھ جو بدسلوکی ہوئی یہ بھی غیر انسانی اور غیر مہذب سلوک کے زمرے میں آتی ہے۔ ان مہذب ممالک میں رہ کر بھی اگر ظلم اور زیادتی کے سامنے سر جھکانا ہی جماعت کا مطالبہ ہے تو پھر جماعت کی سچائی کے تمام دعوے ہی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جرمنی کے جلسہ سالانہ پر مرزا مسرور احمد صاحب نے اپنی پہلی آمد پر ہی یہ احکام دیے ہیں کہ جماعتی عہدیدار اگر آپ پر کوئی غلط اور ظالمانہ فیصلہ بھی صادر کرتا ہے تو اس کا ناانصافی پر مبنی فیصلہ بھی بطور اطاعت مان کر معاملہ خدا پر چھوڑ دیں، یہ وہ حکم ہے جس کی قرآن نہ صرف نفی کرتا ہے بلکہ جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق بلند کرنے کو اوّل درجے کا جہاد قرار دیتا ہے، مرزا مسرور احمد صاحب کے اس غاصبانہ اور قرآن کے منکرانہ فیصلے پر عملدرآمد کر کے پوری جماعت گناہ کی مرتکب ہوگی۔

رہائی یا ظلم؟

ایڈمنٹن (کینیڈا) کی ایک معروف اور مخلص فیملی احمدیہ تحریک کے ظالمانہ نظام کی بھینٹ چڑھ گئی۔ مورخہ 12 نومبر 2004ء کو پورے کینیڈا کی جماعتوں میں اعلان کے مطابق، ایڈمنٹن کے جناب مرزا منظور احمد کے گھرانے جن میں ان کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں بمعہ بچوں اور مسز منظور کو جماعت سے اخراج کی غیر اخلاقی، غیر انسانی اور غیر اسلامی سزا کا حکم سنایا گیا۔ حاصل کردہ معلومات کی تفصیلات کے مطابق اس ظلم کا پس منظر کچھ یوں ہے۔

مرزا منظور احمد کا تعلق ایک مخلص اور برین واش ربوی احمدی گھرانے سے ہے، آپ کے ایک بھائی مرزا مقصود احمد پشاور کے امیر جماعت اور ایک بھائی مرزا حفیظ نوشہرہ کے امیر جماعت رہ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ کینیڈین امیر مولوی نسیم مہدی صاحب کے سیکرٹری جناب کمانڈر اسلم، مرزا منظور کے ہم زلف ہیں، مرزا منظور فیملی کا جرم یہ ہے کہ منظور صاحب کی ایک نواسی نے احمدیہ کلٹ (Cult) کو خیر باد کہہ کر ایک مسلمان نوجوان سے شادی کر لی تھی، جس میں خاندان کے کسی فرد نے شرکت نہ کی تھی، چند ماہ پیشتر جولائی میں اسی نواسی نے اپنے میکے اور سسرال کے افراد کے ساتھ کیلگری میں ایک مختصر سا فنکشن کیا جس میں خواتین و حضرات اکٹھے تھے، اس تقریب میں اطلاع کے مطابق لڑکیوں نے شادی کا سا ماحول بنا کر گیت گائے اور ناچ بھی کیا، یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ سب سے زیادہ ناچ دلہن کی بہن نے کیا جو مولوی نسیم مہدی کے سیکرٹری کمانڈر اسلم کی بہو ہیں، اور اس لڑکی کو مولوی مہدی یا مسرور صاحب نے اخراج سے مبرا رکھا، کیوں؟ مرزا منظور صاحب کو اخراج کی سزا نہیں دی گئی حالانکہ وہ شامل تھے، (غالباً اس لیے کہ انھوں ڈانس نہیں کیا تھا؟) جن افراد کا اخراج ہوا ہے ان کی کل تعداد بچوں سمیت تقریباً دس یا تیرہ ہے۔ اس

میں دودھ پیتے بچے بھی شامل ہیں۔ کیا سجادہ نشین مرزا مسرور صاحب آنے والے جلسہ کے موقعہ پر اس کی تعداد کا بھی ذکر کریں گے؟

اس ظلم کے حوالہ سے جو چند سوالات پیدا ہوتے ہیں، ان پر اظہارِ خیال کے لیے ہم اپنے قارئین کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنے خیالات سائیٹ کے لیے ہمیں ارسال کریں یا بحث فورم پر براہ راست لکھیں۔

1- تمام احمدیوں کو جو اس تقریب میں شامل تھے خارج کیوں نہیں کیا گیا؟ صرف خاص افراد کو ہی کیوں سزا دی گئی۔

2- احمدی جب اس بات پر بضد ہیں کہ وہ مسلمان ہیں تو پھر دوسرے مسلمان سے شادی یا ان سے ملنا جلنا باعث سزا کیوں؟

3- سجادہ نشین مرزا مسرور احمد صاحب منافقت سے کیوں کام لیتے ہیں، کیوں مسلمانوں کو صاف نہیں کہتے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں؟ کیونکہ مسلمان صرف اور صرف وہ ہے جو غلام احمد قادیانی صاحب کو مانتا ہے۔ (جو مجھے نہیں مانتا وہ خدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا، ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ حقیقۃ الوحی، ص 167)

4- کیا یہ نفرت کی انتہا نہیں کہ وہ انسان جو اللہ، اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، صرف اس وجہ سے نفرت کیے جائیں کہ وہ غلام احمد قادیانی صاحب کو نبی نہیں مانتے، اور اگر ایسے خیالات والے لوگ آپس میں مل بیٹھیں تو مجرم گردانے جائیں اور احمدیہ کلٹ (Cult) کی نفرت کا شکار ہو جائیں۔

5- کیا احمدیہ کلٹ (Cult) نفرت نہیں پھیلا رہا؟ کیا یہ ٹولہ انسانوں کے بنیادی حقوق اور جذبات کا استحصال نہیں کر رہا؟

ہمارے خیال کے مطابق یہ گھرانہ خوش قسمت ہے کہ اسے صیاد نے آزاد کر دیا، آپ اس کلٹ سے باہر نکل کر دیکھیں آپ کو احساس ہوگا کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو نہ تو کسی خاص فرقے یا مذہب کی وجہ سے آپ کو ملنا پسند کریں گے بلکہ آپ سے محبت اور بھائی چارہ صرف اور صرف انسانیت کے ناطے سے رکھنا پسند کریں گے۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ بدقسمتی سے آپ کے بندھن، آپ کی رشتہ داریاں آپ کے آڑے آئیں گی، آپ کو اپنے جنازے کا خیال آئے گا، آپ کو اپنے غیر شادی شدہ بچوں کا خیال آئے گا اور یہ احمدیہ کلٹ آپ کو مجبور کر دے گا کہ آپ اپنا سر ان کے پاؤں پر رکھ دیں۔ آپ رو رو کر ناک رگڑ رگڑ کر معافیاں مانگیں، اور فرعونی نظام اور اس کا ہامان ایک عجیب قسم کی خوشی محسوس کرے گا، کیونکہ انھوں نے آپ کے ذہنوں میں یہ ڈال رکھا ہے کہ یہ خدا کے نمائندے ہیں، دوستو جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، یہ مذہبی غنڈے ہیں، یہ مذہبی دہشت گرد ہیں، خدا اللہ کے مجرم ہیں انھیں اپنی خبر نہیں کہ ان کے ساتھ اللہ

نے کیا سلوک کرنا ہے، عزیزو یہ طوق غلامی اگر خوش قسمتی سے اتر گیا ہے تو اس پر جشن مناؤ، شکرانے ادا کرو، حزن و ملال سے کام نہ لو، اللہ کی ذات پہ ایمان رکھتے ہوئے بھروسہ رکھو کہ یہ خود اپنی جان بخشی کے لیے باؤلے سگ کی طرح ہلکان ہو رہے ہیں، اللہ نگہبان سب کا۔

ملکہ کا کتا اور تعزیت!

مفادات، چاپلوسی اور غلامی کیا کیا ناچ نچواتی ہے اس کی تازہ ترین مثال کچھ اس طرح سے ہے، کرسمس سے پہلے ملکہ برطانیہ کا جان سے پیارا Corgi کتا، ملکہ کی بیٹی شہزادی این کے کتے کے ہاتھوں اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اور ملکہ برطانیہ کے ساتھ ان کے خونی اور روحانی رشتہ داروں کو بھی سوگوار کر گیا، دنیا کے اخباروں، ٹی وی اور دیگر میڈیا نے بھی اس ناگہانی خبر کو خاص خبر بنایا ہے، جہاں پر دنیا کے سربراہوں نے ملکہ کو تعزیتی پیغامات ارسال کیے ہیں وہاں پر سب سے نمایاں اور حق نمک حلالی اور غلامی ادا کرتے ہوئے اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ نے بھی ملکہ عالیہ سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے Corgi مرحوم کے لیے فردوسِ بریں کی دعا کی ہے۔

کچھ احباب کو تعزیت ناگوار گزرے گی اور کہیں گے یہ نہیں ہو سکتا، خلیفہ صاحب نے نہیں ایسا کیا اور کچھ کہیں گے اس میں کوئی برائی نہیں بلکہ ہمارے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ ہے، چلیے آپ اس پر اپنے دوستوں کے ساتھ اظہار خیال کریں، مگر اس سوال پر غور کریں تو عنایت ہوگی۔

کیا اللہ کے بنائے ہوئے خلیفہ نے کبھی ان مسلمانوں کی موت پر بھی تعزیت کی جن پر حکومت امریکہ اور برطانیہ نے قیامت خیز بمباری کی؟ کیا صرف اس لیے نہیں کہ وہ ہمارے خلیفہ صاحب کی بیعت میں شامل نہ تھے؟ کیا وہ ملکہ کا کتا خلیفہ صاحب کی بیعت کر چکا تھا؟ کیا وہ مسلمان احمدی نہ تھے تو کیا انسان بھی نہ تھے؟ کیا مرزا صاحب کا پیغام دنیا کے لیے نہیں؟ جماعت کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ انگریز اگر کتا بھی پالتا ہے تو اس کا حسب نسب دیکھ کر پالتا ہے لہٰذا یہ پتہ چل سکتا ہے کہ وہ Corgi احمدی تھا یا نہیں!

تعزیت کے بعد اگر خلیفہ صاحب اس کی نماز جنازہ پڑھانے کا فیصلہ کر لیں تو براہ مہربانی اس کا اعلان MTA پر ضرور کرا دیں اور ساتھ ہی دیگر تمام جماعتہائے احمدیہ کو ہدایت جاری فرما دیں کہ وہ بھی تعزیتی پیغامات فوری ارسال کریں، دیر کرنے کی صورت میں کہیں ہم ناشکروں میں شامل نہ کر دیے جائیں!

راسپوٹین

مرزا محمود کی ذاتی زندگی میں جنسی بھوک بھی شدت سے تھی، مرزا محمود نے سات شادیاں کیں،

جوسب کی سب شادی کے وقت کنواریاں تھیں، وفات کے وقت ایک سے زیادہ بیوائیں چھوڑیں، محمودیت نے قادیان میں لوگوں کے قتل کرائے، اخراج جیسی غیر انسانی، غیر اخلاقی سزائیں دیں، گھروں کو جلوایا اور لوگوں کو قادیان بدر کیا۔ مرزا محمود قادیان میں اپنے ظلم و ستم کے میدان گرم کرنے کے بعد تقسیم ہندو پاک پر ربوہ پاکستان میں آ براجمان ہوئے اور اپنے غلبہ کی تسکین کو پورا کرنا چاہا جس میں پوری طرح کامیاب رہے۔ جہاں پر مرزا محمود ظلم و ستم میں لاثانی تھے وہاں محمودیت کو پھیلانے اور دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں بھی لاثانی تھے، گو وہ خود کو ثانی کہلاتے تھے۔

مرزا محمود کی ہوس کاریاں

تاریخ بتاتی ہے کہ مرزا محمود انتہائی زنا کار اور بدکار انسان تھے۔ اس جملے سے یقیناً بہت سارے قادیانی حضرات کو دُکھ ہوگا۔ ان سب سے معذرت کرنے کے ساتھ ان سے درخواست ہے کہ وہ پہلے ان حقائق کی ایمانداری سے تصدیق کریں پھر جو ان کا ضمیر فیصلہ کرے، اس پر عمل کریں۔ مرزا صاحب کی زندگی میں ہی مرزا محمود پر بدکاری کا پہلا الزام لگا تھا، جس پر ان کے والد نے ایک کمیشن انکوائری کے لیے بٹھایا۔ اس میں مولوی نورالدین اور مولوی محمد علی شامل تھے۔ تب مرزا محمود کی والدہ نے جا کر ان کے سامنے جھولی پھیلا کر مرزا محمود کی بریت کی منت کی۔ یہ حقائق آن دی ریکارڈ ہیں۔ اور مولوی محمد علی نے اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ قادیانی حضرات اس سے انکار کریں تو سارے نام اور شواہد پیش کیے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ اس کیس میں انھیں باعزت بری نہیں کیا گیا بلکہ شک کا فائدہ دیا گیا لیکن اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے مرزا محمود پر الزامات کا سلسلہ اوائل عمر سے ہی لگ گیا تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات!

1914ء میں اپنے عالم شباب میں زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد مرزا محمود کو کھل کر زنا کاری کے مواقع ملنے لگے۔ وہ کئی مریدنیوں سے زنا کر کے پھر انھیں دھمکاتے کہ اگر کسی کو بتاؤ گی تو کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا اور تمھیں جماعتی طور پر بھی نقصان اٹھانا پڑے گا۔ یہ کھیل جاری تھا کہ 1927ء میں پہلی بار ایک شور اٹھا۔ یہ شور اٹھانے والے میاں زاہد اور عبدالکریم اور ان کے خاندان کے افراد تھے۔ عبدالحق کی بیوی سکینہ نے بتایا کہ حضور نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے۔ سکینہ کے سارے مائیکے والوں اور عبدالحق کے بھائیوں نے خلیفہ کے خلاف آواز اٹھائی۔ مباہلہ کے ذریعے زنا کے الزام سے بریت کا مطالبہ کیا۔ مرزا محمود نے زنا سے بریت کے لیے مباہلہ کا مطالبہ نہیں مانا۔ سکینہ کے شوہر عبدالحق کو جماعتی طور پر نوازا گیا اور وہ آج تک مرزا عبدالحق کے نام سے مشہور ہیں۔ سکینہ مرتے دم تک اپنے الزام پر قائم رہی لیکن اسے نفسیاتی مریضہ بنا دیا گیا۔ مرزا عبدالحق کے بھائی مرزا نہ بن سکے۔ ان سب کو اور زاہد اور عبدالکریم وغیرہ کو قادیانی تاریخ میں ''فتنہ مستریاں'' قرار دیا گیا۔ اگر وہ بھی اپنی عزتوں کو مرزا محمود کی ہوس کی بھینٹ چڑھا دیتے تو مرزا عبدالحق کی طرح وہ بھی ''مستری'' کہلانے کے بجائے ''مرزا'' کے اعزاز سے نواز دیے جاتے۔ مرزا

عبدالحق نہ صرف مستری سے ترقی کر کے مرزا بن گئے بلکہ وہ قادیانی تاریخ کا پہلا ایسا کردار ہیں جو رائل فیملی سے نہ ہونے کے باوجود بھی ساری زندگی اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز رہے۔ جماعت کے صوبائی صدر کا عہدہ گزشتہ کئی دہائیوں سے ان کے پاس ہے۔ میاں زاہد تو مرزا محمود کے دست راست تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مرزا محمود ان کی بہن اور عبدالحق کی بیوی سکینہ کے ساتھ بھی زنا کر جائیں گے۔ اس معرکہ حق و باطل میں مرزا محمود مباہلہ کر کے اپنی بریت کے لیے بالکل تیار نہ ہوئے۔ تاہم اس کا چرچا مذہبی دنیا میں بڑے پیمانے پر ہوا۔ 1934ء میں مرزا محمود کی زنا کاریاں قادیان کی حدود سے باہر نکل آئیں۔ لاہور کے سسل ہوٹل میں کوئی قادیانی منتظم تھا۔ مرزا محمود وہاں گئے تو اس ہوٹل کی اطالوی رقاصہ مس روفو کو دیکھ کر پھسل گئے۔ کسی کو پتہ نہ چلا اور مس روفو ہوٹل سے غائب ہوگئی۔ اسی دن شام کو ہوٹل میں ایک تقریب تھی۔ اس تقریب کے سلسلے کا سامان مس روفو کے کمرے میں بند تھا اور مس روفو غائب تھیں۔ اس وجہ سے اس کی گمشدگی کی خبر اخبارات تک پہنچی۔ اخبارات میں شور اٹھا تو پھر بھید کھلا کہ مس روفو کو مرزا محمود قادیان لے گئے ہیں۔ اس پر لوگ ہنسے اور مرزا محمود کے کردار پر پھبتیاں کسی گئیں تو مرزا محمود نے خطبہ دیا (بحوالہ الفضل 18 مارچ 1934ء) کہ میں اس لیڈی کو اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو انگریزی سکھانے کے لیے لایا تھا۔ تب اخبارات نے لکھا کہ اطالویوں کا تو اپنا انگریزی لہجہ بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ پھر ایک طوائف اور رقاصہ کے ذریعے مقدس خاندان کی خواتین کو انگریزی سکھلانا؟ اور مس روفو تو خود بھی انگریزی نہیں جانتی تھی۔ قادیانی حضرات مولانا ظفر علی خاں کی وہ نظمیں بڑے اہتمام سے اپنے لٹریچر میں بطور سند درج کرتے رہتے ہیں جو انھوں نے مجلس احرار کے خلاف لکھی تھیں۔ مس روفو والے سکینڈل کے موقع پر بھی مولانا ظفر علی خاں نے بڑی مزے کی شاعری کی تھی۔ یہ شاعری تب ہی اخبار ''زمیندار'' میں شائع ہوتی رہی۔ امید ہے قادیانی حضرات ان دو نظموں سے حقائق کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے ساتھ ان سے لطف بھی اٹھائیں گے۔

اطالوی حسینہ

اے کشورِ اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے تیرے فیض سے چمن
پیغمبر جمال تیری دِل رُبا ادا
پروردگار عشق ترا چُلبُلا چلن
الجھے ہوئے ہیں دل تری زلف سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سو فتن
پروردۂ فسوں ہے، تری آنکھ کا خمار
آوردۂ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن

پیمانہ نشاط تیری ساق صندلی
بیعانۂ سرور ترا مرمری بدن!
رونق ہے ہوٹلوں کی ترا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشہ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

ہوٹل سسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے "زمیندار" سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایمان کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورِ کون و مکاں گئی
بن کے خروش حلقہ رندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستان سنی تو "زمیندار" نے کہا
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے؟
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو!
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے میں آئی ہے روفو

دبستان میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستان میں اے بے وقوفو
بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو!
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبد الرؤفو!
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زوفو!

31مارچ1924ء

فتنہ آخر زماں

اے قادیاں، اے قادیاں تیرے بڑے لنگور کو
لپٹا لیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا ناچ کر کشمیر اور میسور کو
جس کی ترش روئی ملی نیبو کو اور انچور کو
لکھوں دمشقی گورخہ یا اندلس کی مادیاں
اے قادیاں اے قادیاں اے فتنۂ آخر زماں
پیسہ ترا ایمان ہے، گالی تری پہچان ہے
جنس نفاق و کفر سے چمکی تری دکان ہے
بہتاں خدا پر باندھنا تیرے نبی کی شان ہے
الہام جو بھی ہے ترا آوردۂ شیطان ہے
یہ بھی خدا کا آخری اسلام پر احسان ہے
نقاش کی مٹھی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے
اے قادیاں اے قادیاں اے دشمن اسلامیاں
اے فتنہ آخر زماں

غلط فہمی

قادیانی جماعت کا بحث مباحثہ کا جو طریق ہے اس کے مطابق یہ لوگ ذلت کے ساتھ ہارنے

کے باوجود ہار نہیں مانتے۔ ان کو ان کی شکست کا احساس دلانے کے لیے بار بار باور کرانا پڑتا ہے کہ تمھارے ساتھ یہ ہوا ہے۔ اس دوست کے بقول اگر جماعت محمودیہ کو سر عام تھپڑ بھی مار دیا جائے تو نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہیں گے کہ یہ تو پیار سے میرے گال سہلائے گئے ہیں۔ اس لیے انھیں تھپڑ مارنے کے بعد یہ بتانا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ تمھیں تھپڑ مارا گیا ہے...... اسی طرح جماعت اپنی فاش قسم کی غلطیوں پر پکڑے جانے کے بعد بجائے شرمندہ ہونے کے ان کی بے ہودہ تاویل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ اس سلسلے میں لندن کے دوست نے ساتھ ہی ایک لطیفہ بھیجا ہے اور اسے جماعت محمودیہ کی تاویلات پر عمدگی کے ساتھ چسپاں کیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے۔ ایک شخص کسی دوسرے شہر کے پانچ روزہ دفتری دورے پر گیا ہوا تھا لیکن اسے اتفاق سے تیسرے دن ہی واپس آ جانا پڑا۔ واپس آیا تو گھر کے برآمدے میں ہی اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی کسی غیر مرد کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہی ہے۔ وہ خاموشی سے گھر سے اپنے سسر کے پاس چلا گیا اور اسے بتایا کہ یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں نے اسے ٹیلی گرام دے دیا تھا کہ دورہ مختصر کر کے آ رہا ہوں...... لیکن واپس آیا ہوں تو تمہاری بیٹی کے یہ کرتوت ہیں۔ اس لیے میں کسی جھگڑے میں پڑنے کی بجائے اسے طلاق دینے لگا ہوں۔ اس کے سسر نے کہا تم ابھی طلاق نہ دو، لگتا ہے تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس لیے مجھے اس سے ایک بار بات کر لینے دو۔ چنانچہ وہ اپنی بیٹی سے بات کرنے گیا اور جب واپس آیا تو محمودی حضرات کی طرح بے حد خوش تھا۔ کہنے لگا دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ کوئی غلط فہمی ضرور ہوئی ہوگی۔ میری بیٹی نے قسم کھا کر کہا ہے کہ اسے تمہارا ٹیلی گرام نہیں ملا۔ ساری خرابی محکمہ ٹیلی گرام والوں کی ہے۔ بے شک محمودی حضرات کی ساری تاویلات کا سلسلہ بھی مذکورہ سسر کے جیسا ہے۔

ملک مشتاق احمد آف ٹیکساس پر حملہ

سائٹ کو اطلاع ملی ہے کہ ملک مشتاق احمد جو کہ لطف الرحمٰن (موجودہ امام الصلوٰۃ) اور شفیق الرحمٰن سابق صدر جماعت احمدیہ آسٹن کے بہنوئی ہیں' ان پر 3 مئی 2004ء کو تقریباً رات ساڑھے گیارہ بجے' ان کے مخلص احمدی بیٹے ملک احمد بلال نے اپنی والدہ اور دو بہنوں کی موجودگی میں جان لیوا حملہ کیا۔ ملک صاحب کی چھوٹی بیٹی امۃ العزیز طوبیٰ نے پولیس کو فون کر کے اپنے والد کی جان بچائی۔ سائٹ کی اطلاع کے مطابق اس حملے کا اصل محرک جماعت کی پالیسی سے عدم اتفاق ہے، کیونکہ ملک مشتاق صاحب نے اپنی چھوٹی بیٹی طوبیٰ کا نکاح' جماعت کی مرضی کے خلاف ایک نومسلم (سابق عیسائی) **Anthony McMray** کے ساتھ کر دیا ہے۔ نکاح سے قبل ملک صاحب نے جماعت سے رابطہ کیا تو جماعت نے کہا کہ مسٹر انتھونی کے لیے مسلمان ہونا کافی نہیں' وہ بیعت کرے اور کم از کم چھ مہینے احمدی رہے تو جماعت اس نکاح کی منظوری دے دے گی' ملک صاحب نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور لڑکے کا صرف مسلمان ہونا ہی کافی سمجھا اور اپنی بیٹی کا نکاح بذریعہ مسلمان مفتی کے پڑھوا دیا۔

یہ بات نہ تو مقامی جماعت اور نہ ہی ملک صاحب کے بیٹے اور بیوی اور ایک بیٹی کو منظور تھی۔ اب ملک صاحب جب بھی گھر والوں کے ساتھ اس بیٹی کی رخصتی کا پروگرام بنانے لگتے تو وہ (گھر والے) حیلوں بہانوں سے ٹال دیتے' جس رات ملک صاحب پر حملہ ہوا اس وقت بھی اسی ٹال مٹول کی وجہ سے بات تحجی تک پہنچی اور مخلص احمدی بلال نے باپ پر حملہ کر دیا۔ خوش قسمتی سے پولیس بروقت پہنچ گئی اور ملک صاحب کی جان بچ گئی' پولیس نے کیس درج کر کے اور آئندہ اس قسم کے کسی حملے سے ملک مشتاق صاحب کو بچانے کے لیے مخلص احمدی ملک بلال کو اس کے باپ کے گھر سے نکال دیا ہے۔

جب ملک صاحب نے مقامی جماعت کے موجودہ صدر افتخار نغمی صاحب سے رابطہ کیا تو انہوں نے ایک ہفتہ سے قبل ملنے سے معذرت کر لی کہ ان کے پاس وقت نہیں' اور یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ملک صاحب نے اپنے بیٹے اور بیوی کے رویہ اور جماعتی نظام کی درپردہ شہہ کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے حملے کا خدشہ تقریباً دو ماہ قبل ہی اپنے برادران نسبتی (لطف الرحمٰن اور شفیق الرحمٰن صاحبان) سے کر دیا تھا۔ کیا یہ حملہ جماعت نے کروایا ہے؟ کیا جماعت کسی طرح اس کی پلاننگ میں شامل ہے؟ (ہماری رائے میں یہ جماعت کی وہ تعلیم ہے جسے برین واش کہا جاتا ہے، اس وجہ سے ایسا ہوا ہے۔)

بشیر رفیق کو صدمہ؟

لندن سے آمدہ اطلاع کے مطابق لندن میں قادیانی عبادت گاہ کے سابق امام بشیر رفیق کے صاحبزادے جو جعلی پاسپورٹ بنانے کا کاروبار کرتے تھے اور جنھوں نے جماعت کے بے شمار افراد کو برطانیہ میں سیاسی پناہ دلوائی تھی۔ ان پر جعلی پاسپورٹ بنانے کا جو مقدمہ چل رہا تھا، اس کا فیصلہ لندن کی عدالت نے کر دیا ہے اور انھیں 3 سال 10 ماہ سخت قید کی سزا سنائی گئی ہے۔

ڈھگے

ربوہ سے ایک احمدی بہن لکھتی ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد مبارک میں حضرت خلیفۂ ثالث درس قرآن دے رہے تھے۔ جب آپ اس آیت کی تفسیر کر رہے تھے ''ناموں کو بگاڑا نہ کرو'' تو میرا ذہن ناموں میں الجھ کر رہ گیا' میں سوچنے لگی کہ خاندان مسیح موعود میں ہر اصل نام کو پیار سے بگاڑ کر پکارتے ہیں مثلاً آپا امۃ النصیر کو ''بی بی چھیرو'' امۃ الباسط کو ''بی بی باچھی'' یا مرزا مجید کو ''میاں موجی'' مرزا طاہر کو ''میاں طاری'' وغیرہ۔ تو کیا حضور کے خاندان کے لوگ قرآن کے حکم کے منافی چلتے ہیں؟ میرا ذہن کہاں سے کہاں جا رہا تھا کہ درس ختم ہو گیا اور میں گھر واپس آ گئی تو امی سے اپنی سوچ کا اظہار کیا' امی نے بتایا کہ حضرت مسیح موعود اپنے ہر بچے کا پورا اور صحیح نام لے کر پکارتے تھے' آپ نے کبھی بھی کسی بچے کا نام نہ پیار سے نہ غصے سے بگاڑ کے لیا تھا۔ میں نے کہا میں یہی تو سوچ رہی ہوں کہ اب ایسا کیوں اور خصوصاً خاندان مسیح موعود میں؟ اور ایک واقعہ ایسا یاد آیا جو اتنا پرانا نہیں' چند روز پہلے حضور خلیفہ الخامس کے دورۂ افریقہ کی تصاویر دیکھ رہی تھی

کہ حضور اور بیگم صاحبہ جہاز سے باہر آ رہے ہیں' بیگم صاحبہ حضور سے آگے ہیں۔ اس سے وہ بات یاد آ گئی جب آپ ابھی حضور نہیں بنے تھے، اس وقت آپ ناظر اعلیٰ تھے' آپا صبوح (بیگم صاحبہ) نے کہیں جانا تھا اور حضور سے کہا کہ گاڑی کی ضرورت ہے، آپ نے دفتر فون کیا تو پتہ چلا کہ جو گاڑی آپ کے مصرف میں ہوتی ہے وہ کوئی ناظر صاحب لے گئے ہیں' حضور نے آپا سے کہا کہ آپ انتظار کر لیں گاڑی آ جائے تو چلی جانا' آپا کو کوئی ضروری کام تھا تھوڑا سا غصہ آ گیا اور کہنے لگیں کہ آپ سختی نہیں کرتے بہت نرم ہیں جس کی وجہ سے یہ سب لوگ بہت لاپرواہ ہی نہیں بلکہ آپ کو ناظر اعلیٰ بھی نہیں سمجھتے اور آپ کی نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور آپ بالکل ''ڈھگے'' ہیں۔ حضور نے مسکرا کر جواب دیا اگر ہم نرم دل نہ ہوتے تو آپ بھی ہمیں ڈھگہ کہہ کر بچ نہ جاتیں۔ تصویریں دیکھ کر یہ بات یاد آ گئی اور مجھے یوں لگا کہ میں کہہ رہی ہوں ''ہمارے ڈھگے خلیفہ'' اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے جو میرے دل میں ایسا گستاخانہ خیال آیا۔

نئے احمدی؟

جناب مرزا مسرور احمد صاحب کا دورۂ افریقہ بظاہر تو کامیاب رہا یا کامیاب نظر آ رہا ہے۔ کچھ گھڑ سوار بادشاہ (یاد رہے کہ وہ بادشاہ پاکستان کے نمبرداروں کے برابر ہیں) بھی برکت ڈھونڈنے آئے اور غریب و نادار ملکوں کے صاحبان نے بھی ملاقاتیں کر لیں' اور ایک ملاقات میں تو ہنسنے کو یہ بھی سین ملتا ہے کہ جب بنین کے صدر سے ملاقات ختم ہوتی ہے تو مرزا مسرور صاحب اپنے ترجمان کے ذریعہ پوچھتے ہیں (آخر غلامانہ ذہنیت ابھی تک پوری شان وشوکت کے ساتھ موجود ہے) کہ کیا ہم آپ کی ملاقات کو اپنے ٹی وی پر دکھا سکتے ہیں' صدر صاحب جواب دیتے ہیں کہ آپ بیشک آسمانوں پر بھی دکھائیں۔ لیکن احمدیوں اور دوسروں کو انتظار تھا کہ 200 ملین نئے احمدیوں میں سے کچھ کی جھلک ملے گی' لیکن سادہ لوح مخلصین کے چہرے لٹک گئے کہ وہاں دس بیس ملین تو کیا ایک ملین بھی نہیں' بلکہ ایک لاکھ بھی نہیں نظر آئے' حالانکہ ہر احمدی کے لیے خلیفہ صاحب کی وزٹ ایک بہت بڑا روحانی واقعہ ہے' جو افریقیوں کی زندگی میں کبھی کبھار ہی پیش آتا ہے' اس لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے یہ موقع جانے دیا ہو۔ بنین ہی کی بات ہے' جہاں جماعت کے انٹرنیشنل پریس سیکرٹری کے مطابق ملینز احمدی ہوئے' وہاں ایک جگہ حضور پہنچتے ہیں' تو اتنا زیادہ مجمع تھا' اتنا زیادہ مجمع تھا' اتنا زیادہ مجمع تھا' کہ گنتی کرنے والے بھی پیچھے ہٹ گئے وہاں موجود تمام اصحاب سے حضور نے فرداً فرداً ہاتھ ملایا اور بچوں میں چاکلیٹ بھی تقسیم کیا' اور یہ سب ''حضور کے معجزہ'' سے صرف دس منٹ میں فارغ ہو گئے۔ اس سے صرف ایک بات ہی ظاہر ہوتی ہے کہ جماعت کا بیعتوں کا جھوٹ اور فراڈ کھل کر سامنے آ گیا ہے اور ناقابل تردید شواہد' ان لوگوں کو مہیا کر گیا ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سب جھوٹ تھا۔ ان کا یہ سوال برحق اور ابھی تک جواب کا محتاج ہے کہ نئے احمدی کہاں ہیں؟ ویسے بھی اب کینیڈا کے جلسہ میں مرزا مسرور صاحب شامل ہو رہے ہیں اور اس جلسہ میں نہ صرف امریکہ کے بلکہ دنیا کے

بہت سے ملکوں حتیٰ کہ ہندوستان اور پاکستان سے بھی لوگ شامل ہوں گے۔ دیکھتے ہیں کہ وہاں 200 ملین کی کونسی جھلک ملتی ہے؟

جماعت احمدیہ کا اسلامی نمونہ

کینیڈا کی مسی ساگا جماعت کی لجنہ اور ناصرات کی طرف سے 9 مئی 2004ء کو مسجد میں ایک مزاحیہ خاکہ/ٹیبلو پیش کیا گیا جس سے جماعت کے نظام کی اور ذہنی' سماجی و دینی حالت کی لاشعوری طور پر بڑی صحیح عکاسی کی گئی' یہ کوشش جس رنگ میں بھی تھی شعوری یا لاشعوری' اگر یہ باتیں جماعت میں پائی جاتی ہیں تو ایک ایسی جماعت کے لیے باعث شرم ہے جو اپنے آپ کو صحیح اسلام کی دعویدار گردانتی ہے۔ اور جہاں تک ہمارا علم ہے ایسے واقعات جماعت میں ہوئے بھی ہیں۔ جناب خلیفۃ الخامس کو چاہیے کہ یہ سٹیج شو' اپنے دورۂ کینیڈا کے موقع پر حکماً (ہو بہو) کروا کر اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ دیکھیں۔ اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ مائیں جب اپنے لڑکے کے لیے رشتے ڈھونڈنے نکلتی ہیں تو لڑکی کیسی ہونی چاہیے؟ رنگ کیسا ہونا چاہیے' ناک موٹا یا پتلا ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ' لیکن اصل بات کی طرف آتے ہیں' کہانی یہ ہے کہ ''ایک نو بیاہتا جوڑا ہے' خیر سے ساس سسر اور ایک عدد نند بھی ہے' ایک لڑکی نئی نئی پاکستان سے بیاہ کر لائی جاتی ہے' اب یہ نو بیاہتا جوڑا' کار میں مشن ہاؤس کی طرف روانہ ہوتا ہے' اور ساتھ میں ساس سسر اور نند بھی ہیں' لڑکا کار میں اگلی سیٹ پر اپنے ساتھ اپنی نو بیاہتا دلہن کو بٹھا لیتا ہے' یہ دیکھتے ہی ساس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو جاتی ہے' دوسرے دلہن جب بھی کوئی بات کرنے لگتی ہے ساس فوراً مداخلت کرتی ہے اور اس کو کوئی بات نہیں کرنے دیتی' دلہا میاں یہ صورتحال دیکھ اور سمجھ کر کار روکتے ہیں اور دلہن کو پچھلی نشست پر بھیج دیتے ہیں اور اپنی اماں جان کو آگے بٹھا لیتے ہیں' فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہی بڑھیا کی طبیعت ایک دم ٹھیک ہو جاتی ہے اور تمام تکلیفیں اُڑنچھو ہو جاتی ہیں' لیکن چند لمحات کے بعد بڑھیا کی نظر پچھلی سیٹ پر پڑتی ہے تو وہ دیکھتی ہے کہ درمیان میں سسر صاحب بیٹھے ہیں اور ایک طرف بیٹی ہے اور دوسری طرف بہو ہے' فوراً گاڑی رکوا کر وہ کہتی ہیں کہ یہ بہو اور سسر اکٹھے کیوں بیٹھے ہیں ان کے درمیان میں بیٹی کو بیٹھنا چاہیے۔ جماعت میں ایسے واقعات ہو چکے ہیں' کیا یہ ہمارے بزرگوں کے اسلامی خیالات ہیں اور دینی تربیت ہے؟ یہ عورتوں کے مردوں کے بارے میں خیالات ہیں؟ کیا آپ بھی مرزا مسرور صاحب اسی لیے عورتوں میں جا کر خطاب نہیں کرتے؟ جماعت پیسے اکٹھے کرنے کے چکر میں پڑی ہوئی ہے اور یہاں بچیوں کی یہ تربیت ہو رہی ہے؟ اور عورتوں سے حسن سلوک کی جتنی بہتر اسلامی تعلیمات ہیں' کیا جماعت کے اندر یہی اسلامی نمونہ ہے؟

مرزا مسرور سے چند گزارشات

سنا ہے کہ مرزا مسرور صاحب بڑا عظم امریکہ کی جماعتوں سے کافی ناراض تھے کہ یہاں سے تبلیغ

پر کوئی کام نہیں ہوا اور نہ ہی جماعت کی روحانی حالت بہتر ہوئی' مگر بیگم صاحبہ کے اصرار پر صرف کینیڈا آنا قبول کرلیا' حضرت اب جب آپ کینیڈا آ ہی رہے ہیں تو آپ کی خدمت میں کچھ گذارشات ہیں۔ اگر آپ کی نظر کرم سے گذر جائیں تو شائد کچھ شکوک رفع ہو جائیں یا پھر یہ بات سچ ثابت ہو کہ آپ کو بنانے والے ہی اصل میں خدا ہیں۔

1- کیا جماعت احمدیہ (Ahmadiyya Movement in Islam) مذہبی جماعت ہے یا خیراتی ادارہ؟

2- کیا آپ تمام نوع انسانی کے لیے خلیفہ ہیں یا صرف ان کے جو جماعت احمدیہ کے ممبر ہیں؟

3- کیا آپ جماعت احمدیہ کے نظام کو منصفانہ' انسانیت کا محترم اور مثالی نظام سمجھتے ہیں؟

4- کیا آپ جماعت سے صرف مالی قربانی ہی توقع کرتے ہیں یا جماعت کے معاشرتی' اخلاقی اور سماجی مسائل کا حل بھی آپ کے پاس ہے؟

اس بات کو ہم اس طرح کہہ لیتے ہیں کہ اگر جماعت کا کوئی فرد چندہ ادا نہ کرے تو باقاعدہ اس کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے اور مرکز کو اس کی اطلاع ہوتی ہے' اور نادہند کو جماعت کے کسی عہدہ پر فائز نہیں کیا جاتا وغیرہ' لیکن اس کے برعکس اگر کسی جماعت کے فرد کو کوئی سماجی یا معاشرتی مشکل پیش آجاتی ہے تو جماعت ملکی قوانین کا بہانہ بنا کر اپنا دامن بچا لیتی ہے' مزید اس وقت جماعت میں اُن لڑکیوں کی تعداد خطرناک حد تک بڑھ چکی ہے جو شادی کے چند سال بعد ہی مطلقہ ہوگئی ہیں، ان میں وہ بھی ہیں جن کا ابھی کوئی بچہ نہیں' وہ بھی جن کے بچے ہیں، کسی کا ایک تو کسی کا ایک سے زیادہ۔ حضرت آپ یہ بتائیں کسی کو کھانے کو ملے یا نہ ملے' کسی کو حکومت سے خیرات ملے تھوڑی یا صرف پیٹ بھرنے کی حد تک مگر اس احمدی پر لازم ہے کہ وہ اپنی خیرات میں سے ''احمدیہ خیراتی'' ادارے کا حصہ ضرور ادا کرے ورنہ وہ آپ کے درشن سے ہی نہ صرف محروم رہے گا' بلکہ احباب جماعت کی نفرت بھری نگاہوں کا بھی ہر دم شکار ہوگا۔ حضور کینیڈا اور امریکہ کی نوجوان نسل ہی نہیں بلکہ یورپ اور پاکستان سے بھی نوجوان آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ کے خاندان کی مالی ہوس کب پوری ہوگی؟ آپ کب اس نوجوان نسل کے مسائل پر توجہ فرمائیں گے؟ آپ کینیڈا کے خدام و ناصرات سے چند دینی سوالات پوچھ کر دیکھ لیں اور ساتھ ہی فلمی دنیا اور سیکس (Sex) کے متعلق بھی پوچھ لیں، پھر اگر ہمت ہو تو ایم۔ ٹی۔ اے پر اس کے نتیجے کا اعلان فرما دیجئے گا۔ لیکن حضور آپ کو تو ممبرز آف پارلیمنٹ و دیگر سیاسی اکابرین سے ہی فرصت نہ ہوگی۔ آپ کی بلا سے یہ نوجوان لڑکیاں تباہ ہوتی ہیں یا جسم فروشی کا دھندہ اختیار کرتی ہیں آپ کو تو آپ کا حصہ پھر بھی ملے گا۔ ویسے بھی حضرت مسیح موعود جسم فروشی کا پیسہ نظام جماعت اور اپنے لیے (اسلام کی خدمت کے نام پر) حلال کر چکے ہیں! جماعت کے نوجوان ڈرگز (Drugs) یا دوسری اخلاقی برائیوں میں ملوث ہوتے ہیں، آپ کی بلا سے!

نیز اس کے علاوہ کینیڈا کے قانون میں واضح طور پر لکھا ہے کہ چیریٹی تنظیمیں سیاست میں حصہ نہیں لے سکتیں' لیکن جماعت احمدیہ اس قانون کو نظر انداز کرتے ہوئے پوری طرح سیاست میں ملوث ہے' اس کا واضح اور ناقابل تردید ثبوت مبشر ڈار صاحب کا واقعہ ہے!! ویسے بھی یہ کیسی چیریٹی یا دینی/ مذہبی ایکٹیویٹی ہے کہ جماعت نہ صرف سیاست کو پروموٹ کرتی ہے' بلکہ اپنے ممبران کو ملکی قانون کے بھی خلاف مجبور کرتی ہے کہ فلاں کو ووٹ دو اور فلاں کو نہ ووٹ دو؟ کیا کوئی اس کی کسی قسم کی وضاحت پیش کرے گا؟

مبارک مشن

وکیل البشیر مرزا مبارک احمد 1961ء کی گرمیوں میں یورپ آئے جس کو جماعت کے مشنوں کے کام کی پڑتال کا نام دیا جاتا تھا۔ مگر جوفی الواقع موصوف کی سالانہ یورپ یاترا ہوتی تھی، جس کا مقصد سیر وسفر اور خرید اشیاء تھا۔ میں اس کا ہمبرگ میں عینی شاہد ہوں۔ میرا خیال تھا کہ وہ لطیف صاحب سے اور مجھ سے ہمبرگ میں تبلیغی سرگرمیوں کی روداد جاننا چاہیں گے۔ مگر ہوا اس کے الٹ۔ اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کیا گیا۔ ان کو مشن کے خرچ پر ہمبرگ کے مہنگے ترین ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ وہ دوبار مشن ہاؤس میں ایک دو گھنٹوں کے لیے آئے جس کے دوران کھانا کھایا گیا اور ادھر ادھر کی باتیں ہوئیں۔ مشن کے کام اور تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں ایک بھی سوال نہ کیا گیا۔ لطیف صاحب ان کے ساتھ بازار میں خریداری کے لیے گئے اور چونکہ ایک پرفیوم ان کو پسند نہ آئی تھی، اس لیے مجھے وہ پرفیوم واپس دینے کے لیے بازار بھیجا گیا۔ کیا میری غیر حاضری میں ان کو لطیف صاحب نے مشن کے کام کی رپورٹ پیش کی تھی؟ مجھ سے کیوں کوئی سوال نہ کیا گیا؟ کیا ان کو مشن کے کام میں کوئی دلچسپی نہ تھی؟

قادیانی عبادت گاہ میں مجامعت

ہمبرگ کے علاوہ جماعت احمدیہ نے ایک مسجد فرانکفرٹ میں بھی بنائی تھی۔ جس کا امام جرمن احمدی عبدالشکور کنزے تھا جس کو میں ربوہ کے زمانے سے جانتا تھا۔ اسے یہاں سے شکاگو بھیجا گیا تھا۔ جہاں پر کچھ برسوں تک کام کرنے کے بعد اس کو جرمنی بلا لیا گیا۔ ابتداء میں اسکو کچھ عرصہ تک ہمبرگ میں لطیف صاحب کے ساتھ مشن ہاؤس میں رہنا پڑا تھا، کیونکہ فرانکفورٹ میں بنائی جانے والے مسجد ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔ دونوں خاندان صاحب اولاد تھے اور مشن ہاؤس کی مکانیت بہت محدود تھی۔ لطیف صاحب نے کنزے صاحب کی فیملی کو تہہ خانے میں رکھنا چاہا تھا، مگر وہ لوگ اس کے لیے تیار نہ ہوئے اور انھوں نے مشن ہاؤس کے چار کمروں میں سے دو کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ پھر عین انہی دنوں میں مرزا لطف الرحمٰن کو ہمبرگ میں متعین کر دیا گیا، جن کو تہہ خانے کے اس کمرے میں رکھا گیا، جس میں آگے چل کر مجھے رہنا پڑا۔ جب خدا خدا کر کے فرانکفرٹ کی مسجد بن گئی اور کنزے صاحب کو وہاں کا مبلغ بنا کر بھیج دیا گیا تو مرزا لطف الرحمٰن نے اپنا بوریا بستر تہہ خانے والے کمرے سے اٹھا کر ان دو کمروں میں سے ایک میں رکھ یا جو

کنزے فیملی نے خالی کیے تھے۔لطیف صاحب کو یہ چیز بالکل پسند نہ آئی اور انھوں نے وکالت التبشیر کو شکایت کا خط لکھا کہ مرزا لطف الرحمٰن کے اس طرح ان کی فیملی کے درمیان آ کر مقیم ہو جانے کے سبب ان کی بیوی کی پردہ دری ہوتی ہے۔ پھر ان کی بیٹی امتہ المجیب بلوغت کو پہنچ رہی ہے اور وہ نہیں چاہتے کہ مرزا صاحب کی وجہ سے کوئی بدمزگی پیدا ہو۔ نیز مرزا صاحب ان کے احکام کی پابندی کرنے سے انکاری ہیں۔ جب مرزا صاحب سے جواب طلبی ہوئی تو انھوں نے لکھا کہ تہہ خانے میں رہنے کے سبب وہ نزلہ وزکام کے دائمی مریض بن چکے ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر ان کی رہائش کا تہہ خانے سے باہر انتظام نہیں ہوسکتا، تو خطرہ ہے کہ ان کی بیماری بڑھ کر تپ دق کی صورت اختیار کرسکتی ہے۔ اس لیے وہ لطیف صاحب کا حکم ماننے سے قاصر ہیں۔ اس پر ان کو تبدیل کر دیا گیا اور وہ خاموشی سے ادھر چلے گئے۔ انھیں جرمنی میں آئے ہوئے بمشکل ڈیڑھ برس ہوا تھا۔ میرے ہمبرگ آنے کے کچھ عرصہ بعد فرانکفورٹ مشن سے تشویش ناک خبریں آنے لگیں کنزے کی بیوی قدسیہ نے اپنے خاوند کو عین مسجد (دارالذکر) کے اندر ایک مرد کے ساتھ مجامعت کرتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔ اس نے شور مچایا کہ اس کا خاوند ہم جنس پرست ہے۔ یہ بات البتہ شکاگو کے زمانے سے اس کے علم میں تھی۔ ہمبرگ میں بھی کنزے کا اٹھنا بیٹھنا ہم جنس پرستوں کے ساتھ تھا۔ چنانچہ اس کے ذریعہ احمدی ہونے والا امین والٹر ہم جنس پرست تھا جب وہ ایک بار ہمبرگ مشن ہاؤس میں ہمیں ملنے کے لیے آیا، تو میں پہلی ہی نظر میں جان لیا تھا کہ اس کا جسم مردانہ ہے، مگر اس کی روح زنانہ ہے۔ لطیف صاحب بھی کنزے کی ہم جنس پرستی سے خوب واقف تھے مگر جب کنزے کی بیوی نے شور مچایا اور اپنے خاوند کو دھمکایا کہ وہ اس کی پولیس کے پاس رپورٹ کر دے گی کیونکہ وہ لونڈوں کو مسجد میں لا کر ان کے ساتھ لواطت کرتا ہے، تو بات بڑھ گئی میاں بیوی کے درمیان چپقلش پہلے سے چل رہی تھی۔ اب رپورٹیں ربوہ تک پہنچ گئیں۔ وہاں سے ایک نیا مبلغ بھیجے جانے کی خبر آ گئی۔ (قادیانی خلیفہ مرزا مسرور نے قادیانی جلسہ سالانہ کینیڈا 2004ء سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''احمدی جس ملک میں آباد ہے، وہ وہاں احمدیت کا سفیر ہے۔)

محمد طاہر عبدالرزاق

نوکر ووھٹی دا

مسیلمۂ ہند مرزا قادیانی زندگی کی پچپن خزائیں دیکھ چکا ہے۔ بڑھاپے کے سیاپے شروع ہو چکے ہیں۔ چہرے پر جھریاں بریک ڈانس کر رہی تھیں۔ بیماریوں نے نبی افرنگ کے جسم کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھ کر قبضہ کر لیا تھا۔ اعصاب ڈھیلے پڑ چکے تھے۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں مزید سکڑ گئی تھیں۔ دائیں آنکھ تو بالکل ہی سمارٹ ہو گئی تھی۔ ای پلومر کی شراب کی بوتلیں غٹاغٹ پینے کے باوجود چہرے کا رنگ خزاں رسیدہ پتوں کی طرح زرد تھا۔ پچیس سال کی مسلسل افیم خوری نے دماغ کا ستیاناس کر دیا تھا اور اللہ اور اس کی مخلوق کی لاتعداد لعنتیں برسنے کی وجہ سے چہرہ ''لعنت ہاؤس'' بن چکا تھا۔ ان تمام مصائب میں جکڑے ہونے کے باوجود مرزا قادیانی کا بیمار دل ایک اٹھارہ سالہ لڑکی نصرت جہاں پر لٹو ہو جاتا ہے۔ مرزا قادیانی اس دوشیزہ کے حصول کے لیے دیوانہ وار کوششیں کرتا ہے۔ آخر لڑکی کی ماں کے تعاون سے رشتہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور یوں ایک اٹھتی ہوئی جوانی اور ایک گرتا ہو بڑھاپا شادی کے بندھن میں بندھ جاتے ہیں۔ شادی کے بعد مرزا قادیانی دربار زوجہ کا غلام بن جاتا ہے۔ بیگم کے قدموں میں بچھ بچھ جاتا ہے۔ اس کے اشارۂ ابرو پر ناچتا ہے اور ذرا سی آواز دینے پر بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو کر کہتا ہے کہ ''کیا حکم ہے۔ میرے آقا!'' انگریزوں اور مریدوں سے بٹوری ہوئی دولت اس کی ہر ہر خواہش پہ لٹاتا ہے۔ نصرت جہاں بیگم گھر پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیتی ہے اور مرزا قادیانی گھر میں صرف ''نوکر ووہٹی دا'' بن کے رہ جاتا ہے۔ یہ ''نوکر ووہٹی دا'' کس اعلیٰ پایا کا تابعدار و فرمانبردار تھا' اس کے لیے قادیانی کتابوں کے حوالے شہادت کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

جاناں سب کچھ تیرے لیے

''ایک دفعہ چٹھی رساں منی آرڈر لے کر آیا اور دروازہ پر آواز دی تو حضرت ام المؤمنین نے ایک خادمہ کو بھیج کر سارے فارم منگوا لیے۔ چٹھی رساں اس انتظار میں کھڑا رہا کہ حضرت صاحب دستخط کر کے فارم بھیج دیں گے تو میں اندر روپیہ بھیج دوں گا۔ جب دیر ہو گئی اور فارم نہ آئے تو حضرت صاحب خود باہر تشریف لائے۔ جب حضرت صاحب کو معلوم ہو کہ فارم بیوی صاحبہ کے پاس ہیں تو آپ نے بیوی

صاحبہ سے کہا کہ فارم ہمیں دے دو چٹھی رساں انتظار کر رہا ہے۔ بیوی صاحبہ نے کہا ہم نہیں دیتے۔ تب آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا، آپ ان فارموں کو کیا کریں گے۔ بیوی صاحبہ نے کہا کہ آپ ہر روز روپیہ منگواتے ہیں۔ آج روپیہ ہم منگوائیں گے۔ (یعنی ففنٹی ففنٹی۔ ناقل) حضرت صاحب اس پر کچھ ناراض نہ ہوئے۔ نہ غصہ کا اظہار کیا بلکہ خندہ پیشانی سے فرمایا کہ وہ تو روپیہ ہمارے دستخطوں کے بغیر نہیں دے گا۔ لاؤ ہم دستخط کر دیتے ہیں پھر آپ ہی روپیہ منگوالیں۔ اس پر بیوی صاحبہ نے فارم دے دیئے اور حضرت صاحب نے دستخط کر کے پھر فارم ان کو دے دیئے'' بہت اچھا کیا آخر گھر میں بھی تو رہنا تھا۔ (ناقل) (روزنامہ الفضل 3 اپریل 1946ء)

بڑا مزہ ہے تیرے ساتھ ٹہلنے میں

''بیان کیا مجھ سے مولوی نورالدین صاحب نے کہ ایک دفعہ حضور کسی سفر میں تھے۔ جب سٹیشن پر پہنچے تو ابھی گاڑی آنے میں دیر تھی۔ آپ بیوی صاحبہ کو ساتھ لے کر سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر مولوی عبدالکریم صاحب نے مجھے (یعنی مولوی نورالدین کو) کہا کہ پلیٹ فارم پر بہت لوگ ہیں' وہ حضرت صاحب اور بیوی کو اکٹھا پھرتے دیکھ کر کیا کہیں گے۔ آپ حضرت صاحب سے عرض کریں کہ بیوی صاحبہ کو الگ بٹھا دیں۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ میں تو نہیں کہتا، آپ کہہ کر دیکھ لیں۔ ناچار مولوی عبدالکریم خود حضرت صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ لوگ بہت ہیں۔ بیوی صاحبہ کو ایک طرف بٹھا دیجئے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ''جاؤ جی میں ایسے پردہ کا قائل نہیں'' (سیرت المہدی جلد اول ص 63 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی) عجیب ڈھیٹ آدمی تھا۔ مرید غیرت سے دانت پیس رہا ہے۔ جل بھن رہا ہے لیکن مجسمہ بے غیرتی مرزا قادیانی کو شرم ہی نہیں آرہی۔ بیوی کو ساتھ لیے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا ہے۔ لوگ دیکھ رہے ہیں لیکن ماڈرن جوڑا تماشہ بنے اپنی چہل قدمی میں مگن ہے۔

میں نوکر تیرا

کذابِ قادیاں فسٹ کلاس رن مرید تھا۔ بیوی کے اشارۂ ابرو پر صدقے واری جاتا۔ دربار زوجہ سے جو حکم ملتا فوراً سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ سارے مریدوں کی جیبیں کاٹ کر سب کچھ بیوی کے قدموں میں ڈھیر کر دیتا۔ ''مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی اپنی کتاب سیرت المہدی میں لکھتا ہے' مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے اپنی کتاب ''سیرت المسیح موعود'' میں لکھا ہے کہ ''اندرون خانہ کی خدمت گار عورتوں کو میں نے بارہا خود تعجب سے کہتے سنا ہے کہ مرجا بیوی دی گل بڑی مندا اے'' مرزا بیوی کی بات بہت مانتا ہے۔ (سیرت المہدی جلد اول ص 259 مصنفہ بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

تجھ سے گلہ نہیں

مرزا قادیانی کی گھر میں کیا وقعت اور اہمیت تھی' ملاحظہ ہو''منشی عبدالخالق صاحب لاہوری نے کمال محبت اور دوستی کی بنا پر بیماری کی نسبت پوچھا اور عرض کیا کہ آپ کا کام بہت نازک ہے اور آپ کے سر فرائض کا بھاری بوجھ ہے آپ کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوی غذا لازماً اپنے لیے ہر روز تیار کرایا کریں۔ حضرت نے فرمایا ہاں بات تو درست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں مصروف رہتی ہیں اور ان باتوں کی پرواہ نہیں کرتیں۔''

(سیرت المسیح الموعود ص 7)

یہ سارا چندہ تیرے لیے

''لدھیانہ کا ایک شخص تھا جس نے ایک دفعہ مسجد میں مولوی محمد علی صاحب' خواجہ کمال الدین صاحب اور شیخ رحمت اللہ کے سامنے کہا کہ جماعت مقروض ہو کر اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر چندہ میں روپیہ بھیجتی ہے مگر یہاں بیوی صاحبہ کے کپڑے اور زیورات بن جاتے ہیں۔''

(خطبہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیان اخبار الفضل جلد 26 ص 330' 21 اگست 1938ء)

سچ ہی تو کہا تھا جلے مرید نے۔ وہ تنگی کاٹ کر چندہ دے اور''مسز مرزا قادیانی'' مریدوں کے چندوں سے نت نئے زیورات بنا بنا کر اپنی زیبائش و نمائش میں مصروف ہو۔ چندہ چور اور حرام خور مرزا قادیانی نے اپنی لاڈلی اور چہیتی بیوی نصرت جہاں بیگم کو جو زیورات پہنائے اس کی تفصیل دیکھئے اور سوچئے کہ ایک شخص جو پہلے کچہری میں منشی تھا' پھر گھر آ کر بے کار بیٹھا ہے۔ پہلی بیوی اور اس کے بچے پڑے ہیں' دوسری بیوی کو اتنے زیورات کہاں سے پہنا رہا ہے؟ جب فہرست پر نگاہ ڈالتے ہیں تو مرید سچا نظر آتا ہے اور انگریزی نبی جھوٹا۔ فہرست پیش خدمت ہے۔

کڑے خورد طلائی۔ 250 روپے، بندے طلائی۔ 500 روپے، کنٹھہ طلائی۔ 225 روپے۔ کنگن طلائی۔ 220 روپے، بندے طلائی۔ 300 روپے، بالے گھنگھروؤں والے۔ 300 روپے۔

حسیاں خورد۔ 300 روپے پونچیاں طلائی۔ 150 روپے، مونگے۔ 200 روپے

چاند طلائی۔ 50 روپے، بالیاں جڑاؤ۔ 150 روپے، نتھ طلائی۔ 40 روپے

ٹیب جڑاؤ۔ 70 روپے، کڑے کلاں طلائی۔ 750 روپے

کل رقم۔ 3505 روپے (قادیانی نبوت ص 85 بحوالہ فسانہ قادیان مصنفہ حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری) اس زمانہ میں سونا تقریباً بیس روپے تولہ تھا۔ اس حساب سے اس زمانہ میں چندہ چور مرزا قادیانی نے اپنی بیوی کو تقریباً 175 تولے سونا پہنایا یعنی دو سیر تین چھٹانک۔ (مولف)

جیسے تیری مرضی

قادیان کے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر 1945ء میں مفتی محمد صادق نے مرزا قادیان کی ''گھریلو زندگی'' پر تقریر کی، جو الفضل 3 اپریل 1946ء میں شائع ہوئی۔ مفتی صادق نے مرزا قادیانی کی گھریلو زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا ''ایک دفعہ کسی نے خیر خواہی سے کہا کہ بیوی صاحبہ اپنے زیورات کو بار بار تو ڑواتی ہے اور نئی نئی شکل میں بنواتی رہتی ہے۔ اس طرح تو بہت سا نقصان ہوتا ہے اور بہت سا حصہ زرگر ہی کھا جاتے ہیں۔ بیوی صاحبہ کو روکنا چاہیے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ان کا مال ہے جس طرح چاہیں کریں۔''

بالکل ٹھیک کہا۔ مال مفت دل بے رحم (ناقل)

بے غیرت خاوند......

''بیوی صاحبہ مرزا جی کے مریدوں کو ساتھ لے کر لاہور سے کپڑے بھی خود ہی خرید لایا کرتی تھیں۔'' (کشف الظنون مرتبہ ڈاکٹر بشارت احمد لاہور ص 88)

سچا نبی امت میں غیرت پیدا کرتا ہے لیکن نبی قادیان کے گھر پر بے غیرتی کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ شرافت سر پیٹ رہی ہے اور حیا منہ چھپائے بیٹھی ہے۔ توجہ فرمایئے! مرزا قادیانی کی جوان بیوی جو اسے بڑھاپے میں ملی، مریدوں کے ساتھ ٹہلتی چہکتی جا رہی ہے .... گاڑی میں سوار ہو رہی ہے .... قادیان سے لاہور آ رہی ہے .... خاصا طویل سفر ہے...... راستے میں کھانے پینے کی احتیاج ہے...... لاہور آ گیا ہے...... تانگہ میں سوار ہو کر بازاروں میں جا رہی ہے...... مریدوں کی معیت میں شاپنگ ہو رہی ہے...... معلوم نہیں واپسی ایک دن میں ہے یا چار دن میں...... اگر ایک دن سے زیادہ ہے تو رات کہاں ٹھہرتی ہے...... پھر واپسی ہوتی ہے...... رن مرید خاوند سر چڑھی بیوی کا استقبال کرنے کے لیے سراپا انتظار بنے سر کے بل کھڑا ہے۔ ایسا وہی کر سکتا ہے جس کی غیرت نے کفن پہن لیا ہو اور جس کی حمیت لاش بن چکی ہو۔ جی ہاں! خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والوں پر خدا کی پھٹکار اسی طرح پڑتی ہے اور رب ذوالجلال ان کے ذہنوں سے عزت و غیرت کا مفہوم چھین لیتا ہے۔ (مؤلف)

گھر میں کوئی عزت نہیں

''خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب اپنی کتاب ''سیرت المہدی الموعود'' میں لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت اقدس نازک سے نازک مضمون لکھ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ عربی زبان میں بے مثل، فصیح کتابیں لکھ رہے ہیں اور پاس ہنگامہ قیامت برپا ہے۔ بے تمیز بچے اور سادہ عورتیں جھگڑ رہی ہیں، چیخ رہی ہیں، چلا رہی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آپس میں دست و گریبان ہو رہی ہیں اور پوری

زنانہ کرتوتیں کر رہی ہیں۔ مگر حضرت صاحب یوں لکھے جا رہے اور کام میں یوں مستغرق ہیں کہ گویا خلوت میں بیٹھے ہیں۔ یہ ساری لانظیر اور عظیم الشان عربی ٗ اردو، فارسی کی تصانیف ایسے ہی مکانوں میں لکھی ہیں۔''
(سیرت المہدی ص 279 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

جس کے اپنے گھر میں اخلاقیات کا اس حد تک جنازہ نکلا ہو وہ لوگوں کے اخلاق کیا سنوارے گا؟ اس حوالہ سے یہ نکتہ بھی ابھرتا ہے کہ مرزا قادیانی کا اپنے گھر میں کوئی رعب نہیں تھا۔ بچے چیخیں مار رہے ہیں، عورتیں دست وگریبان ہیں اور مرزا قادیانی سامنے بیٹھا لکھ رہا ہے۔ لیکن کسی کو اس کی جوتی برابر بھی پروا نہیں۔ رہا یہ مسئلہ کہ اس وقت مرزا قادیانی کیا لکھ رہا ہوتا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ جس وقت عورتیں ایک دوسرے کا گریبان کھینچ رہی ہوں، زبانیں قینچی کی طرح چل رہی ہوں۔ بچوں نے لڑلڑ کر آسمان سر پر اٹھایا ہوا ہو۔ لازمی بات ہے کہ اس شدت کی لڑائی میں گالیوں کا تبادلہ بھی ہوتا ہوگا۔ ادھر سے فریقین گالیاں بک رہے ہیں اور مرزا قادیانی دھڑا دھڑ ان گالیوں کو لکھے جا رہا ہے اور پھر ساری گالیاں اکھٹی کر کے اپنی تصانیف میں مسلمانوں کو لکھ دیتا ہے جو اس کی تصانیف میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ (ناقل)

بیگم کی ناز پروری

''اور آخری سالوں میں حضور عموماً ایک سالم سیکنڈ کلاس کمرہ اپنے لیے ریزرو کرا لیا کرتے تھے اور اس میں حضرت بیوی صاحبہ اور بچوں کے ساتھ سفر فرماتے تھے اور حضور کے احباب دوسری گاڑی میں بیٹھتے تھے مگر مختلف سٹیشنوں پر اتر اتر کر وہ حضور سے ملتے رہتے تھے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضور الگ کمرہ کو اس خیال سے ریزرو کروا لیتے تھے کہ تا کہ حضرت والدہ صاحبہ کو علیحدہ کمرہ میں تکلیف نہ ہو اور حضور اپنے اہل وعیال کے ساتھ اطمینان کے ساتھ سفر کر سکیں۔''

(سیرت المہدی حصہ دوم ص 101 مصنف مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

ایک سیکنڈ کلاس کے کمرہ میں ایک سو چار (104) مسافروں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن انگریز کا لاڈلا نبی بیگم کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے پورا کمرہ ریزرو کروا کے بیٹھا ہوا ہے۔ ویسے اس شاہی خرچے میں مرزا قادیانی کی جیب سے کچھ نہیں جاتا تھا۔

نازنخرے بیگم کے اور دولت انگریز کی!!!

ملکہ کا راج

''مکرمی مفتی محمد صادق صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں، میں کسی وجہ سے اپنی بیوی مرحومہ پر کچھ خفا ہوا۔ جس پر میری بیوی نے مولوی عبدالکریم صاحب کی بڑی بیوی کے پاس جا کر میری ناراضگی کا ذکر کیا اور مولوی صاحب کی بیوی نے مولوی صاحب سے ذکر کر

دیا۔ اس کے بعد میں جب مولوی عبدالکریم صاحب سے ملا تو انہوں نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں ملکہ کا راج ہے، بس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہا مگر میں ان کا مطلب سمجھ گیا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب کے یہ الفاظ عجیب معنی خیز ہیں، کیونکہ ایک طرف تو ان دنوں میں برطانیہ کے تخت پر ملکہ وکٹوریہ متمکن تھیں اور دوسری طرف حضرت مولوی صاحب کا اس طرف اشارہ تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام اپنے خانگی معاملات میں حضرت ام المؤمنین کی بات بہت مانتے ہیں اور گویا گھر میں حضرت ام المومنین ہی کی حکومت ہے۔''

(سیرت المہدی ص 103 حصہ دوم مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

واہ ملکہ قادیان!

کیا چرچے ہیں تیری حکومت کے! معلوم ہوتا ہے کہ ''رن مریدی'' مذہب قادیان کا ایک اہم رکن ہے۔

میاں فخر الدین صاحب ملتانی ثم قادیانی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب 1907ء میں بیوی صاحبہ لاہور تشریف لے گئیں تو ان کی واپسی کی اطلاع آنے پر مسیح موعود علیہ السلام ان کو لانے کے لیے بٹالہ تک تشریف لے گئے۔ میں نے بھی مولوی سید محمد احسن صاحب مرحوم کے واسطے سے حضرت صاحب سے آپ کے ساتھ جانے کی اجازت حاصل کی اور حضرت صاحب نے اجازت عطا فرمائی مگر مولوی صاحب سے فرمایا کہ فخر الدین سے کہہ دیں کہ اور کسی کو خبر نہ کرے اور خاموشی سے ساتھ چلا چلے۔ بعض اور لوگ بھی حضرت صاحب کے ساتھ ہم رکاب ہوئے۔ حضرت صاحب پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوئے جسے آٹھ کہار باری باری اٹھاتے تھے۔ بٹالہ پہنچ کر حضرت صاحب نے سب خدام کی معیت میں کھانا کھایا اور پھر سٹیشن پر تشریف لے گئے۔ جب حضرت صاحب سٹیشن پر پہنچے تو گاڑی آ چکی تھی اور حضرت بیوی صاحبہ گاڑی سے اتر کر آئی ہوئی تھیں اور حضرت صاحب کو ادھر دیکھ رہی تھیں۔ حضرت صاحب بھی بیوی صاحبہ کو دیکھتے پھرتے تھے کہ اتنے میں لوگوں کے مجمع میں حضرت بیوی صاحبہ کی نظر حضرت صاحب پر پڑ گئی اور انہوں نے محمود کے ابا کہہ کر حضرت صاحب کو اپنی طرف متوجہ کیا اور پھر حضرت صاحب نے سٹیشن پر ہی سب لوگوں کے سامنے بیوی صاحبہ کے ساتھ مصافحہ فرمایا اور ان کو ساتھ لے کر فرودگاہ پر واپس تشریف لے آئے۔''

(سیرت المہدی ص 106,107 حصہ مصنف مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

قارئین! مندرجہ بالا حوالہ پڑھ کر ہر ذی شعور کے ذہن میں سوال اٹھتے ہیں۔

نوجوان نصرت جہاں بیگم لاہور کیا لینے گئی تھی؟

اکیلی کیوں گئی تھی اور اکیلی کیوں آئی؟

مرزا قادیانی غیر محرم مردوں کا ہجوم ساتھ لے کر سٹیشن پر بیوی کا استقبال کر کے کس غیرت کا

مظاہرہ کررہا ہے؟

مرزا قادیانی کا مرید جونصرت جہاں بیگم کی ہر ہرادا دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر ساری کہانی بیان کررہا ہے، اس کا نصرت جہاں بیگم سے کیا تعلق ہے؟

نصرت جہاں بیگم کا مرزا قادیانی کو سٹیشن پر دور سے دیکھ کر پورے مجمع میں بے تکلفانہ ''محمود کے ابا'' کہہ کر پکارنے تں کس شوخی اور بے باکی کا اظہار ہے؟

مرزا قادیانی کا سینکڑوں دیکھتی آنکھوں کے سامنے نصرت جہاں بیگم سے پرُ جوش دست پنجہ لینا کس شرم وحیا کی تبلیغ ہے؟

کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ سچا نبی امت میں غیرت پیدا کرتا ہے اور جھوٹا نبی بے غیرتی! اور یہی بے غیرتی و بےحمیتی قادیانی نبوت کا شناخت نامہ ہے۔

الٰہی محفوظ رکھنا ہر بلا سے
خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

محمد طاہر عبدالرزاق

مرزا قادیانی کی اَکھ مٹکّے کی شادی

تقریباً ایک صدی بیتی، مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور میں ایک نہر کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ اس نہر کو قادیان سے دو اڑھائی میل مغرب کی جانب سے بھی گزرنا تھا۔ قادیان کے قریب جب اس نہر کی کھدائی شروع ہوئی تو محکمہ نہر کے ایک ملازم میر ناصر نواب کی ڈیوٹی اس نہر پر لگی۔ میر ناصر نواب دہلی کا رہنے والا تھا اور ملازمت کے سلسلہ میں بمعہ اہل وعیال یہاں آیا تھا اور قادیان کے قریب ایک گاؤں ''تتلہ'' میں رہائش اختیار کر لی تھی۔ قادیان میں اس کی ملاقات ایک شخص مرزا غلام قادر سے ہوئی تھی اور تھوڑی ہی مدت بعد یہ ملاقات ایک گہری دوستی میں بدل جاتی ہے۔ ایک دن میر ناصر نواب کی اہلیہ بیمار ہو جاتی ہے۔ پردیس میں آیا ہو میر ناصر نواب بیماری سے پریشان ہو جاتا ہے اور وہ اپنی اس پریشانی کا اظہار اپنے دوست مرزا غلام قادر سے کرتا ہے۔ مرزا غلام قادر اسے کہتا ہے کہ تم فکر نہ کرو میرا باپ ایک ماہر طبیب ہے۔ تم بیوی کو لے کر میرے گھر آ جانا' میں والد صاحب سے اس کا علاج کروا دوں گا۔ میر ناصر نواب بیوی کو لے کر قادیان پہنچتا ہے۔ اس کے دوست مرزا غلام قادر کا باپ مرزا غلام مرتضٰی مریضہ کی نبض دیکھتا ہے اور ایک نسخہ لکھ دیتا ہے۔ اس واقعہ کے بعد دونوں کی دوستی اور پکی ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے کچھ مدت بعد غلام قادر کا باپ مرزا غلام مرتضٰی فوت ہو جاتا ہے۔ مرزا غلام قادر میر ناصر نواب سے کہتا ہے کہ آپ گاؤں ''تتلہ'' میں رہتے ہیں۔ وہ گاؤں بدمعاشوں کا گاؤں ہے اور آپ پردیسیوں کا وہاں رہنا مناسب نہیں۔ میں گورداسپور میں رہتا ہوں اور ہمارا قادیان والا مکان خالی پڑا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی مرزا غلام احمد اس مکان کے ایک حصہ میں رہتا ہے اور وہ بھی کبھی کبھی گھر آتا ہے ورنہ اس کا زیادہ وقت باہر ہی گزرتا ہے۔ اس لیے آپ کو پردہ وغیرہ کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ میر ناصر نواب مرزا غلام قادر کی پیشکش کو قبول کر لیتا ہے اور اپنی فیملی کو لے کر قادیان میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں پہنچتے ہی مرزا غلام احمد اور میر ناصر نواب کی بیوی کے محبت بھرے تعلقات استوار ہو جاتے ہیں۔ طائر محبت آسمان سے باتیں کرنے لگتا ہے اور دونوں ایک دوسرے پر دل نثار کرنے لگتے ہیں۔ دونوں اطراف سے تحائف کا تبادلہ شروع ہو جاتا ہے۔ جب ان محبت بھرے خفیہ تعلقات کا پتہ مرزا غلام قادر کی بیوی یعنی مرزا غلام احمد کی بڑی بھاوج کو چلتا ہے تو

وہ ان ناجائز تعلقات کا سختی سے نوٹس لیتی ہے۔ جس سے محبت بھرے جوڑے اور غلام قادر کی بیوی میں ٹھن جاتی ہے۔ اس ساری صورت حال کو مرزا غلام احمد قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد اپنی کتاب سیرت المہدی میں میر ناصر نواب کی بیوی یعنی اپنی نانی کی زبان سے یوں بیان کرتا ہے۔ بیان کو ذرا پوری توجہ سے پڑھیے۔

''ان دونوں جب بھی تمہارے تایا (مرزا غلام قادر) گورداسپور سے قادیان آتے تھے تو ہمارے لیے پان لایا کرتے تھے اور میں ان کے واسطے کوئی اچھا سا کھانا تیار کر کے بھیجا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جو میں نے شامی کباب ان کے لیے تیار کیے اور بھیجنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ گورداسپور واپس چلے گئے ہیں۔ جس پر مجھے خیال آیا کہ کباب تو تیار ہی ہیں ان کے چھوٹے بھائی (مرزا غلام احمد) کو بھجوا دیتی ہوں۔ چنانچہ میں نے نائن کے ہاتھ تمہارے ابا کو کباب بھجوا دیئے اور نائن نے مجھے آ کر کہا کہ وہ بہت ہی شکر گزار ہوئے تھے، اور انہوں نے بڑی خوشی سے کباب کھائے اور اس دن انہوں نے اپنے گھر سے آیا ہوا کھانا نہیں کھایا۔ اس کے بعد میں ہر دوسرے تیسرے دن ان کو کچھ کھانا بنا کر بھجوا دیا کرتی تھی، اور وہ بڑی خوشی سے کھاتے تھے۔ لیکن جب اس بات کی اطلاع تمہاری تائی کو ہوئی تو انہوں نے بہت برا منایا کہ میں کیوں ان کو کھانا بھیجتی ہوں۔ کیونکہ وہ اس زمانہ میں تمہارے ابا کے سخت مخالف تھیں اور چونکہ گھر کا سارا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ ہر بات میں انہیں تکلیف پہنچاتی تھیں مگر تمہارے ابا صبر کے ساتھ ہر بات کو برداشت کرتے تھے۔'' یعنی بہت ڈھیٹ تھے۔ (ناقل)

(سیرت المہدی حصہ دوم ص 110 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

مرزا غلام احمد نے جہاں اپنے شیطانی جال میں میر ناصر نواب کی بیوی کو جکڑ رکھا تھا۔ وہاں اس نے میر ناصر نواب کی نوخیز بیٹی نصرت جہاں بیگم پر بھی اپنی حریص آنکھ رکھی ہوئی تھی اور لڑکی کو بھی اس نے رام کر لیا اور وہ بڈھا کھوسٹ اس سے شادی رچانا چاہتا تھا۔ مرزا قادیانی کے پاس ماں بیٹی سے ملنے کے کھلے مواقع تھے اور وہ جی بھر کر ان سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ مرزائی بھی اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی اپنی کتابیں مرزا قادیانی کی خباثت پر گواہی دے رہی ہیں۔

''بیان کیا مجھ سے والدہ صاحبہ (زوجہ مرزا قادیانی) نے کہ جب میں چھوٹی لڑکی تھی، تو میر صاحب (یعنی خاکسار کے نانا جان) کی تبدیلی ایک دفعہ یہاں قادیان بھی ہوئی تھی اور ہم چھ سات ماہ یہاں ٹھہرے تھے۔ پھر یہاں سے دوسری جگہ میر صاحب کی تبدیلی ہوئی۔ تو وہ تمہارے تایا سے بات کر کے ہم کو تمہارے تایا کے مکان میں چھوڑ گئے تھے اور پھر ایک مہینہ کے بعد آ کر لے گئے۔ اس وقت تمہارے تایا قادیان سے باہر رہتے تھے اور آٹھ روز کے بعد یہاں آیا کرتے تھے اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ان کو دیکھا ہے۔ خاکسار نے پوچھا کہ حضرت صاحب کو بھی ان دونوں میں آپ نے دیکھا تھا یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ حضرت صاحب رہتے تو اس مکان میں تھے مگر میں نے آپ کو نہیں دیکھا اور والدہ صاحبہ

نے مجھے وہ کمرہ دکھایا جس میں ان دنوں حضرت صاحب رہتے تھے۔"

(سیرت المہدی حصہ اول ص 57-56 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

قارئین کرام! آپ نے دیکھا کہ میر ناصر نواب پورا ایک مہینہ گھر پر نہیں۔ مرزا قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر ہفتہ کے بعد صرف تھوڑی دیر کے لیے قادیان آتا ہے۔ گھر میں میر ناصر نواب کے اہل خانہ کے ساتھ مرزا قادیانی گھسا ہوا ہے اور اپنی شنیع حرکات میں مصروف ہے۔

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

بیٹا ماں سے پوچھ رہا ہے کہ کیا آپ نے شادی سے پہلے مرزا قادیانی کو دیکھا تھا، جس کے جواب میں نصرت جہاں بیگم کمال سادگی سے کہہ رہی ہے کہ انہیں تو نہیں دیکھا تھا مگر ان کا کمرہ دیکھا تھا۔ یعنی مکان دیکھا ہے، مکین نہیں دیکھا۔

ہائے اس سادگی پہ کون نہ مر جائے

مرزا قادیانی نے نصرت جہاں بیگم سے شادی کے لیے اس کی ماں سے اصرار کیا تو اس کی ماں نے اسے جواب دیا، تھوڑی دیر صبر کرو، میں تمہارے لیے راستہ بناتی ہوں تاکہ ہماری عزت بھی لوگوں کی نگاہوں میں محفوظ رہے اور تمہارا کام بھی بن جائے۔ نصرت جہاں بیگم کے لیے جو بھی رشتہ آئے گا۔ میں اس کے باپ سے اس رشتہ کے بارے میں انکار کر دیا کروں گی اور پھر جب پانچ سات رشتوں کو ٹھکرا دوں گی تو اس کے ساتھ ہی تمہارے لیے راستہ ہموار کر دوں گی۔ میر ناصر نواب قادیان سے دفتری رخصت لے کر اپنے شہر دہلی واپس چلا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر میر ناصر نواب کی بیوی اس سے کہتی ہے کہ اب نصرت جہاں بیگم اٹھارہ سالہ جوان ہو چکی ہے' ہمیں اس کی شادی کا سوچنا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے خاوند سے کہتی ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں مرزا غلام احمد کی ضرور مدد لینی چاہیے کیونکہ وہ بااثر اور تعلقات رکھنے والا آدمی ہے۔ میر ناصر کی بیوی اسے شیشے میں اتار لیتی ہے اور میر ناصر نواب فوراً مرزا قادیانی کو اس بارے میں خط لکھتا ہے۔ اب اس کہانی کی صورت حال مرزا بشیر احمد سے سنئے، جسے وہ اپنی نانی کی زبانی بیان کر رہا ہے۔

"اس کے بعد ہم رخصت پر دہلی گئے اور چونکہ تمہاری اماں اس وقت جوان ہو چکی تھی۔ ہمیں ان کی شادی کا فکر پیدا ہوا اور میر صاحب نے ایک خط تمہارے ابا (مرزا قادیانی) کے نام لکھا کہ مجھے اپنی لڑکی کے واسطے بہت فکر ہے، آپ دعا کریں کہ خدا کسی نیک آدمی کے ساتھ تعلق کی صورت پیدا کر دے۔ تمہارے ابا نے جواب میں لکھا کہ اگر آپ پسند کریں تو میں خود شادی کرنا چاہتا ہوں اور آپ کو معلوم ہے کہ گو میری پہلی بیوی موجود ہے اور بچے بھی ہیں مگر آج کل میں عملاً مجرد ہی ہوں، وغیرہ ذلک۔

کتنی بے تکلفی تھی ساس اور داماد میں۔ یہیں سے دال میں کالا کالا مرزا قادیانی پکڑا جاتا ہے۔ (ناقل)

میر صاحب نے اس ڈر کی وجہ سے کہ میں اسے برا مانوں گی، مجھ سے اس خط کا ذکر نہیں کیا

(اس بدھو کو کیا پتہ تھا کہ سارا کھیل ہی تیرا بنایا ہوا ہے۔) اور اس عرصہ میں اور بھی کئی جگہ سے تمہاری اماں کے لیے پیغام آئے۔ لیکن میری کسی جگہ تسلی نہ ہوئی۔ حالانکہ پیغام دینے والوں میں سے بعض اچھے اچھے متمول آدمی بھی تھے اور بہت اصرار کے ساتھ درخواست کرتے تھے۔

بالآخر ایک دن میر صاحب نے ایک لدھیانہ کے باشندے کے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار کی درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی اسے رشتہ دے دو۔ میں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی تو مجھے شرح صدر نہ ہوا اور میں نے انکار کیا۔ جس پر میر صاحب نے کچھ ناراض ہو کر کہا کہ لڑکی اٹھارہ سال کی ہوگئی ہے کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑو گی۔ میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔ (تیر چلا دیا۔ ناقل) میر صاحب نے جھٹ ایک خط نکال کر میرے سامنے رکھ دیا کہ لو پھر مرزا غلام احمد کا خط بھی آیا ہوا ہے۔ (کسی ذریعہ سے مرزا قادیانی کو خط بھیجنے کا پیغام بھجوا دیا ہوگا) جو کچھ ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیے۔ میں نے کہا اچھا غلام احمد کو لکھ دو۔ چنانچہ تمہارے نانا جان نے اسی وقت قلم دوات لے کر خط لکھ دیا (تیر نشانے پر لگا۔ مبارک ہو۔ ناقل) اور اس کے آٹھ دن بعد تمہارے ابا دہلی پہنچ گئے۔ (سیرت المہدی حصہ دوم 110۔ 111 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

میر ناصر نواب کے دہلی جانے کے وقت سے لے کر شادی کی ہاں ہونے تک کے درمیانی وقت میں مزا قادیانی کے دل پر غم فراق کے آرے چلتے رہے۔ اس کی آنکھیں نصرت جہاں کو دیکھنے کے لیے تڑپتی رہیں اور تپ ہجر میں اس کا دماغ ابلتا رہا۔ اس کے دن انگاروں پر اور راتیں کانٹوں پر بسر ہوتی رہیں۔ وہ کس کرب، درد و سوز کے ساتھ چلاتا تھا۔ اس کیفیت کا پتہ ہمیں خود قادیانی ہی بتاتے ہیں، حوالہ پیش خدمت ہے۔

''خاکسار عرض کرتا ہے مرزا سلطان احمد صاحب سے مجھے حضرت مسیح (مرزا قادیانی) موعود کی ایک شعروں کی کاپی ملی ہے، جو بہت پرانی معلوم ہوتی ہے۔ غالبا نوجوانی کا کلام ہے۔ حضرت صاحب کے اپنے خط میں ہے۔ جسے میں پہچانتا ہوں۔

بعض شعر بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا
ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا میرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

O

ہائے کیوں ہجر کے الم میں پڑے
مفت بیٹھے بٹھائے غم میں پڑے
اس کے جانے سے صبر دل سے گیا
ہوش بھی ورطہ عدم میں پڑے

O

سبب کوئی خداوندا بنا دے
کسی صورت سے وہ صورت دیکھا دے
کرم فرما کے آ او میرے جانی
بہت روئے ہیں اب ہم کو ہنسا دے
کبھی نکلے گا آخر تنگ ہو کر
دلا اک بار شور و غل مچا دے

O

نہ سر کی ہوش ہے تم کو نہ پا کی
سمجھو ایسی ہوئی قدرت خدا کی
میرے بت اب سے پردہ میں رہو تم
کہ کافر ہو گئی خلقت خدا کی

O

نہیں منظور تھی گر تم کو الفت
تو یہ مجھ کو بھی جتلایا تو ہوتا
میری دلسوزیوں سے بے خبر ہو
میرا کچھ بھید بھی پایا تو ہوتا
دل اپنا اس کو دوں یا ہوش یا جاں
کوئی اک حکم فرمایا تو ہوتا

(سیرت المہدی حصہ اول ص 232۔233 مصنفہ مرزا بشیر احمد ابن مرزا قادیانی)

پچپن سالہ دولہا اٹھارہ سالہ دولھن کو لینے کے لیے دہلی پہنچ گیا۔ بارات میں مرزا قادیانی کے قریبی ہندو دوست بھی شامل تھے۔ نکاح ہوا مرزا قادیانی اٹھارہ سالہ دولہن کو چھک چھک کرتی گاڑی میں بٹھا کر قادیان لے آیا۔ والدین نے بیٹی کے ساتھ ایک عورت کو بھی بھیجا۔ قادیان پہنچ کر نصرت جہاں بیگم

اداس اداس اور گھبرائی رہنے لگی۔ وہ دیدے کھول کھول کر فضاؤں میں گھورتی رہتی اور کبھی کبھی ان اداس دیدوں سے موٹے موٹے اور گرم گرم آنسو گر کر اس کے کپڑوں پر پھیل جاتے۔ وہ آنسو بھری سرخ آنکھیں پونچھ کر پھر فضاؤں میں گھورنے لگتی گویا اڑ کر دہلی جانا چاہتی ہو۔ دل کا غم قلم کے ذریعے کاغذ پر پھیل گیا یعنی نصرت جہاں بیگم نے اپنے والدین کو اپنی دلی کیفیات بیان کرتے ہوئے خطوط لکھے، جس کی گواہی اس کی ماں ان الفاظ میں دیتی ہے۔

''جب تمہاری اماں قادیان آئیں تو یہاں سے ان کے خط گئے کہ میں سخت گھبرائی ہوئی ہوں اور شاید میں اس غم اور گھبراہٹ سے مر جاؤں گی۔ چنانچہ ان خطوں کی وجہ سے ہمارے خاندان کے لوگوں کو اور بھی اعتراض کا موقع مل گیا اور بعض نے کہا کہ اگر آدمی نیک تھا تو اس نیکی کی وجہ سے لڑکی کی عمر کیوں خراب کی۔ اس پر ہم لوگ بھی کچھ گھبرائے اور رخصتانہ کے ایک مہینہ کے بعد میر صاحب قادیان آ کر تمہاری اماں کو لے گئے۔ جب وہ دہلی پہنچیں تو میں نے اس عورت سے پوچھا جس کو میں نے دلی سے ساتھ بھیجا تھا کہ لڑکی کیسی رہی؟ اس عورت نے تمہارے ابا کی بہت تعریف کی اور کہا لڑکی یونہی شروع شروع میں اجنبیت کی وجہ سے گھبرا گئی ہوگی ورنہ مرزا صاحب نے تو ان کو بہت ہی اچھی طرح سے رکھا ہے اور وہ بہت اچھے آدمی ہیں اور تمہاری اماں نے بھی کہا کہ مجھے انہوں نے بڑے آرام کے ساتھ رکھا مگر میں یونہی گھبرا گئی تھی۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد واپس ہمارے پاس آ گئیں۔

(سیرت المہدی حصہ دوم ص 111۔112 مصنفہ مرزا بشیر احمد قادیانی ابن مرزا قادیانی)

اس مندرجہ بالا بیان کو پڑھ کر ذہن میں بہت سے سوال ابھرتے ہیں:

نصرت جہاں بیگم کیوں اداس اداس اور پریشان رہی؟

نصرت جہاں بیگم کیوں گھبراہٹ سے مری جا رہی تھی؟

تھوڑے دنوں کے بعد نصرت جہاں بیگم کا گھبرایا گھبرایا دل کیسے خوشی سے جھوم اٹھا؟

جب ہم ذہنوں پر زور دے کر اس سوالوں کے جوابات تلاش کرتے ہیں تو خود مرزا قادیانی ہی ہمیں ان تمام سوالوں کا جواب دے دیتا ہے۔ حوالہ پیش خدمت ہے۔

''اس شادی کے وقت مجھے یہ ابتلاء پیش آیا کہ بباعث اس کے کہ میرا دل اور دماغ سخت کمزور تھا اور میں بہت سے امراض کا نشانہ رہ چکا تھا اور دو مرضیں یعنی ذیابیطس اور دردِ سر مع دورانِ سر قدیم سے میرے شامل حال تھیں۔ جن کے ساتھ بعض اوقات مجھے تشنج قلب بھی ہوتا تھا۔ اس لیے میری حالت مردمی کالعدم تھی (دہلی کیا لینے گئے تھے؟ ناقل) اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی تھی۔ غرض اس ابتلاء کے وقت میں نے جناب الٰہی سے دعا کی اور مجھے اس نے دفع مرض کے لیے الہام سے دو آیتیں بتائیں اور میں نے کشفی طور پر یہ دیکھا کہ ایک فرشتہ (حکیم نورالدین۔ ناقل) وہ دوائیں میرے منہ میں ڈال رہا

ہے۔چنانچہ وہ دوا میں نے تیار کی اور اس میں خدا تعالیٰ نے اتنی برکت ڈال کی کہ میں نے دلی یقین سے معلوم کیا کہ وہ صحت طاقت جو ایک پورے تندرست انسان کو دنیا میں مل سکتی ہے وہ بھی دی گئی .... میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور اپنے آپ کو خداداد طاقت میں پچاس مردوں کے قائم مقام پایا (تریاق القلوب ص 68-67 مصنفہ مرزا قادیانی) واہ رے بھگتو! بیوی تو اس راز کو چھپاتی رہی اور تو نے ہنڈیا چوراہے میں پھوڑ دی۔ دوائیوں کے سہارے اور دوستوں کے تعاون سے مرزا قادیانی کا گھر پرانی سائیکل کی طرح چوں چوں اور کھڑ کھڑ کرتا چل تو پڑا لیکن نصرت جہاں بیگم نے گھر کے ہر میدان میں مرزا قادیانی کو شکست فاش دیتے ہوئے نصرت کے ایسے جھنڈے گاڑے کہ گھر میں مرزا قادیانی کی حالت اس تانگے کے مریل گھوڑے کی طرح تھی جس پر آٹھ سواریاں لدی ہوں اور وہ سخت گرمی میں پسینے میں شرابور چابک کھاتا اور منہ سے جھاگ نکالتا ہو کھڈے دار سڑک پر بٹالہ سے قادیان جا رہا ہو۔

❁......❁......❁

"تم ایسے مذہبی پیشوا تو نہیں ہو جس کے جبہ و عمامہ اور پاکبازی کا سارا انحصار لوگوں کی سادہ لوحی اور اخلاص پر ہو اور صرف ان کی مہربانی اور نیک دلی نے تمھارے سر پر بزرگی کا تاج رکھ دیا ہو لیکن اندرونی طور پر وہ مذہبی پیشوا ہو جو شیطنت اور بداطواری کا بدترین نمونہ ہو۔ اگر ایسا ہے تو تم کافر اور لامذہب ہو اور اس امر سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم ہر روز فاقہ کرتے ہو اور ساری رات عبادت میں کھڑے رہتے ہو۔"

خلیل جبران

راحت ملک

خرقہ پوش شاطر

اگر ریاست ربوہ کا عمرانی احتساب کیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان میں اس کی وہی حیثیت ہے جو ''اسرائیل'' کی بلادِ اسلامیہ میں ہے۔ اسلامی معاشرے کے دل میں یہ تیر نیم کش کی طرح پیوست ہے۔ اس خلش سے سارا سماج نڈھال ہو رہا ہے۔ قانون کی بے بسی نے اس ''دینی یاغستان'' کو ایک قسم کا فروغ بخشا ہے۔ عوام اور حکام اس ابتلاء سے خوب آگاہ ہیں۔ ملکی قانون میں اس کے استیصال کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اس واسطے ربوہ کا مذہبی آمر تقریر اور تحریر میں ایسے تمرد کا مظاہرہ کر جاتا ہے جس کا تصور بھی اسلامی ریاست میں مشکل ہے۔ حکومت اپنی مصلحت بینیوں سے عاجز ہے اور عوام حکومت کے عجز پر نوحہ کناں ہیں۔ خدا نے پاکستان کی داغ بیل اس لیے نہیں ڈالی تھی کہ وہ حکومتی معذوریوں کی وجہ سے ایک عمرانی فتنہ کا شکار ہو جائے۔ جوں جوں حکومت قانون کی آڑ لے کر اپنے فرائض سے گریز کرے گی، توں توں خدا اس وطن مقدس کی بقا اور عروج کے سامان پیدا کرے گا۔ اس کا باطنی فتنہ اپنے ''خرقہ پوش شاطر'' کے ہاتھوں فنا ہو جائے گا۔ جن لوگوں کی حکومت سے زیادہ خدا اور اس کی سنت قدیم کے اعجاز اور کرشموں پر نظر ہے وہ دیکھ رہے ہیں کہ قادیانی خلافت داخلی انتشار میں مبتلاء ہے۔ جماعتی نظام پر جذام کی سی کیفیت طاری ہے۔

ابلیسانہ تلبیس والتباس کے چکر دیکھ رہا ہے۔ ابتداء میں اس نے عمرانی فتنے سے اغماض کیا لیکن خلیفہ کی بڑھتی ہوئی جارحیت سے اس کی چشم بصیرت وا ہو گئی۔ اب ایک کوچہ نورد کو بھی شعور ہے کہ اس شخص نے دین کی نظر فریب پردے میں چہار سو دام تزویر پھیلا رکھا ہے۔ اس نے خود ساختہ الہاموں سے نہ صرف الوہیت کے خلاف علم بغاوت کھڑا کر رکھا ہے بلکہ اس نے انسانوں کی انسانیت پر بھی شبخون مارا ہے۔ اس نے اپنے مریدوں کو قردۃً خاسئین بنا رکھا ہے۔ وہ اس کے ہاتھ میں اس طرح رقص کرتے ہیں جس طرح بندر مداری کے ہاتھ میں۔ بندر مداری سے بھاگ کر جنگل میں نہیں جانا چاہتا کیونکہ اس کی فطرت مسخ ہو چکی ہے اور وہ جنگل کے بندروں میں رہنے کے قابل نہیں رہا۔ اگر مداری اس کو چھوڑ دے تو وہ بھاگ کر اسی کے کھونٹے پر آ جائے گا۔ اس کو اب مداری کی زنجیر میں ہی آرام ہے۔ اگر وہ کہیں جنگل میں جا نکلے تو جنگل کے بندر اس کو مار ڈالیں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مداری کی تربیت سے اس کا بندر اپنے فطری خواص کھو

چکا ہے اس کی صورت بندر کی سی ہے اس کی فطری ہم جنسی تباہ ہو چکی ہے۔ یہی حال قادیانیوں کا ہے۔ بیالیس سال ذہنی غلامی میں رہ کر وہ ہر لحاظ سے ایک اجنبی قوم بن چکے ہیں، نہ وہ مسلمان معاشرے سے واسطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور نہ مسلمانوں کا سوادِ اعظم ہی ان کو قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس عمل مسخ کو خلیفہ ربوہ اپنا شاہکار تصور کرتا ہے اور دن رات اس کا ڈھنڈورہ پیٹتا اور اپنی عمرانی غارت گری کو اپنی دینی کامرانی سے موسوم کرتا ہے۔

یہ شخص سازش کا ایک کامیاب چکر چلا کر 20 فروری 1914ء کو قادیانی جماعت کا خلیفہ بن بیٹھا۔ خلافت اور انبیّت کے اس مناجاتی امتزاج نے ایک دینیاتی فتنہ کی سی صورت اختیار کر لی۔ اس وقت اس شخص کی عمر پچیس سال تھی جو قیادت کے ابدی اصول کے مطابق بڑی ناپختگی کی عمر ہے کیونکہ عمر کے اس دور میں جذبات میں تلاطم ہوتا ہے اور وہ عقل خام پر حاوی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق قوم کی رہبری اور رہنمائی کا فرض چالیس سال کے بعد تفویض ہوتا ہے کیونکہ اس وقت اذکار و اعمال میں اعتدال اور توازن آ جاتا ہے۔ عام نفسیاتی لحاظ سے بھی پھسلنے کے امکان بہت کم ہو جاتے ہیں۔ میاں محمود نے خدا کی اس سنت قدیم کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا اور خام عمر میں ہی زاغ ہوتے ہوئے عقابوں کے نشیمن پر متصرف ہو گیا۔ اس نے فوراً ملہم ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور اس کے قول کے مطابق قرآن کریم کی آیات اس پر نازل ہونی شروع ہو گئیں۔ افترا پردازی کا اس سے بڑا شاہکار تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ قوم کے جھکاؤ کو دیکھتے ہی اس نے ''فضل عمر'' ہونے کا اعلان کر دیا یعنی وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے افضل ہے۔ جس ''نبی'' کا وہ خلیفہ ہے وہ تو اپنے آپ کو حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادنیٰ ترین غلام ہونے کا مدعی تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ثانی حضرت فاروق اعظم سے افضل ہونے کا مدعی بنا اور اپنی قوم سے یہ دعویٰ تسلیم کروا لیا۔ اس ایک واقعہ سے اس شخص اور اس کی جماعت کی روحانیت کا راز طشت از بام ہو جاتا ہے۔

اس شاطر ''خرقہ پوش'' نے مسلمانوں کی دو عظیم نعمتوں پر چھاپہ مارا، ایک ختم المرسلینی پر اور دوسرا فاروقیت عظمیٰ پر۔ یہ افتراء برطانوی سنگینوں کے سائے میں پروان چڑھا۔ ہر چند کہ مسلمان اس دجل و فریب کے خلاف مجادلہ آرا رہے لیکن ان کے اپنے باطنی انتشار نے میاں محمود کے نامحمود نظام کی رسی دراز کر دی۔ مسلمانوں پر بے بسی کا عالم طاری رہا۔ مسلمانوں کی اس قنوطیت کو دیکھ کر میاں محمود یہ کہتا رہا:

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
مرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جُو بہ جُو

لیکن حق دیر تک پسپا نہیں رہ سکتا۔ وہ باطنی توانائی سے بروئے کار آ کر رہتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے۔ الحق یعلی ولا یُعلیٰ جونہی برطانوی استعمار حریت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا اور میاں

محمود کے سفید فام آقا بیک بنی دو گوش وطن عزیز سے رخصت ہوئے، میاں محمود کا برپا کیا ہوا فتنہ بھی حالت نزع میں مبتلا ہو گیا۔ 1947ء میں قادیانیوں نے ''دارالامان'' کو ''دارالبوار'' کہہ کر ترک کیا۔ محمودیت کے گوسالۂ سامری پر یہ پہلی ضرب کلیم تھی۔

یہ نام نہاد ''اولوالعزم'' خلیفہ معرکۂ روح و بدن میں مبتلا ہو گیا۔ اس کو **اشداء علی الکفار** کی آیت بھول گئی۔ **موتوا قبل انت موتوا** کی آیت کریمہ بھی حرف نسیاں ہو گئی کیونکہ ''معرکہ سخت ہے اور جان عزیز'' کا معاملہ درپیش تھا۔ اس نے قادیانیت کی ''دیوار گریہ'' کو تھامنے کی ایک ناکام کوشش کی۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ قادیان کو ترک نہیں کرے گا کیونکہ اس نے مرزا صاحب آنجہانی کی نعش کو سپرد لحد کرتے ہوئے خدا سے عہد کیا تھا کہ اگر سارے لوگ بھی اس مقدس زمین کو چھوڑ جائیں۔ وہ اسی میں رہے گا اور اس کا ہی ہو کر رہے گا۔ ایک گشتی چٹھی تمام جماعتوں کو بھیج دی جس سے قادیانیوں کو تقویت ملی۔ ان کی ہمت پر دوسرے لوگ ششدر رہ گئے۔ اخباروں میں مقالے چھپے لیکن مقالوں کی سیاہی ابھی خشک نہیں ہوئی تھی کہ یہ ''حضرت'' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور اس ارض مقدس میں پناہ گزیں ہوئے جس کی تخلیق کے خلاف انھوں نے کئی ناکام فتنے تخلیق کیے تھے۔ یہ یاد رہے کہ خلیفہ صاحب ہندو سادھو کے بھیس میں قادیان سے رخصت ہوئے۔ جان بچانے کے لیے اس ''ملہم'' نے مشرک قوم سے تشبیہ پیدا کر کے **من تشبہ بقوم فھو منھم** کا مصداق بنا۔

مریدوں نے اس کے بھاگنے کے منظر کو دیکھا، راستے میں اس کی حفاظت کی لیکن وہ اس کو اسی طرح نہ چھوڑ سکے جس طرح سدھایا ہوا بندر مداری کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس میں بندر کا کوئی کمال نہیں، ہاں مداری کے تخریبی فن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس شخص نے بھی بیالیس سال میں اسی قسم کا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔

یہ لوگ اپنے خلیفہ کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کر کے اس کو ہر ابتلاء اور بحران سے بچاتے ہیں پھر بھی اسی کو اپنا رہنما سمجھتے ہیں۔ اس تربیت نے ان سے تخلیقی عمل کی صلاحیت سلب کر لی ہے تاکہ وہ دانہ و دام میں تمیز نہ کر سکیں۔ ان کی نیاز مندیوں کو وہ لعبتِ چین سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا۔ وہ جب چاہے عقائد بدل دیتا ہے۔ اس نے منیر ٹریبونل کے سامنے مسلمانوں کے جنازے کے جواز کا اقرار کیا۔ کسی قادیانی کے کان پر جوں نہ رینگی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ سینکڑوں مریدوں کو اس ایک بات پر سزائیں دے چکا تھا۔ کسی وقت ایک قادیانی باپ نے اپنے مسلمان بیٹے کا جنازہ پڑھا اور کسی وقت ایک قادیانی بیٹے نے مسلمان باپ کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کے جنازے کو کندھا دیا۔ جونہی ختم نبوت کی برق آسا تحریک نے زور پکڑا، اس نے فوراً قادیانیت کی تبلیغ کو منسوخ کر دیا۔ اپنے متعلقہ محکموں کے نام بدل ڈالے، پریس میں اعلان کیا کہ وہ اس کی جماعت اپنے خانہ ساز دین کی تبلیغ سے مجتنب رہے گی۔ گویا اس نے ثابت کر دیا کہ

اس کی خلافت انگریزوں کا ''خود کاشتہ پودا'' ہے۔ اپنے عقائد کے مہیب عواقب سے بچنے کے لیے اس نے مسلمانوں سے الگ رہنے کے ہر فعل کو ایک بزدلانہ مدافعت قرار دینے میں ذرا دریغ سے کام نہ لیا کیونکہ اس کے صمّ بکمٌ عمیٌ قسم کے مرید اس کے ارتداد کو بھی الہامی سمجھ کر سرنگوں ہو جائیں گے کیونکہ ان کو یہ نصیحت ہے:

دیکھ جو کچھ سامنے آئے زبان سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر دہن تصویر کا

خلافت پر متمکن ہوتے ہی اس ''دشمن ایمان و آگہی'' اور ''رہزن تمکین و ہوش'' نے پرانے اور بزرگ قسم کے مریدوں کو کمال چابکدستی سے حقیر مناصب پر مقرر کیا۔ ان پر اپنے ''یاران سرپل'' کو مسلط کیا کیونکہ یہ وہ لوگ تھے جو حسن و قبح کے معیار کے لیے اس کے چشم و ابرو کو دیکھتے تھے اور اس کی پیشانی کی شکنوں کو گنتے رہتے تھے۔ اس کے احکام کو ''آواز سروش'' سمجھتے تھے۔ جب یہ لوگ چکی کی پاٹوں میں پس کر سرمہ صفت نظر ہو گئے تو تقریباً بیس سال کے بعد اس نے اپنے ساختہ پرداختہ نظام کی نیو ڈالی، اس کا نام رکھا ''تحریک جدید۔'' اس طرح جماعت میں یہ تاثر پیدا کیا کہ بانی سلسلہ کی چلائی ہوئی تحریک اپنے اثر سے عاری ہو چکی ہے اور جماعت ایک تازہ زندگی کی محتاج ہے۔ اس تحریک جدید میں ''تازہ واردانِ بساط ہوائے دل'' کو فروغ نصیب ہوا۔ انھوں نے 1914ء کی بنائی ہوئی انجمن کے ناظروں کو اس طرح بے اثر کر دیا، جس طرح ناظروں نے مرزا قادیانی کے رفقاء کو 1914ء میں بے دخل اور بے اثر کر دیا تھا۔ جوں جوں تحریک جدید زور پکڑتی گئی توں توں ناظر صاحبان متروکات سخن ہو کر رہ گئے۔ تحریک جدید خود ایک سازش کی آفریدہ تھی، اس کے توسط سے مرکزی نظام صید لاغر ہو کر خلیفہ کے پاؤں پر آ گرا۔ اس تحریک پر اس کے اپنے خاندان کے لوگ مستولی ہو گئے اور دفتری نظام اور اس کے تمام شعبہ جات ایک گھریلو صنعت ہو کر رہ گئے۔ مریدوں نے اپنی ارادتوں کے مرکز کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرقد بنتے دیکھا مگر وہ بول نہ سکے کیونکہ معاشی احتیاج نے ان کے جذبۂ احتجاج کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔

تحریک جدید کو فروغ دینے کے لیے خلیفہ صاحب نے جماعت کے نوجوانوں سے وقف زندگی کی اپیل کی۔ نوجوان دینی خدمت کی تمناؤں سے سرشار ہو کر خلیفہ کے یمین و یسار میں جمع ہو گئے۔ خلیفہ صاحب نے پرانے اور قدیم لوگوں کو عضو معطل بنانے کے لیے نوجوانوں کو ایسے ایسے عہدے تفویض کیے جو ان کی عمر اور تجربہ سے کہیں بڑھ کر تھے۔ گویا خلیفہ صاحب اپنی جماعت کی تخریب کے معمار بن کر تقدیر کی تعزیر کو دعوتِ عمل دے رہے تھے۔ نوجوان جو قوت قدسی کی جستجو میں خلیفہ کے چوکھٹ پر سرنگوں ہوئے تھے وہ خلیفہ صاحب کے کرب انگیز قرب سے خلیفہ کے خلوت کدوں کے اسرار و غوامض سے آگاہ ہو کر دہریت کی طرف مائل ہو گئے۔ خلیفہ صاحب کی نجی زندگی کے رنگین و سنگین مناظر ان کی عقیدتوں کے لیے پیغام

اجل ثابت ہوئے، ان کی طبائع میں خروج کی روح بیدار ہوئی کیونکہ جو کچھ روز دیکھنے میں آتا تھا وہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ آنکھیں اس عریانی کے دیکھنے کے لیے نہ بنی تھیں جو قصر خلافت کے اندر باہر پھیلی ہوئی تھی۔ ان میں سے اکثر پھسل کر غلاظت کے اس جوہڑ میں جا گرے گویا ان کو خلافت مآب کے درون خانہ کا حق الیقین ہو گیا۔ ان میں بعض تھے جن کو ان کا عین الیقین تھا بعضوں کو علم الیقین۔ ہر چند کہ وہ خلافت کی قہرمانیوں سے لرزتے تھے وہ اپنی زبانوں پر قفل بھی نہ لگا سکتے تھے۔ قادیان میں ہی خلیفہ کی مجلس متورات کے سارے راز زبان زد خلائق ہو گئے تھے۔ ربوہ کے ویرانہ آباد نما میں خلیفہ کے جنون زوج نے وہ وہ گل کھلائے کہ ان کی باطنی غلاظت ابل کر کوچہ و بازار میں آ گئی۔ وہ نوجوان جو ''واقف زندگی'' ہو کر گئے تھے وہ ''واقف راز'' ہو کر نکلنے لگے۔ خلیفہ صاحب کا ایک ہی سہارا تھا وہ تھی راز کی سنگینی۔ ان کو یقین تھا کہ نہ کوئی وہ راز کہہ سکتا ہے اور نہ کوئی باور کر سکتا ہے۔ گویا وہ اپنے ہوش رُبا اعمال کی پردہ پوشی کے لیے انسان کی فطری حیا پر تکیہ کیے بیٹھے تھے۔ جو انسان اپنے جرائم...... کے اخفاء کے لیے لوگوں کی بے بسی کا سہارا لیتا ہے وہ خود کتنا بے بس ہوتا ہے۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
ناامیدی اس کی دیکھا چاہیے

واقفین راز بھی ایک عجیب قلبی خلفشار میں مبتلاء تھے۔ جب وہ گھناؤنے مناظر جو قصرِ خلافت میں دیکھنے میں آتے تھے، ان کے سامنے آئے تو وہ باور نہ کر سکے۔ جب باور کیا تو اس کو اپنے وجود کے اندر سمو نہ سکے۔ جب ان کو سمو لیا تو بیان نہ کر سکے۔ جب وہ آتشیں راز دل و دماغ کی گہرائیوں سے اُبل کر لب تک آیا تو وہ سامعین کو تسلیم نہ کروا سکے کیونکہ جو عریانی روئیت پر برق خاطف بن کر گرتی ہے وہ سماعت کو کیونکر گوارا ہو سکتی ہے۔ دل کی یہ کیفیت اوائل میں محض بے بسی تھی لیکن یہ بے بسی مداوا نہ پا کر برق و رعد بنی اس نے مجروح قلب نوجوانوں کو ایک نقطہ پر منظم کیا۔ انھوں نے زیر زمین تحریک چلائی کیونکہ یہ ناممکن تھا کہ وہ اس آتشیں راز کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیتے۔ غالب نے خوب کہا ہے ۔

لپٹنا پرنیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے
ولے مشکل ہے حکمت دل میں سوز غم چھپانے کی

ویسے بھی تحلیل نفس نے اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ وہ اذیت و ابتلاء جو لاشعور میں چلا جاتا ہے، وہ تمام شعوری اعمال کو متاثر کرتا رہتا ہے۔ اس کے شعوری مظاہر میں بجلی کا اثر ہوتا ہے۔ یہی وہ بجلیاں تھیں جو ربوہ میں کوندیں اور ایوان خلافت کو متزلزل کر دیا۔ خلیفہ صاحب یوم تبلی السرائر کے خوف سے لرزہ براندام ہو گئے اور اس کے روک تھام کی تدبیریں سوچنے لگے۔ انھوں نے علاج بالمثل کے اصول پر عمل کرتے ہوئے ایک اور فتنہ کھڑا کر دیا۔ وہ فتنہ تھا اپنے بیٹے میاں ناصر احمد کی خلافت کا۔ اس ترکیب

سے انھوں نے چاہا کہ لوگوں کی توجہ ان کے اعمال سے ہٹ جائے اور وہ ایک فتنہ سے الجھ جائیں لیکن یہ تدبیر بھی کوئی کارگر ثابت نہ ہوئی کیونکہ اس سے ایک شکمی پیکار کا آغاز ہوا اور اس پیکار سے چند صالح اور سرفروش نوجوان کھل کر سامنے آ گئے۔ انھوں نے اپنی مساعی کو منظم کیا اور اس تنظیم کا نام ''حقیقت پسند پارٹی'' رکھا۔ وہ خلیفہ صاحب کے ہتھکنڈوں سے خوب واقف تھے۔ وہ مسائل میں بالکل نہ الجھے اور عوام اور حکام کی توجہ کو قصرِ خلافت کے باطنی رازوں پر مرکوز کرنا شروع کر دیا۔ ان کے جوش و خلوص کا یہ نتیجہ ہے کہ اسلامی اخبارات کا غیور طبقہ ان کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔ ارباب بصیرت کی نظریں بھی من قال سے زیادہ ماقال پر لگی ہوئی ہیں۔ یہ دلیر نوجوان خلیفہ کی سفاکیوں اور تعدیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اب تک برابر نبرد آزما ہیں اور اس کی بوسیدہ شخصیت کو قادیانیوں اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے سامنے بے نقاب کر رہے ہیں۔

انھوں نے کمال تدبر سے خلیفہ صاحب کی زندگی کے تاریک گوشوں کو اجالے میں لانے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ انھوں نے قادیانیوں کو بتایا ہے کہ تمہارا ''اجالا داغ داغ'' اور تمہاری سحر ''شب گزیدہ'' ہے۔ انھوں نے خلیفہ کے دین کے چہرے سے نقاب اٹھا کر اس کی لادینی کو لوگوں پر روشن کیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو پندرہ سال ''ہز ہولی نیس'' کے لقب سے ملقب کرتا رہا، وہ اسلام سے کتنا دور اور کلیسائی شرک سے کتنا قریب ہے کیونکہ اسلام تجسیم خداوندی کا دشمن ہے اور عیسائیت اس کی علمبردار۔ یہ ان نوجوانوں کی سعی مشکور کا نتیجہ ہے کہ خلیفہ صاحب بوکھلا کر بے توازن خطبات سے اپنے رازوں کو طشت از بام کر رہے ہیں۔ کبھی اپنے آپ کو ''فخر رسل'' کہہ کر اسلام اور رسالت مآب کے خلاف بغاوت کرتے ہیں کبھی پاکستان اور ہندوستان کی حد فاصل کو مٹانے کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ گویا نہ وہ دین کے وفادار ہیں، نہ وطن کے بہی خواہ:

مولوی محمد علی لاہوری کے اختلاف کے دس پندرہ برس بعد چند اور مریدوں نے شاطر سیاست سے علیحدگی اختیار کی اور اس علیحدگی اور اختلاف کی وجہ شاطر سیاست کی اخلاقی پستی بیان کی اور چنانچہ عبدالکریم صاحب اور ان کے رفقائے کار نے انھیں مباہلے کی دعوت دی اور قادیان ہی سے ایک اخبار شائع کیا جس کا نام بھی مباہلہ رکھا اور اس میں مباہلہ کے چیلنج کو بار بار دہرایا اور بتایا کہ دورِ حاضر کی عظیم سیاسی شخصیت تقدس کے پردے میں نہایت بھیانک اقدام کرتی ہے چنانچہ اخبار مباہلہ یکم دسمبر میں لکھا ہے:

> ''خلیفہ قادیان کے چال چلن پر الزامات کوئی انوکھی بات نہ تھی بلکہ جب سے جناب نے مسند خلافت پر قبضہ جمایا ہے اس وقت سے ہی وقتاً فوقتاً ان الزامات کا سلسلہ شروع رہا ہے۔ گویا اعتراضات قادیان سے کسی قدر باہر بھی تھے لیکن زیادہ تر زور قادیان دارالامان تک ہی محدود رہا۔ خلیفہ صاحب ان الزامات کو کئی طریق سے دبا دیتے رہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ نہ تو ہر وقت یکساں ہوتا ہے اور نہ ہی

کسی راز کو چھپانے کے لیے حکمت عملی یا ہوشیاری ہی ہمیشہ کام آیا کرتی تھی۔ اس لیے کسی نہ کسی وقت ان سوالات کا اٹھنا ایک لازمی امر تھا بلکہ دباؤ سے الزامات کو روکنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ کسی وقت بزور اٹھیں چنانچہ یہی ہوا کہ اس مرتبہ منافقت کے فتوے اور مختلف قسم کی دھمکیاں، زدوکوب اور بائیکاٹ غرضیکہ تمام حربے ناکام ثابت ہوئے بلکہ خلیفہ صاحب کا دلائل کو چھوڑ کر اپنی طاقت کو استعمال میں لانے نے اس امر کو اور بھی واضح کر دیا کہ یہ اعتراضات بالکل سچے ہیں کیونکہ ان اعتراضات کا حل نہایت آسان تھا اور ہے کہ اگر خلیفہ صاحب کے نزدیک معترضین کاذب تھے تو وہ طریق مباہلہ اختیار کرتے جو حق و باطل میں فیصلہ کر دیتا۔"

اس عبارت سے حسب ذیل امور کا علم ہوتا ہے:

-1 خلیفہ قادیان سے عبدالکریم صاحب اور ان کے ساتھیوں کا اختلاف ان کا ذاتی اخلاق و کردار تھا جس کو معترضین پست تصور کرتے تھے۔

-2 مکرمی عبدالکریم صاحب اور ان کے رفقائے کار سے قبل بھی بیشتر لوگوں نے شاطر سیاست کے کردار پر اعتراض کیا تھا۔

-3 شاطر سیاست معترضین کے اعتراضات کو اپنی طاقت سے دبا دیا کرتے تھے۔

-4 اس وقت بھی منافقت کے فتوے دیے گئے تھے۔ سوشل بائیکاٹ و دیگر ہتھیاروں کے علاوہ بعض لوگ زدوکوب بھی کیے گئے تھے۔

-5 معترضین نے میاں صاحب کو چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ پاک ہیں تو مباہلہ کر لیں۔

چنانچہ معترضین نے اخبار مباہلہ میں اپنی طرف سے مباہلہ کی دعوت کو بار بار شائع کیا اور کہا کہ ہمارے نزدیک مرزا محمود احمد کا اخلاق پست ہے اور وہ زناء جیسے قبیح فعل کے بھی مرتکب ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں اور شاطر سیاست اپنے آپ کو بے عیب سمجھتے ہیں تو وہ دعوت مباہلہ قبول کریں تاکہ حق و باطل میں فیصلہ ہو سکے۔ معترضین کی طرف سے مباہلہ کے لیے بار بار اصرار پر مجبوراً اس عظیم سیاسی شطرنج باز کو جواب دینا پڑا، چنانچہ انھوں نے لکھا کہ:

"مجھے یہ یقین کامل ہے اور ایک دو کی طرح یقین ہے کہ ایسے امور کے متعلق مباہلہ کا مطالبہ کرنا یا ایسے مباہلہ کو منظور کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ شریعت کی ہتک ہے۔" (مکتوب خلیفۂ قادیاں صفحہ 2)

مرزا محمود کے دعوت مباہلہ سے صریحاً فرار اختیار کرنے پر معترضین نے اپنے اخبار میں اپنے اعلانِ مباہلہ کو پھر دُہرایا اور اس دعوت مباہلہ کے جواز میں مرزا قادیانی کا حسب ذیل فتویٰ شائع کیا:

''سو واضح رہے کہ مباہلہ صرف دو صورت میں جائز ہے۔

1- اوّل اس کافر کے ساتھ جو یہ دعویٰ رکھتا ہو کہ مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اسلام حق پر نہیں اور جو کچھ غیر اللہ کی نسبت خدا کی صفتیں میں مانتا ہوں وہ یقینی امر ہے یہ تمام خبریں تحقیقات طلب ہیں۔

2- دوم اس ظالم کے ساتھ جو بے جا تہمت کسی پر لگا کر اس کو ذلیل کرنا چاہتا ہے مثلاً ایک مستورہ عورت کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ عورت زانیہ ہے کیونکہ میں نے بچشم خود اس کو زناء کرتے دیکھا ہے یا مثلاً ایک شخص کو کہتا ہے کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ شراب خور ہے کیونکہ بچشم خود اسے شراب پیتے دیکھا ہے۔ سو اس حالت میں بھی مباہلہ جائز ہے کیونکہ اس جگہ کوئی اجتہادی اختلاف نہیں۔ غرض مباہلہ صرف ایسے لوگوں سے ہوتا ہے جو اپنے قول کی بناء اور یقین پر بناء رکھ کر دوسرے کو مفتری اور زانی قرار دیتے ہیں۔'' (الحکم 24 مارچ 1902ء)

جب معترضین نے مرزا قادیانی کا مباہلہ سے متعلق یہ واضح فتویٰ شائع کیا اور اس پر ہی پے در پے دعوت مباہلہ کے اعلانات شائع کیے تو تنگ آ کر چودھویں صدی کے اس لاجواب سیاسی شطرنج باز اور رؤیا وکشوف کے بہت بڑے علمبردار کو حسب ذیل الفاظ میں مباہلہ سے گریز کی راہ ڈھونڈنا پڑی۔

''میں اس امر پر مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ میں خلیفہ برحق ہوں اور جس شخص کو میری خلافت پر شک ہو وہ مجھ سے مباہلہ کر لے۔ (الفضل 13 دسمبر 1927ء)

معترضین نے خلافت مآب کو اس بات پر مباہلہ کی دعوت دی تھی کہ آپ زناء جیسے قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، اگر نہیں کرتے تو آیئے مباہلہ سے حق و باطل کا فیصلہ کرلیں۔ ہر دو فریق میں سے جو بھی جھوٹا ہوگا وہ فنا ہو جائے گا اور دنیا پر حقیقت واضح ہو جائے گی۔ مرزا محمود احمد نے مباہلہ کی اس دعوت پر کہ پاک ہیں مباہلہ کرنے کی بجائے جواب یہ دیا کہ اگر کسی کو ان کے اخلاق پر شبہ ہے تو ہوا کرے۔ میں مباہلہ کے لیے تیار نہیں ہاں جس شخص کو میری خلافت پر شک ہو وہ میرے ساتھ مباہلہ کرے۔ حالانکہ معترضین نے ان پر زناء کا الزام لگایا تھا اور مباہلہ کی دعوت بھی اسی الزام پر دی تھی لیکن مرزا محمود احمد نے اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے ایک دوسری دعوت دے کر جہاں مباہلہ کے جواز کا اقرار کر لیا وہاں یہ بھی ثابت کر دیا کہ معترضین کے الزامات صحیح تھے۔ چنانچہ جب انھوں نے معترضین کی دعوت مباہلہ کو قبول کرنے کی بجائے اپنی خلافت سے متعلق مباہلہ کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو معترضین نے اسے بھی قبول کرلیا۔ اب شاطر سیاست بہت گھبرائے اور اپنے مریدوں کو بے وقوف بنانے اور ان کی توجہ کو دوسری طرف مبذول کرانے کی غرض سے رؤیا وکشوف بیان کرنے شروع کر دیے، چنانچہ الفضل 29 مئی 1928ء میں رقم ہے۔

''میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص خلافت پر اعتراض کر رہا ہے میں اسے کہتا ہوں اگر تم سچے اعتراض تلاش کر کے بھی میری ذات پر کرو گے تو خدا کی تم پر لعنت ہوگی اور تم تباہ ہو جاؤ گے۔''

اور پھر ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:

''دنیا میں ہر قسم کی غلطیاں ہوتی ہیں بعض غلطیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن سے خدا تعالیٰ کے انبیاء بھی پاک نہیں ہوتے اور بعض سے انبیاء تو پاک ہوتے ہیں لیکن خلفاء پاک نہیں ہوتے دیکھنے والی چیز جو ہے وہ صلاحیت اور قابلیت ہوتی ہے۔''

(قول خلیفہ صاحب الفضل 4 نومبر 1927ء)

یعنی معترضین جو اعتراضات مجھ پر کر رہے ہیں یہ بے معنی ہیں کیونکہ زناء کے الزام کی اس لیے کوئی اہمیت نہیں کہ یہ غلطی صرف مجھ ہی سے سرزد نہیں ہوئی بلکہ بعض غلطیاں انبیاء سے بھی ہو جاتی رہی ہیں اور بعض غلطیاں انبیاء نہیں کرتے بلکہ خلفاء سے سرزد ہو جاتی ہیں اس لیے زناء یا اس قسم کی دوسری غلطیاں اگر مجھ میں موجود بھی ہیں تو یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے بلکہ اصل چیز جو خلافت کے لیے ضروری ہے وہ تو صرف صلاحیت اور قابلیت ہے اور وہ دیکھ لو مجھ میں موجود ہے لہٰذا میں خلیفہ برحق ہوں۔

مرزا محمود احمد کی اس حیرت انگیز تشریح اور عجیب و غریب منطق نے معترضین کو غور و فکر کے ایک اتھاہ سمندر میں غوطہ زن کر دیا۔ جو لوگ تقدس کے پردے میں عبرتناک حرکات کا ارتکاب دیکھ کر پہلے ہی سخت پریشان تھے اور جن کی دنیا میں محبوبیت خداوندی کے دعویداروں کے اعمال دیکھ کر ایک زلزلہ بپا تھا اور وہ بڑے حیران ہو کر اور یہ سمجھ کر کہ زناء حرام ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی سزا دیتا ہے بڑے جوش و خروش سے دعوت مباہلہ دے رہے تھے، ان لوگوں کے کانوں تک مرزا محمود احمد کے مندرجہ بالا الفاظ پڑے اور انہیں معلوم ہوا کہ زنا حرام ہی نہیں اور نیز یہ کہ خلافت کے لیے پاک ہونا لازمی نہیں بلکہ صرف صلاحیت و قابلیت کا ہونا ضروری ہے تو ان کی امیدوں کے ایوان دھڑام سے گر پڑے۔ ان کا دعوت مباہلہ فضا میں معلق ہو گیا۔ وہ زنا کے حرام اور حلال ہونے کے مسئلہ پر غور کرتے رہ گئے اور دور حاضر کا یہ عظیم سیاسی شاطر اپنے لکیر کے فقیر مریدوں کی توجہ کو یہ کہہ کر دوسری طرف لے گیا کہ ایسی غلطیاں تو (نعوذ باللہ) نبی بھی کرتے رہے ہیں اگر میں بھی کوئی ایسی غلطی کر لوں تو کوئی بات نہیں تم صرف میری صلاحیت و قابلیت دیکھو۔ گناہ نہیں ہے جو چھپ کر کہیں کیا جائے (مصنف) لکیر کے فقیر مریدوں نے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر حضرت امیر المومنین زندہ باد کے نعرے بلند کیے اور بات آئی گئی ہو گی۔

معترضین کچھ روز تو سکتہ کی سی حالت میں رہے، اس سانحہ پر غور کرتے رہے کہ زنا بھی جائز ہے اور پھر انبیاء یہ فعل قبیح کرتے رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ) لیکن کئی روز کے بعد آخر انہیں سمجھ آ ہی گئی اور انھوں

نے سوچا کہ زنا جائز نہیں بلکہ اس عظیم شاطر سیاست نے انھیں یہ کہہ کر کہ یہ فعل قبیح جائز ہے دعوت مباہلہ سے بچنے کا ایک راستہ تلاش کیا ہے چنانچہ انھوں نے کمر ہمت باندھی اور پھر دعوت مباہلہ دی اور کہا کہ آؤ اسی بات پر مباہلہ کرلو کہ تم خلیفہ برحق ہو لیکن خلافت مآب کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر معترضین نے تنگ آ کر اپنی ایک عزیزہ کا خط شائع کیا جس میں بتایا گیا تھا کہ وہ جب اپنے باپ کا ایک خط لے کر خلافت مآب کے حضور میں گئی تو اسے کس قیامت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

قادیانی خاتون کا بیان

''میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا بڑا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کیا کرتے ہیں اور بڑے مخلص احمدی ہیں ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا جس میں اپنے ایک کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں رقعہ لے کر گئی، اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصرِ خلافت) میں مقیم تھے میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچے تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی، میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا مگر انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا گھبراؤ مت باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹکیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں میں تھی وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انھوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بدبو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی

ایسی نہیں کرتے۔ ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انھوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش وحواس بھی درست نہیں تھے مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔ (مباہلہ جون 1929ء)

اس خط کا شائع ہونا تھا کہ قصرِ خلافت قادیان میں ایک زلزلہ آ گیا۔ جب حقائق و براہین اور صداقت کی تند و تیز ہوائیں چلتی ہیں تو جھوٹ خزاں رسیدہ درختوں کے سوکھے ہوئے پتوں کی طرح چشم زدن میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جا گرتا ہے۔ بحرِ ذخائر کے مچلتے ہوئے طوفان کی زد میں آیا ہوا انسان اپنے آپ کو پانی کے سہارے چھوڑ دیتا ہے اور تنکوں کا سہارا تلاش کرتا ہے۔ عدل و انصاف کے کٹہرے میں جھوٹا اور کذاب شخص ریت کی چٹانوں پر اپنے آپ کو محفوظ نہ دیکھ کر جھوٹی قسموں اور جھوٹے دعاوی کا شکار ہو جاتا ہے۔ بعینہٖ دورِ حاضر کے اس آمریت مآب نے جب یہ دیکھا کہ پانی سر سے گزر گیا ہے تو اس نے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹانا شروع کیا اور اپنے انگریز دیوتاؤں سے رحم کی بھیک مانگی۔ کئی وفود حکومت کے ارباب بست و کشاد کے پاس بھیجے اور انھیں نازک صورت حال سے آگاہ کیا۔ انگریز نے اپنے اس دیرینہ خدمتگار اور مخلص مدح سرا کی ناؤ ڈوبتی ہوئی دیکھی تو اس کا جی بھر آیا اور اس نے معترضین کے اخبار پر دفعہ 144 نافذ کر دی آخرکار اس اخبار کو بند کر دیا۔ معترضین کی زبان بندی کے لیے متعدد تدابیر اختیار کی گئیں، انھیں قید و بند کی صعوبتیں پہنچانے کی دھمکی دی گئی اور وہ مظلوم اور بے بس لوگ دانتوں میں زبانیں داب کر خاموش ہو رہے۔ اس طرح حق و صداقت کا یہ سب سے بڑا علمبردار اپنی لغزشوں پر پردہ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا اور مباہلہ کا وہ چیلنج جسے معترضین بار بار دہرا رہے تھے اور جو بلائے ناگہانی کی طرح سر پر منڈلا رہا تھا، ٹل گیا اور چودھویں صدی کا یہ رنگیلا قصرِ خلافت سوسائٹی کے رنگا رنگ پروگراموں میں پھر کھو گیا۔ رسوائی اسی خاتون کی ہوئی جس نے اپنی حالت زار بیان کی اور کسی نے بھی قصرِ خلافت سوسائٹی کے ڈرامہ کے اس وِلن سے باز پرس نہ کی اور نہ ہی اس کے اخلاق کو شک کی نظروں سے دیکھا اور اس نے اپنی وہ بات سچ کر دکھائی جو اس نے اس خاتون کو کہی تھی "کہ تمہاری بدنامی ہوگی مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔" اور دوسری طرف وہ مظلوم خاتون اور اس کا سارا خاندان اپنی مظلومیت پر آنسو بہاتا خاموش ہو گیا لیکن ان کے دل آج بھی دھیمی سروں میں ظلم و تعدی کے خلاف آواز بلند کرنے میں مصروف ہیں۔

یہاں خلوص کے پردے میں سانپ پلتے ہیں
عجیب رنگ زمانہ ہے کیا کیا جائے

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری

مباہلے والوں کے الزامات اور مباہلہ کی دعوت کے نقوش ابھی تازہ ہی تھے کہ 1937ء میں کچھ اور لوگ منظر عام پر آئے اور انھوں نے بھی شاطر سیاست پر یہی اعتراض کیا کہ آپ کی زندگی آلودہ ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری جماعت احمدیہ قادیان کے بہت بڑے عالم تھے اور ایک بزرگ کی حیثیت سے بھی جماعت میں ان کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ ان دنوں تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور ان پر شاطر سیاست کی خاص الخاص عنایات ہوتی رہتی تھیں۔ شیخ صاحب شاطر سیاست کو نجات کا باعث سمجھتے، ہر ایک کام میں مشورہ لینا، دعا کے لیے درخواستیں کرتے رہنا اور شاطرِ سیاست سے اندھی عقیدت رکھنا جزوِ ایمان تصور کرتے تھے لیکن ان کے دل و دماغ پر اچانک ایک زلزلہ آیا اور عقیدت کے پہاڑ گر پڑے۔ اپنی ناموس سے زیادہ عزیز شے شاید دنیا میں کوئی نہ ہو اور یہی ایک غیوریت ہی تو ہے جو انسان کو عروج پر لے جاتی ہے، دنیا میں آئے دن اپنی عزت و ناموس پر سینکڑوں لوگ جانیں دے دیتے ہیں۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری بھی انہی غیور انسانوں میں سے ایک ہیں جو اپنی ناموس کے لیے جان کی پرواہ نہیں کرتے چنانچہ جب انھیں علم ہوا کہ ''مومنین'' کا امیر یعنی امیرالمومنین کہلانے والا خدا کا محبوب ہونے کا دعویٰ کرنے والا اور اپنے آپ کو عورتوں اور مردوں کا روحانی باپ کہنے والا تقدس کے پردے میں بھولی بھالی لڑکیوں کا شکار کھیلتا ہے تو انھیں عبدالکریم مباہلہ والوں کے حالات یاد آ گئے۔ جب مباہلہ والوں نے میاں محمود احمد صاحب پر یہی الزامات عائد کیے تھے تو شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اسے مباہلہ والوں کے ذاتی عناد کی وجہ سمجھتے تھے چنانچہ شیخ صاحب نے اندھی عقیدت کے جوش میں مباہلہ والوں کے الزامات کی تردید اور شاطر سیاست کے حق میں مضامین بھی لکھے اور معترضین کے الزامات کو ان کی ذاتی رنجش قرار دیا۔ شیخ صاحب کو علم نہ تھا کہ معترضین حق پر ہیں اور ایک وقت آنے والا ہے جب خدا شیخ صاحب پر بھی ان کی سچائی ظاہر کرے گا اور شیخ صاحب کو خود بھی اپنے روحانی باپ پر وہی الزامات عائد کرنا پڑیں گے سو شیخ صاحب نے مباہلہ والوں کے الزامات پر متعدد مضامین شائع کیے اور انھیں جھوٹ اور کذب بیانی سے تعبیر کیا لیکن چند ہی سال بعد جب انھوں نے اپنی عزت پر ڈاکہ پڑتے دیکھا تو ان کا ذہن چکرا گیا۔ ان کی دنیا بدل گئی ان پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا اور ایمان پر ایسا زلزلہ آیا کہ مباہلہ والوں کے الزامات پر یقین ہو گیا۔ اب شیخ صاحب کو احساس ہوا کہ تقدس کا یہ بہت بڑا علمبردار کیا گل کھلاتا ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ''آقائی و مولائی'' شاطر سیاست کو چند خطوط لکھے اور دریافت کیا کہ زناء جائز ہے؟

مصری صاحب کا یہ سوال کرنا ہی تھا کہ شاطر سیاست نے مصری صاحب کی نیت بھانپ لی۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ اب یہ شخص ہاتھوں سے نکل چکا ہے اور مریدوں کے ایمانوں کے متزلزل کرنے کا باعث بن سکتا ہے لہٰذا پیشتر اس کے کہ وہ کوئی الزام مجھ پر جماعت کے سامنے عائد کرے خیر اسی میں ہے کہ الزام عائد ہونے سے پہلے ہی اسے جماعت میں بدنام کر دیا جائے۔ چنانچہ شاطر سیاست نے اپنے سرکاری اخبار میں ایک مضمون شائع کیا جس میں لکھا کہ مصری صاحب مجھے اپنی لڑکی کا رشتہ دیتے تھے چونکہ میں نے رشتہ نہیں لیا لہٰذا اب مصری صاحب جماعت میں میرے خلاف زہر اُگل رہے ہیں۔ احباب جماعت ہوشیار

رہیں حالانکہ ابھی مصری صاحب نے جماعت کے کسی شخص سے بھی اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔

چنانچہ الفضل مورخہ 3 جولائی 1937ء میں لکھا ہے۔

''چونکہ ان کی (مصری صاحب) لڑکی کا رشتہ خاندان نبوت میں نہ ہو سکا لہٰذا وہ علیحدہ ہو گئے ہیں۔''

اس قسم کے متعدد مضامین شائع کیے گئے اور اپنا ایک خاص آدمی بھیج کر تمام جماعتوں میں یہ زہر پھیلا دیا گیا کہ مصری صاحب اپنی لڑکی کا رشتہ خاندان نبوت میں کرنا چاہتے تھے چونکہ ہو نہیں سکا اس لیے اب مصری صاحب جماعت سے علیحدہ ہو گئے ہیں حالانکہ اتنی معمولی سی بات پر کوئی صحیح العقل شخص اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرتا اور ایمان کی ٹھوکر کا باعث اتنی سی بات کبھی نہیں ہوئی۔

فخر الدین ملتانی کا قتل

ابھی مصری صاحب کا سلسلہ جاری ہی تھا اور مرزا محمود احمد کا سرکاری اخبار الفضل ان پر گند اُچھالنے میں مصروف تھا کہ فخر الدین ملتانی نے جو میاں صاحب کے بڑے مخلص مرید تھے اور جنھوں نے ذاتی مشاہدات کی بنا پر جماعت احمدیہ سے علیحدگی اختیار کی تھی ایک پمفلٹ بعنوان ''فحش مرکز'' لکھا جس میں میاں صاحب موصوف کی پرائیویٹ زندگی پر تنقید کی اور اسے فحش قرار دیا، جس پر مرزا محمود احمد کے اخبار الفضل نے چند مضامین لکھے اور بڑے دردمندانہ انداز میں اپنی ''مظلومیت'' کا رونا رویا اور ساتھ ہی اپنے مریدوں کو پُرامن رہنے اور اشتعال میں نہ آنے کی تلقین کی اور اس قسم کی تلقین بار بار کی جس کا مقصد اس اقدام کا حفظ ماتقدم تھا جس کا انھوں نے پروگرام مرتب کر لیا تھا۔ چنانچہ چند ہی روز بعد فخر الدین صاحب ملتانی پر قاتلانہ حملہ کیا گیا جس پر وہ ہسپتال میں جا کر فوت ہو گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مرزا محمود احمد نے چند غنڈوں کو روپیہ دے کر انھیں مروایا تھا۔ چنانچہ جس غنڈے نے انھیں قتل کیا تھا جب عدالت نے اسے سزائے موت دی اور وہ تختہ دار پر لٹکایا گیا تو خود مرزا محمود احمد نے اس کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے نکلوایا اور اسے بڑی شان و شوکت سے دفن کیا گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس دن فخر الدین صاحب ملتانی فوت ہوئے اس سے چند ہی روز بعد الفضل میں ایک مضمون شائع کیا گیا جس میں مقتول کے گناہ گنے گئے اور اسے مجرم گردانا گیا۔ جس کا ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ فخر الدین صاحب ملتانی کے قتل میں شاطرِ سیاست کا ہاتھ تھا۔ ان دنوں ہندوستان پر سفید فام اجنبی حکمران تھا اور میاں صاحب اس کے پرانے خدمتگار تھے لہٰذا اخبارات نے شور مچایا لیکن حکومت کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ فخر الدین صاحب ملتانی آنجہانی ہو گئے اور دنیا مرزا محمود احمد کے ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے میں مصروف رہی کہ ''احباب پُرامن رہیں اور اشتعال میں نہ آئیں۔'' بہت سے لوگوں نے اس کا مفہوم سمجھ بھی لیا لیکن انگریز حکمرانوں نے انھیں سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ سمجھنے دیا اور شاطر سیاست کا کاررواں چلتا رہا۔ قصرِ خلافت کے خلوت کدے

جگمگاتے رہے اور شیطان انسانوں کی غفلت شعاری، اندھی عقیدت اور شخصیت پرستی پر مسکراتا رہا الفضل کے صفحات فخر الدین صاحب ملتانی کو ظالم اور مجرم گردانتے اور اپنی مظلومیت اور خلافت مآب کی معصومیت کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہے اور اس مظلوم شخص کی روح کسی کا یہ شعر الاپتی ہوئی سوئے گردوں پرواز کرتی گئی ۔

ہے معترف یہ جہاں جن کی پارسائی کا
وہ میکدے میں کئی بار مجھ سے ٹکرائے

اور شاطرِ سیاست کے اندھے عقیدت مند بغیر سوچے سمجھے اپنی دھن میں یہی کہتے رہے کہ اگر ہم اپنی آنکھوں سے بھی خلافت مآب کو روسیاہ دیکھ لیں تو ہم اسے اپنی آنکھوں ہی کا دھوکہ تصور کریں گے۔

تاریخی انقلاب

فخر الدین ملتانی اور شیخ عبدالرحمٰن مصری کی مرزا محمود احمد سے علیحدگی کے تقریباً بیس سال بعد جولائی 1956ء میں نوجوانوں کا ایک گروہ اٹھا اور اس نے میاں صاحب کی دھاندلیوں اور ان کی خلوت کدے کی زندگی پر کڑی تنقید کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میاں صاحب نے انھیں منافق قرار دے کر جماعت سے خارج کر دیا۔ ان تمام حالات پر مفصل بحث کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پس منظر بیان کر دیا جائے تاکہ قارئین کو سمجھنے میں آسانی ہو اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے باعث عبرت ثابت ہو۔

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی علیحدگی سے دس سال بعد ہندوستان تقسیم ہوا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو مرزا محمود احمد اس وقت قادیان میں تھے اور انھوں نے اعلان کیا تھا کہ چاہے دشمن احمدیوں کی لاشوں پر سے گزرتا ہوا مجھ تک پہنچ جائے میں قادیان سے نہیں جاؤں گا۔ اپنے اس فیصلے کے حق میں انھوں نے ایک واقعہ بھی بیان کیا اور کہا کہ "جب مرزا غلام احمد قادیانی (مسیح موعود) فوت ہوئے تھے میں نے (یعنی مرزا محمود احمد نے) ان کے سرہانے کھڑے ہو کر یہ عہد کیا تھا کہ اے "مسیح موعود" اگر قادیان سے سارے احمدی بھی آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ تاوقتیکہ موت آ جائے"۔ چنانچہ اپنے اس عہد کو پورا کرنے کی غرض سے 1947ء میں میاں صاحب نے قادیان میں اعلان کیا کہ میں قادیان سے نہیں جاؤں گا۔ لیکن اس اعلان کے چند ہی روز بعد جب حالات مزید مخدوش ہوئے تو سادھو کا بھیس بدل کر لاہور آ پہنچے اور یہاں آ کر یہ کہا کہ میں چند روز کے لیے آیا ہوں پھر واپس چلا جاؤں گا۔ لیکن آج تک واپس جانا نصیب نہیں ہوا۔

زبان اور اخلاق

شاطر سیاست کا دعویٰ ہے کہ انھیں مسند خلافت پر اللہ تعالیٰ نے بٹھایا ہے اور نیز یہ کہ وہ مصلح

موعود ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بولتا ہے۔ان دعاوی کی روشنی میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی زندگی کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ان کا عمل اور قول ان دعاوی پر پورے اترتے ہیں یا نہیں۔ اگر ان کا عمل اور ان کا قول ان کے ان دعاوی پر پورے اتریں تو ہمیں ان دعاوی پر ایمان لانا پڑے گا لیکن اگر ان کا عمل اور قول ان کے دعاوی سے اتنے ہی دور ہوں جتنا آسمان زمین سے دور ہے تو پھر ہمیں یہ کہنا پڑے گا کہ خلافت مآب کے دعاوی کذب بیانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا ان کے اخلاق پر نوک قلم کو جنبش دینے سے قبل یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ ہم کسی کے اخلاق کو زیر بحث لانا معاشرتی اور اخلاقی آئین کے منافی سمجھتے ہیں لیکن چونکہ خلافت مآب کا دعویٰ مصلح موعود اور اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی اس پیشگوئی کا مصداق ہونے کا ہے جو انھوں نے اپنی ذریت میں سے مصلح موعود کے بارے میں کی تھی اور اس پیشگوئی میں چونکہ مصلح موعود کے لیے پاک ہونے کی شرط رکھی گئی ہے اس لیے خلافت مآب کے اخلاق کو زیر بحث نہ لانے کی کوشش اور تمنا کے باوجود ہم مجبور ہیں کہ ان کی زندگی کو ان تمام دعاوی کے تحت پرکھیں جن کی کسوٹی کے طور پر پاک ہونے کی شرط رکھی گئی ہے۔

ان کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ خدا ان کی زبان سے بولتا اور ان سے محبت کرتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ خدا ان کی زبان سے کیا بولتا ہے۔

الفضل 27 اگست میں رقمطراز ہیں۔

''خلیفہ اوّل کی اولاد اوّل درجہ کی کذاب ہو چکی ہے۔''

پھر الفضل 31 اگست میں لکھتے ہیں۔

''جو بھی (مسلمان) تمھیں ورغلانے کے لیے آتا ہے وہ شیطان ہے۔ پس جب بھی کوئی ایسا شخص تمھارے پاس آئے تم فوراً لاحول پڑھنے لگ جاؤ اور کہو کہ ہمیں مدت سے شیطان دیکھنے کا شوق تھا۔ آج تمھیں دیکھنے کی حسرت پوری ہو گئی۔''

الفضل 11 ستمبر 1956ء میں فرماتے ہیں۔

''اس وقت جن لوگوں نے اس فتنہ میں حصہ لیا ہے وہ نہایت ذلیل اور گھٹیا قسم کے ہیں۔''

الفضل 11 ستمبر 1956ء میں پھر رقمطراز ہیں۔

''میں چودھری غلام رسول صاحب منیجر بھٹہ کا نام کذاب رکھتا ہوں اس لیے ساری جماعت ان کو کذاب سمجھے۔''

علاوہ ازیں مختلف مقامات پر بکواسی، لومڑی، مسیلمہ کذاب، حرامزادہ اور کمینہ صفت کتے کے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ خلافت مآب کے علاوہ الفضل جو ان کا سرکاری گزٹ ہے اور جسے ان ہی کی

زبان سمجھنا بے جانہیں اور ان کے وہ خوشامدی جنھیں وہ اپنے ''خالد بن ولید'' گردانتے ہیں (نعوذ باللہ) کی زبانیں بھی ملاحظہ فرمائیے۔

الفضل 11 ستمبر میں ایک صاحب رقمطراز ہیں۔

''ان تمام آدمیوں پر جو اس فتنہ میں شریک ہیں لعنت بھیجتا ہوں۔'' ''لیکن اخبار مذکور (سفینہ) کی خباثت ملاحظہ ہو کہ میرا نام بھی اس نے ان لعنتیوں میں شامل کر دیا ہے۔''

الفضل 3 جولائی 1937ء میں لکھا ہے۔

''ہم فتنہ پرداز منافقین کی کمینہ اور مکروہ حرکات کے خلاف نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہیں۔''

مولانا ظفر علی خاں صاحب سے متعلق لکھا ہے۔

''جہان بھر کا فریبی، مکار، بدبخت، سیاہ کار، بے بصیرت، ناعاقبت اندیش، حیوان بشکل انسان، دیوانہ، بدخواہ انسان، بدقسمت، بدطینت، گرگٹ، ابن الوقت۔''

مولوی محمد علی صاحب سے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

دھوکا باز، بدگو، معاند، منافق، بے حیا، پطرس ثانی، امیر المنکرین، رئیس المنکرین۔''

بزرگان امت کے لیے۔

''بدخصال، لغو گو، یہودی، حار، بازاری لوگ، ظالم، جاہل۔''

قاضی احسان اللہ صاحب سابق ایڈیٹر روزنامہ زمیندار سے متعلق لکھتے ہیں۔

''دروغ گو، اندھا، غلط گو، ریا کار، متلون، حریص، بے اصولا، خودغرض، مکار۔''

علاوہ ازیں اپنے ایک نام نہاد خالد بن ولید مولوی ابوالعطاء جالندھری کو طاعون کا چوہا کہہ کر پکارتے ہیں۔

اور پھر الفضل 22 اگست میں خلافت مآب رقمطراز ہیں۔

''مولوی عبدالوہاب عمر کو بیہودہ بکواس کی عادت ہے۔''

الغرض خلافت مآب اور ان کے وظیفہ خوار جب کبھی بھی بات کرتے ہیں تو ان کے منہ سے ''لفظ بکواس'' ہی نکلتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید ان کے منہ میں غلاظت کا سٹور ہے کہ جب بھی منہ کھلا غلاظت کے ڈھیر باہر آ پڑے لیکن خلافت مآب فرماتے ہیں کہ ان کی زبان سے خدا بولتا ہے۔ اب کون بتائے کہ مندرجہ بالا الفاظ خدا کے الفاظ ہیں یا خلافت مآب کے اپنے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ خدا کے نہیں بلکہ خلافت مآب کی اپنی ایجاد ہیں تو پھر بھی یہ ماننا پڑے گا کہ جس شخص کی زبان سے اس قسم کے

الفاظ نکلتے ہوں وہ خدا کی طرف سے نہیں اور اس کا خدا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

خلافت مآب کی زبان پر ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے لیکن اس موضوع پر مختصر سی بحث کے بعد ہم ان کے اخلاق کا تجزیہ کیے دیتے ہیں تا کہ ان کے جملہ دعاوی کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ خلافت مآب نے 1914ء میں زمام خلافت سنبھالی اور اس سے قبل جب ابھی مرزا قادیانی زندہ ہی تھے تو ان (شاطر سیاست) پر زناء کا الزام عائد ہوا، جس پر ایک تحقیقاتی کمیشن مولوی محمد علی صاحب کی زیر نگرانی قائم کیا گیا۔ مخلص مریدوں کو باپ (مرزا غلام احمد قادیانی) کے ساتھ جو والہانہ عقیدت تھی اس کے تحت اور شاطر سیاست کی والدہ کی عرضداشتوں پر انھوں نے بیٹے (مرزا محمود احمد) کو اس الزام سے بری الذمہ قرار دیا لیکن باپ (مرزا قادیانی) کی وفات کے بعد جب مولوی نورالدین صاحب (خلیفہ اوّل) فوت ہوئے اور جب شاطر سیاست نے زمام خلافت سنبھالی تو مولوی محمد علی صاحب جنھوں نے شاطر سیاست کو اپنے پیر (مرزا قادیانی) سے بے پناہ عقیدت کے تحت زناء کے الزام سے بری قرار دیا تھا، شاطر سیاست کی خلافت سے انکار کر دیا اور اس کی وجہ شاطر سیاست کی اخلاقی پستی ہی بیان کی۔ مولوی محمد علی صاحب کی علیحدگی کے پندرہ سال بعد مستری عبدالکریم صاحب مباہلے والے جو شاطر سیاست کے عقیدت مند تھے شاطرِ سیاست سے علیحدہ ہوئے اور اپنی علیحدگی کی وجہ ان...... کی ذاتی اخلاقی بے راہروی بیان کی۔ مباہلہ والوں کی علیحدگی کو ابھی آٹھ سال ہی کا عرصہ گزرا تھا کہ ان پر...... چند مزید اشخاص نے زناء کا الزام لگایا اور وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ 1937ء میں علیحدہ ہونے والوں اور شاطر سیاست پر زناء کا الزام عائد کرنے والوں میں ان کے وہ مخلص اور فرشتہ سیرت مرید تھے جنھیں جماعت میں خاص اہمیت حاصل تھی اور جو شاطرِ سیاست کے چوٹی کے مریدوں میں سے تھے۔ شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری اور فخرالدین صاحب ملتانی کے اسمائے گرامی سے کون واقف نہیں، انھوں نے شاطرِ سیاست سے اپنی مخلصانہ وابستگی کے باوجود ان سے علیحدگی اختیار کرتے وقت ان کی دھاندلیوں اور زناء جیسے قبیح فعل کے ارتکاب کے الزامات عائد کیے۔ فخرالدین صاحب ملتانی نے ایک پمفلٹ شائع کیا اور اس کا عنوان فحش مرکز رکھا اس میں انھوں نے شاطر سیاست کی نجی اور خلوت کدوں کی زندگی کا ناک نقشہ پیش کیا اور بتایا کہ دور حاضر کا یہ رنگیلا خلافت کا لبادہ اوڑھ کر عیش وعشرت کو کیسے جنم دیتا ہے۔ ان کا پمفلٹ شائع ہوا ہی تھا کہ خلافت مآب نے اپنے چند غنڈوں کو فخرالدین صاحب ملتانی کے قتل پر مامور کر دیا۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں ان.......... کے وظیفہ خوار (تنخواہ دار غنڈے) مریدوں نے فخرالدین صاحب ملتانی کا کام تمام کر دیا۔ فخرالدین صاحب ملتانی کے قتل کے بعد الفضل نے متعدد مضامین شائع کیے اور ان کو مجرم اور خطاوار قرار دیا۔ اس کے معاً بعد جب مقتول کے قاتل کو عدالت نے سزائے موت دی اور اسے تختہ دار پر لٹکایا گیا تو اس کی لاش کو قادیان میں بڑی دھوم دھام سے سپرد خاک کیا گیا۔ 1937ء کے ان مجاہدوں کے الزامات کے نقوش ابھی خشک ہی ہوئے تھے کہ

1956ء میں چند نوجوانوں نے ان پر تنقید کے بے شمار نشتر چلائے اور زناء کے الزام کے علاوہ خیانت اور بددیانتی کے الزامات بھی عائد کیے۔ ایک پمفلٹ بعنوان مرزا محمود احمد ہوش میں آؤ۔ شائع کیا گیا اور اس میں جن بارہ امور پر ان کو دعوت مباہلہ دی گئی، ان میں سے ایک الزام زناء کا بھی تھا لیکن شاطر سیاست نے حسب معمول ان الزامات کا بھی کوئی جواب نہ دیا حالانکہ مرزا قادیانی کے فتویٰ کے مطابق جس شخص پر زناء کا الزام عائد ہو، اسے الزام عائد کرنے والے کو دعوت مباہلہ دینی چاہیے تاکہ کوئی شخص اس الزام کی بنا پر ٹھوکر نہ کھا جائے۔ چنانچہ مرزا قادیانی کے فتویٰ کے مطابق ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ الزام عائد کرنے والوں کو دعوت مباہلہ دیتے لیکن دعوت مباہلہ الزام عائد کرنے والوں کی طرف سے دی گئی اور انھوں نے چپ سادھ لی اور کوئی جواب نہ دیا۔ تادم تحریر خلافت مآب پر زنا اور بددیانتی کے الزامات عائد ہو رہے ہیں لیکن ان کی طرف سے معترضین کو کوئی مضبوط اور صحیح جواب نہیں دیا گیا۔ (یاد رہے شاطرِ سیاست پر جب کبھی بھی جس نے کوئی الزام لگایا تو صف اوّل پر زناء ہی کا الزام تھا)

1956ء کے وہ مظلوم جنھوں نے ان سے علیحدگی ان کی پست اخلاقی کی وجہ سے اختیار کی ان خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، جو شاطر سیاست کی جماعت میں بہت مشہور ہیں اور جو اخلاص اور قربانیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے لیکن جب مشاہدات نے انھیں شاطر سیاست سے بدظن کیا تو انھوں نے اپنے خیالات کی علانیہ نشر و اشاعت کی لیکن شاطر سیاست اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ صرف چند وظیفہ خواروں نے ان الزامات کے جواب میں لکھا ہے کہ اس قسم کے الزامات تو خلفائے راشدین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی عائد ہوتے رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

کتنا ظلم ہے اور وظیفہ خواروں کی یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ وہ اپنے حقیقی رب کو بھول کر اپنے ظاہری ربوبیت کرنے والے (مرزا محمود احمد) کو خوش کرنے کے لیے محبوب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی بہتان تراشنے سے نہیں گھبراتے حالانکہ جو استدلال وہ پیش کرتے ہیں وہ سراسر کذب بیانی ہے کیونکہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دعویٰ نبوت سے قبل تو کسی قسم کا بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی معصومیت اور پاکیزہ زندگی کی گواہی دی ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی سچائی کے لیے دلیل ٹھہرایا ہے۔ **فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون** یعنی میں نے تمھارے ساتھ ایک لمبی عمر گزاری ہے کیا تم میری اس زندگی پر اعتراض کر سکتے ہو؟ لیکن آپ کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کو بھی اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ باقی رہے خلفائے راشدین تو ان پر اغیار نے تو اعتراضات کیے لیکن ان کے اپنے مریدوں میں سے کسی نے بھی ان پر زناء جیسے قبیح فعل کا الزام نہیں لگایا لیکن شاطر سیاست پر بیگانے تو ایسے الزامات عائد کرتے ہیں ان کے اپنے مریدوں کے اعتراضات و الزامات کی وجہ کیا ہے؟ لیکن مرید ہیں کہ عقل و خرد سے بکلی تہی دست معلوم ہوتے ہیں اور

''حضور'' کی نجی زندگی کا مطالعہ کیے بغیر ان کے تمام دعاوی پر آمنا وصدقنا کہتے چلے جاتے ہیں۔

جس کی آغوش میں ہر شب ہے نئی ماہ لقا
اس کے سینے میں خدا ہے ہمیں معلوم نہ تھا

لیکن واقعہ یہ ہے کہ شاطرِ سیاست اور ان کے چند خوشامدی زناء بالجبر کو ناجائز اور زنا بالرضاء کو جائز تصور کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ گناہ جس کا کسی کو بھی علم نہ ہو گناہ نہیں ہے۔

یہ کہہ رہی ہے ہمیں واعظوں کی بے عملی
گناہ نہیں ہے جو چھپ کر کہیں کیا جائے

اسلام کے نزدیک کس قسم کی بدظنی پھیلانے والا مجرم ہے۔ اسلام نے زناء کے سلسلہ میں یہ قاعدہ کلیہ بنایا ہے کہ جب تک چار گواہ یہ نہ کہیں کہ فلاں شخص کو انھوں نے زناء کرتے دیکھا ہے اس وقت تک کسی ایک شخص کی گواہی قابل قبول نہیں اور اگر کوئی شخص کسی پر زناء کا الزام عائد کرتا ہے اور اس کی تشہیر کرتا ہے اور اس کے لیے چار گواہ پیش نہیں کرسکتا تو وہ مجرم ہے۔ اب اس وضاحت کے بعد ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان کے نزدیک بدظنی کا مفہوم زناء کا الزام ہے اب اس تشریح کی روشنی میں مندرجہ بالا اقتباس پڑھا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھیں قبل از وقت علم تھا کہ ان پر اس قسم کے الزامات عائد ہوں گے ظاہر ہے کہ اس قسم کا علم مجرمانہ ذہنیت کا واضح اظہار ہے یعنی چونکہ انھیں اپنی بداعمالیوں کا علم تھا اس لیے انھوں نے اپنے مریدوں کو بے وقوف بنانے کی غرض سے پیش بندی کر دی اور گول مول الفاظ میں جہاں اپنے جرم کا اقرار کرلیا وہاں زناء جیسے فعل کو جائز کہہ دیا اور پھر یہاں تک کہہ دیا کہ یہ فعل صرف میں ہی نہیں کرتا بلکہ پہلے (یعنی خلفائے راشدین وغیرہ) بھی کرتے رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

؎ آئینہ دیکھیں تو رخ اپنا نظر آتا ہے

حلفیہ شہادت

شاطر سیاست کے اخلاق کا تذکرہ چل نکلا ہے تو لگے ہاتھوں چند مزید حقائق بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں ایک نوجوان مسٹر محمد یوسف کی ایک تحریر موصول ہوئی ہے۔ مسٹر یوسف کا خاندان شاطر سیاست کے خاص الخاص مریدوں میں سے ایک ہے اور وہ ان دنوں کراچی میں مقیم ہیں۔ ہم ان کی وہ تحریر بغیر تبصرہ کے شائع کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمد عبدہ و رسولہٗ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے میں احمدیت کو بھی برحق سمجھتا ہوں اور مرزا قادیانی کے دعویٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور مسیح موعود مانتا ہوں اور اس اقرار کے بعد میں موکد

بعذاب حلف اٹھاتا ہوں۔

میں اپنے علم اور مشاہدہ اور رویت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بنا پرخدا کو حاضر ناظر جان کر اس کی پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ربوہ نے خود اپنے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد سے زناء کروایا۔ اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ میں اس بات پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ بالمقابل حلف اٹھانے کے لیے بھی تیار ہوں۔

دستخط محمد یوسف معرفت عبدالقادر

تیرتھ سنگھ جے للوانی روڈ عقب شالیمار ہوٹل کراچی

رؤیا وکشوف کا دباؤ

انسان کی فطرت میں ایک خوف کھانے والی حس ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہونے کے بعد جنت اور جہنم کے نظریات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے خوف سے پاکیزگی اور صالح اعمال بجا لانے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ کرتا ہے۔ شاطر سیاست کو انسان کی اس کمزوری کا علم ہے چنانچہ وہ اپنے بھولے بھالے مریدوں کو رؤیا وکشوف سنا سنا کر ڈراتے رہتے ہیں اور عاقبت کا خوف دلا کر اپنا الوسیدھا کرتے ہیں۔ آخری شادی جو انھوں نے چند ہی سال قبل کی تھی وہ بھی رؤیا کے ذریعہ ہی معرض وجود میں آئی تھی۔ ایک دن خطبہ جمعہ میں انھوں نے کہا کہ رات میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے ہو رہا ہے، اس کی خصوصیات فلاں فلاں ہیں۔ اگر اس کے باپ نے اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر نازل ہوگا۔ چنانچہ اس لڑکی کے باپ نے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے گھبرا کر اور ''حضور پرنور'' کے رؤیا سے ڈر کر اپنی لڑکی کا رشتہ ''حضور پرنور'' کو دے دیا۔ اسی طرح شاطر سیاست دوسرے معاملات میں بھی بھولے بھالے مریدوں پر عاقبت کا خوف طاری کرتے اور رؤیا وکشوف کا دباؤ ڈال کر اپنا الوسیدھا کرتے رہتے ہیں۔ جب کبھی بھی کسی شخص نے ان کی نجی زندگی کا جائزہ لیا اور اپنے ذاتی مشاہدات کی روشنی میں...... ان کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو انھوں نے اس شخص کے باپ یا دیگر رشتہ داروں پر عاقبت کا خوف طاری کر کے اس کے خلاف تحریریں لکھوا کر اپنے سرکاری گزٹ میں شائع کر دیں۔

اسلام کے نزدیک ناقدین قوم کی روح ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب شخص وہ ہے جو مجھ پر تنقید کرتا ہے اور شاطر سیاست ناقدین کے خلاف اظہار بیزاری کرنے کو مومنانہ دلیری قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں وہ رؤیا وکشوف کو اپنی ڈھال بناتے ہیں۔ کبھی کسی نے کوئی سوال کیا اور ان سے کوئی جواب نہ بن آیا تو رؤیا سنا دیا۔ کسی نے پوچھا کہ حضور یہ سندھ کے مربعے جو آپ کی ذاتی ملکیت ہیں کہاں سے آئے تو کشف سنا دیا۔ کسی نے استفسار کیا کہ حضور آپ خویش پروری کرتے ہیں تو اس پر عاقبت کا

عذاب نازل کر کے اسے منافق قرار دے دیا۔ الغرض وہ رؤیا وکشوف سے اپنا تمام تر کاروبار چلاتے ہیں اور وہ بھولے بھالے لوگ جو خدمت اسلام اور شمع رسالت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی بنا پر شاطرِ سیاست سے وابستہ ہیں وہ غلط بے جوڑ اور مہمل قسم کے رؤیا وکشوف کا تجزیہ کیے بغیر آمنا وصدقنا کہتے چلے جاتے ہیں حالانکہ ان کے رؤیا وکشوف من گھڑت اور ابہام کی زندہ مثال ہوتے ہیں۔ ہر ذی شعور شخص موجودہ حالات سے آئندہ حالات کا اندازہ کر لیتا ہے۔ چنانچہ شاطرِ سیاست شیطان کی آنت کی طرح ایک گول مول رؤیا شائع کر دیتے ہیں اور جب وہ حالات معرض وجود میں آ جاتے ہیں تو الفضل میں جلی حروف کے ساتھ رؤیا کے عظیم الشان طریق سے پورا ہونے کا ڈھنڈورہ پیٹ دیا جاتا ہے حالانکہ اگر رؤیا وکشوف ان کے اپنے ذہن کی پیداوار نہ بھی ہوں تو ضروری نہیں کہ ہر کشف درست ہی ہو۔ چنانچہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

''سنت اللہ قدیم سے اور جب سے دنیا کی بنا ڈالی گئی ہے، اس طرح پر جاری ہے کہ نمونہ کے طور پر عام لوگوں کو قطع نظر اس کے کہ وہ نیک ہوں یا بد ہوں اور صالح ہوں یا فاسق ہوں اور مذہب میں سچے ہوں یا جھوٹا مذہب رکھتے ہوں، کسی قدر سچی خوابیں اور سچے الہام وجاہت اور بزرگی پر دلالت نہیں کرتے۔ یہ کمال شقاوت اور نادانی اور بدبختی ہے کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ انسانی کمال بس اسی پر ختم ہے کہ کسی کو کوئی سچی خواب آ جائے یا اس کو الہام ہو جائے بلکہ انسانی کمال کے لیے اور بہت سے لوازم اور شرائط ہیں اور جب تک وہ محقق نہ ہوں تب تک یہ خوابیں اور الہام بھی مکر اللہ میں داخل ہیں۔ وحی الوسیلہ بعض اوقات موجب ہلاکت ہو جاتی ہے جیسا کہ ملہم اسی وجہ سے ہلاک ہوا۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ **908**)

یعنی سچی خوابیں فاسق اور غیر صالح لوگوں کو بھی آ جاتی ہیں اس لیے یہ نادانی اور بدبختی ہے کہ بعض سچی خوابوں پر اپنی وجاہت اور بزرگی کا دعویٰ کیا جائے۔ علاوہ ازیں مرزا قادیانی ایک دوسری جگہ پھر لکھتے ہیں:

> ''یاد رکھنا چاہیے کہ شیطان انسان کا سخت دشمن ہے۔ وہ طرح طرح کی راہوں سے انسان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور ممکن ہے کہ ایک خواب سچی بھی ہو اور پھر بھی وہ شیطان کی طرف سے ہو کیونکہ اگرچہ شیطان بڑا جھوٹا ہے لیکن کبھی سچی بات بتلا کر دھوکا دیتا ہے۔'' (حقیقۃ الوحی صفحہ اوّل)

یعنی کسی سچی خواب سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس شخص کو سچی خواب آئی ہے وہ بزرگی کی کسی منزل پر پہنچ گیا ہے بلکہ بعض اوقات شیطان بھی انسان کو گمراہ کرنے کے لیے سچی خوابیں دکھا دیتا ہے، اس لیے اپنی کسی سچی خواب کو بھی اپنی بزرگی اور بڑائی کے لیے دلیل ٹھہرانا ناجائز ہے۔ پھر مرزا قادیانی ان لوگوں کے متعلق بھی وضاحت کرتے ہیں جو اپنے خوابوں اور الہامات پر بنا رکھ کر غلط اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں

کوفروغ دیتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے:

''افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ ابھی شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہیں مگر پھر بھی اپنی خوابوں اور الہاموں پر بھروسہ کر کے اپنے ناراست اعتقادوں اور ناپاک مذہبوں کو ان خوابوں اور الہاموں کے ذریعہ فروغ دینا چاہتے ہیں بلکہ بطور شہادت ایسی خوابوں اور الہاموں کو پیش کرتے ہیں۔'' (حقیقت الوحی صفحہ 2)

یعنی اپنے چند سچے خوابوں کو بنیاد اور دلیل ٹھہرا کر اپنے غلط اعتقادات اور غلط مذہب کا پرچار کرنا بھی ناجائز ہے اور جو شخص اپنے خوابوں پر اپنی بزرگی کی بنا رکھتا ہے وہ بھی شیطان کا اسیر ہے، چنانچہ شاطر سیاست کی سوانح حیات دیکھئے تو ایک لحہ بھی ایسا نہیں ملتا جب رؤیا و کشوف سے انھوں نے اپنی بزرگی اور اپنے اعتقادات کی سچائی نہ ثابت کی ہو۔ وہ لوگ جو الفضل کا باقاعدہ مطالعہ کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ الفضل میں جہاں ان کے رؤیا و کشوف کثرت سے شائع ہوتے رہتے ہیں وہاں بڑی بڑی سرخیوں میں ان کے عظیم الشان طریق سے پورا ہونے کا ڈھنڈورا بھی پیٹا جاتا ہے جو ان کے والد مرزا قادیانی کے نزدیک ناجائز اور شیطان کے اسیر ہونے کی نشانی ہے۔ مرزا قادیانی مزید رقمطراز ہیں:

''اور بعض محض فضولی اور فخر کے طور پر اپنی خوابیں سناتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں کہ چند خوابیں یا الہام ان کے جو ان کے نزدیک سچے ہو گئے ہیں ان کی بنا پر وہ اپنے تئیں اماموں یا پیشواؤں یا رسولوں کے رنگ میں پیش کرتے ہیں، یہ وہ خرابیاں ہیں جو اس ملک میں بہت بڑھ گئی ہیں اور ایسے لوگوں میں بجائے دینداری کے بیجا تکبر اور غرور پیدا ہو گیا ہے۔'' (حقیقت الوحی صفحہ 2)

ان سطور میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ مرزا قادیانی نے اپنے بیٹے (شاطرِ سیاست) سے متعلق ہی لکھی تھیں کیونکہ وہ اپنے رؤیا و کشوف کی بنا پر اپنے آپ کو مصلح موعود اور خلیفۂ برحق ثابت کرتے اور اپنے بھولے بھالے مریدوں پر اپنی بزرگی...... ثابت کرتے ہیں حالانکہ ان کے والد مرزا قادیانی کہتے ہیں کہ یہ وہ خرابیاں ہیں جو اس ملک میں بہت بڑھ گئی ہیں اور ایسے لوگوں میں بجائے دینداری کے بیجا تکبر اور غرور پیدا ہو گیا ہے۔ یہی عالم شاطرِ سیاست کا ہے ان میں بھی جب سے یہ نقص پیدا ہوا ہے غرور اور تکبر نے انھیں بری طرح سے جکڑ رکھا ہے اور ان سے دینداری اور راستبازی بھی اسی وجہ سے کوسوں دور ہے کہ وہ اپنے رؤیا و کشوف کو اپنی بزرگی کی بنا گردانتے ہیں۔ حالانکہ سچی خوابیں تو ہر شخص کو آ جاتی ہیں خواہ وہ بازاری عورت ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات صرف ہم اپنے پاس ہی سے نہیں لکھ رہے بلکہ مرزا قادیانی بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے لکھا ہے:

''ایک اور امر بھی ہے اور وہ یہ کہ بعض فاسق اور فاجر اور زانی اور ظالم اور غیر

متدیّن اور چور اور حرام خور اور خدا کے احکام کے مخالف چلنے والے بھی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ ان کو بھی کبھی کبھی سچی خوابیں آ جاتی ہیں اور یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بعض عورتیں جو قوم کی چوہڑی یعنی بھنگن تھیں جن کا پیشہ مردار کھانا اور ارتکاب جرائم کا تھا انھوں نے ہمارے روبرو بعض خوابیں بیان کیں اور وہ سچی نکلیں۔ اس سے بھی عجیب تر یہ کہ بعض زانیہ عورتیں اور قوم کے کنجر جن کا رات دن زنا کاری کام تھا ان کو دیکھا گیا کہ بعض خوابیں انھوں نے بیان کیں اور وہ پوری ہوگئیں اور بعض ایسے ہندوؤں کو بھی دیکھا کہ جو نجاست شرک سے ملوث اور اسلام کے سخت دشمن ہیں بعض خوابیں ان کی جیسا کہ دیکھا تھا ظہور میں آ گئیں۔''

(حقیقۃ الوحی صفحہ 2 وصفحہ 3)

ان سطور میں صاف الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ سچی خوابیں بعض ہندوؤں کو بھی آ جاتی ہیں، اس لیے ان پر اپنی صداقت کی دلیل ٹھہرانا درست نہیں۔ ہمارے اس استدلال پر اگر کوئی یہ کہے کہ مرزا صاحب کی مندرجہ بالا سطور عام انسانوں سے متعلق ہیں خواص سے متعلق نہیں اور چونکہ شاطرِ سیاست عوام الناس میں سے نہیں خواص میں سے ہیں اس لیے ان سطور کو ان پر چسپاں کرنا غلط ہے تو ہم مرزا قادیانی کا حسب ذیل اقتباس پیش کیے دیتے ہیں۔ انھوں نے یہاں فرمایا ہے:

''دنیا میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کسی حد تک زہد اور عفت کو اختیار کرتے اور علاوہ اس بات کے کہ ان میں رؤیا اور کشوف کے حصول کے لیے ایک غیر فطری استعداد ہوتی ہے اور دماغی بناوٹ اس قسم کی واقع ہوتی ہے کہ خواب وکشف کا کسی قدر نمونہ ان پر ظاہر ہو جاتا ہے جس کی آمد سے ایک محدود دائرہ تک رؤیا صادقہ اور کشوف صحیحہ کے انوار ان میں پیدا ہو جاتے ہیں مگر تاریکی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان کی بعض دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں مگر عظیم الشان کاموں میں نہیں کیونکہ ان کی راستبازی کامل نہیں ہوتی بلکہ اس شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے جو اوپر سے تو شفاف نظر آتا ہو مگر نیچے اس کے گوبر اور گند ہو۔'' **(حقیقت الوحی صفحہ 11)**

یعنی دنیا میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کے ذہن کی بناوٹ ہی اس قسم کی ہوتی ہے کہ انھیں رؤیا وکشوف نظر آ جاتے ہیں لیکن ان کشوف کی حالت یہ ہے کہ ایک محدود دائرہ تک ہی رؤیا وکشوف کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور وہ بھی تاریکی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ ان رؤیا وکشوف میں بھی بعض خلا ہوتے ہیں اسی طرح بعض لوگوں کی چند دعائیں بھی قبول ہو جاتی ہیں چونکہ ان لوگوں کی راستبازی کامل نہیں ہوتی اس لیے ان کی دعائیں کسی عظیم الشان کام میں پوری نہیں ہوتیں۔ یہاں مرزا صاحب نے ان لوگوں کی

راستبازی کی بھی تشریح کر دی کہ ان کی راستبازی اس شفاف پانی کی طرح ہوتی ہے جو اوپر سے شفاف نظر آتا ہے مگر اس کے نیچے گوبر اور گند ہوتا ہے۔ جس شخص نے بھی قریب سے شاطرِ سیاست کو دیکھا ہے وہ مرزا قادیانی کے مندرجہ بالا اقتباس کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے کہ یہ اقتباس ایک سو پچاس فیصدی شاطرِ سیاست ہی سے متعلق ہے کیونکہ ان کی راستبازی مشکوک ہے اور ان کا ظاہر شفاف پانی کی مانند اور باطن گوبر اور گند کی مانند ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی دعائیں کبھی بھی کسی قابل ذکر کام میں پوری نہیں ہوئیں اور نہ ہی ان کا کوئی کشف ایسا ہے جسے کشفی انوار کے اعتبار سے مکمل کہا جا سکے۔ پس چونکہ اس قسم کے رؤیا وکشوف دنیا میں بے شمار لوگوں پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں اس لیے ان سے اپنی بڑائی ثابت کرنا اور ان کا ڈھنڈورہ پیٹ کر خلافتِ حقہ کا ثبوت بہم پہنچانا سراسر ناجائز دھوکا اور حقائق کے خلاف ہے بلکہ شاطر سیاست کے رؤیا وکشوف کا جو تجزیہ ہم نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو بعض خوابیں سچی بھی آ جاتی ہیں لیکن انھیں اکثر خوابیں ایسی آتی ہیں جو مبہم اور ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس قسم کی خوابوں سے انھیں اپنے مریدوں کو بے وقوف بنانا مقصود ہوتا ہے اور وہ اس طرح کی ریاکاری سے اپنا مقصد حل کر لیتے ہیں۔ گویا دوسرے الفاظ میں وہ رؤیا کے ساتھ بھی ریا کرنے سے نہیں ٹلتے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انھوں نے اپنے خوابوں کے لیے رؤیا کا لفظ پسند کیا ہے اور اکثر رؤیا ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ عجیب سانحہ ہے کہ ان کا چونکہ ریاکاری سے بھی دخل ہے اور رؤیا سنانے سے ان کی مراد بھی ریاکاری سے لوگوں کو بے وقوف بنانا ہے اس لیے خدا نے ان سے لفظ بھی وہی انتخاب کروایا جو حقیقت حال کے عین مطابق تھا۔ لفظ رؤیا کے چار حروف ہیں۔ چاروں حروف میں سے اگر واؤ نکال دیں تو باقی ریا رہ جاتا ہے۔ واؤ سے مراد وحی یا خواب وغیرہ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ واؤ کا حرف لفظ ریا کے درمیان ہے گویا وحی کو بھی ریاکاری کا آلہ کار بنایا جا رہا ہے ۔

مثل برسات برستے ہیں چھما چھم رؤیا
واؤ بھی بینِ ریا ہے ہمیں معلوم نہ تھا۔
(مصنف)

❁……❁……❁

خالد چوہدری

ظفر اللہ خاں کا معاشقہ

آنجہانی سر ظفر اللہ خاں پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ وہ قادیانی مذہب کے سرگرم مبلغ بھی رہے۔ اس مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو کفریہ عقائد کی بناء پر بھٹو دور حکومت میں ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے ایک آئینی ترمیم کے ذریعے متفقہ طور پر غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ سر ظفر اللہ خاں نے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کا جنازہ بھی پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ صحافیوں کی طرف سے وجہ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ ''آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلم حکومت کا کافر وزیر۔''

سر ظفر اللہ خان کے بارے میں قادیانیوں میں تاثر پایا جاتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے اور باکردار انسان تھے لیکن چوہدری سر ظفر اللہ خان نے ایک عرب لڑکی سے کس طرح شادی رچائی، یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

''بشریٰ ربانی کے سابق شوہر محمود قزق نے اخبار ''الیوم'' کے نامہ نگار کو ایک بیان میں بتایا کہ ''سر ظفر اللہ خان نے میری منکوحہ بشریٰ ربانی کو کس طرح خریدا اور جبراً طلاق دلوائی۔ پہلی ملاقات میں ظفر اللہ خان نے لڑکی سے پوچھا: ''تیرا کیا نام ہے؟'' لڑکی نے عقیدت و ادب سے ہاتھ چوم کر جواب دیا ''آپ کی کنیز کو بشریٰ ربانی کہتے ہیں۔''

دمشق میں احمدی مشن نے قادیانی خلیفہ کے اعزاز میں جلسہ کیا، جو علاج کے لیے ظفر اللہ خان کے ساتھ یورپ جا رہے تھے، میری بیوی بھی اپنی ماں کے ساتھ جلسے میں حاضر تھی تاکہ دوسرے احمدیوں کی طرح ظفر اللہ خان کا استقبال کرے اور ''امیر المومنین'' (امیر الشیاطین) کے ہاتھ کو بوسہ دے۔ ظفر اللہ خان نے خلیفہ سے کچھ سرگوشی کی تو حاضرین نے ''امیر المومنین'' کو بلند آواز سے فرماتے سنا ''یہ تو اس خاندان کے لیے سب سے بڑی عزت ہے'' اور سننے والے سمجھ گئے کہ کسی شادی کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر ظفر اللہ خان نے دمشق کے بڑے قادیانی سردار کے کان میں کچھ کہا تو سردار نے اونچی آواز میں جواب دیا: ''اس کا صرف ایک ہی بھائی ہے۔'' اب ظفر اللہ خاں نے بھی اونچی آواز میں گفتگو شروع کر دی۔ کہنے لگے: ''کیا اس کا بھائی یہاں دمشق کے پاکستانی سفارت خانے میں ملازمت پسند کرے گا'' اور دوسرے ہی دن میری بیوی کے بھائی محمود ربانی کو سفارت خانے میں عہدہ مل گیا۔

پھر ظفر اللہ خاں نے اپنی خاص مجلس میں دمشق کے معزز احمدیوں سے کہا: ''میں اس لڑکی کو خوش

نصیب اور اس کے خاندان کو خوشحال بنا دوں گا۔" عرض کیا گیا: "لڑکی اپنے خالہ زاد بھائی سے منسوب ہو چکی ہے، جو خلیج فارس کے ایک ملک میں دولت کمانے گیا ہوا ہے۔"

ظفر اللہ خان نے برہم ہو کر کہا "یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اس نازک پھول کو اس خوفناک کانٹے کی گود میں ڈال دیا جائے۔"

عرض کیا گیا: "ممکن ہے خود لڑکی آپ کی عمر کے آدمی سے رشتہ جوڑنا پسند نہ کرے اور کہے کہ آپ کی بیوی بھی موجود ہے اور اولاد بھی۔"

ظفر اللہ خان نے جواب دیا: "میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں گا۔" اور انھوں نے یہی کیا بھی تاکہ بشریٰ کو حاصل کر سکیں۔

دوسرے دن "حضرت" لڑکی کے گھر پہنچے اور جب وہ چائے لے کر آئی تو اس پر نگاہیں گاڑے ہوئے کہنے لگے:

"بشریٰ تو کیا کہتی ہے، دیکھ ظاہری شکل پر نہ جانا، میں آج بھی......"

بشریٰ کی نظریں شرم سے جھک گئیں اور چہرہ گلابی ہو گیا۔ پھر آہستہ سے کہنے لگی: "مالک میں تو حضور کی کنیز ہوں۔"

یہ سنتے ہی ظفر اللہ خاں نے جیب سے ایک ڈبیہ نکالی، کھولی اور ہیرے کا کینٹھا نکال کر خود اپنے ہاتھ سے لڑکی کے گلے میں ڈال دیا۔ پھر اس کی انگلیوں پر ٹکٹکی باندھ دی، وہ سمجھ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور انگلی سے میرے نکاح کی انگوٹھی اتار دی۔

تین دن بعد ظفر اللہ خاں لاہائی (ہالینڈ) جانے کے لیے تیار ہو گئے، جہاں وہ بین الاقوامی عدالت کے جج ہیں۔ جاتے وقت بشریٰ کی ماں اور بھائی کے ہاتھ میں ایک بڑی رقم دیتے ہوئے حاکمانہ انداز سے فرمانے لگے:

"دیکھو بشریٰ کی طلاق کا معاملہ جلد سے جلد انجام پا جانا چاہیے۔ خرچ کی پرواہ نہ کرنا۔"

میری عقل کچھ کام نہیں دیتی۔ اب تک سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر یہ کیا ہوا؟ اور سمجھ میں آئے بھی کیسے، میں نے اپنے وجود سے محبت کی تھی اور حق الیقین تھا کہ بشریٰ بھی مجھے سچے دل سے چاہتی ہے۔ ہم دونوں گھڑیاں گن رہے تھے کہ رخصتی کا دن آئے اور ہم دونوں ایک جان ہو جائیں۔ میں خلیج فارس کے ایک علاقے میں بہت دور تھا مگر بشریٰ کے محبت بھرے خطوں سے ڈھارس بندھی رہتی تھی۔ بشریٰ ہر ہفتے کئی کئی خط لکھتی، تصویروں کے تراشے بھیجتی۔ یہ دیکھیے تراشے میں ایک جوڑے کی تصویر ہے جو عروسی لباس پہنے ہے اور یہ عبارت تراشے پر خود بشریٰ کے قلم سے لکھی ہے: "اللہ! ہم دونوں کب ایسا ہی جوڑا پہنیں گے۔" یہ دوسرا تراشہ ہے، دو بچے کھڑے ہیں اور بشریٰ نے اس پر لکھا ہے: "خدا ہمیں بھی ایسے ہی بچے دے گا۔"

بہت سے خط سنا کر بدنصیب شوہر چپ ہو گیا اور کسی گہرے خیال میں ڈوب گیا، اچانک اس کے منہ سے قہقہہ پھوٹ پڑا اور اس نے کہنا شروع کیا: "کوئی سوچ بھی سکتا تھا کہ بشریٰ کے یہ سب جذبات

سراسر فریب تھے اور وہ میرے دل سے صرف کھیل رہی تھی۔ کیا دولت کی طمع اس پر غالب آ گئی۔'' میں کیونکر مان لوں، اس نے تو مجھے اس وقت قبول کیا تھا جب میں بالکل فقیر تھا۔ میں قادیانی نہیں تھا، محض بشریٰ کو حاصل کرنے کے لیے قادیانیت میں نے قبول کی۔ بشریٰ اور اس کا خاندان قادیانی بن چکا تھا۔ ظفر اللہ خان قادیانی مذہب کے ایک بڑے رکن ہیں اور میرے دل میں وہم بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا کہ یہی ظفر اللہ میرے دل کو گھائل کر کے کچل ڈالیں گے اور قادیانیت کے ''امام'' اور ''امیر المومنین'' اپنے ایک مرید و معتقد کی زندگی اس بے دردی سے اجاڑ کر رکھ دیں گے۔ بیشک اس قسم کی کوئی بات بھی خیال میں نہیں آ سکتی تھی لیکن فلسطین میں ایک کہاوت ہے: گھنی داڑھیوں کی آڑ میں کبھی بندر بھی چھپے ملتے ہیں اور ظفر اللہ کی داڑھی واقعی عجائبات کو چھپائے ہوئے تھی۔''

محمود قزق نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا: ''1953ء میں، میں نے کتنی کوشش کی کہ لبنان میں کوئی روزگار مل جائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ پھر میں شام چلا آیا اور ایک سکول میں مدرسی مل گئی۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں اپنی خالہ سے ملنے دمشق آیا اور خالہ کی لڑکی بشریٰ کو دیکھتے ہی دل دے بیٹھا۔ دوسرے دن بشریٰ کے ساتھ سینما گیا۔ فلم میں ہیرو اور ہیروئن کی شادی دکھائی جا رہی تھی۔ بشریٰ میرے کان میں کہنے لگی: ''یہ خوشی ہمیں کب نصیب ہو گی؟''

54ء میں ہمارا نکاح ہو گیا۔ میں پھر خلیج فارس کی ایک ریاست میں چلا گیا تاکہ جلد سے جلد بہت سا روپیہ جمع کر کے لوٹوں اور اپنی دلہن کو رخصت کرا لاؤں۔

بشریٰ کے خط دسمبر کے مہینے سے بند ہو گئے۔ آخر ایک خط بہت دنوں کے بعد ملا۔ اس کی عبارت یہ تھی:

''حضرت امیر المومنین'' دمشق آئے، ظفر اللہ خان بھی ہمراہ تھے۔ کس قدر چاہتی تھی کہ تم بھی یہاں موجود ہوتے اور ''حضرت امیر المومنین'' کی زیارت کرتے۔''

بشریٰ کے خط نے میرا دماغ اور بھی خراب کر دیا اور میں طرح طرح کے مطلب نکالنے لگا۔ دمشق پہنچتے ہی سیدھا خالہ کے گھر گیا مگر بشریٰ کی انگلی میرے عقد کی انگوٹھی سے خالی تھی۔

میں نے کہا: ''انگوٹھی اور چوڑیاں غائب ہیں؟''

بشریٰ: ''میں آزاد ہوں۔ تم میری خالہ کے بیٹے ہو، اس لیے تم سے شادی منظور نہیں کر سکتی۔''

اس کے بھائی محمود نے مجھ سے کہا:

''بشریٰ تمھیں پسند نہیں کرتی، تم طلاق کیوں نہیں دے دیتے؟''

میں بے اختیار چلا اٹھا: ''ابھی قاضی کے پاس چلو، طلاق نامہ لکھے دیتا ہوں۔''

قاضی نے جب معاملہ سنا تو خفا ہوئے۔ میں تو غصہ سے بے خود ہو رہا تھا، کہا گیا: ''قاضی

صاحب نکاح فرضی تھا اور میں بشریٰ کو طلاق دے چکا ہوں۔''

بعد میں معلوم ہوا کہ ظفر اللہ خان نے 45 ہزار پونڈ میں بشریٰ کو خرید لیا ہے اور بیس ہزار پونڈ میں بشریٰ کے خاندان کے لیے ایک مکان دمشق کے محلّہ ''بستان الحجریٰ'' میں مول لے دیا ہے۔ بعد ازاں معلوم ہوا کہ ظفر اللہ چند روز میں دمشق آ رہے ہیں تا کہ بشریٰ سے شادی رچائیں اور میں نے طے کر لیا کہ اس شخص کو قتل کر ڈالوں گا۔ میں نے پستول خرید لیا مگر بشریٰ کے خاندان نے ظفر اللہ کو بھی خبر کر دی۔ اس پر جلسے کا پروگرام روک دیا گیا اور آدھے گھنٹے کے اندر ہی ظفر اللہ نکاح کر کے ہوائی جہاز سے بھاگ گئے۔''

(بہ شکریہ روزنامہ ''نوائے پاکستان'' لاہور)

(بحوالہ ماہنامہ ''صوت الاسلام'' فیصل آباد، جلد 1 شمارہ 4/5 ستمبر، اکتوبر 1985ء)

معروف صحافی و کالم نگار جناب شفیق مرزا اپنی شہرہ آفاق کتاب ''شہر سدوم'' میں انکشاف کرتے ہوئے ''لارڈ ملہی اور ظفر اللہ خان'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''لاہور کے سیاسی و سماجی حلقوں کے لیے چودھری نصیر احمد ملہی المعروف لارڈ ملہی کا نام اجنبی نہیں۔ وہ ون یونٹ کے دوران مغربی پاکستان کے وزیر تعلیم رہے اور پھر انھوں نے پنجاب کلب میں اپنا ایسا مستقل ڈیرہ بنایا کہ یہ ان کی دوسری رہائش گاہ بن کر رہ گئی۔ ان کا تھوڑا ہی عرصہ ہوا، انتقال ہوا ہے۔ ان کے بیٹے چودھری افضال احمد ملہی ایڈووکیٹ لاہور بار کے رکن ہیں۔ لارڈ ملہی مرحوم نے ترقی پسندی سے لے کر بقول ممتاز کالم نگار رفیق ڈوگر آخری عمر میں مذہب کی طرف مراجعت کا بڑا طویل سفر کیا لیکن انھیں قریب سے جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے اور کسی واقعہ کے بیان میں ان کی ذات بھی ہدف بن جاتی تھی تو وہ اسے بچانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

ایک مرتبہ کلاسیک پر کھڑے کھڑے بات چل نکلی تو میں نے ان سے چودھری ظفر اللہ خاں کے کردار کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگے، طالب علمی کے دور میں، میں نے شاہنواز (شاہنواز موٹرز اور شیزان والے) سے اس بارے میں پوچھا تو چونکہ وہ میرے بہت قریبی دوست اور عزیز تھے، اس لیے بے ساختہ کہنے لگے ''یار! وہ تو جب آتا ہے، جان ہی نہیں چھوڑتا اور اس نے مجھے اپنی بیوی کے طور پر رکھا ہوا ہے۔'' لارڈ ملہی نے مزید بتایا کہ ''انہی ایام میں ظفر اللہ خان نے مجھے بھی پھانسنے کی کوشش کی تھی لیکن میں اس کے قابو میں نہیں آیا۔''

یہ ہے جنرل اسمبلی میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے، قائد اعظم کا اپنے نام نہاد عقائد و نظریات کی خاطر جنازہ نہ پڑھنے والے اور اپنے آپ کو ایک کافر حکومت کا مسلمان وزیر یا ایک مسلمان حکومت کا کافر وزیر قرار دینے والے کا اصل کردار اور یہ صرف ظفر اللہ خان ہی سے مخصوص نہیں، ہر بڑا قادیانی دہرے کردار کا مالک ہوتا ہے۔''

❁.....❁.....❁

علامہ احسان الٰہی ظہیر۔

قادیانیت کا شرمناک کردار

قادیانی، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور تمام اسلامی ادیان کے بالکل برعکس یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں:

''اللہ مباشرت و مجامعت بھی کرتا ہے، اور وہ اولاد بھی جنتا ہے۔''

اور اس سے عجیب تر کہ:

''خدا نے ان ہی کے نبی مرزائے غلام سے مباشرت و مجامعت کی اور پھر نتیجۃً پیدا بھی وہی ہوئے، یعنی:

مرزا قادیانی ہی سے جماع کیا گیا،

۲۔ اور وہی حاملہ ٹھہرے۔

۳۔ اور پھر خود ہی اس حمل کے نتیجہ میں پیدا بھی ہوئے۔''

اب ذرا قادیانیوں ہی کی زبان سے سنیے۔ قاضی یار محمد قادیانی رقمطراز ہے:

''حضرت مسیح موعود (مرزا) نے ایک موقع پر اپنی حالت یہ ظاہر فرمائی کہ کشف کی حالت آپ پر اس طرح طاری ہوئی، کہ گویا آپ عورت ہیں اور اللہ تعالیٰ نے رجولیت کی قوت کا اظہار فرمایا۔''

(''اسلامی قربانی'' ص 34 مصنفہ قاضی یار محمد قادیانی)

اور خود مرزائے قادیان کہتا ہے:

''مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں، بذریعہ اس الہام کے مجھے مریم سے عیسیٰ بنا دیا گیا۔ پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا۔'' (''کشتی نوح'' ص 47 مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا قادیانی، اس کی امت، اس کے بیٹوں، پوتوں اور ان کی بیویوں کے بارہ میں ایسے ایسے ہوش رُبا حقائق ہیں جن کی تردید کی جرأت آج تک کسی مرزائی کو نہیں ہو سکی۔ چند خبریں تو آج کی صحبت میں محفوظ کر لیں اور مزے کی بات کہ ایک بھی بیگانے سے نہیں۔

مرزا غلام احمد کا اپنا بیٹا اور مرزائیت کا یکے از صنادید مرزا بشیر احمد اپنے باپ کے سوانح میں لکھتا ہے:

''بیان کیا مجھ سے میری والدہ صاحبہ نے ایک دفعہ اپنی جوانی کے زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تمھارے دادا کی پنشن وصول کرنے گئے تو پیچھے پیچھے مرزا امام الدین بھی چلے گئے۔ جب آپ نے پنشن وصول کر لی تو آپ کو پھسلا کر اور دھوکہ دے کر بجائے قادیان لانے کے باہر لے گیا اور ادھر ادھر پھراتا رہا۔ جب آپ نے سارا روپیہ اڑا کر ختم کر دیا تو آپ کو چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ حضرت مسیح موعود (مرزا غلام) اس شرم سے واپس گھر نہیں آئے اور چونکہ تمھارے دادا کا منشا رہتا تھا کہ آپ کہیں ملازم ہو جائیں اس لیے آپ سیالکوٹ شہر میں ڈپٹی کمشنر کی کچہری میں قلیل تنخواہ پر ملازم ہو گئے۔''

(سیرۃ المہدی ج 1، ص 34، مصنفہ مرزا بشیر احمد قادیانی)

مرزا غلام احمد کا بڑا لڑکا اور مرزائیوں کا دوسرا خلیفہ اپنے باپ کے بارہ میں یوں گوہر افشانی کرتا ہے:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام تریاقِ الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی، اور اس کا ایک بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اوّل کو حضور چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔''

(مضمون میاں محمود، مندرجہ اخبار ''الفضل'' قادیان 19 جولائی 1929ء)

اور خود مرزا غلام احمد اپنے بارہ میں یوں خبر دیتے ہیں:

محبی اخویم حکیم محمد حسین صاحب

اس وقت میاں یار محمد بھیجا جاتا ہے، آپ اشیائے خوردنی خود خرید دیں اور ایک بوتل ٹانک وائن کی پلومر کی دکان سے خرید دیں، مگر ٹانک وائن چاہیے، اس کا لحاظ رہے، باقی خیریت ہے۔''

(خطوط امام بنام غلام ص 5)

اور پلومر کی دوکان سے جب پوچھا گیا کہ ٹانک وائن کیا ہے تو انھوں نے جواب دیا:

''ٹانک وائن ایک قسم کی طاقت ور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے سر بند بوتلوں میں آتی ہے، اس کی قیمت 8 روپے ہے۔ 31 ستمبر 1933۔''

(منقول از سودائے مرزا ص 39، حاشیہ مصنفہ حکیم محمد علی پرنسپل طبیہ کالج امرتسر)

مرزائی اخبار ''پیغامِ صلح'' کا نامہ نگار ایک اشتہار ''گنجینۂ صداقت'' میں لکھتا ہے:

''کہاں مولوی نور الدین صاحب کا حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) کو نبی اللہ اور رسول اللہ اور اسمہٗ احمد کا مصداق یقین کرنا اور کہاں وہ حالت کہ وصیت کے وقت مسیح موعود کی رسالت کا اشارہ تک نہ کرنا، استقامت میں فرق آنا اور پھر بطورِ سزا گھوڑے سے گر کر بری طرح زخمی ہونا۔ آخر مرنے سے پہلے

کئی دنوں تک بولنے سے بھی لاچار ہو جانا اور نہایت مفلسی میں مرنا اور آئندہ جہاد میں بھی کچھ سزا اٹھانا اور اس کے جوان فرزند عبدالحی کا عنفوانِ شباب میں مرنا اور اس کی بیوی کا تباہ کن طریق پر کسی اور جگہ نکاح کر لینا وغیرہ۔ یہ سب باتیں کم عبرت انگیز نہیں تھیں۔'' (منقول از الفضل قادیان مورخہ 23 فروری 1922ء)

اب ذرا سینہ تھام کے ان خبروں کو تاریخ کے سینہ میں محفوظ رکھنے کا بندوبست کیجئے، جوان کے خلیفہ ثانی اور مرزا غلام کے بڑے لڑکے کے بارہ میں چھپی اور جن کی تردید کی جرأت نہ آج تک کسی کو ہوئی اور نہ خود مرزا بشیر الدین کو اس کا حوصلہ ہوا اور وہ خبریں ہیں باقاعدہ گواہوں کی ایک فوج کے ساتھ، خلیفہ مرزائیت مرزا بشیر الدین محمود کے بارہ میں ایک مرزائی خاتون خود اپنا واقعہ بیان کرتی ہیں:

میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا، کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہیں دیتی تھیں کہ ان پر ایسا بڑا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کرتے ہیں اور بڑے مخلص احمدی ہیں۔ ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا، جس میں اپنے ایک کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جوں ہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ میں اکیلی رہ گئی، میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا، مگر انھوں نے فرمایا کہ تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں ان سے مل آؤں، مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹکنیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں میں تھی وہ اندر سے چوتھا کمرہ تھا، میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا، میں نے انکار کر دیا، آخر زبردستی انھوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کی اور ان کے منہ سے اس قدر بدبو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے، ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انھوں نے پی ہو، کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی۔ مجھ پر کوئی شک نہ کرے گا۔''

(اخبار مباہلہ بابت جون 1929ء خادم قادیانی، منقول از ''ربوہ کا مذہبی آمر'' مصنفہ راحت ملک برادر خورد عبدالرحمن)

ذرا اور آگے چلیے! اور دیکھیے کہ اس امت مرزائیہ کے سربراہ کا کردار کیسا ہے جس کی رفاقت و

غلامی پر مدیر ''الفرقان'' نازاں ہے اور جس کے بخشے ہوئے شیش محلوں میں بیٹھ کر مرزائیت کا یہ بزعم خویش اور برخود غلط ''خالد'' دوسروں پر پتھر پھینکتا ہے۔

ایک خاندانی مرزائی اور خلیفہ قادیان کے خاندان سے انتہائی قربت رکھنے والا..... نوجوان محمد یوسف لکھتا ہے:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ

واشھد ان محمداً عبدہ و رسولہ.

میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے۔ میں احمدیت کو بھی برحق سمجھتا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے دعویٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور مسیح موعود مانتا ہوں اور اس اقرار کے بعد میں موکد بعذاب حلف اٹھاتا ہوں۔

میں اپنے علم اور مشاہدہ اور رؤیت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بناء پر خدا کو حاضر ناظر جان کر اس کی پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ربوہ نے اپنے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد سے زنا کروایا، اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ میں اس بات پر مرزا بشیر الدین کے ساتھ بالمقابل حلف اٹھانے کے لیے بھی تیار ہوں۔'' (محمد یوسف معرفت عبدالقادر تیرتھ سنگھ جے پلوان روڈ عقب شالیمار ہوٹل، کراچی۔ منقول از ربوہ کا مذہبی آمر، ص 169، مصنف راحت ملک قادیانی برادر خورد عبدالرحمٰن خادم، مبلغ قادیانی)

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو!

اب ذرا اس پر خود مرزائیوں کی اپنی گواہیاں بھی شمار کر لیجئے!

گواہی نمبر 1

شیخ مشتاق احمد قادیانی مرزا محمود کے متعلق خبر سناتے اور ان کے متعلق گواہی دیتے ہیں:

''خاکسار پرانا قادیانی ہے اور قادیان کا ہر فرد بشر مجھے خوب جانتا ہے۔ ہجرت کا شوق مجھے بھی دامن گیر ہوا اور میں قادیان میں ہجرت کر آیا۔ قادیان میں سکونت اختیار کی۔ خلیفہ قادیان کے محکمہ قضاء میں بھی کچھ عرصہ کام کیا مگر دل میں آرزو آزاد روزگار کی تھی اور اخلاص مجبور کرتا تھا کہ اپنا کاروبار شروع کر کے خدمت دین بجا لاؤں۔ چنانچہ خاکسار نے ''احمدیہ دوا گھر'' کے نام سے ایک دواخانہ کھولا جس کے اشتہارات عموماً اخبار ''الفضل'' میں شائع ہوتے رہے ہیں مگر میں یہ کہوں تو بجا ہوگا کہ قادیان کی رہائش

میری عقیدت کو زائل کرنے کا باعث ہوئی، وگرنہ اگر میں اور قادیانی بھائیوں کی طرح دور دور ہی رہتا تو آج مجھے اس تجارتی کمیٹی کے ایکٹروں کے سربستہ رازوں کا انکشاف نہ ہوتا، یا اگر میں خاص قادیان میں اپنا مکان بنالیتا، یا خلیفہ قادیان کا ملازم ہو جاتا، تو بھی مجھے آج اس اعلان کی جرأت نہ ہوتی......''

(خاکسار شیخ مشتاق احمد، احمدیہ دواگھر قادیان)

گواہی نمبر 2

ڈاکٹر محمد عبداللہ قادیانی کہتے ہیں:

''میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر، اسی کی قسم کھا کر جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے، یہ شہادت دیتا ہوں کہ میں اس ایمان اور یقین پر ہوں کہ موجودہ خلیفہ مرزا محمود احمد دنیادار، بدچلن اور عیش پرست انسان ہے۔ میں ان کی بدچلنی کے متعلق خانہ خدا، خواہ وہ مسجد ہو، یا بیت اللہ شریف یا کوئی اور مقدس مقام ہو، میں حلف موکد بعذاب اٹھانے کے لیے ہر وقت تیار ہوں، اگر خلیفہ صاحب مباہلہ کے لیے نکلیں تو میں مباہلہ کے لیے حاضر ہوں۔

یہ الفاظ میں نے دلی ارادہ سے لکھ دیے ہیں، تا کہ دوسروں کے لیے ان کی حقیقت کا انکشاف ہو سکے۔ والسلام۔''

(ڈاکٹر محمد عبداللہ آنکھوں کا ہسپتال قادیان حال لائلپور)

گواہی نمبر 3

مستری اللہ بخش قادیانی، خلیفہ قادیان کی پاک بازی کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کی قسم کھا کر یہ تحریر کرتا ہوں کہ موجودہ خلیفہ مرزا محمود احمد دنیادار، عیش پرست اور بدچلن انسان ہے۔ میں ہر وقت اس سے مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔''

(مستری اللہ بخش احمدی قادیانی)

گواہی نمبر 4

بیگم صاحبہ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب مرحوم ہم زلف خلیفہ ربوہ فرماتی ہیں:

''مرزا محمود احمد خلیفہ ربوہ بدچلن، زنا کار انسان ہیں۔ میں نے ان کو خود زنا کرتے دیکھا اور میں اپنے دونوں بیٹوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر موکد بعذاب حلف اٹھاتی ہوں۔'' (بیگم ڈاکٹر عبداللطیف)

گواہی نمبر 5

خان عبدالرب برہم صدر انجمن کے دفتر بیت المال میں کام کرتے، اور سر محمد ظفر اللہ کی کوٹھی کے ایک حصہ میں رہائش پذیر تھے۔ آپ نے مرزا محمود کی ہمشیرہ کا دودھ پیا ہوا ہے، اس سے آپ کے گہرے

مراسم کا اندازہ لگائیے، وہ کہتے ہیں:

''میں شرعی طور پر پورا پورا اطمینان حاصل کرنے کے بعد خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ کہتا ہوں کہ موجودہ خلیفہ صاحب یعنی مرزا محمود احمد کا چال چلن نہایت خراب ہے۔ اگر وہ مباہلہ کے لیے آمادگی کا اظہار کریں تو میں خدا کے فضل سے ان کے مدمقابل مباہلہ کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ والسلام۔''

(عبدالرب خاں برہم)

گواہی نمبر 6

عتیق الرحمٰن فاروق سابق مرزائی مبلغ لکھتے ہیں:

''میری قادیانی جماعت سے علیحدگی کے وجوہات منجملہ دیگر دلائل و براہین کے ایک وجہ اعظم، جناب خلیفہ صاحب کی سیاہ کاریاں اور بدکاریاں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ خلیفہ صاحب مقدس اور پاکیزہ انسان نہیں بلکہ نہایت ہی سیاہ کار اور بدکار ہے۔

اگر خلیفہ صاحب اس امر کے تصفیہ کے لیے مباہلہ کرنا چاہیں تو میں بطیب خاطر میدانِ مباہلہ میں آنے کے لیے تیار ہوں۔ فقط۔''

(خاکسار عتیق الرحمٰن فاروق، سابق مبلغ جماعت احمدیہ قادیان)

گواہی نمبر 7

علی حسین قادیانی اپنی والدہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کی قسم کھا کر، جس کی جھوٹی قسم کھانا لعینوں کا کام ہے، مندرجہ ذیل شہادت لکھتا ہوں:

بیان کیا مجھے میری والدہ نے کہ میں حضرت خلیفہ مرزا محمود احمد صاحب کے ہاں رہا کرتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ حضرت صاحب جوان نامحرم لڑکیوں پر عمل مسمریزم کر کے انھیں سلا دیا کرتے تھے، پھر آپ ان کو کئی جگہ سے ہاتھ سے کاٹتے، تب بھی انھیں ہوش نہ ہوتی تھی۔

2- ایک دفعہ حضرت صاحب کے گھر میں سیڑھیاں چڑھ رہی تھی کہ اوپر سے حضرت صاحب انھیں سیڑھیوں پر سے اترتے آ رہے تھے۔ جب میرے مقابل پہنچے تو انھوں نے میری چھاتی پکڑ لی۔ میں نے زور سے چھڑائی۔'' (خاکسار علی حسین قادیانی)

گواہی نمبر 8

ملک عزیز الرحمٰن جنرل سیکرٹری احمدیہ حقیقت پسند پارٹی لاہور قادیانی جماعت کے مشہور و معروف سرگرم مبلغ ملک عبدالرحمٰن خادم گجراتی، مصنف احمدیہ پاکٹ بک کے حقیقی برادر ہیں۔ آپ واقف

زندگی ہو کر ربوہ میں عرصہ تک قیام پذیر رہے اور دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں بطور سپرنٹنڈنٹ کے فرائض انجام دیتے رہے اور آپ فارن مشن اکاؤنٹس کے انچارج بھی تھے، فرماتے ہیں:

''میں اس قہار خدا کی قسم کھا کر جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے یہ بیان کرتا ہوں کہ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ریاض واقف زندگی ربوہ (حال راولپنڈی) نے میرے سامنے میرے مکان واقع لاہور پر کئی ایسے واقعات بیان کیے جن سے خلیفہ صاحب ربوہ کے اوّل درجہ بدکار ہونے کا یقین کامل ہو جاتا ہے، اس نے میرے اور چند دوستوں کے سامنے بالوضاحت یہ بیان دیا کہ خلیفہ صاحب ربوہ مع اپنی بیویوں کے باقاعدہ پروگرام کے تحت بدکاری کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ میں نے اس تمام بدکاری کو بچشم خود دیکھا ہے۔ اگر ڈاکٹر نذیر احمد صاحب ریاض اس بیان مذکورہ بالا سے انحراف کریں تو میں ان سے حلف مؤکد بعذاب کا مطالبہ کروں گا۔ مزید برآں مجھے چونکہ خلیفہ صاحب کے دفتر پرائیویٹ سیکرٹری میں بطور سپرنٹنڈنٹ کام کرنے اور خلیفہ صاحب کو نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ میں بھی خلیفہ صاحب سے اس ضمن میں اور ان کے جھوٹے دعویٰ مصلح موعود کے بارہ میں مباہلہ کرنے کو ہر وقت تیار ہوں۔ فقط۔ (ملک عزیز الرحمٰن جنرل سیکرٹری احمدیہ حقیقت پسند پارٹی لاہور)

گواہی نمبر 9

مشہور مرزائی مبلغ شیخ عبدالرحمٰن جن کو مرزا محمود اپنے دورۂ انگلستان میں اپنے ہمراہ لے کر گیا تھا، یوں گوہر افشاں ہیں:

''موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردہ میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے، اس کام کے لیے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطورِ ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکیوں اور لڑکوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔'' (عبدالرحمٰن مصری قادیانی)

گواہی نمبر 10

عبدالحمید قادیانی جو اپنی خدماتِ جلیلہ کی بناء پر خدام الاحمدیہ حلقہ مسجد اقصیٰ کا جنرل سیکرٹری رہ چکا ہے، رقمطراز ہے:

''قسم ہے مجھ کو خدا تعالیٰ کی وحدانیت کی، قسم ہے مجھ کو قرآن پاک کی سچائی کی، قسم ہے مجھ کو حبیب کبریا کی معصومیت کی کہ میں اپنے قطعی علم کی بناء پر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفہ ربوہ کو ایک ناپاک انسان سمجھنے میں حق الیقین پر قائم ہوں۔ نیز اس بات پر بھی شرح صدر حاصل ہے کہ آپ جیسے شعلہ بیان یعنی (سلطان البیان) مقرر سے قوتِ باہ کا چھن جانا اور دیگر بہت سے امراض کا شکار ہونا، مثلاً

نسیان، فالج وغیرہ یقیناً خدائی عذاب ہیں جو کہ خدائے عزیز کی طرف سے اس کی قدیم سنت کے مطابق مفتریان کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔

علاوہ دیگر واسطوں کے آپ کے مخلص ترین مریدوں کی زبانی وقتاً فوقتاً آپ کے گھناؤنے کردار کے بارہ میں عجیب وغریب انکشافات اس عاجز پر ہوئے۔ مثال کے طور پر آپ کے ایک مخلص مرید جناب محمد صدیق صاحب شمس نے بارہا میرے سامنے جناب خلیفہ صاحب کے چال چلن اور غیر شرعی افعال کے مرتکب ہونے کے بارہ میں بہت سے دلائل وثبوت اور خلیفہ صاحب کے پرائیویٹ خط پیش کیے۔

اس جگہ میں احتیاطاً یہ لکھ دینا ضروری خیال کرتا ہوں کہ اگر محترم صدیق کو میرے بیانِ بالا کی صحت کے بارہ میں کوئی اعتراض ہو تو میں ہر دم ان کے ساتھ اپنے اس بیان کی صداقت پر مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔'' (احقر العباد عبدالمجید اکبر مکان نمبر 5، بلاک ڈی ٹمپل روڈ لاہور)

گواہی نمبر 11

حافظ عبدالسلام مرزائی شہادت دیتا ہے:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو جبار و قہار ہے، جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی اور مردود کا کام ہے، حسب ذیل شہادت دیتا ہوں:

میں 1932ء سے لے کر 1936ء تک مرزا گل محمد صاحب رئیس قادیان کے گھر میں رہا۔ اس دوران میں کئی مرتبہ ایک عورت مساۃ عزیزہ بیگم صاحبہ کے خطوط خفیہ طریقہ سے ان کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے کہ ان خطوں کا کسی سے بھی ذکر نہ کرنا، خلیفہ محمود کے پاس لے جاتا رہا۔ خلیفہ مذکور بھی اس طریقہ سے اور ہدایت بالا کو دہراتے ہوئے جواب دیتا رہا۔ خطوط انگریزی میں تھے۔

اس کے علاوہ ایک عورت کو رات کے دس بجے بیرونی راستہ سے لے جاتا رہا جب کہ اس کا خاوند کہیں باہر ہوتا۔ عورت غیر معمولی بناؤ سنگھار کر کے خلیفہ کے دفتر میں آتی تھی۔ میں بموجب ہدایت اسے گھنٹہ یا دو گھنٹہ بعد لے آتا تھا۔

ان واقعات کے علاوہ بعض اور واقعات سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلیفہ صاحب کا چال چلن خراب ہے اور میں ہر وقت ان سے مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

(حافظ عبدالسلام پسر حافظ سلطان حامد خاں صاحب استاد میاں ناصر احمد)

گواہی نمبر 12

مرزائی غلام حسین کہتا ہے:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اور اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھ سے حضرت

صاحب (یعنی مرزا محمود احمد کو صادقہ کے ساتھ زنا کرتے دیکھا ہے، اگر میں جھوٹ لکھ رہا ہوں تو اللہ کی مجھ پر لعنت ہو۔'' (غلام حسین احمدی)

گواہی نمبر 13

مرزا منیر احمد نصیر قادیانی حلفاً کہتا ہے۔

مجھے دلی یقین ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، خلیفہ قادیان نہایت بدچلن، لوز کریکٹر انسان ہے۔ بیشمار عینی شہادتیں جو مجھ تک پہنچ چکی ہیں، جن کی بناء پر میں یہ جاننے کے لیے تیار ہوں کہ واقعی خلیفہ صاحب قادیان زانی اور اغلام باز (فاعل و مفعول) بھی ہیں۔

اس دلی یقین کا ثبوت میں یہاں تک دے سکتا ہوں، اگر خلیفہ صاحب قادیان اپنے کریکٹر چال چلن کی صفائی کے لیے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں تو ہر طرح اسے قبول کرنے کو تیار ہوں۔''

(مرزا منیر احمد نصیر قادیانی)

گواہی نمبر 14

شیخ بشیر احمد مصری قادیانی یوں گہربار ہے:

''میں خداوند تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر بیان کرتا ہوں کہ میں نے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کو بچشم خود زنا کرتے دیکھا ہے۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔''

(شیخ بشیر احمد مصری قادیانی)

گواہی نمبر 15

مرزائیوں کی اہم ترین جماعت، انجمن انصار احمدیہ قادیان کے سابق صدر فرماتے ہیں:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کی قسم کھا کر جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے، یہ تحریر کرتا ہوں کہ میں مرزا محمود احمد صاحب کی بیعت سے اس لیے علیحدہ ہوا تھا کہ مجھے ان کے خلاف احمدی لڑکوں، لڑکیوں اور عورتوں کے صحیح واقعات پہنچے تھے، جن کے ساتھ مرزا محمود احمد نے بدکاری کی تھی، اسی بناء پر میں نے مرزا محمود احمد صاحب کو لکھا تھا، کہ آپ کے خلاف احمدی لڑکے، لڑکیاں اور عورتیں اپنے واقعات بیان کرتی ہیں۔

ایسی صورت میں آپ یا جماعتی کمیشن کے سامنے معاملہ پیش ہونے دیں یا میدانِ مباہلہ کے لیے تیار ہوں، یا حلف مؤکد بعذاب اٹھائیں یا ہمیں موقع دیں کہ ہم تمام واقعات پیش کر کے جلسہ سالانہ کے موقع پر تمام احمدیوں کی موجودگی میں آپ کے سامنے حلف مؤکد بعذاب اٹھائیں تاکہ روز بروز کا جھگڑا ختم ہو کر حق کا بول بالا ہو لیکن مرزا محمود احمد صاحب کو کسی طریق پر بھی عمل پیرا ہونے کی جرأت نہیں ہوئی۔

سوائے کفار والا حربہ بائیکاٹ مقاطعہ استعمال کرنے کے۔

37ء سے لے کر آج تک میں اسی عقیدہ پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہوں کہ میاں محمود احمد ایک زانی اور بدچلن انسان ہے جس کو خدا رسول اور اس کے خادم حضرت مسیح موعود سے کسی قسم کی کوئی نسبت نہیں۔ اگر میں اپنے اس عقیدہ میں باطل پر ہوں تو اللہ تعالیٰ کی مجھ پر لعنت ہو۔''

(حکیم عبدالعزیز سابق پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ قادیان)

گواہی نمبر 16

اور منیر احمد قادیانی کچھ اور اضافہ کرتے ہیں:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر جس کی جھوٹی قسم کھانا کبیرہ گناہ ہے، یہ تحریر کرتا ہوں کہ میں نے حضرت مرزا محمود احمد صاحب قادیانی کو اپنی آنکھ سے زنا کرتے دیکھا ہے۔

اور میں اقرار کرتا ہوں کہ اس نے میرے ساتھ بھی بدفعلی کی ہے اور میں جھوٹ بولوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔

میں بچپن سے وہیں رہتا تھا۔'' (منیر احمد قادیانی)

گواہی نمبر 17

محمد عبداللہ مرزائی اس پر مزید اضافہ کرتے ہیں:

''مصری عبدالرحمٰن صاحب کے بڑے لڑکے حافظ بشیر احمد نے میرے سامنے ہاتھ میں قرآن شریف لے کے یہ لفظ کہے، خدا تعالیٰ مجھے پارہ پارہ کر دے اگر میں جھوٹ بولتا ہوں، کہ موجودہ خلیفہ صاحب نے میرے ساتھ بدفعلی کی ہے۔

میں خدا کی قسم کھا کر یہ واقعہ لکھ رہا ہوں''

(بقلم خود محمد عبداللہ احمدی فرنیچر ہاؤس مسلم ٹاؤن لاہور)

گواہی نمبر 18

سمن آباد لاہور کی ایک خاتون سیدہ ام صالحہ بنت سید ابرار حسین کہتی ہیں:

''مرزا گل محمد صاحب مرحوم (آپ قادیان کے رئیس اعظم تھے اور وہاں بڑی جائداد کے مالک تھے) اور مرزا غلام احمد صاحب کے خاندان کے رکن تھے اور ان کی دوسری بیوہ چھوٹی بیگم نے مجھے بیان کیا کہ خلیفہ صاحب کو میں نے اپنی آنکھوں سے ان کی صاحبزادی اور بعض دوسری عورتوں کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، میں نے خلیفہ صاحب سے ایک دفعہ عرض کی کہ حضور یہ کیا معاملہ ہے؟

آپ نے فرمایا، کہ قرآن وسنت میں اس کی اجازت ہے۔ البتہ اس کو عوام میں پھیلانے کی

ممانعت ہے۔نعوذ باللہ من ذالک!

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر حلفیہ بیان کر رہی ہوں، شاید میری مسلمان بہنیں اور بھائی اس سے کوئی سبق حاصل کریں۔ (حمیدہ ام صالحہ جنت سید ابرار حسین سمن آباد لاہور)

گواہی نمبر 19

مرزا محمود کا اپنا بیٹا مرزا حنیف احمد اپنے باپ کے بارہ میں کیا نقطہ نگاہ رکھتا ہے، مرزائی چوہدری محمد علی جنھوں نے اپنی پوری زندگی مرزائیت کے لیے وقف کر رکھی تھی، بیان کرتے ہیں:

یاد رہے یہی وہ چوہدری محمد علی ہیں جو مرزائی تنظیم خدام الاحمدیہ کے نائب آڈیٹر اور مرزائی حساب کے شعبہ میں اکاؤنٹنٹ بھی رہ چکے ہیں اور جن کی دیانت کا اعتراف خود مرزا محمود نے بھی کیا:

''میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس پاک ذات کی قسم کھاتا ہوں جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتیوں کا کام ہے کہ صوفی روشن دین صاحب جو ربوہ میں انجن کی چکی پر عرصہ تک بطورِ مستری کام کرتے رہے اور وہ قادیان کے پرانے رہنے والوں میں سے ہیں اور مخلص احمدی ہیں اور جن کے مرزا محمود احمد صاحب اور ان کے خاندان کے بعض افراد سے قریبی تعلقات تھے اور خصوصاً مرزا حنیف احمد ابن مرزا محمود احمد کے صوفی صاحب موصوف کے ساتھ نہایت عقیدت مندانہ مراسم تھے اور قلبی عقیدت کی بناء پر مرزا حنیف احمد گھنٹوں صوفی صاحب کے پاس روزانہ ان کے گھر جا کر بیٹھتے اور بسا اوقات صوفی صاحب کو قصر خلافت میں اپنے ایک کمرۂ خاص میں بھی لے جا کر ان کی خاطر و مدارات کرتے۔ انھوں نے مجھ سے بارہا بیان کیا کہ مرزا حنیف احمد خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ:

جس کو تم لوگ خلیفہ اور مصلح الموعود سمجھتے ہو، وہ زنا کرتا ہے اور یہ کہ مرزا حنیف نے اپنی آنکھوں سے اپنے والد کو ایسا کرتے دیکھا۔ صوفی نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے کئی دفعہ مرزا حنیف احمد سے کہا کہ تم ایسا سنگین الزام لگانے سے قبل اچھی طرح اپنی یادداشت پر زور ڈالو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جس کو تم کوئی غیر سمجھے ہو، وہ دراصل تمہاری کوئی والدہ ہی تھیں۔ مبادا خدا کے قہر و غضب کے نیچے آ جاؤ تو اس پر مرزا حنیف احمد اپنی پوری عینی پر حلفاً مصر رہے کہ ان کا والد پاک سیرت نہیں ہے اور یہ بھی کہا کہ انھوں نے اپنے والد کی کبھی کوئی کرامت مشاہدہ نہیں کی۔ البتہ یہ تڑپ شدت کے ساتھ پائی ہے کہ کسی طرح انہیں جلد از جلد دنیا وی غلبہ حاصل ہو جائے۔

اگر میں اس بیان میں جھوٹا ہوں اور افراد جماعت کو اس سے محض دھوکا دینا مقصود ہے تو خدا تعالیٰ مجھ پر اور میری بیوی پر ایسا عبرت ناک عذاب نازل فرمائے جو مخلص اور ہر دیدۂ بینا کے لیے ازدیاد ایمان کا موجب ہو۔

ہاں! اس نام نہاد خلیفہ کی بدعنوانیوں، خیانتوں اور دھاندلیوں کے ریکارڈ کی رو سے میں عینی

شاہد ہوں، کیونکہ خاکسار نے ساڑھے نو سال تحریک جدید اور انجمن احمدیہ کے مختلف شعبوں میں اکاؤنٹنٹ اور نائب آڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا ہے۔''

(خاکسار چوہدری علی محمد عفی عنہ واقف زندگی حال نمائندہ خصوصی ''کوہستان'' لائلپور)

گواہی نمبر 20

مولوی محمد صالح نور واقف زندگی سابق کارکن وکالت، تحریک جدید ربوہ مولوی محمد یامین صاحب تاجر کتب کے چشم و چراغ ہیں۔ مرزائی ہونے کے علاوہ سلسلہ مرزائیہ کا بے شمار لٹریچر شائع کرتے ہیں۔ یہ قادیان میں 1929ء میں پیدا ہوئے اور مولوی فاضل تک تعلیم حاصل کی، بعدازاں مختلف شعبہ جات میں نہایت خوش اسلوبی سے خدمت سرانجام دیتے رہے، مثلاً!

1۔ قادیان میں مسجد الاحمدیہ کے جنرل سیکرٹیری کے عہدہ پر فائز رہے۔
2۔ زعیم مجلس خدام الاحمدیہ، دارالصدر ربوہ۔
3۔ نائب منتظم تبلیغ مرکزیہ خدام الاحمدیہ ربوہ۔
4۔ سندھ ویجی ٹیبل اینڈ پروڈکٹس کے ہیڈ آفس میں کام کیا۔
5۔ رسالہ ریویو آف ریلیجنز اور سن رائز اخبار کے مینجر بھی رہے۔
6۔ محتسب امور عامہ کے معتمد خاص ربوہ بھی رہے۔

ان شعبہ جات کے علاوہ بھی جماعتی طور پر جس خدمت پر بھی مامور کیا گیا آپ نے دیانت اور امانت کی راہ پر چل کر صحیح معنوں میں خدمت کی۔ آپ میاں عبدالرحیم احمد جو خلیفہ مرزا محمود کا داماد ہے اس کے پرسنل اسٹنٹ وکیل التعلیم تحریک جدید ربوہ بھی تھے۔ آپ جس جاں فشانی، اخلاص اور محنت سے کام کرتے تھے، اس کی وجہ سے آپ کے ذمہ مزید کام سپرد کیے جاتے تھے۔ آٹھ دس شعبہ جات کی کارکردگی آپ کی مقبولیت کی شاہد ہے اور گہرے تعلقات کا اندازہ بھی اس سے لگایا جا سکتا ہے، آپ کا حلفیہ بیان ہدیہ ناظرین ہے:

''میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر مندرجہ ذیل سطور صرف اس لیے سپرد قلم کر رہا ہوں کہ جو لوگ اب بھی مرزا محمود احمد صاحب خلیفہ ربوہ کے تقدس کے قائل ہیں ان کے لیے راہنمائی کا باعث ہو۔ اگر میں مندرجہ ذیل بیان میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ کا عذاب مجھ پر اور میرے اہل وعیال پر نازل ہو۔

میں پیدائشی احمدی ہوں اور 57ء تک میں مرزا محمود احمد صاحب کی خلافت سے وابستہ رہا۔ خلیفہ صاحب نے مجھے ایک خود ساختہ فتنہ کے سلسلہ میں جماعت ربوہ سے خارج کر دیا۔ ربوہ کے ماحول سے باہر آ کر خلیفہ صاحب کے کردار کے متعلق بہت ہی گھناؤنے حالات سننے میں آئے، اس پر میں نے خلیفہ صاحب کی صاحبزادی امتہ الرشید بیگم، بیگم میاں عبدالرحیم احمد سے ملاقات کی، انھوں نے خلیفہ صاحب کے

بدچلن اور بدقماش اور بدکردار ہونے کی تصدیق کی۔ باتیں تو بہت ہوئیں لیکن خاص بات قابل ذکر تھی کہ جب میں نے امتہ الرشید بیگم سے کہا کہ آپ کے خاوند کو ان حالات کا علم ہے تو انھوں نے کہا کہ صالح نور صاحب آپ کو کیا بتلاؤں کہ ہمارا باپ ہمارے ساتھ کیا کچھ کرتا رہا ہے اور اگر وہ تمام واقعات میں اپنے خاوند کو بتلادوں تو وہ مجھے ایک منٹ کے لیے بھی اپنے گھر میں بسانے کے لیے تیار نہ ہوگا تو پھر میں کہاں جاؤں گی۔ اس واقعہ پر امتہ الرشید کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور یہ لرزہ خیز بات سن کر میں بھی ضبط نہ کر سکا۔ اور وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت میں ان واقعات کی بنا پر، جو میں ڈاکٹر نذیر احمد ریاض، محمد یوسف ناز، راجہ بشیر احمد رازی سے سن چکا ہوں، حق الیقین کی بنا پر خلیفہ صاحب کو ایک بد کردار اور بدچلن انسان سمجھتا ہوں اور اسی کی بنا پر وہ آج خدا کے عذاب میں گرفتار ہیں۔''

(خاکسار محمد صالح نور واقف زندگی، سابق کارکن وکالت تعلیم تحریک جدید ربوہ)

(منقول از ''تاریخ محمودیت'' مصنفہ مظہر ملتانی، شائع کردہ دفتر انصار احمدیہ دیوسماج ہوسٹل نمبر 87۔ سنت نگر لاہور)

آخر میں ایک اطالوی حسینہ اور مرزا محمود کے مشہور عالم واقعہ پر اس مضمون کو یہ کہتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

ادھر آ اے دلبر ہنر آزمائیں
تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

لاہور میں ایک ہوٹل تھا سسل اس کا نام اور منٹگمری روڈ پر واقع، وہاں ایک اطالوی حسینہ مس روفو کام و دہن کی لذت کے ساتھ ساتھ قلب ونظر کے سرور کا سامان بھی مہیا کرتی تھی۔ مرزا محمود اس ہوٹل کے ماکولات و مشروبات سے زیادہ کشور اطالیہ کے باغ کی بہار میں زیادہ دلچسپی رکھتے تھے اور ایک دن روز نامہ آزاد کے الفاظ میں کیا ہوا!

''مرزا بشیر الدین محمود کی آمد سسل ہوٹل کی منتظمہ کی گمشدگی،
تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں مل سکا۔''

یکم مارچ سسل ہوٹل کی طرف سے مشتہر ہوا تھا کہ جمعرات یکم مارچ پانچ سے ساڑھے نو بجے رات تک ناچ اور اکاونٹ ڈرائیو ہوگا۔ بڑے بڑے انعامات بدستور سابق تقسیم کیے جائیں گے' تماشائی چار بجے شام سے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ اور پانچ بجے اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ ہر ایک شخص کھیل شروع ہونے کا منتظر تھا، مگر خلاف توقع رسٹ ڈرائیور شروع ہوا، نہ ناچ کا بینڈ بجنا شروع ہوا۔ آخر استفسار پر سسل ہوٹل کے ایک بیرے سے معلوم ہوا کہ رسٹ ڈرائیو کا تمام سامان منتظمہ کے کمرے میں ہے اور منتظمہ کو مرزا بشیر الدین محمود موٹر پر بٹھا کر لے گئے ہیں۔'' (نامہ نگار آزاد 3 مارچ 1934ء)

" اس واقعہ کو ''زمیندار'' کے مدیر شہیر مولانا ظفر علی خاںؒ نے ''زمیندار'' میں یوں رقم کیا!

اطالوی حسینہ

اے کشورِ اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے تیرے فیض سے چمن
پیغمبر . جمال تیری دِل رُبا ادا
پروردگار عشق ترا چُلبُلا چلن
الجھے ہوئے ہیں دل تری زلف سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سو فتن
پروردۂ فسوں ہے، تری آنکھ کا خمار
آوردۂ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن
پیمانہ نشاط تیری ساق صندلی
بیعانۂ سرور ترا مرمری بدن!
رونق ہے ہوٹلوں کی ترا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشہ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن

اطالوی رقاصہ کا ''الفضل'' میں اعتراف

اس کے بعد مختلف اخباروں میں شور وغوغا ہوئے۔ خلیفہ قادیاں کی خطبہ جمعہ کی تقریر شائع ہوئی جس میں اس اطالوی لیڈی کے لے جانے کا اعتراف کیا، مگر اس کی وجہ یہ بتائی کہ!

''اس لیڈی کو اپنی بیویوں اور لڑکیوں کی انگریزی لہجہ کی درستگی کے لیے لایا تھا۔''

اس کا جواب اہل حدیث نے یوں لکھا!

''پس مطلع صاف ہو گیا' مگر سوال یہ ہے کہ اطالوی عورت خاص کر ہوٹل کی خادمہ انگریزی کیا پڑھائے گی۔ اطالوی لوگ تو خود انگریزی صحیح نہیں بول سکتے۔ انگریزی زبان میں دو حروف ڈی اور ٹی بالخصوص ممتاز ہیں۔ دونوں حروف اطالوی لوگ عربوں کی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ علاوہ اس کے ایسی معلّمہ کا اثر معصومات لڑکیوں اور پردہ نشین بیویوں پر کیا ہوگا؟''

اطالوی حسینہ

سسل ہوٹل لاہور کی ایک اطالوی منتظمہ جو ہوٹل میں مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کے ایک روزہ قیام کے بعد اچانک غائب ہوگئی تھی۔ دوسرے دن قادیان کی ''مقدس سرزمین'' میں دیکھی گئی۔ مولانا ظفر علی نے اس پر لکھا!

ہوٹل سسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایمان کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوفِ خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورِ کون و مکاں گئی
بن کے خروش حلقہ رنداں لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستان سنی تو ''زمیندار'' نے کہا'
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

نیز لکھا!

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے؟
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو!
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے میں آئی ہے روفو
دبستان میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستان میں اے بے وقوفو

بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو!
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبد الرؤفو!
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زدفو!

31مارچ1924ء

فتنہ آخر زماں

اے قادیاں، اے قادیاں تیرے بڑے لنگور کو
لپٹا لیا کرتا ہے جو ہر شب نئی اک حور کو
جس نے ہنسایا ناچ کر کشمیر اور میسور کو
جس کی ترش روئی ملّی نیبو کو اور اچور کو
لکھوں دمشقی گورخہ یا اندلس کی مادیاں
اے قادیاں اے قادیاں اے فتنۂ آخر زماں
پیسہ ترا ایمان ہے، گالی تری پہچان ہے
جنس نفاق و کفر سے چمکی تری دکان ہے
بہتاں خدا پر باندھنا تیرے نبی کی شان ہے
الہام جو بھی ہے ترا آوردۂ شیطان ہے
یہ بھی خدا کا آخری اسلام پر احسان ہے
نقاش کی مٹھی میں گر پوشیدہ تیری جان ہے
اے قادیاں اے قادیاں اے دشمن اسلامیاں
اے فتنہ آخر زماں

چوہدری غلام رسول

مرزا قادیانی کی تحریر میں مرزا محمود کی تصویر

قادیانی جماعت کے متلاشیانِ حق، مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اور حکیم نورالدین کی مندرجہ ذیل تحریروں کو بغور پڑھیں اور پھر آوازِ خلق جو گذشتہ تیس سال سے بڑی شدت کے ساتھ بلند ہو رہی ہے پر کان دھریں اور سوچیں کہ قادیانی جماعت 1914ء سے لے کر اب تک کیوں مختلف پارٹیوں میں بٹتی چلی جا رہی ہے۔ مرزا صاحب لکھتے ہیں:

- ''بسا اوقات تو ایسے آدمی کو پائے گا جو باوجود فسق و فجور میں مبتلا ہونے کے خوب مضبوط اور خوش وخرم پھرتا اور خوشی کے لباسوں میں مٹک مٹک کر چلتا ہے۔ خوشیوں کے نشانے سے اس کا تیر کبھی خطا نہیں جاتا ہے۔ اس کے لیے تازہ گوشت کے لذیذ کباب تیار ہوتے ہیں، چوزے اس کے لیے بھونے جاتے ہیں اور اعلیٰ قسم کے کھانے اس کے لیے تیار کیے جاتے ہیں اور وہ ہرنوں کی مانند خوشی سے اچھلتا پھرتا ہے بیابانوں میں اسے خزانے مل جاتے ہیں اور وہ سراب کی مانند انسانوں کا شکار کرتا پھرتا ہے اور باوجود اس حالت کے اس پر کوئی تنگی اور تکلیف وارد نہیں ہوتی اور نہ مشکلات سے دوچار ہوتا ہے۔ نازک اندام اور گانے والی عورتوں سے اسے حظ وافر دیا جاتا ہے۔ اموال اور اولاد اور جائیدادیں اور زمینیں، ملازم اور خادم کثرت سے اسے عطا کیے جاتے ہیں لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ وہ بدکاریوں میں نہایت تیز رو ہوتا ہے اور ممنوعات سے کبھی رجوع نہیں کرتا اور بدیوں کو نیکیوں کے ذریعہ دور کرنے میں کبھی سعی نہیں کرتا اور موت سے پہلے اپنی لغزشوں کی تلافی کرنے کی اسے کبھی فکر لاحق نہیں ہوئی بلکہ اس کے خلاف دلیری سے ان تمام باتوں کا مرتکب ہو جاتا ہے' جن سے خدا تعالیٰ نے روکا ہوا ہے اور عاصی آدمیوں کی مانند اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور پرہیزگاری کو اختیار نہیں کرتا ہے اور لوگوں اور اہل دیانت لوگوں کے قرب سے مجتنب رہتا ہے بلکہ اس کا میلانِ طبیعت خوش آواز عورتوں کو دیکھنے کی طرف ہوتا ہے اور وہ نہ غیروں کی نصیحت پر اور نہ اپنوں کی نصیحت پر کان دھرتا ہے بلکہ بچھوؤں کی مانند نصیحت کرنے والوں کو ڈنگ مارتا ہے اور بجائے ان کی نصیحت کی طرف توجہ

دینے کے سانپوں کی مانند ان پر حملہ کرتا ہے' اس کا پراگندہ اعمال نامہ لپٹنے میں نہیں آتا بلکہ وہ ہر روز کھلے کھلے گناہ میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ وہ طویل وعریض اور سبک رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور اپنے ہر دشمنی رکھنے والے مدمقابل سے آگے نکل جاتا ہے اور بڑے سر والے اونٹ کے مشابہ ہوتا ہے اور اپنی عمر کے ایام اس آدمی کی طرح گزارتا ہے جس کی شہوات کی رسی ڈھیلی چھوڑی گئی ہو اور جس کی غفلت کا زمانہ لمبا ہو گیا اور وہ اہل اصلاح لوگوں کے گھروں سے اپنے گھروں کو دور رکھتا ہے اور اہل فسق اور بدکار لوگوں کا رفیق بنا رہتا ہے۔ وہ مسجد میں نہیں آتا بلکہ سونے یعنی دنیا کے مال ومتاع کا طالب رہتا ہے اور سرخ شراب سے بھرے ہوئے پیالوں کی طرف اس کا دل مائل رہتا ہے اور دوستوں کے حلقہ میں اور ساتھیوں کے مجمع میں بیٹھ کر شراب پیتا ہے۔ دنیا کو اس نے اپنا بت بنایا ہوا ہے' جس کی طرف وہ ہر وقت راغب رہتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے اور اس کا ہر وقت دیوانہ بنا رہتا ہے اور عقبیٰ اور دین کے لیے وہ کوئی زادِراہ نہیں لیتا۔ اس کی عمر مال ومتاع کے جمع کرنے میں خرچ ہوتی ہے اور بھڑکتی ہوئی آگ کی مانند دنیا کی آرزوئیں اس کے دل پر بھڑک رہی ہوتی ہیں۔ ہر طرف لوگوں کے دل اس کی طرف جھک رہے ہوتے ہیں اور اس کا مطلوب اس کے لیے آسان رکھا جاتا ہے۔ اس کی دیگیں کبھی بیکار نہیں رہتی ہیں اور اس کے دن اس سے پھرتے نہیں ہیں۔ نہ اس کے اقبال میں کمی آتی ہے۔ تکلیف دہ چیزیں اس سے دور کر دی جاتی ہیں اور اس کے آب شیریں میں برکت ڈال دی جاتی ہے اور دنیاوی نعمتوں میں محرومی کا دن اسے نہیں دکھایا جاتا ہے اور اس کے تخت کا ستارہ کبھی غروب نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ وہ اپنی عمر بدکاریوں میں صرف کرتا ہے۔ اس پر کوئی بجلی نہیں گرتی۔ اس کو کوئی سانپ نہیں ڈستا ہے۔ اس کا نام روئے زمین سے مٹایا نہیں جاتا ہے بلکہ اس کی اولاد دن بدن زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اولاد کی اولاد بھی اس کے گرد جمع ہو جاتی ہے۔ وہ ہر بھری مجلس اور پُررونق محفل کا صدر ہوتا ہے۔ وہ محفلوں کے لیے ماہ کامل اور لوگوں کا سردار قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے خادم اس کے سر پر کھڑے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی نیند سے بیدار ہوتا ہے۔ وہ کھاتا ہے اور پیتا ہے یہاں تک کہ اس کا پیٹ قبہ کی مانند ہو جاتا ہے۔ وہ دودھ پیالے بھر کر پیتا ہے اور اسے بدہضمی نہیں ہوتی ہے...... وہ ہر آرام دہ سواری پر سوار ہوتا ہے اور اس کا ناز ونعمت میں عمر بسر کرتا۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے، گویا وہ چیز اسے بطور عطیہ کے ملی ہوئی ہے۔ جائیدادوں اور غلمان کی محبت اس کے دل میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ ایمان کیا چیز ہے۔ نہ وہ کسی چھوٹے گناہ کو چھوڑتا ہے۔ نہ وہ کسی بڑے گناہ سے مجتنب رہتا ہے۔ اس کا کوئی خلق اور سیرت قابل تعریف نہیں ہوتی۔ باوجود

اس کے وہ خاص و عام لوگوں کا مرجع عام اور وہ کامل محبت کے ساتھ اس کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی موت کے بعد اس کی قبر بھی زیارت گاہ بن جاتی ہے اور اس کے معتقدین کی جماعتیں صبح و شام اس کے مزار پر باقاعدگی کے ساتھ آتی جاتی ہیں۔ اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایسے شخص کو یہ اقبال کیوں نصیب ہوا ہے اور ایسی بڑی نعمت اسے کیوں ملی ہے۔ یہ راز کی باتیں ہیں جن کی انتہا تک نظریں نہیں پہنچ سکتی اور جن کی تہہ تک افکار کی رسائی نہیں۔"

(انجام آتھم نمبر 103 تا نمبر 109 اردو ترجمہ عربی عبارت)

- "حضرت یوسف کی وجہ سے بنی اسرائیل کو مصر میں بہت عزت حاصل ہوگئی تھی مگر کوئی قوم جب آسودہ حال ہو جاتی ہے اور ان میں کوئی "بڑا ولی" پیدا ہو جاتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ کچھ مدت بعد اس نسل کے لوگوں میں کاہلی اور سستی آ جاتی ہے اس ولی کے جو صاحبزادے ہوتے ہیں۔ وہ بھی چونکہ مریدوں سے حضور حضور سننے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے ان کو بہت سی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ پھر ان کا اثر قوم پر پڑتا ہے اور آخر وہ قوم پانچوں عیب شرعی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی قانون کے موافق بنی اسرائیل میں یہ عیوب آ گئے اور پھر ان پر خدا کی طرف سے ذلت و مسکنت لیس دی گئی۔ بیگاروں میں پکڑے جاتے تو وہی اینٹیں پکوانے کے کام لیے جاتے تو ان سے پھر ایک اور قانون الٰہی ہے کہ جب اصل گناہوں والے لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں تو پھر اس نکبت زدہ قوم میں ہی سے خدا کا کوئی پاک بندہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ وہ قوم سنبھلتی ہے۔"

(درس القرآن حکیم نورالدین بحوالہ "بدر" قادیاں مورخہ 8 اپریل 1909ء)

اے انصاف پسند احمدی دوستو! مذکورہ بالا عبارتوں کو ذہن میں رکھ کر مندرجہ ذیل تین شہادتوں پر غور کر کے فیصلہ کرو اور راہِ حق پاؤ۔

مولانا عبدالرحمٰن مصری کا عدالت میں بیان

"موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردہ میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لیے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکوں اور لڑکیوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے۔" (ماخوذ از ٹریکٹ بعنوان "میاں محمود احمد صاحب پر ان کے مریدین کے الزامات اور بریت کا نرالا طریق" تحریر کردہ مولانا محمد علی امیر جماعت احمدیہ لاہور مورخہ 9 دسمبر 1938ء)

محمد یوسف ناز کا حلفیہ بیان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے۔ میں احمدیت کو بھی برحق سمجھتا ہوں اور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور مسیح موعود مانتا ہوں اور اس کے بعد میں مؤکد بعذاب حلف اٹھاتا ہوں۔

میں اپنے علم' مشاہدہ اور رویت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بناء پر خدا کو حاضر ناظر جان کر اس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ربوہ نے خود اپنے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ غیر مرد سے زنا کروایا۔ اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ اس بات پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ بالمقابل حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔

(دستخط محمد یوسف ناز معرفت عبدالقادر تیرتھ سنگھ جے للوانی روڈ عقب شالیمار ہوٹل کراچی)
(حال مقیم۔ نورا ایگریکلچرل فارم چک 146/B.B براستہ اقبال نگر ضلع منٹگمری (ساہیوال)

ایک احمدی خاتون کا بیان

''میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا بڑا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت حاصل کیا کرتے ہیں اور بڑے مخلص احمدی ہیں۔ ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا' جس میں اپنے ایک کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصر خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا۔ مگر انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا۔ گھبراؤ مت، باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں۔ ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹکنیاں لگا دیں۔ جس کمرے میں میں تھی وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی

اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انھوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے۔ ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انھوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش وحواس بھی درست نہیں تھے۔ (میاں صاحب کے شراب پینے کے متعلق حکومت پاکستان کے کیمیکلز ایگزامینر مقیم کراچی کی شہادت بھی ہے جو بوقت ضرورت پیش کی جا سکتی ہے) مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی۔ مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔''

(مباہلہ اخبار جون 1929ء دور حاضر کا مذہبی آمر صفحہ 78-77)

میرے مخلص احمدی دوستو! کیا مرزا محمود احمد قادیانی کے جھوٹا ہونے میں اب بھی کوئی شبہ ہے آپ مذکورہ بالا حوالوں کو ایک بار پھر غور سے پڑھ لیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا ایسا ملمع ساز شخص ''مصلح موعود'' تو کیا کوئی معمولی قسم کا شریف انسان کہلانے کا بھی مستحق ہو سکتا ہے؟

مرزا محمد حسین

قادیانی خلیفہ کے ذاتی کردار کی خیرہ کن جھلکیاں

میرا عقیدہ ہے کہ ختم نبوت کے انکار سے عصمت وعفت کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ان منکرین ختم نبوت کی جماعت کا ہوا۔ قادیانیت کا وجود ملکی اخلاق کے لیے سرطان کا حکم رکھتا ہے۔ اس لیے مؤلف نے احباب کے مسلسل اور پرُ زور مشورے اور ترغیب کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ احباب میں مؤلف اپنے مشاہدات اور معلومات کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ بقول شاعر مؤلف کی حالت یہ تھی:

جور و ستم کی داستاں جس سے رقم ہوئی
اس کو ہی میں نے درد کے قصے سنا دیے

یہ ایک Catharsis (ذہنی جلاب) کا عمل تھا، جس سے دل و دماغ کا بوجھ ہلکا سا ہو جاتا تھا۔ کہنے سننے میں علاج درد کی صورت تھی۔ مؤلف کو انکشاف درد سے لذت تو ہوتی لیکن اس لذت میں اذیت ضرور ہوتی تھی۔ حضرت علامہ اقبالؒ کے اس شعر سے ہی اس متضاد کیفیت کا اظہار ہو سکتا ہے:

علاج درد میں بھی درد کی لذت پہ مرتا ہوں
جو تھے کانٹے جگر میں نوک سوزن سے نکالے ہیں

احباب کے علاوہ متعدد اہل خیر لوگوں کا بھی اصرار اتنا تھا کہ میری کیفیت یہ ہو گئی تھی کہ

کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

مجھے اپنی قلمی خامیوں کا شدید احساس ہے کیونکہ جس ''لاثانی'' داستانِ عریانی پر قلم اٹھانے کی جسارت کر رہا ہوں وہ کوئی بڑا سخنور اور رستم قلم ہی بیان کرتا تو قارئین کو مزا آ جاتا لیکن:

کوئی بار وفا اٹھا نہ سکا
یہ بھی الزام میرے سر ہی رہا

ایک بات کا ذکر لابدی ہے وہ یہ کہ مؤلف کے پاس تالیف کی کیا صداقت ہے؟ اس بارے میں یہ کہنا کافی ہے کہ کسب معاش کے لیے قادیان میں مؤلف کی کارگاہ ہی قادیانی راسپوٹین کی جنسی یورشوں کی جولان گاہ تھی یعنی طبقہ اناث۔ مؤلف اتالیق اناث تھا۔ اس کو محض خدا کے فضل سے اس میدان میں کامیابی

ہوئی۔ منکرین کے سربراہ ثانی کے قبیلے سے یہ کام شروع ہوا۔ رب العالمین نے معاش کے راستے کشادہ اور ہموار کر دیے حتیٰ کہ سربراہ ثانی خود مؤلف کی شہرت کا ذریعہ بن گیا۔ بس پھر کیا تھا، ہر طرف سے اتالیقی کے لیے مانگ پیدا ہوئی۔ اس طرح اس صنف ضعیف کی مجبوریوں کے لیل ونہار صورِ متحرکہ بن کر سامنے آنے لگے۔ سربراہ ثانی کے قبیلے کے لیے اس کے گھر میں کئی دفعہ دن میں جانا پڑتا تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ مؤلف کا کردار ان سے پوشیدہ رہے اور قبیلے کا کردار معلم سے مخفی رہے۔ 1931ء میں مؤلف کو سربراہ ثانی شملہ لے گیا۔ وہاں چار ماہ تک ایک چھت کے نیچے ہی رات دن بسر کرنے پڑے۔ مؤلف اپنی مغفرت کے لیے رات کے کسی پہر اٹھتا تھا۔ ادھر سے رات کا ہی کوئی حصہ عادی معصیت کار کے لیے محفوظ ہوسکتا تھا۔ وہاں یہ تجربہ ہوا کہ رات کو ہی مغفرت کے طلب گار اور معصیت کے رسیا کا ملاپ بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قارئین کے لیے اشارہ کافی ہوگا۔ ''ہے حیا مانع کہوں یا نہ کہوں۔''

اشارہ اور کنایہ کے رنگ میں ہی کسی ہوشربا عریانی اور فحش کاری کو بیان کرنے سے ہی تہذیب کا تقاضا پورا ہوسکتا ہے۔ انگریزی کا ایک محاورہ ہے **Allusion explained is allusion lost** یعنی کنائے کی تفصیل وتشریح سے کنائے کی شائستگی مجروح ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ نا محمود کی جنسی چیرہ دستیوں کو من وعن بیان کرنا مشکل ہے۔ گر فاش میگویم جہاں برہم زنم اس لیے مؤلف اس بات کا محتاج ہے کہ قارئین بصارت سے زیادہ بصیرت سے کام لیں۔

شملہ سے واپس قادیان آنے کے بعد مؤلف کے مخبر اوّل (ڈاکٹر) احسان علی نے جو خلیفہ کی سوتیلی خوشدامن کا سگا بھتیجا تھا، بے دریغ سارے پردے چاک کر دیے۔ اس کی معلوماتِ حقیقی کا منبع ''خلیفہ'' کا وہ ڈرائیور تھا جو دن رات سیاہ کاریوں کو دیکھتا تھا بلکہ اس کا راز دارِ خصوصی تھا۔ اس ڈرائیور نے خود براہ راست مؤلف سے قصر خرافات کے راز ہائے دروں سنانے شروع کر دیے۔ اس کے علاوہ مؤلف کے ایک شاگرد مصلح الدین سعدی نے جو اس عشرت کدے کا ایک سورما تھا جو حالات سنائے ان سے ڈرائیور مذکور کی روایات کی پوری تصدیق ہوگئی تھی۔ مسٹر سعدی نے مؤلف کے مسلسل تردد کو اس طرح پاش پاش کیا کہ مؤلف کو عینی قائل کرنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ جب قریبی مشاہدہ اور عملی شرکت معصیت میں اتنا قرب ہوگیا جو دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں ہوتا ہے تو مؤلف کا زہرہ آب ہوگیا۔ جب ''خلیفہ'' کو افشائے راز کا اندیشہ ہوا تو اس نے گوناگوں مظالم کے سلسلے سے مؤلف کو دم بخود کر دیا۔ یہ اشارہ جملہ معترضہ کے طور پر ناگزیر تھا تاکہ انکشاف راز کا سارا ڈرامہ سامنے آ جائے۔ اگر قارئین کو وضاحت کی طلب ہو تو اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ''قصر خرافات'' عصمتوں کا مقتل بنا ہوا تھا۔ اس قتل عام سے پہلے صید زبوں اس قصر کے نسوانی مکین تھے بلکہ ان کا وجود طعمہ کے طور پر تھا تاکہ گناہ کا خوف فوراً کافور ہو جائے اور ہر آنے والا عصیاں وطغیان کے بحر ظلمات میں کودنے سے احتراز نہ کرے۔

مؤلف نے لرزہ خیز ہوس کاریوں کو اپنے قلمی ناتوانی کے علی الرغم اس لیے بیان کرنے کا تہیہ کیا ہے کہ اقلیم معصیت کے اس شہزادے کے بے سروپا دعاوی اور اس کے پیرووں کی مبلغانہ مبالغہ آرائیوں کو واقعات و واردات کے ترازو میں تولا جائے تو ان کی کج بحثیوں کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ یہ مقصد دلائل سے نہیں حاصل ہوسکتا تھا یہ نقاب کشائی کا مقتضی تھا۔ افتراء کا کاروبار افشائے راز نہانی سے ختم ہوسکتا ہے۔ اس طرح شاید کسی بھٹکے ہوئے راہی کو راہِ نجات کی آرزو پیدا ہو کیونکہ قرآنی فارمولا یہی ہے کہ کسی مدعی کے دعاوی کو عمل کی روشنی میں پرکھا جائے۔ جب خلیفہ کی عملی زندگی بے نقاب ہوگی تو اس کے سارے دعاوی اور مریدوں کی ارادت کیشیاں باطل ہو کر رہ جائیں گی۔ اس بیان کی ضرورت نہیں کہ اس ساری عصیاں کاری میں میخواری کو گہرا تعلق تھا۔ ''خلیفہ'' ام الخبائث کی آغوش میں ہوش سے سبکدوش ہو کر اپنی ہوس کاریوں کا ناٹک رچاتا اور سجاتا تھا۔ بنت عنب کے ذخائر جمع رہتے تھے۔ اس نے اپنی محافظت کے لیے اپنے سارے خاندان کو اس متعفن بحیرۂ مردار میں غرق کر رکھا تھا۔ یہ تین بھائی تھے اور ہر ایک نے ہوس کاری کے لیے اپنا الگ میدان بنا رکھا تھا۔ ان کے ذوق عشرت کا یہ عالم تھا کہ وہ زبانِ حال سے کہہ رہے ہوتے تھے:

طالب دست ہوس کے کئی اور دامن تھے
ہم سے ملتا جو نہ یوسف کے گریباں سے ملا

ان کی خلوتیں ان کی جلوتوں سے خائف اور ان کی جلوتیں ان کی خلوتوں سے نالاں رہیں۔ ''خلیفہ'' خود ساحر الموط بنا ہوا تھا اس نے صنف نازک کو انجام سے ایسا بے خبر کر رکھا تھا کہ وہ عصمت کے تصور سے اجنبی ہو کر اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھنے کے لیے طیار رہتی تھیں۔ ان کے محافظ بھی ان فتنہ سامانیوں سے مانوس ہو کر خاموش ہو گئے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک آدمی مسند ارشاد پر بیٹھ کر اور علم و عرفان کے دعوے کرتا ہوا ایسے حدود فراموش گناہوں میں کس طرح مبتلا ہو گیا اور ان کے مہیب عواقب سے بے خبر ہو کر کیسے رقص ابلیس کرنے لگ گیا۔ اس چیستان کو حل کرنے کے لیے مؤلف کو جرمن کے شہرۂ آفاق شاعر و تمثیل نگار گوئٹے کے معرکتہ الآرا ڈرامہ فاؤسٹ (Faust) سے ایک کردار کا بیان مل گیا جس سے عقدہ کشائی ہو جاتی ہے۔ اس جرمن ڈرامہ میں دو عورتیں اپنی ہوس کاریوں اور عصمت فروشیوں کا آپس میں ذکر کرتی ہیں اور اپنے اپنے دوزخی واردات کا مبادلہ کرتی ہیں اور اپنے تاریک ماضی کی یاد سے دل گرفتہ بھی ہو جاتی ہیں۔ پھر ان میں ایک مارگیرٹ (Margaret) اپنے گھر جاتے ہوئے خود کلامی (Soliloquies) کرتے ہوئے کہتی ہے: ''اے خدا! میں نے گناہ کی زندگی اختیار کی تو اس لیے کی کہ زنا کاری میرے سامنے ایسے دلربا اور دلکش انداز میں آئی کہ میں اس کے عشق میں مبتلا ہو کر اسی کی ہو کر رہ گئی۔''

تالیف کے ولین (Villain) کے ساتھ بھی یہی سانحہ پیش آیا...... زنا کاری ایسی ہوشربا پری

بن کر اس پر مسلط ہوئی کہ وہ جنونِ زوج کا مریض بن کر رہ گیا۔ خدا کا تصور اس کے دل سے اس طرح نکل گیا جس طرح کوئی پرندہ اپنے نشیمن سے پرواز کر جائے لیکن اپنی پردہ داری کے لیے مذہب کا روپ دھار کر اس معصیت کی پری سے مخاطب ہو کر کہنے لگا:

سب کچھ اک تیرے سوا بھول گئے
کیا ہوا کیا نہ ہوا، بھول گئے
تیری منزل کا پتہ یاد رہا
اپنی منزل کا پتہ بھول گئے

نیچر بڑی منتقم ہوتی ہے۔ اس کے ناخن اور دانت بڑے خونی ہوتے ہیں۔ **(Nature is red in tooth velan)** اس کے قوانین کے خلاف بغاوت کرنے والا انجام کار اس کی سفاک گرفت میں آ جاتا ہے۔ انجام کار موت سے پہلے یہی حال اس بے باک شہوت کار کا ہوا۔ وہ V.D سے کیا بچتا اس کے رگ و پے میں وی ڈی مچل گئی تھی۔ اس کا حافظہ باطل ہو گیا۔ جب یہ نماز پڑھاتا تو کبھی رکوع ترک کر دیتا کبھی سجدے سے بے خبر ہو کر نماز کا حلیہ بگاڑ دیتا۔ یہ بھی خدائی تعزیر کا سماں تھا تا کہ اس کے ثم، بکم اور عمی مرید اس سے عبرت حاصل کریں۔ نمازوں میں جو یہ مجنونانہ حرکات کرتا اس کے مرید ہزاروں کی تعداد میں اس کی اقتداء میں وہی کچھ کرتے کسی کو یارائے کلام نہ تھا۔ ایک جلسہ کے زمانے میں چوہدری ظفر اللہ خاں نے مبینہ طور پر کہا کہ جماعت کے لیے شدید ترین ابتلاء ''حضور'' کی بیماری ہے کہ ان کے پیچھے نماز صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ اس پر اس تقریر کے صدر خلیفہ زادے میاں رفیع نے شکوہ کے طور پر کہا کہ یہ چوہدری صاحب ہی ہیں کہ ''حضور'' کی ''امامت'' پر ایسا تبصرہ کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں۔ گویا ''حضور'' کی ''اطاعت'' نماز سے زیادہ ''مقدس'' تھی۔ نماز بے شک ذبح ہوتی رہے لیکن اس قتل صلوٰۃ پر کوئی حرف گیری نہ کرے۔

حواس باختگی میں یہ فحش گزیدہ ''خلیفہ'' جلسہ میں تقریر کے لیے لایا جاتا تو غلیظ باتیں کرتا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ وہ جب پاکستان آیا تھا تو اس کی عمر 49 سال تھی۔ اب اس کی عمر 105 سال ہے۔ اس پر اس کے بیٹے نے تصحیح کی تو جلسہ میں ایک دل گرفتہ غریب مرید اٹھا اور کہا کہ ''حضور'' کا معاملہ ختم ہو گیا ہے اور یہ کہہ کر جلسہ گاہ سے چلا گیا۔ جب یہ مجنونانہ حرکات مسلسل سرزد ہونے لگیں تو ''حضور'' کو نماز سے ہٹا دیا گیا اور جلسہ میں آنے سے روک دیا گیا۔ اس کے ہذیان کی پروا نہ کی گئی۔ آخر ان لوگوں کو وہی کچھ کرنا پڑا جو اقبالؒ نے ایک شعر میں فرمایا ہے:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سجود
ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گزر

اس جنون کی کیفیت میں اس کے بے اختیار بول و براز سے اس کا بستر بیت الخلاء کو مات کرتا تھا۔ اس جنوں میں ایک ''کفرناک'' اضافہ یہ ہوا کہ ''خلیفہ'' نے چیخ چلا کر کہنا شروع کیا کہ اس کو قادیان لایا جائے تا کہ وہ اپنے باپ کی قبر دیکھے۔ اس پر راہ گم کردہ منتظمین نے مرزا صاحب کا ایک مزار تیار کیا اور اس کو ''مسیح موعود'' کا مزار قرار دے کر ''خلیفہ'' کو دکھایا گیا۔ یہ وہ ناشدنی حرکت تھی کہ جماعت کا بااثر طبقہ بگڑا اور چوہدری ظفر اللہ خاں نے بقول کسے دباؤ ڈال کر یہ ''کفرکاری'' ختم کرادی۔

جب ہوش و حواس کاملاً جواب دے گئے تو ایک انتظامی مجلس (Regency) قائم کر دی گئی جو جماعت کے کام چلاتی رہی۔ اس حالت میں بھی فریب کاری جاری رہی۔ ''خلیفہ'' کی ہمشیرہ کا ایک بیان ''الفضل'' میں شائع ہوا کہ ''حضور'' کے کرنے کے کام پورے ہو گئے ہیں۔ اس لیے بیماری کوئی روک نہیں۔ نہ معزول ہونے والا ''خلیفہ'' اللہ کے حکم سے معذور ہو کر معزول ہو گیا۔ یہ قہر الٰہی تھا کہ جو جماعت مسلمانوں کی نمازوں کو نماز نہیں سمجھتی تھی اس کو اپنے ہاتھوں اپنی ''نمازیں'' محض مذبوحی حرکات بنانی پڑیں۔

''خلیفہ'' کی لاعلاج امراض پر کروڑوں روپے ضائع ہوئے۔ پی آئی اے کی ہر پرواز پر قیمتی ادویات دوسرے ممالک سے آتی تھیں۔ ایک دفعہ جب خلیفہ ہوش کی حالت میں تھا تو ڈاکٹر صاحب نے معائنہ کیا تو اس نے کہا کہ ''خلیفہ صاحب'' کے جسم کے علاوہ ان کے ''خیال'' میں فالج نفوذ کر چکا ہے چونکہ وہ ''قادیان'' کا نام لے لے کر روتا تھا۔ اس لیے اشکباری سے خیال ہٹانے کے لیے یہ مشورہ دیا گیا کہ ''خلیفہ'' ایک گیند لے کر دیوار پر مارے اور پکڑے اور پھر مارے اور پکڑے اور یہ عمل جاری رہے۔ اس سے اس کے خیال کا رخ بدل جائے گا جو عیاذاً باللہ حضرت فاروق اعظمؓ سے بڑا بنتا تھا۔ اس کو یہ علاج اپنے کافرانہ تمرد کے منافی معلوم ہوا تو ڈاکٹر مذکور نے کہا کہ ایک ربڑ کا گیند اپنے پاؤں کے محراب کے نیچے رکھ کر پاؤں گھماتے رہو۔ یہ بھی ''بیمار'' کے لیے ناقابل عمل تھا۔ الغرض خدا نے کفریانہ دعاوی کی یہ سزا بھی دی کہ ہر علاج مزاج پر گراں گزرنے لگا۔ اس طرح حالت دگرگوں ہوتی چلی گئی۔ پھر بستر پر اضطراب میں مبتلا ہو کر اس کا جسم چکر کھاتا رہا اور بستر کو اس طرح بنا دیا گیا کہ وہ نیچے نہ گر جائے۔ تحت الشعور کے کواڑ کھل جانے سے جو غلاظت اندر مدفون تھی سب وشتم کے انداز میں نکلنی شروع ہو گئی تھی۔

آٹھ سال تڑپ تڑپ کر مجروح روح شکستہ قفس عنصری سے نکلی۔ لاش اتنی متعفن ہو چکی تھی اور چہرہ اس قدر مسخ ہو چکا تھا کہ گھر والوں کو خوف پیدا ہو گیا کہ اس کیفیت سے سارا اخفا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا۔ چنانچہ داڑھی کو ''سنوارا'' گیا اور رخسار جو گڑھوں میں تبدیل ہو چکے تھے ان پر غازہ ملا گیا اور جسم پر کئی من برف رکھ کر منظر کو پوشیدہ کر دیا گیا۔ اس طرح شاہراہ معصیت کا راہی تہ خاک جا کر زمین کا بوجھ بن گیا۔

اس نے اپنے جنونِ زوج کی تسکین کے لیے اپنی ''عبقریت'' کو اپنی کوریت میں غرق کر کے

عصمت اور حیاء کے تصور کے استیصال کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ وہ قادیان میں اپنے پرچارکوں کو شادی کے بعد معاً دور دراز ملکوں میں بھیج دیتا تھا۔ اس طرح ان کی معلقہ بیویاں اس کے لیے کال گرلز (Call Girls) بن جاتیں۔ اس طرح یہ بھی ہوا کہ ان مظلوم عورتوں کو اپنے خاوندوں کی غیر موجودگی میں بچوں کی مائیں بننا پڑا۔ اسی طرح نائیجیریا کے ''مبلغ'' اور واقف زندگی کی بیوی کو یہی سانحہ الیمہ پیش آیا۔ ذرا سی لہر اٹھی لیکن جہاں جنسی معصیت کا دور دورہ تھا وہاں یہ الم ناک حادثہ دب کر رہ گیا۔

یہ تفصیلاً عرض کر دینے کے بعد کہ فتنہ انکار ختم نبوت کے سالار اور اس کے ادعائے باطل کے پرکھنے کا طریق بتانے کے بعد یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آغاز داستان کے ساتھ ہی مؤلف حلفاً عرض کرے کہ وہ جو کچھ لکھ رہا ہے وہ سچ ہے اور یہ سچ اس لیے نذرِ قرطاس ہو رہا ہے کہ ایک منظم کذب کا تار و پود بکھر جائے۔ حسن اتفاق سے بڑی موزوں اور موثر مندرجہ ذیل عبارت سامنے آ گئی جس سے مؤلف کا مافی الضمیر پورے طور پر واشگاف ہو جائے گا۔

مؤلف الفاظ کے محراب میں لب کشائی کی پورے یقین سے جرأت کر رہا ہے۔ چالیس سال کے دوران خوف زدگی اور حزن و ملال کی فضا میں تنہا تنہا جو ارمان دل میں مچل رہے تھے وہ اکثر محفل احباب میں لب شناس ہوئے۔ مگر زبانِ خامہ پر سہارا لینے کا یارا نہ ہوا۔ ساحر الموط کے مثیل بلکہ اس سے بڑھ کر فتنہ کار کی صدا کو ندائے فلک سمجھنا تو ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ علم و آگہی نے اندیشہ ہائے دور دراز کے پردوں کو چاک کر کے رکھ دیا تھا اور نقوشِ حیات نکھرنے لگے، سنورنے لگے۔ سینے کے داغ نوکِ قلم پر رقص کرنے لگے۔ اس لیے کہ احباب کرام کا مسلسل تقاضا تھا کہ عصمت کے قتل عام کے ہوشربا مناظر زینت قرطاس بنیں تا کہ کسی کے لیے عبرت کا سامان ہو اور کسی کو ہوش کے ناخن لینے کی ترغیب ہو اور جس کے دل میں اسلام بس رہا ہو اس کو علم ہو کہ ختم نبوت کے انکار سے کس طرح حیا اور شرم سلب ہو جاتی ہے۔

حلفاً مؤلف کو کامل اطمینان ہے کہ وہ گناہوں کے خار زار کے مزاج کا راز دار ہے اور ہوسناکیوں کے سبک شگوفوں کا محرم ہے۔ اس لیے مؤلف عرض پرداز ہے۔ مجھے قسم ہے قلم کی عظمت کی۔ حرف و معنی کی معرفت کی۔ کتاب حکمت ربانی کے گنجہائے گرانمایہ کی کہ اس تالیف کا موضوع صدق اور صرف صدق پر مبنی ہے۔ مندرجہ ذیل حکایاتِ خوں چکاں مصدقہ معلومات کے برگ و بار ہیں۔ خدا علیم و خبیر ہے وہ جانتا ہے کہ مؤلف اس کے لکھنے میں حق بجانب ہے کہ منکرین ختم نبوت کی پہلی بستی میں جو اب بھارت میں ویرانہ آباد نما ہے جنسی معصیت کو وہ فروغ نصیب ہوا کہ پاکدامنی کا لفظ شرمندۂ معنی ہو کر رہ گیا۔ علم الحیات کے ایک جید عالم نے ایک بات خوب کہی کہ مچھلی کی جسمی ساخت کو انسانی معاشرہ سے ایک خاص مشابہت ہے۔ مچھلی کے سر میں پہلے تعفن پڑتا ہے اس کے بعد یہ تعفن اس کے سارے جسم میں پھیل جاتا ہے اور سڑاند پھیل کر اس کے جسم کو کھا جاتی ہے۔ یہی حال انسانی معاشرہ کا ہے۔ اس میں اخلاقی عفونت

اوپر کے طبقے سے شروع ہوتی ہے اور پھر سارے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہی حال منکرین ختم نبوت کے مریض معاشرہ کا ہوا۔ جب ایک پچیس سالہ پیرزادہ جو معروف تعلیم سے ''عاری'' تھا گوناگوں حیلوں اور وسیلوں سے ''مسند ارشاد'' پر قابض ہو گیا۔ وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی جنسی معصیت کے جرم میں ماخوذ ہوا تھا اور پھر ماں کے توسط سے بچ نکلا تھا۔ اس کو مقتدر اعلیٰ بن کر کھل کھیلنے کا خوب موقع ملا۔ اس نے اپنے اردگرد خانہ ساز ''الہامات'' اور خوابوں کی فصیلیں کھڑی کر لیں تاکہ احتساب کو راہ نہ مل سکے۔ اس نے اپنے کردار سے جنسی مزاج کو ایسا فروغ دیا کہ اس کا پیدا کردہ سارا معاشرہ ملتہب دوزخ بن کر رہ گیا۔ اس کا مزاجی مسلک اس کے مریدوں کی نظروں میں ایک ''شاخ نور'' کے طور پر ابھرا۔ اس کو ظلمتوں نے سینچا اور اس پر شراروں کے پھول آئے اور نیک و بد کی تمیز یکسر مٹ گئی۔

اس تالیف میں تاریخ وار اس ''خانہ ساز خلیفہ'' کے وہ بیانات آئیں گے جن کو پڑھ کر ایک عام قاری بادنیٰ تدبر جان لے گا کہ عصمتوں کے اس سوداگر کا باطن محیر العقول آلودگیوں سے معمور تھا۔

مؤلف جب بھی مولانا مہر مرحوم و مغفور سے منکرین کے اس سربراہ کے متعلق بات کرتا تو مولانا مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص ایک چیستان ہے۔ یہ دنیائے اسلام کو کافر قرار دیتا ہے۔ اپنے ''الہاموں'' کی دھڑا دھڑ اشاعت کرتا ہے لیکن یہ میکاؤلیانہ سیاست کا ایسا رسیا ہے کہ گھنٹوں اس سے گفتگو سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کو مذہب یا اخلاق سے دور کا بھی کوئی لگاؤ ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس کو ماننے والے ایسے عقل باختہ اور ادنیٰ ہوش سے عاری ہیں کہ وہ عملاً اس کو اولیاء اور انبیاء سے افضل درجہ دیتے ہیں اور یہ شخص اپنے خطبوں میں اپنے مضحکہ خیز ''الہاموں'' اور ''خوابوں'' کے انبار لگا دیتا ہے تاکہ جو موت سامعین کے عقول و قلوب پر وارد ہو چکی ہے وہ قائم رہے۔

مولانا موصوف سے مؤلف کا ایک ہی جواب ہوا کرتا تھا کہ وہ ایسا مادر پدر آزاد دہریہ ہے کہ اس کے رستے میں کوئی روک نہیں۔ نہ وہ محرم و غیر محرم میں کوئی امتیاز کرتا ہے نہ اس کو اپنی جماعت کی طرف سے کوئی خدشہ ہے کیونکہ اس نے اپنے مریدوں کو بھی اسی بے حیائی کے عارضے میں مبتلا کر دیا ہے۔ دہریہ بھی کسی نہ کسی حد تک رُک جاتا ہے۔ لیکن جب عصیاں کاری اوڑھنا بچھونا بن جائے تو پھر یہی کچھ ہوگا، جو یہ شخص شب و روز کرتا ہے۔ اس کی سیاست کاری بھی ایک سنڈاس خانہ ہے۔ یہ سارا وبال حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبۂ عالی سے انکار سے نازل ہوا۔ اس فتنہ عظیم سے بے اعتنائی کی سزا ساری قوم پا رہی ہے کیونکہ جو جماعت یا گروہ ختم نبوت کا قائل نہیں وہ کلمہ طیبہ کا بھی قائل نہیں ہوتا۔

چونکہ یہ سودیشی خلیفہ شروع سے ہی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم رفعت کا منکر تھا اس لیے وہ عنفوانِ شباب میں جنسی دھاندلیوں میں مبتلا رہا۔ اس پر اس کے باپ نے ایک کمیشن بٹھایا۔ اس کے ارکان چار تھے۔ مولوی نور الدین، خواجہ کمال الدین، مولوی محمد علی اور مولوی شیر علی۔ ان

اشخاص کے سامنے اس مجرم کی والدہ نے اپنا دامن پھیلا کر منت سماجت کی۔ ان لوگوں نے اپنی فقہ کے پردے میں اس مجرم کو بری کر دیا یعنی یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ چار گواہ عینی نہیں ہیں اس لیے یہ مستوجب سزا نہیں ٹھہرتا۔ گویا زنا کار چار گواہوں کے نہ پیش ہونے سے زانی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو اسی مجرم سے سزا دلوائی۔ ان میں سے دو کو 1914ء میں اس کے خلیفہ بننے پر قادیان سے رخصت ہونا پڑا۔ ایک یعنی مولوی محمد علی کے مکان پر پہلے پتھراؤ ہوا۔ یہ بات مؤلف کو ربوائی جماعت کے مفسر قرآن نے بتائی تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ نویں جماعت کا مشہور قابل متعلم تھا۔ اس نے پتھراؤ کا معاملہ سنا اور مولوی محمد علی کی مظلومیت کا حال اس کی زبانی سنا۔ پتھراؤ کے دوسرے دن وہ (مولوی محمد علی) قادیان سے بھاگ نکلا۔ خواجہ کمال الدین ولایت میں تھا وہیں سے الگ ہو گیا اور قادیان بھی شاید نہ آ سکا۔ مولوی نور الدین کے بیٹوں کو ''خلیفہ'' نے 1954ء میں ربوہ سے رسوا کر کے نکال دیا۔ یہی حشر مولوی شیر علی کے پس ماندگان کا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ناپاک حرکت سے اغماض کرنے کی جلدی یا بدیر سزا نازل فرما دی۔

اس مثیلِ راسپوتین کو سربراہ اوّل نے داماد بنا کر اس کے فروغ کے راستے کشادہ اور ہموار کر دیے۔ ضمناً عرض کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ راسپوتین روسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں (Women Chaser) عورتوں کے پیچھے بھاگنے والا۔ یہ ایک روسی پادری کا نام بن کر رہ گیا تھا حالانکہ اس کا نام مانک گریگوری (Monk Gregory) تھا چونکہ اس نے زارِ روس کی بیوی کا مرشد بن کر زنا کاری کا بازار گرم کر دیا تھا تو وہ راسپوتین مشہور ہو گیا لیکن وہ محرم اور نامحرم کی تمیز سے عاری نہ تھا لیکن ہماری تالیف کے راسپوتین نے تمام ریکارڈ مات کر دیے۔

انگریزی کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ Fierce Light beats on the Throne یعنی تخت پر سورج کی روشنی شدت سے پڑتی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی آدمی سربراہ بن کر اپنے اعمال اور افعال کو پردے میں رکھنے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اس پر چار دیواروں سے چھلانگ کر سورج کی روشنی میں آ جاتے ہیں اور بے خبر عوام بھی باخبر ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہی حال اس راسپوتین کا ہوا۔ اندر ہی اندر چہ مے گوئیاں تو ابتداء سے ہی چل پڑی تھیں۔ اس کی بہیمانہ جولانیوں کے صید زبوں ہی ایک وقت باہر آ گئے۔ وہ تھے قادیان کے لوگ جو ''مستری'' کہلاتے تھے۔ ان کا باپ مستری فضل کریم اور اس کا بڑا بیٹا مولوی عبدالکریم تھا۔ اس کے چھوٹے بھائی اور بہن خلیفہ کی بزم کے رکن رکین تھے۔ جب ان دونوں کو ایک بہانے کسی رات ''دوچار'' کرا دیا تو وہ صبر نہ کر سکے اور انھوں نے اپنے باپ اور بھائی کو سارا ماجرا سنا دیا۔ ان لوگوں نے بھرپور حملہ کیا اور ایک ہفتہ وار پرچہ ''مباہلہ'' کے ذریعے درونِ خانہ کی غلاظتوں کو طشت از بام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے مکانات جلا دیے گئے۔ بڑے بڑے مقدمے چلے لیکن برطانوی قانون ایک مکڑی کا جالا تھا جس میں مکھی تو پھنس کے رہ جاتی تھی لیکن زنبور بچ کر نکل جاتا تھا۔ یہی حال قادیان میں ہوا۔

مستریوں کی یورش کا مقابلہ "خلیفہ" کے مقرب خاص شیخ عبدالرحمٰن مصری نے کیا۔ تحریری حملوں کا جواب تحریراً دیا اور اپنی طرف سے بھی وہ نبرد آزما ہوا۔ جس سے اس کو اور زیادہ قرب حاصل ہوا۔ وہ مکافاتِ عمل کے قانون سے بے خبر ہو کر گناہگار کے لیے چوکھی لڑتا رہا۔ اس کو علم نہ ہوا کہ اس کے قرب نے اس کے گناہگار مرشد کے لیے اس کے گھر میں راہ کھول دی ہے اور اس نے نقب لگانی شروع کر دی ہے۔ لڑکی کا راز تو کچھ پوشیدہ سا رہا لیکن مصری کے بیٹے کے ذریعے سارا معاملہ آناً فاناً مصری پر آشکار ہو گیا۔ اس نے بیٹے کو سرکش پایا۔ اس کی عادات میں مجرمانہ حرکات کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مصری نے اس کی تفتیش شروع کر دی اور کپورتھلہ میں جا کر بیٹے کو کالج کے ہوسٹل میں جا گھیرا۔ بیٹے نے گھبرا کر ساری تحریرات باپ کو دے دیں۔ یہ سارا واقعہ مصری کے بیٹے حافظ بشیر احمد نے مؤلف کو لاہوری جماعت کی مسجد کے ایک حجرے میں بیٹھ کر سنایا تھا اور یہ ساری طلسم ہوشربا کہانی اسی تالیف کے اگلے دو بابوں میں بیان کر دی گئی ہے۔

بہت قریب سے دیکھا ہے راہنماؤں کو
بہت قریب سے کچھ راز پائے ہیں میں نے
کہہ دوں تو گردشِ لیل و نہار رُک جائے
وہ راز جن سے زخم کھائے ہیں میں نے

اس تالیف سے ایک دیرینہ قرض کو بطور فرض ادا کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔ **ماتوفیقی الا بالعزیز الحکیم**۔ اس وقت تک تعلیم یافتہ طبقہ نے **Mysteries of the court of London** کا حال سن رکھا ہے۔ اگر مؤلف اپنی معلومات کو قلم و قرطاس کے ذریعہ ادا کر سکا تو قارئین کورٹ آف لنڈن کے آتشین رازوں کو بھول جائیں گے۔ وہ جان لیں گے کہ معصیت میں بھی عمل ارتقاء جاری ہے۔ معصیت کے نابغوں نے وہ وہ گل کھلائے ہیں کہ شیطان بھی ورطۂ حیرت میں غرق ہو کر رہ جائے اور ان نابغوں کے سامنے بڑے بڑے شیطان بھی نابالغ نظر آتے ہیں۔ ان رازوں کے متعلق مؤلف کہہ سکتا ہے کہ از راہِ گوشم دیدہ اند۔ ان کا بیان خلش و تپش کی داستان ہے۔ یہ آبلہ دل ہے۔ تحفہ غم کی سوغات ہے۔ یہ سیاہ کاریوں کے گہوارہ کا دیدہ و شنیدہ نقشہ ہے۔ ان رازوں کا انکشاف مؤلف کے لیے برقِ خاطف کا کام کر گیا۔ یہ اس لیے کہ یہ راز جس شخص کے متعلق ہیں وہ کئی برس مؤلف کے دل و دماغ پر "مرشد" کے طور پر مستولی رہا۔ اس کی ہر بات بے خبری کے دور میں مؤلف کے لیے حرزِ جان تھی اور اس کا ہر فرمان اس کا وردِ زبان تھا۔ اس مجہول حالت میں اس کے خدوخال کی معمولی حرکت مؤلف کے رگ و پے میں سرایت کر جاتی تھی۔ بقول شاعر اس کی قلبی کیفیت یہ تھی:

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
وہ جو وقت ناز اِک جنبش تیرے ابرو میں ہے

ہر چند کہ مؤلف حال مست تھا۔ حالات کا حقیقی تقاضا تھا کہ مؤلف بے خبری کی شب یلدا پر یوم تبلی السرائر طلوع ہو۔ جب راز کا پردہ چاک ہوا تو مؤلف کے اوسان وحواس جواب دے گئے۔ ایک رات میں مؤلف کے سر کے بال غائب ہو گئے۔ یہ حالت جسم تک محدود نہ رہی۔ مؤلف کے دل کے نشیمن سے طائر ایمان پرواز کر گیا اور مؤلف چند روز تک دہریت کے اژدہا کا لقمہ بن کر رہ گیا۔ اس ناگہانی انکشاف سے یہ سب کچھ ہونا بعید از قیاس بات نہ تھی۔ کہاں یہ کہ مؤلف جہالت میں اس کو ''فضل عمر'' سمجھتا تھا کہاں یہ کہ مولف کو اس کی سیاہ کاریوں کے لیے اب تک موزوں الفاظ نہیں مل سکے۔ شاید ہی کسی بڑے سے بڑے اہل زبان اور اہل قلم کو ان کے بیان کرنے کا یارا ہو۔ مؤلف کے لیے کیسے ممکن ہے کہ الفاظ میں ان معصیتوں کی تصویر کشی کر سکے۔ معاملہ یہ ہے:

قمری کف خاکستر و بلبل قفس رنگ
اے نالہ! نشانِ جگر سوختہ کیا ہے

مؤلف اس تالیف کا نام نشان جگر سوختہ رکھتا تو اس عنوان سے مؤلف کے عجز بیان کی کوئی جھلکی سامنے آ جاتی۔

اس نامحمود شخص نے انکار ختم نبوت کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا اور اس کے پرچار کو ''دینی'' مشغلہ قرار دے لیا۔ بس کیا تھا! اس پر خدا کا غضب نازل ہوا کیونکہ اقبال نے صحیح کہا ہے:

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

فتنہ انکارِ ختم نبوت کے اس موجد پر ایسی ''بولہبی'' نازل ہوئی کہ ابولہب بھی ششدر ہو کر رہ جاتا۔ ختم نبوت کے کھلے خزانے انکار اور اس انکار کے منظم پرچار کی لعنت تھی کہ اس نامحمود خلیفہ اور اس کے عقل باختہ مریدوں کو اللہ تعالیٰ نے فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ یہ لوگ تکفیر اہل قبلہ کی تعزیر کے نتیجہ میں کاروانِ ذلت وضلالت بن کر دھرتی کا بوجھ بنے ہوئے ہیں اور کیفر کردار پر پہنچنے پر بھی ضلالت کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔ شرم اور حیا تو ان کی زندگی کی گریمر سے معدوم ہو چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معصیت کی لہروں کو اپنے سامنے، اپنے پیچھے اور اپنے دائیں بائیں دیکھتے ہیں لیکن وہ اس سے مضطرب ہونے کی اہلیت بالکل کھو چکے ہیں۔ مؤلف ان کے معصیت سے مانوس ہونے پر حیران ہوتا ہے تو یہ لوگ الٹا اس سے معترضانہ انداز میں پوچھتے ہیں کہ وہ ایک طویل عرصہ ساتھ رہنے کے بعد کیوں الگ ہو کر برسرپیکار ہے چونکہ ان میں اکثر لوگ بے خبر ہیں کہ ان کا مرکز ان کے مزعومہ دین کا مرقد بن چکا ہے۔ اس لیے قُوْلُوْا قَوْلاً لَيِّنًا لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ او يخشى کی قرآنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مؤلف کہتا ہے:

کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موجِ دریا کا حریف
ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

اس ضمن میں یہ عرض کرنا مناسب ہوگا کہ مؤلف ذاتی طور پر بڑا مطمئن تھا کہ ایک ہٹلر قسم کے خلیفہ کے خاندان کی خواتین کا اتالیق ہونے کی وجہ سے اس کو ایک طرح کا اعزاز حاصل تھا اور دنیاوی آسودگی حاصل تھی اور اگر اس کو دو اور دو چار کی طرح پر ''خلافتی'' سیاہ کاریوں کا علم نہ ہوتا اور نہ اس کو یہ علم ہوتا کہ اس کو بھی اس بحرظلمات میں گھسیٹنے کی درپردہ کوششیں ہو رہی ہیں تو وہ اس ظاہری جعلی آسودگی کو ترک کر کے قلبی اذیت میں مبتلا نہ ہوتا اور نہ اس راسپوتین کی جہری اور خفی عذاب ناکیوں کا شکار ہوتا۔

جب ان لوگوں میں سے بعض لوگ ذرا نرمی لیکن اصرار سے راز جوئی کرتے ہیں تو مؤلف ان سے اسی نرم لہجے میں کہتا بلکہ ان سے پوچھتا کہ مؤلف کو جب معصیتوں اور عصمت ریزیوں کا حق الیقینی علم ہوا تو وہ اس منظر کے اثرات کو اس لیے نسیاً منسیاً کر دیتا کہ اسیرانِ ضلالت اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔ اگر مرشد بدکار اور سیاہ کار ہے تو کیا بے خبر مریدوں کی بے خبری سے یقینی معلومات اور عینی مشاہدات باطل ہو سکتے ہیں۔

اب جو مؤلف قلم و قرطاس کے سہارے کچھ سنگین حقائق بے نقاب کرنے کی جرأت کر رہا ہے تو اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کہیں ان حقائق کا مسلسل اخفا بارِ خاطر نہ بن جائے اور کئی نفسیاتی عوارض پیدا نہ ہو جائیں۔ شاید غالب نے اسی طرف اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے:

سینے کا داغ ہے وہ نالہ جو لب تک نہ گیا
خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دریا نہ ہوا

مؤلف کو شدید احساس ہے کہ وہ دل کی بات پوری طرح ادا نہ کر سکے گا کیونکہ جو جنسی جفا کاریاں اور حیا سوزیاں اس کے یقینی علم میں آئیں اور ایک عجوبہ روزگار انداز میں آئیں وہ تو الفاظ کے دامن میں سمائی نہیں جا سکتیں اور اگر ان کے صحیح بیان پر اصرار کیا جائے تو زبان کے سانچے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور الفاظ و محاورات دم توڑ جائیں گے۔

اس تالیف کے ولین (Villain) نے اپنے لیے ایسے پاک القاب منتخب کیے جن سے اس کے ماننے والوں کے ذہنوں کا دیوالہ نکل گیا اور ان کی ایسی کردارکشی ہوئی کہ وہ نیک و بد اور شر و خیر میں تمیز کرنے سے قاصر ہو گئے۔ مؤلف ایسی کردارکشی کا تقریباً شکار ہو چکا تھا۔ اس کو بھی طویل مشاہدے کے بعد یقین ہوا اور پیر پرستی کے برگِ حشیش کا اثر زائل ہوا۔ لیکن سارا ماجرا بیان کرنے کی استعداد مفقود ہوگئی چونکہ سیاہ کاریاں محیرالعقول تھیں، اس لیے ان کی نوعیت اس سیاہ کار کے لیے مدافعت بن گئی۔ کون مان سکتا کہ اس نے محرم اور غیر محرم کی تمیز کو روند کر رکھ دیا تھا اور اس کے لیے وہ اپنی جہنمی محفل میں کہا کرتا تھا کہ آدم

کی اولاد کی افزائش ہی اس طرح ہوئی ہے کہ کوئی مقدس سے مقدس رشتہ مجامعت میں حائل نہیں ہو سکتا۔ العیاذاً باللہ! جیسا کہ اس تالیف میں ایک جگہ محمد یوسف ناز کا بیان نقل ہوا ہے۔ وہ اپنی مخدرات کو میدانِ معصیت میں پیش کرتا اور اس کے تربیت یافتگان ان سے حظ اندوز ہوتے اور خود اس روح فرسا منظر کا تماشا کر کے ابلیسی لذت محسوس کرتے۔ یہ واقعات کئی بار منصۂ شہود پر آئے لیکن جو گوشۂ قفس میں آرام کے عادی ہو چکے تھے وہ کیسے مان سکتے تھے اور جب کوئی مان لیتا تو وہ بے امان ہو کر اپنا منہ لے کر رہ جاتا تھا۔ اس سے لوگوں کو یا تو بے خبر رکھا جاتا یا باخبروں کو بے بس کر دیا جاتا۔ اسی کیفیت کی طرف قرآن کریم کا اشارہ ہے کہ ''بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔''

مؤلف کو اس کے طبقہ اناث میں سے بعض شاگردوں نے اپنی واردات سنائیں۔ حق کی جستجو میں مؤلف نے دیکھا موج موج اور کھوج لگائی صدف صدف۔ جب یقین کامل ہو گیا تو اس دوزخ سے نکل کر لاہور آیا۔ مدت مدید تک مہر بلب رہا۔ جب ذرا طبیعت پلٹی تو کسی نہ کسی رنگ میں لیکن واضح طور پر پمفلٹوں اور چٹان میں مضامین کے ذریعے انکشاف کا سلسلہ شروع کر دیا۔ یہ ساری باتیں حکومت کے محکمہ متعلقہ تک پہنچیں۔ ادھر ربوہ میں ہلڑ بازی شروع ہوئی اور چند بہادر جوان میدان میں آئے۔ ان کے انکشافات نے روزناموں میں جگہ پائی۔ یہ لوگ مؤلف سے تقریباً تیس سال بعد قادیانی چنگل سے نکل کر آئے۔ ان کے مشاہدات اور مؤلف کے تجربات میں بال برابر فرق نہ تھا۔

1956ء میں ایک شام جب مؤلف کافی ہاؤس میں احباب کے ساتھ بیٹھا تھا تو ملک معراج خالد صاحب اور عبداللہ بٹ صاحب آئے اور مختصر سی گفتگو کے بعد مؤلف کو مسٹر عباس مرزا جو ایس پی (سی۔ آئی۔ ڈی) پولیٹکل تھے، کے پاس لے گئے۔ عباس مرزا صاحب (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) کو ربوہ کی اندرونی کشمکش کی تحقیق تفویض ہوئی تھی۔ انھوں نے مؤلف کی تحریروں سے یہ اندازہ لگایا کہ ان کو مؤلف سے سودمند رہنمائی ملے گی۔ وہ ان دنوں ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔ انھوں نے مؤلف سے کہا تھا کہ وہ اپنے محقق احوال سنائے۔ مؤلف نے جواباً عرض کیا کہ مؤلف کا یک طرفہ بیان تو زخم خوردہ مرید کی فریاد ہو گی جوان کے فرائض کی ادائیگی میں ممد نہ ہو سکے گی۔ زیادہ بہتر ہو گا کہ وہ سوال و جواب کے طریق سے حالات دریافت فرمائیں۔ انھوں نے سوالات کا سلسلہ چھیڑا۔ مؤلف نے ان کے جوابات دیے۔ انھوں نے جنسی سیاہ کاریوں کے ہر پہلو پر سوال کیے اور ہر پہلو پر مؤلف نے اپنی پوری استعداد سے جواب دیا۔ عباس مرزا صاحب کا حال یہ ہوا کہ وہ کرسی سے نیچے اتر کر قالین پر دراز ہو کر کہنے لگے کہ ان کے والد مرحوم مرزا عطاء اللہ بیگ S.H.O سے D.S.P تک گئے تھے۔ اس لیے ان کو یعنی عباس مرزا صاحب کو وراثت میں پولیس والی صلاحیت ملی تھی اور وہ خود بھی S.H.O سے کپتان پولیس تک پہنچے تھے۔ اس لیے ان کو (Criminology) کا خاصا فہم رکھنے کا دعویٰ تھا لیکن نامحمود سربراہ منکرین کی عیاریوں اور

گناہگاریوں کا حال سن کر کہنے لگے کہ ان کا فہم جرائم تو بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ انھوں نے طویل مکالمہ میں خوب چھان پھٹک کی اور وہ کان پر ہاتھ رکھ کر خاموش ہو گئے اور مؤلف رات کے دس بجے ملک معراج خالد صاحب کی مہربانی سے ان کی کار میں سنت نگر پہنچا۔ ان دنوں مؤلف وہاں رہتا تھا۔ ہاں! ایک بات کہنی ضروری ہے کہ ایس۔ پی (سی۔ آئی۔ ڈی) عباس مرزا نے مؤلف سے وعدہ کیا کہ وہ ان سے ربط رکھے گا اور وہ خود فحش کاری کے اڈوں کے سارے کوائف معلوم کرے گا۔ یعنی کس طرح مضبوط نوجوان کب اور کس طرح بلائے جاتے ہیں اور کس طرح گھر اور باہر سے خلیفہ کے لیے شکار لایا جاتا ہے اور کس طرح عصمت کے قصاب اور بوچڑ عادی ہو کر بلاوے کے لیے کس طرح دیدہ براہ اور گوش برآواز رہتے ہیں اور کس طرح صنف نازک پہلے مجبور ہو کر اور بعد میں آبروریزی کی خوگر ہو کر خود عصمت کے مذبح میں حاضر رہتی ہے اور کس طرح ہیڈ بوچڑ اپنے ناکارہ ہو جانے کی تلافی کے لیے اپنے سامنے حیا اور شرم کی کھال اترتے دیکھتا ہے اور خود کو لباس کے بوجھ سے سبکدوش کر لیتا ہے تا کہ اس عشرت کدہ کے فرش سے چھت تک عریانی ہی عریانی ہو اور حیا کسی روزن سے دخیل نہ ہو سکے۔

ایس۔ پی صاحب کو یہ بھی بتایا گیا کہ **(Unmarried Mothers)** ہونے کے خوف کی پیش بندی کر لی جاتی ہے اور اکثر تو امومت کی صلاحیت سے عاری کر دی جاتی ہیں اور اگر کبھی ایسا خطرہ لاحق ہو جائے تو اس کا بھی جراحی علاج کر لیا جاتا ہے۔ ایس۔ پی صاحب نے سب کچھ سنا۔ اس پر جارحانہ جرح فرمائی اور اس سیلاب معصیت کے آگے بند باندھنے کا وعدہ کیا لیکن "وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی" کا عارضہ ان پر غالب آ گیا اور وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔

ان پر اتمام حجت ہو چکا تھا۔ اس لیے شعوری غفلت کے عواقب تعزیر الٰہی بن کر نازل ہوئے تھے۔ ذرا مہلت کا عرصہ طویل ہو گیا۔ پھر جو کچھ 20 دسمبر 71ء کے بعد اس ذہین مگر غفلت شعار حاکم کے ساتھ ہوا وہ سب پر روشن ہے۔ وہ اپنے منصب سے تعزیراً معزول ہوئے اور تھرڈ ڈگری کے سلوک بھی ہوئے اور آخر میں ان الینا ایابھم ثم ان علینا حسابھم کے اٹل قانون کے ماتحت راہ ملک عدم ہوئے۔

حکومتوں اور ان کے افسران متعلقہ کی ان تھک عیش کوشیوں سے چنگیز صفت عصمت تراش ربوہ میں اپنے المناک انجام تک یہی کہتا رہا:

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

1956ء میں یا اس سے لگ بھگ ربوہ سے کچھ مہم جو اور طالع آزما جوان فحش کاریوں کو دیکھ کر سرپرست اعلیٰ کے دم خم دیکھ کر گھر بار چھوڑ کر عصمتوں کے بوچڑ سے نبرد آزما ہوئے، ان کے بیانات اخبارات میں شائع ہوئے۔ نوائے وقت نے اپنی مستحرہ فراست سے ان کی دست گیری کی۔ پاکستان ٹائمز

اور کراچی ٹائمز میں بھی ان باہمت جوانوں کے انکشافات شائع ہوئے۔ مؤلف ان کی ہمت پر متعجب تھا لیکن براہ راست کوئی ملاقات نہیں تھی۔ آخر مولوی نور الدین کے بیٹے مولوی عبدالوہاب نے ان جوانوں کو مولف سے ملنے کی تلقین کی۔ ایک شام کافی ہاؤس میں ملاقات ہوئی۔ مؤلف قادیان سے 1936ء میں آیا تھا۔ یہ لوگ 1954ء میں سر بکف ہو کر نکلے تھے۔ جب معلومات کا موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ مؤلف اور ان کے معلومات بالکل ایک جیسے تھے۔ جب لاہور میں ان کی سرگرمیاں جاری تھیں تو اس وقت کے آئی جی سے بھی ان کی مبینہ ملاقات ہوئی۔ اس کے مشورہ پر انھوں نے اپنی تنظیم کا نام ''حقیقت پسند پارٹی'' رکھا اور اس کو رجسٹر بھی کرا لیا۔ اس تنظیم کی بدولت ان کو پریس اور دوسرے بڑے لوگوں سے ملنے میں آسانی ہوگئی۔ چنانچہ اس سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے مولانا مودودی صاحب سے بھی ملاقات کا وقت لیا۔ جب مولف کو اس کا علم ہوا تو اس نے بھی ان کے ساتھ جانے کا پروگرام بنایا۔

تاریخ یاد نہیں لیکن یہ یاد ہے کہ مولانا مودودی صاحب سے ملاقات ان کی کوٹھی کے لان میں مغرب کی نماز کے بعد ہوئی۔ مولانا صاحب بڑی اچھی طرح ملے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت اپنے وعدے کے مطابق تیار تھے۔

جونہی سلسلۂ کلام شروع ہوا۔ مؤلف نے حضرت کو اپنا نام بتایا اور اپنی کتاب اسلام اور سوشلزم (انگریزی) کا حوالہ دیا کیونکہ اس میں مؤلف نے بڑے کھلے الفاظ میں اقرار کیا تھا کہ وہ اس کتاب کی تالیف میں مولانا صاحب کی علم افروز تحریرات کا خوشہ چین ہے چونکہ مولانا صاحب اس کتاب کا ملتان جیل میں مطالعہ فرما چکے تھے اس لیے انھوں نے کریمانہ توجہ مبذول فرمائی۔

مولانا صاحب نے بڑے عمدہ انداز میں اس شخص نامحمود کی داخلی زندگی کے حالات دریافت فرمائے۔ مولانا صاحب کی توجہ کا ہدف مؤلف ہی تھا۔ مؤلف نے جواباً عرض کی کہ بتلانے میں تامل کیا ہو سکتا ہے۔ جب باریابی کا مقصد ہی یہی ہے لیکن مشکل یہ ہے۔ ''کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے'' مؤلف کے اپنے الفاظ یہ تھے۔ ''جنسی قتل عام کی روداد ایسی ہے کہ مجھے اس کے بیان کرنے کا یارا نہیں۔ ایک یہ کہ میں آپ کے سامنے کیسے لب کشا ہو سکتا ہوں جب موضوع اتنا غلیظ ہو کہ اس کے لیے کسی زبان میں الفاظ ہی نہ بنے ہوں اور یہ انسانی فطرت کے اس قدر بعید اور متضاد ہے کہ نہ کہنے والا کہہ سکتا ہے اور نہ سننے والا سن سکتا ہے۔ گناہوں کے ارتکاب میں وہ آرٹ در انداز کیا گیا ہے کہ بیان حال مجرم کے لیے مدافعت بن جائے گا۔ اس لیے اگر میں بیان کروں اور آپ میرے بیان کو تسلیم نہ کریں اور بحیثیت ایک عالم دین اور متقی انسان ہونے کے آپ کو باور بھی نہ کرنا چاہیے تو میں آپ کے نزدیک کاذب قرار دیا جاؤں گا کیونکہ جس ننگ انسانیت کا وہ سراپا ہے وہ **Compulsive sex-anarchist** ہے۔ یعنی وہ سیاہ کاری کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا اور ایسے آدمی کا نہ تصور آسان ہے اور نہ اس کی تصویر کشی سہل امر ہے اور

اگر خدا مجھے تاثیر کلام بخشے وہ واحلل عقدة من لسانی کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور آپ میرے بیان کو تسلیم کرلیں تو مجھے آپ کے متعلق تذبذب ہوگا۔ اس لیے میں دوگونہ عذاب میں ہوں۔ ایک طرف ہے **Devil** اور دوسری طرف **Deep Sea** ہے۔'' پھر یہ بھی عرض کیا کہ جو کچھ مؤلف نے دیکھا وہ مولانا مودودی کے لیے کوئی حجت نہیں۔ وہ بڑی آسانی سے رد کر سکتے ہیں۔ لیکن جس نے دیکھا ہے اور شدید احتساب کے بعد دیکھے اور سنے کا سچ معلوم کیا ہے، اس پر تو اتمام حجت ہو چکی ہے۔

مولانا صاحب بڑے زیرک ہیں انھوں نے فرمادیا کہ وہ سمجھ گئے ہیں۔

دورانِ گفتگو مولانا مودودی صاحب نے فرمایا کہ ان کے پاس ربوہ کے پرچارک آتے رہتے ہیں خصوصاً اس وقت تک جب تک وہ ربوہ منتقل نہیں ہوئے تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ ان پرچارکوں کا مطالعہ تو تھا لیکن بات کرنے کا سلیقہ نہ تھا۔ وہ قرآن کریم اور احادیث اور فقہ کی باتیں کر جاتے لیکن اس انداز سے کرتے کہ خشوع کے بجائے خشونت کا اظہار ہوتا۔ تضرع کے بجائے تمرد نمایاں ہوتا اور جرأت ایمانی کے بجائے مجرم کا جبن اظہر من الشمس ہوتا تھا لیکن ایک مخمصہ پیدا ہوتا کہ ان کے اجزائے نبوت کے فاسد خیال سے یہ کہنا مشکل ہو جاتا کہ یہ دہریہ ہیں حالانکہ جو اثر چھوڑ جاتے وہ دہریت اور الحاد کا ہوتا ہے۔ اس لیے مولانا نے فرمایا کہ وہ اس معمے کو حل نہ کر سکے۔ لیکن مؤلف سے باتیں کرنے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ ان کو آج معلوم ہوا ہے کہ ان کا تصور الوہیت ہی باطل تھا۔ اس لیے انھوں نے الوداع کے وقت بڑی الفت سے مؤلف کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مؤلف کے بیان نے یہ گرہ کھول دی ہے اور پھر محض از راہ شفقت اور کئی بار ملنے کی اجازت سے نوازا۔ ان کی عدیم الفرصتی کی وجہ سے مؤلف نے شرف باریابی کی سعی کو ان کے آرام پر تجاوز سمجھا اس لیے پھر ملنے کی صورت پیدا نہ ہو سکی۔

منکرین ختم نبوت کے سربراہ ثانی نے اجراء نبوت (معاذ اللہ) کا ابوالہول کھڑا کر کے اسلامی معاشرہ میں کربناک فضا پیدا کر دی تھی۔ لیکن اس نے اس فتنہ عظیم پر اکتفاء نہ کیا۔ اپنے شباب کی تردامنیوں اور بوقلموں معصیتوں سے عقل باختہ مریدوں کو مستقل طور پر غافل رکھنے کے لیے اس نے ''فضل عمر'' ہونے کا افتراء کیا۔ یعنی اس نے زمام کار سنبھالتے ہی یہ دعویٰ داغ دیا کہ خدا نے (معاذ اللہ) اس کو حضرت عمرؓ سے افضل ہونے کا یہ خطاب دیا ہے۔ وہ تو دل ہی دل میں جانتا تھا کہ وہ ہستی باری تعالیٰ کا منکر ہے لیکن یہ افتراء اس کو اپنے مریدوں کی تنقید سے محفوظ کر لے گا اور اس کا ناقد اس کی تعزیر اور جماعت کے غیظ و غضب سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔

تمام دنیائے اسلام کے خلاف فتویٰ تکفیر کی اشاعت کرنے والی جماعت کی بے وقوفی ملاحظہ ہو کہ اس نے پچیس سالہ اکھڑ مکارم اخلاق سے عاری جوان کو اپنے پہلے سربراہ سے افضل تسلیم کر کے اپنی عزتوں اور عصمتوں کو اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے اس انفعالیت کو دیکھ کر ایک کلیسائی لقب

(Hisholiness) اختیار کر لیا اور 1914ء سے 1929ء تک اس کے سارے دفتری کاغذات پر یہ مفتریانہ لقب چھپتا رہا۔ جماعت کی دینی بے غیرتی ایسی تھی کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کو کہے کہ یہ لقب تجسیم خداوندی پر مبنی ہے اس لیے یہ عریاں کفر و شرک ہے۔

جب 1922ء میں پرنس آف ویلز ہندوستان کی سیر کرتا ہوا لاہور آیا۔ تو یہ خانہ ساز ''خلیفہ'' اس کو گورنمنٹ ہاؤس ملنے گیا تو اس کی کار پر ایک پھریرا سا تھا جس پر (His Holiness) لکھا ہوا تھا۔ چونکہ برطانوی فرمانروا کا بیٹا اس لقب کے تاریخی اور مذہبی پس منظر کو خوب جانتا تھا اس پر یہ اثر ہوا کہ یہ کوئی ذہنی مریض ہے جس کی حالت یہ ہے کہ ''نہ ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں'' قادیان کے لوگ دل ہی دل میں اس کیفیت سے سخت متنفر تھے۔

''خلیفہ'' لوگوں کی نفرت سے بے خبر نہ تھا۔ اس نے اس نفرت کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اور کئی دعوے فضاء میں اچھالے۔ اس کا نادر نمونہ الفضل مورخہ 25 دسمبر 1932ء میں ان الفاظ میں شائع ہوا۔ ''ملکی سیاست میں خلیفہ وقت سے بہتر اور کوئی رہنمائی نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اس کے شامل حال ہوتی ہے۔'' گویا وہ اپنے آپ کو اپنے زمانے کا ''خدا کا فرستادہ خلیفہ'' سمجھتا تھا۔ اس فرستادگی کا عالم یہ تھا کہ ہر نئے آنے والے گورنر اور گورنر جنرل کے سامنے زانوئے ادب تہ کیے بغیر اس کا کوئی چارہ نہ تھا۔

4 جون 1940ء کے الفضل میں خود فزائی کی دھن ایک اور رنگ میں اس طرح الاپی۔ ''نہیں معلوم کب خدا کی طرف سے ہمیں دنیا کا چارج سپرد کیا جاتا ہے ہمیں اپنی طرف سے تیار رہنا چاہیے کہ دنیا کو سنبھالیں۔'' گویا بحر و بر پر اپنے استیلا کا خواب اس کے ہوش پر مسلط ہے اور جماعت کو تلقین کی جا رہی ہے کہ وہ نوائے سروش کے لیے گوش بر آواز رہے۔ پھر اس آرزوئے باطل کو ابھارنے کے لیے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے۔ ''ہم احمدی حکومت کرنا چاہتے ہیں (14 فروری 1922ء الفضل) اس پر ایک الٹی میٹم کا اضافہ یوں کیا گیا: ''اس وقت تک کہ تمہاری بادشاہت قائم نہ ہو جائے تمہارے راستے سے کانٹے ہرگز دور نہیں ہو سکتے۔ (8 جولائی 1935ء الفضل) اس سے صاف ظاہر ہے کہ جماعت کو کہا جا رہا ہے کہ مسلمانانِ عالم بلکہ اسلام ہی قادیانیت کے فروغ میں ایک کانٹا ہے اور کانٹے کو جماعت چن کر نکال دے۔

یہ بے سروپا ''دعاوی'' خدا کی تعزیر کی نشاندہی کر رہے تھے۔ گویا جوں جوں ''خلیفہ'' دین اسلام کے خلاف بغاوت کی طرف مائل ہوتا اتنا ہی اس کے دماغی عوارض تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ ہوائی قلعے تعمیر کرنا کسی ہوشمند کا کام تو نہیں ہو سکتا۔ اس کا جماعت پر حدود فراموش اقتدار اس کے دل و دماغ کو ماؤف کرتا جا رہا تھا وہ Paranoha کی مرض کے شکنجے میں پھنسا ہوا تھا۔ اس کی شخصیت دولخت ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ دعاوی کرتا اور وہ باطل ہو کر اس پر آ گرتے تو اس کی مرض اور شدت اختیار کر جاتی۔

مولانا محمد اسماعیل غزنوی حکیم نورالدین کے نواسے تھے لیکن وہ ممتاز اہل حدیث تھے لیکن ان کو نانا سے جذباتی لگاؤ تھا۔ جب مرزا محمود نے حکیم نورالدین کے بیٹوں کو جماعت سے نکال باہر کیا اور ان کے

خلاف طوفانی پروپیگنڈا کیا اور دفورِ طیش میں حکیم نورالدین کو بھی نہ بخشا تو مولانا غزنوی مرحوم بھی مرزا محمود سے نبرد آزما ہو گئے چونکہ وہ مرزا محمود کو بچپن سے جانتے تھے۔ انھوں نے اس کی تیرہ باطنی کو خوب ہوا دی۔ انھوں نے اپنی رہائش جنج گھر میں مؤلف کو بلایا اور مؤلف کی معلومات کا امتحان لیا اور پوچھا: ''کیا تم کو علم ہے اس عورت کا جو مرزا محمود کے گھر رہتی تھی اور ایک رات کی اجرت پانچ سو روپیہ لیتی تھی۔'' مؤلف نے اپنی اس بارے میں لاعلمی کا اعتراف کیا۔ اس پر مولانا مذکور نے خود اپنی حیرت کا اقرار کیا اور بتایا کہ انھوں نے اس عورت کا تحقیقاً سراغ لگایا اور اس سے اس کی رات کی اجرت کا اشارہ کیا۔ اس عیار عورت (بقول مولانا مذکور) نے فوراً بے باکانہ جواب دیا مولانا تجربہ کر لیں۔ اگر سحر خیزی کے بعد مجھے کوئی خود بخوشی پانچ سو روپے نہ دے جائے تو میں ایک ہزار روپے ہرجانہ فی الفور ادا کر دوں گی۔'' مولانا مذکور نے ایک اور واقعہ سنایا کہ ان کو مرزا محمود نے اپنے ''عشرت کدہ'' پھیرو چچی دریائے بیاس کے کنارے بلایا۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ مرزا محمود کے سامنے جوان لڑکیاں لباس شفاف میں قطار باندھے کھڑی ہیں۔ مولانا نے ہوش ربا منظر دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ جب محمود نے پوچھا یہ کیوں؟ تو مولانا نے کہا کہ حیا غالب آ گئی ہے۔ یہ سب مہم احقاقِ حق کے لیے مولانا نے کی تھی۔

جب اس شاطر سیاست کے خفیہ اڈوں پر حکومت چھاپہ مارتی تھی تو یہ اسلحہ اور کاغذات کمال ہوشیاری سے زیر زمین دفن کر دیتا تھا۔ قادیان کی سرزمین میں فسادات کے موقع پر احمدی نوجوانوں اور سابق فوجیوں کے ہاتھوں جو ماڈرن اسلحہ مہیا کیا اور ان کی فوجی گاڑیاں حرکت میں آئیں تو اس پر حکومت کی جانب سے یکدم چھاپہ پڑا۔ جس کی اطلاع قبل از وقت خلیفہ کو نہ ہو سکی کیونکہ وہاں احمدی سی۔ آئی۔ ڈی ناکام رہی لیکن خلیفہ کی اپنی اہرمنی فراست ان کے کام آئی کیونکہ جب پولیس سر پر آ گئی تو ''اس مقدس، پاکباز، ملہم، مصلح دوران'' نے اپنی مستورات کی چھاتیوں پر خفیہ دستاویزات باندھ کر کوٹھی دارالسلام (قادیان) بھجوا دیں اور قادیانی فوجیوں نے فوراً اسلحہ زیر زمین کر دیا۔

جب قادیانی خلافت کی سنگین خلوتوں کے رنگین راز باہر فضا میں ''نالۂ دل اور دودِ چراغ محفل'' بن کر پھیلے تو اپنی صفائی میں حضرت فاروقؓ سے افضل بننے والے نے یہ مطالبہ کیا کہ ایک واقعہ کے چار گواہ لاؤ۔ کبریائی کا دعویٰ اور صفائی کا یہ معیار! اس طریق سے تو قحبہ خانے کے لوگ بھی زنا کے الزام کی تردید کر سکتے ہیں۔ خدا کے بندے اپنی صفائی کے لیے دنیاوی عدالتوں کے وضع کردہ حیلوں کا سہارا نہیں لیتے۔ وہ اپنی مدافعت اور حفاظت کے لیے خدا کا فیصلہ طلب کرتے ہیں تاکہ سیاہ و سفید میں تمیز ہو جائے لیکن وہ خلیفہ جو ہر وقت یہ کہتا ہے ''خدا کی انگلی ہل رہی ہے، خدا میری طرف بھاگا آ رہا ہے'' اپنی صفائی کے لیے آسمان پر دستک دینے سے خائف ہے۔ تیس سال سے اس کو مباہلہ کا چیلنج دیا جا رہا ہے۔ مسٹر یوسف ناز کی موکد بالعذاب قسم نے تو اس کو کہیں کا نہیں رکھا۔ اس نے حلفیہ بیان ہزاروں کی تعداد میں تقسیم کیا کہ خلیفہ اپنی ازواج کو خود پیش کرتا تھا (ماخوذ از کمالات محمودیہ صفحہ 39)

یوسف ناز اس کی محفل کا ہیرو تھا۔ اس نے کراچی کے فرم مختار لمیٹڈ کے مالک کے سامنے وضو کر کے حلفاً کہا کہ وہ اس فعل عفت کا عینی شاہد ہے۔ اسی وجہ سے اس کو خلیفہ کے پاس رسائی تھی۔ قادیانی لوگ اس کی دست گیری کے محتاج رہتے تھے۔ جب اس نے خوف خدا سے معصیت سے توبہ کی تو اس کو جماعت سے نکلنا پڑا۔

خلیفہ صاحب کے ماموں نے جو ڈاکٹر تھے۔ 1937ء میں انہی الزامات کے جواب میں کہا تھا کہ جماعت کو ان پر کان نہیں دھرنے چاہئیں۔ اگر ان میں حقیقت ہے تو وہ خلیفہ صاحب کی دماغی صحت کے زوال میں جلوہ گر ہو کر رہے گی۔ چنانچہ اب وہ وقت بھی موت سے پہلے آیا جب خلیفہ کے دل و دماغ پر نسیان اور ہذیان کا غلبہ ہو گیا۔ اس کی گفتگو غیر واضح۔ اس کی نماز اور خطبات بے ربط ہو کر اضحوکۂ روزگار بن گئے کیونکہ جس سرعت اور عجلت سے وہ سجدہ کرتا تھا وہ ایک مجنون کی سیمابی حرکات معلوم ہوتی تھیں۔ لوگوں نے بھی تخلیے میں کہنا شروع کر دیا ہے کہ "خلیفہ صاحب کے پیچھے نماز کا مقصد فوت ہو جاتا ہے لیکن مسجد میں ان کو کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ خدا کے گھر میں قادیانیوں کی نمازیں ان کی خود ساختہ "خلافت" کے ہاتھوں رسوا ہوتی رہیں اور یہ بول نہیں سکتے تھے کیونکہ وہ کچھ کہتے اور ترمیم و تنسیخ کے بعد کچھ اور شائع ہو جاتا تھا۔ علماء کا منقار زیر پر ہونا تعجب کا مقام ہے کیونکہ عبادت کی تضحیک پر بھی ان کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی تھی۔ آخر وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اور تڑپ تڑپ کر اور بول و براز میں شرابور ہو کر مرا۔ اس کے گھر والوں نے یہ انجام دیکھا۔

چونکہ ساری قادیانی ملت اپنے "خلیفہ صاحب" کے جرائم میں شریک رہی ہے اس واسطے خدا کے بطش شدید سے بچ نہیں سکتی۔ اگر محض "خلیفہ صاحب" کی ذات کا معاملہ ہوتا تو رسی اور دراز ہو جاتی مگر ساری ملت اپنے کردار کے عواقب سے بچ نہ سکی اور 7 ستمبر 1974ء کو قانوناً غیر مسلم قرار دی گئی اور سنا ہے کہ اب حرمت شراب کے نفاذ کے بعد وہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کی طرح بغیر پرمٹ شراب لے سکتی ہے اور اب بنت عنب کے عشاق قادیانی بن کر اپنی حرص پوری کریں گے یا قادیانیوں کو اپنا ایجنٹ بنائیں گے۔ اب منکرین ختم نبوت تعزیر الٰہی کا شکار ہو کر ام الخبائث کے دامن سے وابستہ ہو کر یہ کہیں گے۔ دیکھو ہمیں جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو اور زمین سے آسمان تک سوختنی کا باب بن کر ختم ہو جائیں گے۔

اگرچہ میں نے خلیفہ صاحب ربوہ کا مباہلے کا مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان تحریروں میں کسی نقص کا جواز نکال لیں۔ عین ممکن ہے کہ یہ کہیں کہ اس کی زنا کاری کی وضاحت نہیں کی گئی۔ اس لیے مباہلہ نہیں کر سکتا۔ وقت کی بچت کی خاطر میں محمد یوسف ناز اپنا بیان ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ. اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ

میں اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ خدا کے نبی اور خاتم النبیین ہیں اور اسلام سچا مذہب ہے اور اس کے بعد میں موکد بعذاب حلف اٹھاتا ہوں۔

''میں اپنے علم، مشاہدہ اور رویت عینی اور آنکھوں دیکھی بات کی بناء پر خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس پاک ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ربوہ نے خود اپنے سامنے اپنی ''مخدرات'' کے ساتھ دیوثی کا منظر سٹیج کروایا۔ اگر میں اس حلف میں جھوٹا ہوں تو خدا کی لعنت اور عذاب مجھ پر نازل ہو۔ اس بات پر مرزا بشیر الدین محمود احمد کے ساتھ بالمقابل حلف اٹھانے کو تیار ہوں۔''

دستخط محمد یوسف ناز

معرفت عبدالقادر تیرتھ سنگھ جے بلوائی روڈ۔ عقب شالیمار ہوٹل کراچی۔

ماخوذ از ''کمالات محمودیہ'' صفحہ 39 ناشر بیت القرآن پوسٹ بکس 1048 لاہور۔

نوٹ: اس حلفیہ بیان میں عریانی کے ازالے کی سعی کی گئی ہے۔ (مؤلف)

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل سول سرجن خلیفہ صاحب کے ماموں اور خسر بھی تھے، وہ کہتے ہیں۔

...... بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ خلیفہ عیاش ہے۔ اس کے متعلق میں کہتا ہوں۔ میں ڈاکٹر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ جو چند دن بھی عیاشی میں پڑ جائیں وہ ایسے ہو جاتے ہیں جنھیں انگریزی میں (Wreck) کہتے ہیں۔ ایسے انسان کا نہ دماغ کام کا رہتا ہے، نہ عقل درست رہتی ہے، نہ حرکات صحیح طور پر کرتے رہتے ہیں۔ غرض سب قویٰ اس کے برباد ہو جاتے ہیں اور سر سے لے کر پیر تک اس پر نظر ڈالنے سے فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عیاشی میں پڑ کر اپنے آپ کو برباد کر چکا ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں:

اَلزِّنَا یُخْرِجُ الْبِنَاءَ

کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے

(الفضل 10 جولائی 1937ء)

خلیفہ ربوہ بعینہٖ ان امراض میں مبتلا ہو کر مرا...... اس کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ نہ عقل کام کرتی تھی، نہ اعضاء صحیح طور پر کام کرتے تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ زنا انسان کو بنیاد سے نکال دیتا ہے، من وعن یہی حالت طاری تھی۔ خبیث مرض یعنی فالج کا شکار تھا۔ خصوصاً لوگوں نے اس کی عقل وفہم کا اندازہ جلسہ سالانہ پر بخوبی لگا لیا تھا کہ کس طرح وہ اپنی عقل کے دیوالیہ پن کا مظاہرہ کرتے تھے اور حاشیہ بردار درمیان میں لقمہ دیتے تھے مگر یہ لقمہ بے سود ثابت ہوتا تھا۔ خود خلیفہ صاحب کا بیان بھی اس کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس کی اپنی عبارت درج ذیل ہے۔

''میری بیماری کی وجہ سے دماغ کو خوراک پہنچنی بند ہو گئی ہے۔ ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ چند ہفتوں میں دماغی حالت اپنے معمول پر آ جائے گی لیکن اب تک جو ترقی ہوئی ہے اس کی رفتار اتنی تیز نہیں...... آدمیوں

کے سہارے سے ایک دو قدم چل سکتا ہوں مگر وہ بھی مشکل سے۔ دماغ اور زبان کی کیفیت ایسی ہے کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھی خطبہ نہیں دے سکتا اور ڈاکٹروں نے دماغی کاموں سے قطعی طور پر منع کر دیا ہے۔"

"مجھ پر فالج کا حملہ ہوا اور اب میں پاخانہ پیشاب کے لیے بھی امداد کا محتاج ہوں۔ دو قدم بھی نہیں چل سکتا۔" (الفضل 12 اپریل 1955ء)

"26 فروری کو مغرب کے قریب مجھ پر بائیں طرف فالج کا حملہ ہوا اور تھوڑے وقت کے لیے میں ہاتھ پاؤں سے معذور ہو گیا...... دماغ کا عمل معطل ہو گیا اور دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ میں اس وقت بالکل بے کار ہوں اور ایک منٹ نہیں سوچ سکتا۔" (الفضل 26 اپریل 1955ء)

باپ کی بیٹے کے متعلق پیش بینی تھی "جو اس مقدس تعلیم کو اپنی بدکرداری کے نمونہ سے ناپاک کرے گا اس کا حشر ڈاکٹر ڈوئی سے کم نہ ہوگا۔ نہایت سخت دکھ کی مار قہر الٰہی، غضب الٰہی اور خبیث امراض یعنی فالج اور پاگل پن کا شکار ہوگا۔"

خلیفہ صاحب خود کہتے ہیں:

"میں اب 68 سال کی عمر کا ہوں اور فالج کا شکار ہوں۔" (الفضل 4 اگست 1956ء)

خلیفہ صاحب قادیان (ربوہ) کی اپنی شریعت میں سب کچھ جائز ہے۔ فرانس کے ناچ گھر میں ننگے ناچ دیکھنا شریعت محمودیہ کے عین مطابق ہے۔ پھر اطالوی حسینہ کو سسل ہوٹل سے لے جانا ان کے جھوٹے تقدس کی ادنیٰ مثال ہے۔ مرزا محمود نے خود ہی تسلیم کیا۔

"جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں گا۔ قیام انگلستان کے دوران میں مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری ظفر اللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں جہاں یورپین سوسائٹی عریاں نظر آ سکے۔ وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے۔ مگر مجھے اوپیرا (Opera) میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ چودھری صاحب نے بتایا یہ وہی سوسائٹی کی جگہ ہے۔ اسے دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا۔ کیا یہ ننگی ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ ننگی نہیں بلکہ شفاف کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ اس لیے ننگی معلوم ہوتی ہیں۔"

(الفضل 28 جنوری 1924ء)

انگریزی ہوٹلوں میں اکثر جوان لڑکیاں خدمت گار ہوتی ہیں جو معزز لوگ وہاں کھانے پینے جاتے ہیں وہ جوان لڑکیاں ان کے سامنے ان کی خوشی کی اشیاء لا کر پیش کرتی ہیں۔ آج کل کی تہذیب کی رو سے ان مہذبوں کا بھی دستور ہے کہ کھانا لانے والیوں کی بھی تواضع کرتے ہیں اور وہ عموماً اس کھانے میں شریک ہو جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں تفریحی گفتگو ہوتی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ دورانِ گفتگو میں ہی سب مراحل طے ہو

جایا کرتے ہیں خلیفہ قادیان لاہور سسل ہوٹل منٹگمری روڈ میں گئے وہاں پر جو کچھ ہوا اخبارات کی زبانی سنیے۔

"مرزا محمود کی آمد اور سسل ہوٹل کی منتظمہ کی گمشدگی تلاش کے باوجود اس کا کوئی پتہ نہیں مل سکا۔ یکم مارچ 1934ء کو سسل ہوٹل کی طرف سے مشتہر ہوا تھا کہ جمعرات یکم مارچ پانچ بجے سے ساڑھے نو بجے رات تک ناچ ہوگا۔ بڑے بڑے انعامات بدستور سابق تقسیم کیے جائیں گے۔ تماشائی شام چار بجے سے جمع ہونے شروع ہو گئے اور پانچ بجے اچھا خاصا مجمع ہو گیا۔ ہر ایک شخص کھیل شروع ہونے کا منتظر تھا۔ مگر خلاف توقع رسٹ ڈرائیو شروع ہوا۔ ناچ کا بینڈ بجنا شروع ہوا۔ آخر استفسار پر سسل ہوٹل کے ایک بیرے سے معلوم ہوا کہ رسٹ ڈرائیو کا تمام سامان منتظمہ کے کمرے میں ہے اور منتظمہ کو مرزا محمود موٹر میں بٹھا کر لے گئے ہیں۔

نامہ نگار آزاد 13 مارچ 1934ء

اس واقعہ کو زمیندار نے نظم کی صورت میں یوں شائع کیا۔

اطالوی حسینہ از "نقاش"

اے کشورِ اطالیہ کے باغ کی بہار
لاہور کا دمن ہے تیرے فیض سے چمن
پیغمبر جمال تیری دِل رُبا ادا
پروردگار عشق ترا چُلبلا چلن
الجھے ہوئے ہیں دل تری زلف سیاہ میں
ہیں جس کے ایک تار سے وابستہ سو فتن
پروردۂ فسوں ہے، تری آنکھ کا خمار
آوردۂ جنوں ہے تیری بوئے پیرہن
پیمانہ نشاط تیری ساق صندلی
بیعانۂ سرور ترا مرمری بدن!
رونق ہے ہوٹلوں کی ترا حسن بے حجاب
جس پر فدا ہے شیخ تو لٹو ہے برہمن
جب قادیاں پہ تیری نشیلی نظر پڑی
سب نشہ نبوت ظلی ہوا ہرن
میں بھی ہوں تیری چشم پر افسوں کا معترف
جادو وہی ہے آج جو ہو قادیاں شکن.

اطالوی رقاصہ کا ''الفضل'' میں اعتراف

اس کے بعد مختلف اخباروں میں شور وغوغا ہوئے۔ خلیفہ قادیاں کی خطبہ جمعہ کی تقریر شائع ہوئی جس میں اس اطالوی لیڈی کے لے جانے کا اعتراف کیا، مگر اس کی وجہ یہ بتائی کہ!

''اس لیڈی کو اپنی بیویوں اور لڑکیوں کی انگریزی لہجہ کی درستگی کے لیے لایا تھا۔''

اس کا جواب اہل حدیث نے یوں لکھا!

''پس مطلع صاف ہوگیا' مگر سوال یہ ہے کہ اطالوی عورت خاص کر ہوٹل کی خادمہ انگریزی کیا پڑھائے گی۔ اطالوی لوگ تو خود انگریزی صحیح نہیں بول سکتے۔ انگریزی زبان میں دو حروف ڈی اور ٹی بالخصوص ممتاز ہیں۔ دونوں حروف اطالوی لوگ عربوں کی طرح ادا نہیں کر سکتے۔ علاوہ اس کے ایسی معلّمہ کا اثر معصومات لڑکیوں اور پردہ نشین بیویوں پر کیا ہوگا؟'' (اہل حدیث امرتسر)

اطالوی حسینہ

سسل ہوٹل لاہور کی ایک اطالوی منتظمہ جو ہوٹل میں مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان کے ایک روزہ قیام کے بعد اچانک غائب ہوگئی تھی، دوسرے دن قادیان کی سرزمین میں دیکھی گئی اور اخبار (زمیندار) نے نظم کی صورت میں اسے یوں شائع کیا۔

ہوٹل سسل کی رونق عریاں

عشاق شہر کا ہے ''زمیندار'' سے سوال
ہوٹل سسل کی رونق عریاں کہاں گئی
اس کے جلو میں جاں گئی ایمان کے ساتھ ساتھ
کیا کیا نہ تھا جو لے کے وہ جان جہاں گئی
خوف خدائے پاک دلوں سے نکل گیا
آنکھوں سے شرم سرورِ کون و مکاں گئی
بن کے خروش حلقہ رندان لم یزل
لے کر گئی وہ حشر کا ساماں' جہاں گئی
رومہ سے ڈھل کے برق کے سانچے میں آئی تھی
اب کس حریم ناز میں وہ جانِ جاں گئی
یہ چیستان سنی تو ''زمیندار'' نے کہا'
اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہ قادیاں گئی

اطالوی حسینہ مس روفو

تمہیں مشی فی النوم کی بھی خبر ہے؟
زمانے کے اے بے خبر فیل سوفو!
ملے گا تمہیں یہ سبق قادیاں سے
جہاں چل کے سوتے میں آئی ہے روفو
دبستان میں جانا نہیں چاہتے ہو
تو پہنچو شبستان میں اے بے وقوفو
بہار آ رہی ہے خزاں جا رہی ہے
ہنسو کھل کھلا کر دمشقی شگوفو!
کرشن اور خورسند کیا اس کو سمجھیں
تمہیں داد دو اس کی عبد الروفو!
جب اوقات موجود ہے قادیاں کی
کہاں مر رہی ہو تفو اور زوفو!

31 مارچ 1924ء

(ارمغان قادیان صفحہ 50 مکتبہ کارواں کچہری روڈ، لاہور)

جب چاردانگ عالم شور مچا تو ''خلیفہ'' نے اطالوی حسینہ کو اپنے رازدار ڈرائیور کے ساتھ پانچ ہزار روپے دے کر قادیان سے رخصت کر دیا۔ یہ بات ڈرائیور مذکور نے مؤلف کو قادیان میں بتائی تھی۔ لاہور آن کر حسینہ نے لوگوں کے کہنے سننے پر مقدمہ کی تیاری پر کمر باندھی۔ وہ اس وقت ایک وکیل کے پاس گئی (جو جج اعلیٰ ہو کر ریٹائر ہوا) تو اس وکیل نے اس سے کہا تم جیسی پیشہ ور لڑکیاں یہاں اسی کسب کے لیے آتی ہیں تم کو عصمت کا دعویٰ زیب نہیں دیتا اور نہ ہی تم عصمت شکنی ثابت کر سکتی ہو۔ جواباً اس پیشہ ور حسینہ نے کہا: ''آپ کی بات صحیح ہے لیکن مجھے جس بات سے صدمہ ہوا ہے وہ خلوت سیہ نہ تھی بلکہ اس جنسی ملاپ کے وقت خلیفہ کا اپنی بیٹی کو پاس بٹھا لینا مجھ پر شاق گزرا۔'' جونہی اس نے یہ کہا وکیل نے ان کے کاغذات پھینک دیے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی معصیت کے وقت بیٹی کو پاس بٹھا لے۔ اطالوی حسینہ کی بات ٹھیک تو تھی لیکن اس کو فوراً احساس ہو گیا کہ خلیفہ کا یہ طریقہ واردات ہے کہ اس کی یورش زدہ لڑکی کی بات نامقبول ہو کر رہ جائے بلکہ مقدمہ کرنے پر وہ خود پھنس جائے۔ خلیفہ کی معصیت ہی اس کی مدافعت بن جاتی تھی۔

❀.....❀.....❀

عزیز الرحمٰن ثانی

قادیانی چکلہ

آج کل یہ ایک شور وغوغا ہے کہ قادیانی بڑے اعلیٰ اخلاق اور سچے کردار کے مالک ہیں۔ بلکہ اس طرح کا پروپیگنڈہ معاشرے میں یہ خود پھیلاتے ہیں تاکہ ان کے ظاہری اخلاق سے لوگ متاثر ہوکر قادیانیت کے جھوٹے مذہب میں پھنس جائیں۔ قادیانیوں کے اعلیٰ اخلاق اور سچے کردار کا حال اگر کسی کو معلوم کرنا ہے تو ہم سے پوچھیں کہ وہ کس قماش کے لوگ ہیں۔ ہمارے پاس ان کے کردار واخلاق کی پوری تاریخ محفوظ ہے بلکہ بعض کہانیاں تو ان لوگوں نے، جنہوں نے قادیانیت کو ترک کیا ہے، شائع بھی کی ہیں۔ مذکورہ تاریخ اتنی گری ہوئی ہے کہ ہمارے صفحات اس کے متحمل نہیں۔ لیکن 26 اکتوبر 1979ء کو راولپنڈی میں ایک واقعہ رونما ہوا۔ بدکاری کے اڈے پر چھاپہ مارا گیا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہوئے۔ بعضوں کو سزا کے طور پر کوڑے مارے اور بدکاری کے اڈہ کے مالک پیر صلاح الدین کا منہ کالا کیا گیا۔ پھر نا معلوم کن وجوہ کی بناء پر باقی ماندہ سزائیں معاف کر دی گئیں۔

اخبارات میں تفصیل کے ساتھ وہ رپورٹ چھپی، چونکہ صلاح الدین کا تعلق نہ صرف قادیانی جماعت سے ہے بلکہ وہ رشتہ کے لحاظ سے قادیانی خلیفہ مرزا صاحب کے قریبی رشتہ دار بھی ہیں۔ لہٰذا ہم قارئین کے خدمت میں اخباری رپورٹ پیش کر رہے ہیں تاکہ ان کی اصلیت سامنے آجائے۔

راولپنڈی 25 اکتوبر (نمائندہ جسارت) آج یہاں سنٹرل گورنمنٹ ہسپتال کے وسیع وعریض میدان میں پیرز ہوٹل اور عروسہ ہوٹل سے بدکاری کے الزام میں گرفتار کیے جانے والے 27 افراد کو کوڑے لگائے گئے۔ یہ میدان پیرز ہوٹل کے بالکل سامنے واقع ہے۔ اس میدان میں زیر تعمیر ایک عمارت کے چھت پر سٹیج بنایا گیا تھا جہاں ٹکٹکی لگائی گئی تھی۔ مارشل لاء حکام، جیل حکام اور پولیس کے اعلیٰ افسر یہاں موجود تھے۔ میدان میں ٹرکوں پر اور اردگرد کی عمارتوں پر ہزاروں افراد موجود تھے۔ جب ملزموں کو کوڑے لگائے جاتے تھے تو لوگ تالیاں بجاتے تھے۔ اس موقع پر ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیئر سرفراز بھی موجود تھے۔ تمام ملزموں کو کوڑے لگانے کی کارروائی تقریباً چار گھنٹے میں مکمل ہوئی۔ بریگیڈیئر سرفراز اس دوران وہاں موجود رہے۔ کارروائی شروع ہونے سے قبل پیرز ہوٹل کے مالک پیر صلاح الدین اور ہوٹل

کے منیجر اور لڑکیوں کی سپلائی کا کام کرنے والے ملزم نذر بخاری کو سٹیج پر لایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ چونکہ ان دونوں کی عمر زیادہ ہے، اس لیے انہیں کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ لیکن انتظامیہ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ عوام کے سامنے ان کے منہ کالے کیے جائیں۔ سٹیج پر ان دونوں ملزموں کے چہروں پر سیاہی ملی گئی اور اس کے بعد انہیں پورے سٹیج پر گھمایا گیا تا کہ وہاں تمام لوگ ان کے سیاہ چہرے دیکھ لیں۔ اس وقت وہاں موجود ہزاروں افراد نے تالیاں بجائیں۔

آج صبح 10 بجے ہی سے لوگ سنٹرل اسپتال کے میدان میں جمع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ یہ سزا صرف ایک مقدمہ کے سلسلہ میں ہے۔ ان ملزموں کے خلاف اور مقدمات بھی زیر سماعت ہیں جن کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔ اعلان کیا گیا کہ مارشل لاء حکام کی یہ خواہش رہی ہے کہ کوڑوں کی سزائیں نہ دی جائیں لیکن ان مجرموں کے جرم کی نوعیت اور جس طرح یہ مظلوم اور بے سہارا لڑکیوں کو ورغلا کر گناہ کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے تھے، اس پر انہیں بر سر عام کوڑے لگانے کی سزا دینا ضروری تھا۔ اس موقع پر لوگوں نے زبردست تالیاں بجائیں۔ سٹیج پر کہا گیا کہ اب حکومت کی یہ پر خلوص کوشش ہے کہ جو لوگ ملک میں اخلاقی قدروں کو پامال کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور غیر اسلامی اور غیر انسانی حرکات کر رہے ہیں، انہیں اس بات کی اجازت نہ دی جائے۔ حکومت ایسے لوگں کو تنبیہ کرتی ہے کہ وہ اپنی ان قبیح حرکات سے باز آ جائیں یا اپنے ناپاک وجود لے کر اس ملک سے نکل جائیں۔ سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ ان مجرموں کا یہ طریق کار تھا کہ وہ غریب اور بے سہارا لڑکیوں کو سرپرستی کا لالچ دے کر پھنسانے اور انہیں ورغلا کر گناہ کی زندگی گزارنے پر مجبور کرتے۔ یہ مجرم اس گناہ کے کاروبار سے اس قدر دولت بنا رہے تھے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب مارشل لاء حکام نے پیرز ہوٹل پر چھاپہ مارا تو ایک رات کی آمدنی کے طور پر 35 ہزار روپے ہوٹل کے کیش بکس سے برآمد ہوئے۔ اس قدر مجمع تھا کہ ٹریفک کا انتظام کرنے کے لیے پولیس کا خصوصی دستہ متعین کیا گیا اور خود ڈی ایس پی ٹریفک وہاں موجود تھے۔

ملزموں کو ڈیڑھ بجے پولیس کی نگرانی میں لایا گیا۔ سٹیج پر لاؤڈ سپیکر لگا ہوا تھا جس سے فوج کے ایک کیپٹن پیرز ہوٹل اور عروسہ ہوٹل پر چھاپہ، اس کارروائی کا پس منظر اور ملزموں کو دی جانے والی سزاؤں کے بارے میں اعلانات کر رہے تھے۔

اس کے بعد پیرز ہوٹل کے مالک پیر صلاح الدین کو جو اقلیتی فرقہ قادیانیوں کے سربراہ مرزا ناصر احمد کا قریبی عزیز ہے، سٹیج پر لایا گیا اور سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ گھناؤنے کردار کا مالک یہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ اسے بھی کوڑوں کی سزا دی جاتی لیکن اس کی عمر 64 سال ہے اور قانون کے مطابق 45 سال سے زیادہ عمر کے آدمی کو کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس کا منہ کالا کیا جائے۔ اس کے بعد نذر بخاری کو سٹیج پر لایا گیا اور اعلان کیا گیا کہ لوگ یورپ علم سیکھنے کے لیے جاتے ہیں

لیکن یہ وہ بدکردار شخص ہے جو بدکاری کے اڈے چلانے کی تربیت حاصل کرنے کے لیے یورپ گیا تھا۔اس کی عمر 67 سال ہے۔اس لیے اسے بھی کوڑوں کی سزا نہیں دی جا سکتی اور اس کا منہ کالا کیا جا رہا ہے۔اس کے بعد پیر صلاح الدین کے بیٹے محی الدین مطاہر احمد کو سٹیج پر لایا گیا اور ٹکٹکی پر باندھ کر 2 بج کر 17 منٹ پر پہلا کوڑا لگایا گیا۔اس وقت لوگوں نے ''شرم شرم'' کے نعرے لگائے۔جب اسے پانچواں کوڑا لگایا گیا تو اس نے کہا ڈاکٹر صاحب مجھے بچا لیں اور ان سے کہیں کہ ذرا آرام سے کوڑے ماریں اور مجھے پانی پلایا جائے۔ مجرم کو پانی پلایا گیا اور 15 کوڑے پورے کیے گیے۔اس کے بعد مجرم عبدالرشید، کشر خاں، پیرز ہوٹل کے منیجر نذر بخاری اور کسٹم انسپکٹر خضر حیات کو سٹیج پر لایا گیا۔اس وقت بتایا گیا کہ خضر حیات کی ذمہ داری تھی کہ وہ ناجائز کاروائیوں کو روکتا لیکن یہ بدکاری کے اڈوں پر شراب مہیا کرتا تھا۔ملزم کشر خان 15 کوڑے کھانے کے بعد بے ہوش ہو گیا۔ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا اور انجکشن لگایا۔جس کے بعد اسے ایمبولینس میں ڈال کر اسپتال بھیج دیا گیا۔اس کے بعد کسٹم انسپکٹر شبیر حسین شاہ اور کسٹم انسپکٹر طاہر مقبول کو کوڑے لگائے گئے۔

طاہر مقبول کو جب پانچواں کوڑا لگا تو جیل حکام نے کوڑے لگانے والوں کو صحیح کوڑا نہ پڑنے کی بناء پر یہ کوڑا مارنے کی ہدایت کی۔اس پر طاہر مقبول نے کہا کہ مجھے کوڑا ٹھیک لگا ہے۔مجھ پر ظلم نہ کریں۔ خدا کے واسطے مجھ پر رحم کریں۔اس کے بعد مجرم نصیب الرحمٰن اور افتخار حسین کو پندرہ پندرہ کوڑے مارے گئے۔اس کے بعد مظفر حسین کو 5 کوڑے، یوسف کو 5 کوڑے، مسعود کو 5 کوڑے، موسیٰ کو 5 کوڑے اور سلیم کو 5 کوڑے لگائے گئے۔موسیٰ اور سلیم کوڑے کھانے کے بعد بے ہوش ہو گئے اور اس کے بعد مجرم جاوید اقبال کو 15 کوڑے مارے گئے اور پھر افتخار حسین کو 15 کوڑے لگے۔اس کے بعد 3 بج کر 45 منٹ پر 10 منٹ کا وقفہ کیا گیا اور اس کے بعد جب دوبارہ کارروائی شروع ہوئی تو سب سے پہلے یعقوب، اشرف، قمر سلطان، سلیم، اخلاق احمد، رشید خاں، مہربان اور تسیم شاہ کو پندرہ پندرہ کوڑے لگائے گئے۔اخلاق احمد نے چلا کر کہا کہ اللہ کے لیے بے گناہ پر رحم کرو، مجھے پانی پلا دو۔میرے گناہ بخش دے مالک۔اس کے بعد مصطفیٰ کو 5 کوڑے لگائے گئے۔پھر گلزار، عبدالوحید اور بانوش خاں کو پندرہ پندرہ کوڑے لگائے گئے۔آخر میں سٹیج سے اعلان کیا گیا کہ ایسے تمام افراد جو اس قسم کے گھناؤنے کاموں میں ملوث ہیں، انہیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ وہ باز آ جائیں۔ورنہ انہیں بھی عبرت ناک سزائیں دی جائیں گی۔عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ اس قسم کے گھناؤنے کاموں میں ملوث لوگوں کی نشاندہی کریں تاکہ وطن عزیز کو ان کے ناپاک وجود سے پاک کیا جا سکے۔اس پر لوگوں نے پُر جوش تالیاں بجائیں۔

پہلے پیشاب خطا ہوا، پھر بیہوشی طاری ہوئی اور بالآخر سٹریچر پر ڈال کر لایا گیا، آخری کوڑا بانوش خان نے نوش جان کیا

راولپنڈی 25 اکتوبر (نمائندہ جسارت)(عروسہ گیسٹ ہاؤس اور پیرز ہوٹل سے بدکاری کے

الزام میں گرفتار ہو کر سزا پانے والے مجرمان کو آج راولپنڈی میں سرعام کوڑے لگائے گئے۔ اس عبرت ناک منظر کو ہزاروں افراد نے دیکھا۔ اس واقعہ کی چند خاص خاص باتیں یہ ہیں:

0۔ عروسہ گیسٹ ہاؤس اور پیرز ہوٹل سے بدکاری کے الزام میں پکڑے جانے والے 26 ملزموں کو آج مجموعی طور پر 35 کوڑے لگائے گئے جبکہ مجرموں کو سرسری سماعت کی فوجی عدالت نے مجموعی طور پر 345 کوڑوں کی سزا دی تھی۔ 6 زائد کوڑے ان دو مجرموں کو لگائے گئے جنھیں بعض کوڑے بھرپور انداز میں نہیں لگے تھے اور حکام نے ان کوڑوں کو منسوخ کر دیا تھا۔ کسٹم انسپکٹر طاہر مقبول کو 3 کوڑے دوبارہ لگائے گئے۔ اسی طرح کسٹم انسپکٹر شبیر حسین شاہ اور دیگر 2 مجرموں بشیر خان اور قمر سلطان کو بھی ایک ایک کوڑا دوبارہ لگایا گیا۔

0۔ ایک مجرم نصیب الرحمٰن کا کوڑا لگنے کے دوران پیشاب خطا ہو گیا۔ آخری کوڑا لگنے کے بعد مجرم بے ہوش ہو گیا اور اسے سٹریچر پر ڈال کر لے جایا گیا۔

0۔ 5 بج کر 22 منٹ پر بانوش خاں کو آج کا آخری کوڑا لگایا گیا۔

0۔ کوڑے لگنے والے دونوں قیدیوں کے لیے تھرماس میں جیل سے خاص طور پر چائے لائی گئی تھی اور وقفے کے دوران ان کی چائے اور بسکٹوں سے تواضع کی گئی۔

ڈی ایم ایل اے نے کوڑے مارنے والوں کو دودھ پینے کے لیے انعامات دیے، مجرم اپنی کاروباری جگہ کو دیکھتے رہے

راولپنڈی 25 اکتوبر (نمائندہ جسارت) آج جب یہاں 26 مجرموں کو کوڑے مارنے کی کارروائی مکمل ہو گئی تو ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیئر سرفراز ملک سٹیج پر آئے اور اس کارروائی میں حصہ لینے والوں سے ملے۔ انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ کو ہدایت کی کہ کوڑے لگانے والے بشارت اور زمرد کو میری جانب سے دودھ پینے کے لیے پچاس پچاس روپے انعام دیں۔ انہوں نے زمرد سے ہاتھ بھی ملایا۔ بعد میں انہوں نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجرموں کو عبرت ناک سزائیں دی جائیں گی اور ہم نے اسے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا تاکہ مجرموں کو وہ جگہ بھی نظر آتی رہے، جہاں وہ اپنا گھناؤنا کاربار کرتے تھے۔

ہجوم کی وجہ سے دیوار منہدم ہو گئی

راولپنڈی 25 اکتوبر (نمائندہ جسارت) آج یہاں پیرز ہوٹل اور عروسہ ہوٹل کے ملزموں کو کوڑے مارے جانے کا منظر دیکھنے کے لیے زبردست ہجوم تھا۔ بھیڑ کی وجہ سے ایک قریبی پٹرول پمپ کی دیوار پر لوگ چڑھے ہوئے تھے کہ اچانک یہ دیوار گر پڑی اور متعدد افراد زخمی ہو گئے۔ ایک درخت پر بھی

بے شمار لوگ چڑھے ہوئے تھے۔ درخت کی شاخ ٹوٹ گئی۔ اس کے نیچے بھی کچھ افراد زخمی ہو گئے۔

غیر ملکیوں نے بھی کوڑے مارنے کا منظر دیکھا

راولپنڈی 25 اکتوبر (نمائندہ جسارت) آج راولپنڈی میں جن 26 ملزموں کو سر عام کوڑے مارے گئے، ان کو کوڑے مارنے والوں میں ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی کے دو قیدی زمرد اور بشارت شامل تھے زمرد قتل کے جرم میں عمر قید کی سزا بھگت رہا ہے اور اسے کوڑے مارنے کے لیے جیل میں با قاعدہ تربیت دی گئی ہے۔ جیل حکام کے مطابق زمرد جیل میں نمبردار ہے اور بہتر رویہ اور اس ڈیوٹی کے باعث اسے ہر تین ماہ بعد سزا میں 18 دن تخفیف کی رعایت ملتی ہے جبکہ بشارت کا فوج میں کورٹ مارشل ہوا تھا۔

(جسارت کراچی، 16 اکتوبر 1979ء)

پیرز ہوٹل سے گرفتار شدہ افراد کی سزائیں معاف

راولپنڈی 4 مئی (نمائندہ جنگ) معلوم ہوا ہے کہ پیرز ہوٹل کے مالک کے لڑکے پیر مطاہر احمد اور ہوٹل سے گرفتار کیے جانے والے تمام افراد کی باقی ماندہ سزائیں معاف کر دی گئی ہیں۔ یہ لوگ مختلف جیلوں میں سزا بھگت رہے ہیں۔ (جنگ کراچی، 5 مئی 1980ء)

پریس فوٹو گرافروں کو دھمکی دینے پر سزا

راولپنڈی 5 نومبر (نمائندہ جنگ) آج شب سرسری سماعت کی فوجی عدالت نمبر 18 کے سربراہ میجر جوزف شیروف نے پریس فوٹو گرافروں کو دھمکی دینے کے سلسلہ میں مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ یہ مقدمہ پیرز ہوٹل کے مالک پیر صلاح الدین اور اس کے لڑکے مطاہر احمد کے خلاف زیر سماعت تھا۔ فیصلہ رات ساڑھے آٹھ بجے سنایا گیا۔ میجر جوزف شیروف نے زیر دفعہ 506 تعزیرات پاکستان کے تحت اخباری فوٹو گرافروں کو دھمکی دینے کے جرم میں پیر صلاح الدین کو ایک سال قید سخت اور 40 لاکھ روپے جرمانہ کی سزا دی ہے جبکہ عدالت کے سربراہ نے پیر صلاح الدین کے لڑکے مطاہر احمد کو عدم ثبوت کی بنا پر بری کر دیا ہے۔ فاضل عدالت نے اپنے فیصلہ میں کہا ہے کہ پیر صلاح الدین کو اس سے قبل ایک مقدمہ میں ایک سال قید سخت کی سزا دی جا چکی ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی کہا ہے کہ پیر صلاح الدین پر جو 40 لاکھ روپے جرمانہ کیا گیا ہے، مجرم کو یہ رقم ادا کرنا ہو گی اور اگر وہ جرمانے کے 40 لاکھ روپے ادا نہیں کرے گا تو اس کی املاک میں سے 40 لاکھ روپے جرمانہ کی جائداد بحق سرکار ضبط کر لی جائے گی۔ عدالت نے مجرم صلاح الدین کو اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے کا حق دیا ہے کہ وہ ایک ہفتہ کے اندر اپیل کر سکتا ہے۔ استغاثہ کے مطابق دو ہفتہ قبل جب بدکاری ایکٹ کے تحت صلاح الدین اور دیگر متعدد افرا کے خلاف سمری ملٹری کورٹ میں مقدمہ کی سماعت ہو رہی تھی تو اس موقع پر اخباری فوٹو گرافروں نے صلاح الدین اور دیگر

مجرموں کی تصویریں بنانے کی کوشش کی تو اس موقع پر صلاح الدین اور اس کے لڑکے مطاہر احمد نے فوٹو گرافروں کو تصاویر بنانے پر خطرناک انجام بھگتنے کی دھمکیاں دی تھیں۔ چنانچہ فوٹو گرافروں کی شکایت پر سمری ملٹری کورٹ کے سربراہ کی تحریر پر چھاؤنی تھانہ کی پولیس نے صلاح الدین اور مطاہر احمد کے خلاف دھمکیاں دینے کا مقدمہ درج کیا تھا۔ پی پی آئی کے مطابق قبل ازیں فاضل عدالت نے مقدمہ میں گواہوں کے بیانات قلم بند کیے۔ ان میں روزنامہ جنگ راولپنڈی کے فوٹو گرافر رفیق ناز، ایک دوسرے مقامی روزنامہ کے اقبال زیدی اور دو پولیس اہلکار شامل ہیں۔ (جنگ کراچی، 6 نومبر 1979ء)

پیر صلاح الدین کی جائداد کی چھان بین کے لیے خصوصی ٹیم تشکیل دے دی گئی

راولپنڈی 6 نومبر (نمائندہ جنگ) باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مارشل لاء حکام نے پیرز ہوٹل اور اس سے ملحق تمام جائداد کی چھان بیان کرنے کے لیے ایک خصوصی ٹیم مقرر کی ہے جو اس امر کا پتہ لگائے گی کہ صلاح الدین نے دس کینال کا پلاٹ جس میں پیرز ہوٹل اور اس کی رہائش گاہ ہے، کن ذرائع سے حاصل کیا۔ یہ پلاٹ غالباً صلاح الدین کو سیٹلائٹ ٹاؤن الاٹمنٹ کمیٹی نے الاٹ کیا تھا اور یہ پلاٹ رہائشی مقاصد کے لیے کہہ کر الاٹ کروایا جس میں پیر صلاح الدین نے ہوٹل تعمیر کر لیا تھا۔ اس امر کی بھی چھان بیان کی جا رہی ہے کہ پیرز ہوٹل کی تعمیر کے لیے کس افسر نے اجازت دی تھی جبکہ گنجان اور رہائشی علاقوں میں ہوٹلوں کی تعمیر قانونی طور پر ممنوع ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ صلاح الدین اس املاک کا تقریباً 60 ہزار روپے سالانہ ٹیکس ادا کرتا تھا۔ ٹیم یہ بھی دیکھ رہی ہے کہ کیا صلاح الدین ٹیکس کی رقم صحیح دیتا رہا ہے۔ ان افسران کا سراغ لگایا جا رہا ہے جنہوں نے اس رہائشی پلاٹ پر ہوٹل بنانے کی اجازت دی تھی۔ کیونکہ اس نے اپنے اثر و رسوخ کی بنیاد پر یہ ہوٹل تعمیر کیا تھا جبکہ ہوٹل کی تعمیر کے وقت وہاں رہائش پذیر باشندوں نے احتجاج بھی کیا تھا۔ خیال ہے کہ اس معاملہ میں انتظامیہ کے کئی افسران بھی ملوث ہوں گے۔ یہ خصوصی ٹیم چند روز میں اپنی تحقیقات مکمل کر کے حتمی رپورٹ مارشل لاء حکام کو پیش کر دے گی۔

(جنگ کراچی، 7 نومبر 1979ء)

عبدالکریم

قادیانی دیوالی

قادیانی شریعت

قادیانی شریعت ''تذکرہ'' سے زیادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد اور مرزا بشیر احمد کی کتابوں پر مشتمل ہے، ان میں ''حقیقت نبوت، کلمۃ الفصل، انوار خلافت، جنازہ کی حقیقت اور سیرت المہدیٰ'' جیسی کتابیں شامل ہیں۔لیکن قادیانی اب اپنی شریعت کو چھپاتے ہیں۔ان کتابوں کے نئے ایڈیشن نہیں چھاپتے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہی ایڈیشن چھاپ کر بیٹھ گئے ہیں۔ دراصل یہ کتابیں تمام مسلمانوں کو کافر بیان کر کے اسلام اور قادیانیت کے مابین واضح خط فاصل کھینچتی ہیں اور انہی کتابوں سے قادیانی عزائم کا اندازہ ہوتا ہے۔اب صرف ان کتابوں میں مسلمانوں کے خلاف کی گئی بدزبانی کے باعث قادیانی انہیں چھاپنے سے کتراتے ہیں۔''سیرۃ المہدیٰ'' کو نہ چھاپنے میں تو بعض شرمندگیاں بھی شامل ہیں۔

قادیانی تقیہ

قادیانی اخبار الفضل مورخہ 8 مارچ 1989ء کی اشاعت میں ''اخبار جہاں'' کے ایک کالم کا حصہ پیش کیا گیا ہے۔اس میں بھی یہ درج ہے ''پاکستانی شہریت کے حامل قادیانیوں کی تعداد نا معلوم ہے۔اس لیے کہ انہیں جب اقلیت قرار دے دیا گیا تو ان کی قیادت نے اس کی اجازت دے دی کہ جو لوگ قادیانی ہونے کا اعلان کے متحمل نہیں ہو سکتے، وہ اپنے عقیدے کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔اس پر قادیانی اخبار نے اسی اشاعت میں یہ تبصرہ کیا ہے ''بعض احمدیوں کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے خود کو چھپایا ہوا ہے، درست نہیں ہے۔ یہ محض خیال، قیاس آرائی بلکہ ناواجب بدظنی ہے۔ یہ تبصرہ قادیانی فریب کا شاہکار ہے۔ کیونکہ پاکستان میں واقعی سینکڑوں قادیانی خود کو قادیانی نہیں بتاتے اور عرب ممالک میں جتنے قادیانی رہ رہے ہیں، وہ قادیانی قیادت کے علم میں ہیں۔ وہ سارے قادیانی پاسپورٹ پر خود کو مسلمان ظاہر کر کے عرب ممالک میں گئے ہیں اور ظاہر ہے مسلمان ظاہر کرنے کے لیے انہیں اپنے ''مسیح موعود'' کے کذب کا حلف نامہ بھی بھرنا پڑتا ہے۔اس کے باوجود ایسے قادیانیوں کے خلاف کبھی کوئی تادیبی کارروائی نہیں ہوئی جو اس حقیقت کا

زندہ ثبوت ہے کہ قادیانی قیادت کی اجازت سے ہی قادیانی اپنا مذہب چھپاتے ہیں۔

مباہلے کی برکات

لندن میں 18 نومبر 1988ء کے خطبے میں مرزا طاہر احمد نے دعویٰ کیا کہ ہم دعاؤں، ابتہال اور روحانی مقابلہ کے سال سے گزر رہے ہیں۔ (الفضل، مورخہ 28 نومبر 1988ء) مباہلے میں مرزا طاہر احمد نے اپنی طرف سے ساری جماعت کو بھی شامل کیا تھا۔ چنانچہ مباہلہ کے کتابچہ کے آخری صفحہ پر یہ الفاظ درج ہیں ''ہم ہیں فریق اول، (امام جماعت احمدیہ عالمگیر دنیا بھر کے احمدی مرد و زن، چھوٹے بڑے کی نمائندگی میں) ''گزشتہ برس قادیانیوں کے خاص خاص مومنین موصی حضرات'' دوسو سے زیادہ تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ ربوہ کے بہشتی مقبرہ کے ریکارڈ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ مزید برآں جس مریض کے بارے میں بھی ''الفضل'' نے کثرت سے دعا کی، تحریک کا وہی مریض ہلاک ہوا۔ یہ عبرت ناک حقیقت ''الفضل'' کے صفحات میں بکھری پڑی ہے۔ اس سے بھی قادیانی مباہلے کی برکات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہلاک ہونے والوں میں قادیانی جامعہ کے پروفیسروں، پیشہ ور تنخواہ دار مولویوں اور خاندان خلافت کے بعض افراد سے لے کر عام سرگرم قادیانیوں تک سارے لوگ شامل ہیں۔

قادیانی بے پردگی

عام طور پر قادیانی پردے کی پابندی کا پرچار کرتے ہیں مگر چونکہ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ جس ملک، علاقہ میں جاتے ہیں، وہاں کے رواج اپنا لیتے ہیں۔ چنانچہ انگریزوں کے دیس انگلستان میں قادیانی عورتوں کا پردہ اتروا دیا گیا ہے۔ قادیانی اخبار ''الفضل'' ربوہ کی 16 مارچ 1989ء کی اشاعت میں ہارٹلے پول (انگلستان) میں ہونے والے ایک قادیانی فورم کی رپورٹ شائع ہوئی ہے۔ اس رپورٹ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ مخلوط تقریب تھی، جس میں قادیانی مرد اور عورتیں شریک تھیں۔ یہ ہے ان کی پردہ کی پابندی۔ اس تقریب نے یہ ظاہر کر دیا کہ دراصل قادیانیوں کے ظاہر و باطن میں نمایاں فرق ہے۔

قادیانی قبولیت دعا کا عبرتناک نشان

16 نومبر 1988ء کے انتخابات میں جیسے ہی پاکستان پیپلز پارٹی کی قومی اسمبلی میں کامیابی کی خبر نکلی، مرزا طاہر نے لندن سے ایک اور سیاسی چال چلی۔ انہوں نے قادیانیوں کی تلقین کی کہ ''اسیران راہ مولیٰ (قاتلان شہدائے ختم نبوت) کی رہائی کے لیے دعائیں کریں اور ساتھ 23 مارچ 1989ء کی ڈیڈ لائن بھی دے دی کہ اس سے پہلے پہلے رہا ہو جائیں گے۔ خدا سے قادیانیوں کے زندہ تعلق کا پہلا نشان تو یہ ظاہر ہوا کہ وہ سارے قیدی رہا ہو گئے جن کی رہائی کے لیے قادیانیوں نے دعا نہیں کی تھی اور اب صرف وہی بدنصیب قید میں ہیں جن کے لیے خصوصی دعائیں کی گئی تھیں۔ گویا قادیانیوں کی ساری دعائیں اللہ

تعالیٰ نے اٹھا کر ان کے منہ پر دے ماری ہیں۔ 23 مارچ کی تاریخ بھی گزر گئی ہے اور قاتلان شہدائے ختم نبوت میں سے کوئی بھی رہا نہیں ہو سکا۔

مرزا طاہر کی دعا کوئی عام دعا نہیں تھی۔ بلکہ اس کی اہمیت اور شان و شوکت کے پیش نظر 14 مارچ 1989ء تک اخبار الفضل میں ان کا دعائیہ بیان چوکھٹوں میں سجا کر بار بار شائع کیا گیا۔ بہ تکرار اشاعت کے بعد اگر سچ مچ قاتلان شہدائے ختم نبوت رہا ہو جاتے تو قادیانیوں نے اپنی دعا کی قبولیت کے شور سے آسمان سر پر اٹھا لینا تھا۔ لیکن اب قدرت نے انہیں پوری طرح رسوا کر دیا ہے اور قادیانی قبولیت دعا کا مزعومہ نشان اب عبرت ناک نشان بن کر رہ گیا ہے۔

بابرکت نکاح

قادیانی جماعت کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر بہتر سال کی عمر میں اپنی ایک نوجوان لیڈی ڈاکٹر مریدنی طاہرہ پر فریفتہ ہو گئے۔ موصوف نکاح کرنا چاہتے تھے۔ مگر مریدوں پر اپنے نام نہاد تعلق باللہ کی دھاک بھی بٹھائے رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ تین قادیانی بزرگوں نے استخارے کیے اور ان میں سے ایک نے تو کہا کہ مجھے کچھ نظر نہیں آیا اور دو نے کہا کہ بڑا بابرکت رشتہ ہے۔ چنانچہ خدا سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرنے والے اس گروہ کے استخاروں کے بعد مرزا ناصر کا طاہرہ سے بیاہ ہو گیا اور اس کی برکات اسے طرح ظاہر ہوئیں کہ مرزا ناصر احمد بیاہ کے ایک ماہ کے اندر ہی راہی ملک عدم ہو گئے۔ لڑکی کا باپ اپنی جوان سال بیٹی کی تباہی کے صدمے سے ہلاک ہو گیا۔ لڑکی کا بھائی بھی دل کے دورے سے ہلاک ہو گیا۔ استخارہ کرنے والے دونوں ''بزرگ'' قادیانی بھی عبرت ناک موت سے دوچار ہوئے۔ یکے بعد دیگرے اتنی اموات سے سبق سیکھنے کے بجائے قادیانی امت کو پھر یہ باور کرایا گیا کہ اس لڑکی سے مرزا ناصر کا وہ بیٹا پیدا ہو گا، جس کے ذریعے عظیم قادیانی فتوحات ہوں گی لیکن جب ایک سال گزر گیا تو یہ خوش فہمی بھی ختم ہو گئی۔ یہ ہے قادیانی دعاؤں اور تعلق باللہ کی عبرت ناک حقیقت۔

قصر خلافت

قادیانی خلیفے کی رہائش گاہ ''دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو'' کی منہ بولتی تصویر بنی ہوئی ہے۔ قصر خلافت ربوہ کی موجودہ محلاتی صورت مرزا ناصر کی پہلی بیوی منصورہ کی فرمائش پر بنائی گئی۔ لیکن قصر خلافت کی تعمیر کے دوران ہی ان کا انتقال ہو گیا اور تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی مرزا ناصر کا بھی انتقال ہو گیا۔ مرزا طاہر کے دور میں تعمیر مکمل ہوئی اور طاہر کی پسند کے مطابق اس کی آرائش و زیبائش کا کام مکمل ہوا تو مرزا طاہر کو ملک سے فرار ہونا پڑ گیا۔ یوں یہ قصر خلافت قصر نحوست بن کر رہ گیا۔

جشن نحوست کا آغاز

''الفضل'' 15 مارچ 1989ء میں کشتی رانی کلب مجلس صحت مرکزیہ ربوہ کی طرف سے اعلان کیا گیا

کہ 15-16-17 تاریخوں کو صد سالہ جشن تشکر کے سلسلے میں دریائے چناب میں کشتی رانی کے مقابلے ہوں گے، احباب تشریف لائیں۔ یہ قادیانی جشن تشکر کا آغاز تھا اور آغاز میں پہلے ہی دن دو قادیانی دریا میں ڈوب کر ہلاک ہو گئے۔ قومی اخبارات میں اس حادثے کی خبریں چھپ چکی ہیں۔ یہ سانحہ المناک ہے۔ دراصل یہ سانحہ قادیانیوں کو قدرت کی طرف سے انتباہ ہے کہ تم جو جشن منانے چلے ہو، مجھے قبول نہیں۔ گویا یہ جشن نحوست تھا۔

نوجوانوں میں بیزاری

قادیانی قیادت کی چیرہ دستیوں اور بداعمالیوں سے قادیانی نوجوانوں میں شدید قسم کی بیزاری پائی جاتی ہے۔ میں خدا کو حاضر ناظر جان کر اور جس کی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے، حلفاً بیان کرتا ہوں کہ ربوہ کے نوجوانوں میں ایسے ایسے صاف گو موجود ہیں جو یہ باتیں کرتے رہتے ہیں۔

1- قادیانی خلافت صرف دکانداری ہے ''خلیفہ خدا بناتا ہے'' کا اعتقاد محض ڈھونگ ہے۔ ویسے تو دنیا کی ہر شے خدا بناتا ہے۔ گدھے کو بھی خدا بناتا ہے، خلیفے کو بھی خدا بناتا ہے مگر یہ کوئی علیحدہ روحانی مقام نہیں ہے۔

2- مرزا کی زوجہ اول منصورہ بیگم کا نام لے کر اس کو فحش گالیاں دینے والے نوجوان بھی ربوہ میں موجود ہیں۔

3- مرزا ناصر کو احمق قائد اور اس کی اولاد پر بدکاری کا الزام لگانے والے بھی موجود ہیں۔ ایسے نوجوانوں کا کہنا ہے کہ ہم سماجی اور معاشی طور پر ایسے جکڑے ہوئے ہیں کہ اس دلدل سے نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔

اب ایک سچا لطیفہ، ایک صاحب نے کہیں کہہ دیا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے تو کیا ہوا گدھا بھی خدا ہی بناتا ہے۔ اس کی رپورٹ ہوگئی اور جماعت سے اخراج کر دیا گیا۔ کئی ماہ بعد غریب کو معافی ملی۔ اس کے قریبی دوستوں نے پوچھا، معافی کس طرح ملی؟ اس نے آہستگی سے بتایا، میں نے کہا تھا، معافی دے دیں۔ غلطی ہوگئی۔ گدھا خدا نہیں بناتا صرف خلیفہ کو ہی خدا بناتا ہے۔

صد سالہ جشن تشکر

صد سالہ جشن تشکر دراصل مسلمانوں کے لیے جشن تشکر ہے۔ کیونکہ قادیانی غرور و تکبر کا سر بڑی حد تک کچلا گیا ہے۔ دنیاوی غلبہ و اقتدار کی مرزا محمود کی ساری امیدیں حسرتوں میں بدل گئیں تو مرزا ناصر نے 1965ء میں خلافت سنبھالتے ہی قادیانیوں کو غلبے کے نئے سبز باغ دکھانا شروع کر دیے۔ نشۂ خلافت میں مرزا ناصر نے کہا:

میں جماعت کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ آئندہ پچیس تیس سال جماعت احمدیہ کے لیے نہایت ہی اہم ہیں۔ کیوں دنیا میں انقلاب عظیم پیدا ہونے والا ہے۔

(خطبہ 10 دسمبر، 1965ء، مطبوعہ الفضل، 9 جون 1966ء)

اب 1989ء میں حالت یہ ہے کہ پاکستان جو قادیانیوں کا گڑھ تھا اور جہاں دنیا بھر میں موجود قادیانیوں میں سب سے بڑی تعداد مقیم ہے، وہاں بھی مرزا طاہر کو رہنے کی توفیق نہیں ملی اور انہیں لندن بھاگ جانا پڑا۔ دوسرے حکمرانوں نے تو کیا آنا تھا، خود قادیانی خلیفہ بھی وہاں موجود نہیں۔ اگر قادیانی لیڈروں میں عقل ہوتی تو 23 مارچ 1989ء کو قصر خلافت پر خود ہی مختلف ملکوں کے جھنڈے بنوا کر لہرا دیتے۔ چار پانچ تھان کپڑے کا اور چند بانس کا خرچہ تو ہو جاتا مگر مرزا ناصر کی پیشگوئی پوری ہو جاتی۔ اگر محمدی بیگم والی پیشگوئی پوری کرنے کے لیے منت سماجت اور لالچ سے دھمکیوں تک ساری تدابیر کرنا جائز تھا تو مرزا ناصر کی پیشگوئی پوری کرنے کے لیے چند ملکوں کے جھنڈے بنوا کر لہرا دینا بھی تدبیر ہی ہوتا اور اس میں قادیانی عقیدے کے مطابق کوئی حرج نہ ہوتا۔ مرزا ناصر کی غلبہ و اقتدار کی یہ پیشگوئیاں معمولی نہ تھیں۔ انہیں صرف قادیانی اخبار میں ہی شائع نہیں کیا گیا بلکہ قادیانی لٹریچر میں، مستقل نوعیت کی حامل کتابوں میں اس غلبہ و اقتدار کی خبر کو محفوظ کر دیا گیا۔ (مثلاً عبداللطیف بہاولپوری کی تفسیر سورۂ یٰسین ص 123) اب اس غلبہ کا یہ عبرت ناک منظر سامنے آیا ہے کہ ربوہ شہر میں 23 مارچ کا دن خاموشی سے گزر گیا۔ پٹاخے بازی اور فائرنگ کو قادیانی جائز نہیں سمجھتے مگر اس دن بعض نوجوانوں نے ہوائی فائرنگ اور پٹاخے بازی کی اور گرفتار ہوئے۔ قادیانیوں کی تمام اہم عمارات پر لائٹوں کے ہار آویزاں تھے مگر انہیں روشن نہیں کیا گیا۔ کیونکہ انہیں روشن کرنے کی صورت میں سرکردہ قادیانیوں کی گرفتاری یقینی تھی۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کلمہ مہم کی آڑ میں قادیانی قائدین نے سینکڑوں غریب قادیانیوں کو گرفتار کرایا مگر جب ربوہ میں صد سالہ دیوالی کا موقع آیا اور یہاں چند گرفتاریوں کا اندیشہ ہوا تو لائٹنگ کا پروگرام ہی منسوخ کر دیا گیا۔ حالانکہ اب قوت ایمانی اور قادیانی غیرت کے اظہار کا موقع تھا۔ کیونکہ 23 مارچ 1989ء کی تاریخ سو سال بعد آئی تھی اور اب اس دن کے لیے قادیانیوں کو 23 مارچ 2089 تک انتظار کرنا ہوگا۔ 23 مارچ کو ربوہ شہر اس شعر کی تصویر بنا ہوا تھا:

جہاں میں آئی دیوالی بڑے چراغ جلے
ہمارے دل میں مگر تیرے غم کے داغ جلے

ہندوؤں کی دیوالی بڑی دھوم دھام سے ہوتی ہے۔ مگر قادیانی دیوالی کا اس سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ ہندوؤں کی دیوالی اور قادیانی دیوالی کا فرق ضرور بیان کیا جا سکتا ہے۔

اک وہ بھی دیوالی تھی اک یہ بھی دیوالی ہے
اجڑا ہوا گلشن ہے بھاگا ہوا مالی ہے

❁.....❁.....❁

تنویر قیصر شاہد

برطانیہ میں مرزا طاہر احمد کا نیا ''اسلام آباد''

19 دسمبر 1979ء ''گارجین'' (برطانوی روزنامہ) لکھتا ہے ''اس سال کے وسط میں جب بین الاقوامی شہرت یافتہ پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کو طبیعیات میں جوہر کو توڑنے کے نئے اور سستے طریقے دریافت کرنے پر شاک ہوم میں نوبل انعام کی نصف رقم سے نوازا گیا تو ان (عبدالسلام) کے روحانی پیشوا مرزا طاہر احمد کے کہنے پر عبدالسلام نے سویڈش اخبار نویس البرٹ لیلٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ''میں سب سے پہلے مرزا غلام احمد قادیانی کا غلام ہوں اور پھر پاکستانی۔'' اس کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی سیاہ اچکن، سفید پگڑی اور پاؤں کے خم دار کڑھائی دار جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''میرا یہ لباس مرزا صاحب (غلام احمد) کی مطابعت میں ہے۔''

یہی مرزا طاہر احمد، جسے قادیانیوں کا چوتھا خلیفہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور جس نے نوبل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام کو سائنس کے میدان میں مسلمان پر قادیانی کو ترجیح دینے کا مشورہ دیا، آج کل لندن سے 64 کلومیٹر دور جنوب میں واقع ایک خوبصورت، پرشکوہ اور جدید خطوط پر استوار بستی میں قیام پذیر ہے اور یہی اس کی سازشوں کا مرکز خیال کی جاتی ہے۔ ایکس ایکڑ پر واقع یہ جدید بستی جسے مرزا طاہر احمد نے ''اسلام آباد'' کا نام دے رکھا ہے، کو دنیا بھر میں بسنے والے قادیانیوں کے نزدیک ربوہ کے بعد دوسرا روحانی مرکز قرار دیتے ہیں۔ ٹل فورڈ کا یہ علاقہ جو کسی زمانے میں لکڑی کی بنی ہوئی بیرکوں پر مشتمل تھا اور جن میں نیوی کے نو آموز کیڈٹ رہائش رکھتے تھے، قادیانیوں کے سربراہ نے 1981ء میں چالیس کروڑ روپے میں خرید کر قادیانیوں کے لیے مختص کر دیا۔ مرزا طاہر احمد نے کھاتے پیتے قادیانیوں کو ترغیب دی کہ وہ اس علاقے میں مختصر قطعہ اراضی خرید کر رہائش اختیار کریں تاکہ یہاں زیادہ سے زیادہ قادیانی آباد ہو کر، کم از کم برطانیہ میں ایک بااثر طاقت کا موجب بن سکیں، جن کی آواز کو برطانوی باشندے اپنی آواز سمجھیں۔ اس منصوبے پر جلد ہی عمل ہونے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے ٹل فورڈ کا یہ علاقہ قادیانیوں سے بھرنے لگا۔ ٹل فورڈ میں قادیانیوں کا یہ مرکز ''اسلام آباد'' اسرائیلی یہودی دانشوروں کی جائے پناہ بھی بن گیا۔ کہا جاتا ہے آج کل مرزائیوں کے اس ''اسلام آباد'' میں 85 کے لگ بھگ یہودی دانشور بھی آباد ہیں، جنھیں

مرزا طاہر احمد کی خاص سفارش پر آباد کیا گیا کہ ان کا مرزا صاحب سے گہرا یارانہ بتایا جاتا ہے۔ قادیانی جنھیں بھٹو کے دور میں اقلیت یعنی غیر مسلم قرار دیا گیا، کھل کر اور ہر طرح کے خوف سے آزاد ہو کر ''اسلام آباد'' میں اسلام کے خلاف یہودی دانشوروں کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ملت اسلامیہ میں مکروہ اور مذموم سازشوں کا جال بچھانے اور انارکی پھیلانے میں مصروف عمل ہیں۔ مرزا طاہر احمد جو ضیاء الحق مرحوم کے دور میں، 1984ء میں، ملک دشمن سرگرمیوں سے پردہ اٹھنے پر اور اس خوف سے کہ مسلمانان عالم بالخصوص پاکستانی مسلمان اسے ان سرگرمیوں پر معاف نہیں کریں گے، یہ شخص نہایت خفیہ طریقے سے لندن فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ لندن پہنچنے کے تیسرے دن مرزا طاہر اسرائیل گیا جہاں اس نے بائیس دن قیام کیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہی دنوں میڈرڈ (سپین) میں چھ مسلمانوں کا بہیمانہ قتل بھی طاہر احمد کے ایماء پر ہوا کہ انھوں نے میڈرڈ کے معروف اخبار ''سپینش پیپل'' میں احمدیوں اور قادیانیوں کی اس سازش سے پردہ اٹھایا تھا جس میں قادیانی سادہ لوح مسلمانوں کو مالی اور سماجی مسائل میں الجھا کر ایمان کی دولت سے محروم کرنے کے کئی پروگراموں پر عمل پیرا تھے۔ (''جورڈن ٹائمز'' مئی 87ء)

ایشیا ویک جون 1990ء کے مطابق مرزا طاہر احمد جس نے 61 برس قبل مشرقی پنجاب کے ایک متوسط زمیندار گھرانے میں جنم لیا تھا، آج قادیانیوں ہی میں نہیں، دنیا کے ان اکتالیس امراء میں شمار ہوتا ہے جن کی دولت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ مرزا طاہر احمد نے جس گھر میں آنکھ کھولی، وہاں اس کے علاوہ اس کے 21 بہن بھائی بھی اس قلیل روٹی کو کھانے والے تھے جو سب کا پیٹ بھرنے سے قاصر تھی۔ اس کے باپ کی نو عدد بیویاں تھیں۔ جنھوں نے اپنے شوہر کو تیرہ بیٹے اور نو بیٹیاں دیں۔ مرزا طاہر احمد جو تعلیمی میدان میں درمیانے درجے کا طالب علم تھا، نے پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد لندن کے اورنٹیل سکولز اینڈ افریقن سٹڈیز میں داخلہ لیا جہاں وہ کئی برس زیر تعلیم رہا لیکن مسلسل ناکام ہوتا رہا۔ بالآخر تنگ آ کر انتظامیہ نے اسے اپنے ادارے سے نکال دیا۔ اس کے ہم جماعتوں کا کہنا ہے کہ اس کی تعلیم پر کم اور عورت اور شراب پر زیادہ توجہ رہتی تھی۔ لندن میں سوہو کا علاقہ جہاں شراب اور عصمت فروش عورتوں کی بھرمار ہے، طاہر صاحب کا پسندیدہ مرکز تھا۔ کئی برس بعد اس کے ایک کلاس فیلو جو آج کل ''وال سٹریٹ'' اخبار سے وابستہ ہے، نے اس سے انٹرویو کے دوران جب یہ پوچھا کہ تم زمانہ طالب علمی میں اتنی کثرت سے شراب کا استعمال کیوں کرتے تھے تو مرزا طاہر احمد نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا کہ اس لیے کہ یہ ہمارے جد اعلیٰ (مرزا غلام احمد قادیانی) کی سنت ہے اور میں اس سنت سے انحراف کیسے کر سکتا تھا! اکسٹھ سالہ مرزا طاہر احمد جس کی ڈاڑھی اور سر کے بال سیاہ خضاب کے استعمال سے جامنی رنگ کے ہو رہے ہیں، دنیا کی ہر نعمت اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہے، سوائے دین حنیف پر ایمان لانے کے! کسی زمانے میں وہ سکوائش کا اچھا کھلاڑی تھا اور پولو وہ پرنس آف ایڈنبرا کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ ان دنوں اس کی صحت قابل

رشک تھی مگر عورت اور شراب کی کثرت نے اس کا چہرہ ہی نہیں ،جسم بھی بگاڑ کر رکھ دیا۔ مرزا طاہر احمد جس کا کہنا ہے کہ مجھے نماز کے مقابلے میں باورچی خانے میں بیوی کے لیے کھانا پکانے میں زیادہ سرور ملتا ہے، آج کل راتوں کو لندن کے مضافات ویمبلڈن کے ایک پرشکوہ محل میں ٹہلتا نظر آتا ہے۔ اس نے کئی شادیاں کر رکھی ہیں جن کی اولادوں کی اولادیں بھی جوان ہو چکی ہیں لیکن ویمبلڈن کے محل میں رہائش پذیر آصفہ اس کی محبوب اہلیہ ہے جس کی تین بیٹیاں ہیں جن کی عمریں بارہ، اٹھارہ اور ستائیس سال کے درمیان ہیں، اس کی پوری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

لندن کے جنوب سے 64 کلومیٹر دور واقعہ ''اسلام آباد'' میں مرزا طاہر احمد سال کے سات مہینے جم کر بیٹھتا ہے۔ ہر جولائی، اگست میں یورپ میں آباد قادیانیوں کا سالانہ میلہ یہاں منعقد ہوتا ہے۔ گذشتہ سال اس میلے میں بیس ہزار قادیانیوں نے شرکت کی۔ یہ میلہ جسے قادیانی ''حج اصغر'' کا نام دیتے ہیں، فقط مرزا طاہر احمد کے چہرے کا دیدار کرنا ہے۔ ''اسلام آباد'' کی اس انگلستانی قادیانی ریاست میں دنیا کا سب سے جدید ترین پریس کام کرتا ہے جسے نیویارک کی ففتھ ایونیو کی تاجر برادری کے یہودی چیئرمین ڈیوڈ سلم نے مرزا طاہر احمد کی سالگرہ پر 1985ء میں تحفے میں دیا تھا۔ جسد ملت اسلامیہ کا یہ ناسور دنیا کا ہر وہ خطہ جہاں اسلام کی برتری کے کچھ آثار نظر آتے ہوں، وہاں اپنے ایجنٹ بھیجنا نہیں چھوڑتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مالی میں 1983ء میں جن تین ہزار ملاوی بدھوں نے اسلام قبول کیا تھا، ان میں نصف سے زائد کو دوبارہ بدھ بنانے میں طاہر کے ایجنٹوں نے مرکزی کردار ادا کیا۔ اکتوبر 83ء ''وال سٹریٹ'' کے نمائندے اور اپنے دوست کو انٹرویو دیتے ہوئے مرزا طاہر احمد نے کہا تھا ''ہمیں بھٹو نے اقلیت قرار دیا تو ساتھ ہی اس نے ہمیں یہ یقین بھی دلایا کہ یہ چند روز کی بات ہے، گرد بیٹھ جائے گی تو سارا معاملہ میں تم لوگوں کے حق ہی میں کروں گا...... لیکن بعدازاں پاکستان کے بعض ملاؤں جن کی رہنمائی مولانا مفتی محمود اور نیازی کر رہے تھے، نے بھٹو کو یہ موقع ہی نہ دیا کہ وہ ہمارا ساتھ دے، حالانکہ دل سے وہ ہمارے ساتھ تھا۔ پھر جب جولائی 77ء میں بھٹو کو زبردستی اقتدار سے محروم کر کے فوجی آمر ضیاء الحق برسراقتدار آیا تو ہماری ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ ضیاء الحق نے ہم پر سب سے زیادہ ظلم ڈھایا۔ اس نے ہمارے مسلمان کہلوانے کے حق کو بھی غصب کر لیا کہ اب ہم پاکستان میں مسلمان نہیں کہلا سکتے، نہ لکھ سکتے ہیں۔

مرزا طاہر احمد اس سلسلے کی چوتھی کڑی ہے جسے تخلیق کرنے میں متحدہ ہندوستان پر قابض برطانوی انگریزوں نے بڑی عرق ریزی اور محنت سے کام لیا تھا۔ قادیانی اپنی تخلیق کے دن سے عالم اسلام کو کمزور کرنے، اسے زک پہنچانے میں پیش پیش ہیں۔ مسلمان جدھر منہ کرتے ہیں، یہ ادھر کو پیٹھ کر لیتے ہیں۔ بدنام زمانہ مصنف سلمان رشدی نے ''شیطانی آیات'' (Satanic Verses) لکھی تو پوری دنیا کے مسلمانوں میں غصے کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی جو ابھی تک دبائی نہیں جا سکی۔ برطانوی مسلمانوں نے

سلمان رشدی کے خلاف زبردست جلوس نکالے، جلسے منعقد کیے اور اس دل آزار کتاب پر پابندی عائد کرانے کا ہر حربہ استعمال کیا۔ ایرانی رہنما آیت اللہ خمینی کے فتوے نے مسلمانوں کو اور بھی ہمت دلائی۔ عالم اسلام کے بچے بچے نے کتاب اور اس کے مصنف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کا عہد کر ڈالا لیکن یہ مرزا طاہر احمد ہی تھا جس نے سلمان رشدی کے حق میں بیان دیے، انٹرویو ریکارڈ کروائے اور کہا ''آیت اللہ خمینی کا یہ فتویٰ کہ سلمان رشدی کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، سراسر بے بنیاد اور غیر انسانی رویے کی دلیل ہے۔ یہ مسلمان جنونی (Fanatic) ہیں جو ہر بدلی ہوئی آواز کو دبا دینا چاہتے ہیں۔ رشدی کے مسئلے پر برطانوی مسلمانوں نے مظاہرے کر کے اپنے آپ کو ذلیل کروایا ہے۔ میں رشدی کو اپنا بھائی کہتا ہوں۔'' برطانوی مسلمانوں کے متفقہ لیڈر شیر اعظم، جنھوں نے سلمان رشدی کو روپوش ہونے پر مجبور کر دیا، کی تحریک پر تبصرہ کرتے ہوئے مرزا طاہر احمد نے یہ مکروہ بیان دیا ''شیر اعظم نے سلمان رشدی کے خلاف مسلمانوں کو ابھار کر مسلمانوں کو بھی ذلیل کیا ہے، خود بھی ذلیل ہوا ہے۔'' مرزا طاہر احمد کے اس مذموم بیان پر برطانوی مسلمانوں نے اپریل 90ء کو ویمبلڈن میں ایک زبردست احتجاجی مظاہرہ کیا اور طاہر احمد کو گرفتار کرنے کا مطالبہ کیا کہ وہ بھی سلمان رشدی کے کافرانہ عزائم میں برابر کا حصہ دار ہے۔

محمد متین خالد

قادیانیوں کے شیطانی کرتوت

خیر وشر، نور وظلمت، نور مصطفوی اور شرار بولہبی کی ابد سے ستیزہ کاری ہے۔ دنیا میں نیک اور صالح لوگوں کے ساتھ ساتھ دھوکہ بازوں، عیاروں اور جعلسازوں کی بھی کمی نہیں رہی۔ خیر کو دھوکہ دینے والے اور شر کے ہاتھ مضبوط کرنے والے کبھی کسی معاشرے میں پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھے گئے۔ ان کا شر، خباثت، بہیمیت اور حرص و آز انسانیت کے لیے زہر قاتل ہے...... لیکن مذہب کے نام پر دھوکہ دینے والے اس سے کہیں زیادہ قابل صد نفرین و مذمت ہیں۔ مذہبی عباؤں اور قباؤں کی آڑ میں کذب و افتراء کی گرم بازاری، بھیانک بدکاریوں کے ارتکاب اور فرعون و ہامان کی حکمرانی کے خواہاں یہ مذہبی بہروپیے چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی تمام سماجی اور اخلاقی برائیوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے، ان کی پوجا کریں، ان کی عقیدت کے بت بنا کر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں، ان پر اپنا تن من دھن نچھاور کریں...... زیر نظر مضمون مذہب کے نام پر دھوکہ دینے والے ایسے ہی ٹھگوں کے چہروں پر پڑی نام نہاد مقدس نقابیں اتارتا ہے، انھیں بے نقاب کرتا ہے، ان کے بھیانک چہروں کو ان کا عکس دکھاتا ہے۔ ناقابل یقین حقائق و واقعات اور ہوش ربا انکشافات و اکتشافات سے بھرپور اس مضمون میں جو کچھ درج ہے، وہ قابل یقین حد تک شرمناک ہے لیکن جو کچھ درج ہے، وہ شرمناک ہونے کے باوجود حقیقت ہے۔ آیئے! ملاحظہ فرمائیں۔

مثل مشہور ہے کہ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' اس کے مصداق مرزا قادیانی بچپن ہی سے ایک آوارہ مزاج، کھلنڈرہ، رنگین مزاج اور مذہب بیزار نوجوان تھا۔ اس کا بچپن بے شمار آلودگیوں سے لتھڑا پڑا تھا۔ شرارت، فساد، جھوٹ، گالی اور آوازے کسنا اس کے مشغلے تھے۔ اس کے بیٹے بشیر احمد ایم اے کے مطابق بچپن میں اسے سُندھی کہا جاتا۔ وہ چڑیاں پکڑتا اور پھر بڑی بے رحمی سے سرکنڈے کے ساتھ ان کے گلے کاٹتا (یعنی جس طرح سکھ مذہب کے لوگ جانوروں کا جھٹکا کرتے ہیں) اور پھر ان کا گوشت پکا کر بڑے شوق سے کھاتا۔ اکثر بغیر پوچھے اپنے دادا کی پنشن چوری چھپے وصول کر کے رقم عیاشی میں ضائع کر دیتا۔ وہ بٹیر بازی اور مرغ بازی کا دلدادہ تھا۔ اسی طرح وہ چشم نیم باز اپنے گھر کی چھت اور کھڑکیوں کی

اوٹ سے دوسرے گھروں میں جھانکتا، اس پر کئی دفعہ جھگڑا بھی ہوا۔ ایسے ہی شوق میں وہ ایک دن اپنے چوبارے کی کھڑکی سے گرا اور دایاں بازو ٹوٹ گیا اور یہ ہاتھ آخر عمر تک ٹھیک نہ ہوا۔ اس کے بیٹے بشیر احمد کی ایک روایت کے مطابق اس ہاتھ سے کھانے کا لقمہ تو منہ تک لے جا سکتا تھا مگر پانی کا گلاس یا چائے وغیرہ کا کپ منہ تک نہ اٹھا سکتا تھا۔ وہ گھر سے چینی چوری کر کے باہر دوستوں میں لے جاتا اور خود بھی کھاتا اور انھیں بھی کھلاتا۔ ایک دفعہ چوری چھپے ایک برتن میں سے سفید چینی سمجھ کر اپنی جیبوں میں بھر کر باہر لے گیا اور راستہ میں ایک مٹھی بھر کر منہ میں ڈال لی، اس کا دم رک گیا، بعد میں پتہ چلا کہ جسے اس نے چینی سمجھ کر جیبوں میں بھرا تھا، وہ چینی نہ تھی بلکہ پسا ہوا نمک تھا۔ وہ قادیان کے کچے اور گندے تالابوں میں تیرا کی کرتا۔ وہ اکثر و بیشتر جھوٹے موٹے منتر پڑھتا اور لوگوں کو پھونکیں مارتا جس سے لوگوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کرتا۔ رات کو ہاتھوں میں جگنو پکڑ کر اس کی روشنی سے لوگوں کو بے وقوف بناتا۔

مرزا قادیانی کی بدعملی اور آوارہ مزاجی کے نتیجہ میں اس کی شادی تقریباً 1850ء میں کر دی گئی۔ مرزا قادیانی کا نکاح اس کے سگے ماموں مرزا جمعیت بیگ کی بیٹی حرمت بی بی سے ہوا، جس سے دو بیٹے مرزا سلطان احمد اور مرزا فضل احمد پیدا ہوئے۔ یہ شادی بڑے دھوم دھڑکے اور پورے لوازمات کے ساتھ ہوئی۔

مرزا قادیانی کا والد اور بھائی اس سے بے حد متنفر تھے کیونکہ وہ کوئی کام نہ کرتا تھا۔ وہ اس کے مستقبل کے بارے میں بھی پریشان رہتے۔ خود مرزا قادیانی کا اعتراف ہے کہ میرا والد اکثر اوقات افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہتا کہ ''میرا ایک بچہ تو لائق ہے مگر دوسرا نالائق ہے۔ کوئی کام نہ اسے آتا ہے اور نہ وہ کرتا ہے، مجھے فکر ہے کہ میرے مرنے کے بعد یہ کھائے گا کہاں سے۔''

1857ء میں جنگ آزادی شروع ہوئی تو مرزا قادیانی کی قسمت بدل گئی۔ انگریز حکومت کو مسلمانوں کے خلاف مخبر اور غدار درکار تھے۔ اس سلسلہ میں مرزا قادیانی نے انھیں اپنی خدمات پیش کیں، اپنے خاندان کی پرانی خدمات کے نتیجے میں وہ انگریز حکومت کے نزدیک آ گیا۔ انگریزوں نے اس پر اپنی نوازشات کی بارش کر دی۔ اسی دوران مرزا قادیانی نے انگریز کی حمایت میں کتابیں لکھنی شروع کیں۔ خود مرزا قادیانی کا اقبالی بیان ہے کہ اس نے 17 برس تک سرکار انگریز کی اطاعت اور ہمدردی کے لیے لوگوں کو ترغیب دی اور جہاد کی ممانعت کے بارے میں مؤثر تقریریں کیں۔

اس جنگ میں میں مرزا قادیانی کے والد نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریز کو مدد دی۔ پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ جنگ کے وقت سرکار انگریز کی امداد میں دیے۔ مرزا قادیانی کا بیان ہے کہ ''اس نے اپنی عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزارا اور ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کیے کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔'' پھر مرزا قادیانی نے فتویٰ دیا کہ ''انگریز گورنمنٹ سے جہاد کرنا نہایت

حماقت ہے کیونکہ انگریز ہمارا محسن ہے اور محسن کی بدخواہی کرنا ایک حرامی اور بدکار آدمی کا کام ہے۔" پھر کہا کہ "اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ کی اطاعت کرنا اور دوسرے حکومت برطانیہ کی اطاعت۔"

مرزا قادیانی کی ان خدمات کے نتیجہ میں انگریز حکومت نے مرزا قادیانی اور ان کے خاندان پر اپنی نوازشات اور مراعات کی انتہا کر دی۔ مرزا قادیانی کے دن پھر گئے۔ دولت اور وسائل کی ریل پیل ہو گئی۔ بعدازاں اپنی عیاشیوں کے نتیجہ میں اس نے اپنی بیوی حرمت بی بی سے قطع تعلق کر لیا اور اسے میکے بٹھا دیا۔

دہلی میں اکثر لوگ اپنی اولاد کو اخلاق و آداب، اطوار و عادات، تہذیب و شائستگی اور آداب مجلسی سکھانے کے لیے اونچے درجے کی طوائفوں کے پاس بھجواتے، جہاں ان کے کوٹھوں پر انھیں زبان کے مزاج، گفتگو کی نزاکت اور ادب و شعر کی تعلیم بھی دی جاتی۔ طوائفوں کے آداب کو سند کا درجہ دیا جاتا تھا اور مشہور تھا کہ جس نے تہذیب سیکھنی ہو، وہ طوائفوں سے سیکھے۔

دہلی کے ایسے ہی ایک آزاد خیال گھرانے میں مرزا قادیانی کی دوسری شادی 17 نومبر 1884ء کو نصرت جہاں بیگم نامی ایک خاتون کے ساتھ ہوئی۔ اس وقت مرزا قادیانی کی عمر 45 سال اور نصرت جہاں بیگم کی عمر صرف 16 سال تھی۔ نصرت کے خاندان کے کئی معزز لوگ اس شادی کے خلاف تھے۔ وہ اس بات پر بھڑک اٹھے کہ دولت کی خاطر ایک نوخیز لڑکی کی ایک بوڑھے شخص کے ساتھ شادی کر دی گئی ہے۔ اس غصہ اور ناراضی کی وجہ سے انہوں نے نکاح کی تقریب میں شرکت نہ کی۔ بہرحال مخالفت کے باوجود مرزا قادیانی نصرت کو لے کر قادیان آ گیا۔

مرزا قادیانی کے بعض قدیم اور مخلص دوستوں نے بھی اس کی صحت اور بیماری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس شادی پر اظہار افسوس کیا اور خدشہ ظاہر کیا کہ کہیں حقوق زوجیت پورے نہ ہونے پر کوئی ابتلاء نہ پیش آ جائے۔ آخرکار وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ شادی تو ہو گئی مگر سبھی جانتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے لیے نہیں بنائے گئے تھے۔ خود نصرت جہاں کا بیان ہے کہ "سہاگ رات کو کچھ بھی نہیں ہوا، وہ میرے بستر پر آن لیٹے اور ہزار کوشش کے باوجود کچھ نہ ہونے پر شرمسار ہو کر ساری رات کروٹیں لیتے رہے۔" (سیرۃ المہدی جلد اوّل طبع 1923 از مرزا بشیر احمد ایم اے) یہ سنسنی خیز خبر کسی خادمہ نے پورے قادیان میں پھیلا دی۔ پھر کسی نہ کسی طرح مرزا قادیانی بھی اس سے آگاہ ہو گیا اور نصرت سے منت سماجت کرنے لگا کہ وہ اسے مزید بدنام نہ کرے۔

آزادی ایسی چیز ہے جو عورت کو بدچلن، بدقماش اور بدکردار بنا دیتی ہے۔ بہت زیادہ آزاد رویہ بھی عورت کو بدکردار بنا دیتا ہے۔ وطن سے دور، محبت میں ناکامی، بوڑھا خاوند اور خاوند کا کئی کئی دن گھر سے باہر رہنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو عورت کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر عورت

بے راہرو ہو جاتی ہے۔

دوسری شادی سے پہلے مرزا قادیانی کے کئی عورتوں سے ناجائز تعلقات تھے جن میں بھانو، عائشہ، زینب بیگم، مائی تابی، مائی کاکو، رسول بی بی، مائی فجو، اہلیہ بابو شاہ دین وغیرہ خاص طور پر شامل ہیں۔ ان غلط کاریوں کی وجہ سے اس کی صحت جواب دے گئی۔ خود مرزا قادیانی نے حکیم نورالدین کے نام ایک خط میں اعتراف کیا ہے: ''جب میں نے دوسری شادی کی تھی تو مدت تک مجھے یقین رہا کہ میں نامرد ہوں۔ مرا دل، دماغ اور جسم بے حد کمزور ہے۔ ذیابیطس، دوران سر، تشنج قلب اور دق کی بیماری بھی موجود ہے۔ اس وجہ سے میری حالت مردمی کالعدم ہے۔ اور پیرانہ سالی کے رنگ میں میری زندگی ہے۔'' پھر ایک اور خط میں مرزا قادیانی نے حکیم نورالدین کو لکھا ''وہ اس نازک مرحلہ میں اس کی مدد کرے۔ قوت باہ بڑھانے، منی کو غلیظ کرنے اور مباشرت کا وقت بڑھانے کی دوا تیار کر کے فوری بھجوائے تا کہ مزید شرمندگی سے بچا جا سکے۔'' چنانچہ حکیم نور الدین نے کئی ایک ممسک ادویہ بھجوائیں۔ ان ادویہ میں مشک عنبر، مروارید، سنکھیا، کشتہ اور افیون بھی شامل تھی۔ مرزا قادیانی کو ان ادویہ کے استعمال سے کچھ افاقہ ہوا مگر وہ مستقل طور پر مردانہ طاقت سے محروم ہو چکا تھا۔ بعد ازاں اس نے جنسی تحریک کے لیے افیون اور شراب ٹانک وائن کا استعمال شروع کر دیا۔ اس کے استعمال پر بھی اسے ناکامی ہوئی۔

ٹانک وائن کے متعلق مرزا بشیر الدین محمود کا کہنا ہے: ''اور ٹانک وائن کے متعلق دکان ای پلومر سے پوچھا گیا کہ چیست؟ تو جواب ملا: ٹانک وائن ایک قسم کی طاقتور اور نشہ دینے والی شراب ہے جو ولایت سے سر بند بوتلوں میں آتی ہے اس کی قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ہے۔''

اور دوسری گواہی بھی خود مرزا محمود کی مرزا قادیانی کے بارہ میں ہے۔ ''افیون دواؤں میں اس کثرت سے استعمال ہوتی ہے کہ حضرت مسیح موعود فرمایا کرتے تھے کہ بعض اطبا کے نزدیک وہ نصف طب ہے..... حضرت مسیح موعود نے تریاقِ الٰہی دوا خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا ایک بڑا جزو افیون تھا اور یہ دوا کسی قدر اور افیون کی زیادتی کے بعد حضرت خلیفہ اول (نورالدین) کو حضور (مرزا) چھ ماہ سے زائد تک دیتے رہے اور خود بھی وقتاً فوقتاً مختلف امراض کے دوروں کے وقت استعمال کرتے رہے۔''

(مضمون از مرزا بشیر الدین محمود مندرجہ اخبار الفضل، جلد 17 نمبر 6 مورخہ 19 جولائی 1929ء)

مرزا قادیانی کا رویہ نصرت جہاں بیگم سے بہت اچھا تھا۔ مگر وہ اس شدت اور حدت کے ساتھ اس کی جنسی خواہش کی تسکین نہیں کر سکتا تھا جو نصرت کے جوش شباب سے دہکتے بدن کا تقاضا تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے بدن کے مطالبے خود پورے کرنے کے لیے نکل کھڑی ہوئی۔ ایک بار اس کی سہیلی نے پوچھا، نصرت تم اپنی جوانی کی آگ کیسے بجھاتی ہو؟ اس نے جواب دیا۔ ہمارا گھر بہت شاندار ہے، دولت ہے، نوکر چاکر ہیں اور جہاں تک جوانی کی آگ کا تعلق ہے تو مجھے معلوم ہے اسے کیسے بجھانا ہے؟

مرزا قادیانی چند ماہ تک نئی نویلی دلہن کے ناز اٹھاتا رہا اور پھر حسب سابق عدالتی مقدمات، بیماریوں اور تصنیف وتحریر میں بری طرح الجھ گیا۔ یہ مصروفیات ایسی تھیں کہ ہر وقت بیوی کی نگرانی نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں نصرت جو گل کھلا رہی تھی، اس کی ''مہکار'' سے سب باخبر تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مرزا قادیانی بھی اپنی بیوی کی جنسی معرکہ آرائیوں سے بخوبی آگاہ تھا لیکن اس نے مصلحت کے تحت اپنی آنکھیں اور کان پوری طرح بند کر لیے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بار بیرون شہر سفر سے واپسی پر جب اسے بتایا گیا کہ بیگم صاحبہ، حکیم نورالدین کے ہمراہ بھیرہ گئی ہیں تو اس پر بھی وہ مشتعل نہ ہوا۔ نصرت کئی راتیں حکیم صاحب کے ساتھ بسر کر کے قادیان واپس آئی تو مرزا قادیانی کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ بنیادی طور پر وہ سرد مزاج شخص تھا جبکہ نصرت اپنی پہاڑی ندی کی طرح تند اور پرشور جنسی خواہشات کے دھارے میں دور تک بہہ جانا چاہتی تھی۔ اس کی جنسی بھوک نئے سے نئے دسترخواں کی طلب گار رہتی تھی۔ اس نئے تعلق نے اسے بے پناہ جنسی سرشاری اور تسکین بخشی۔ وہ زمین پر چلتی تھی لیکن معلوم یہی ہوتا تھا جیسے ہواؤں میں اڑ رہی ہو۔ حکیم نورالدین کی گرم رفاقت کے حصول کے بعد وہ اس قدر خوش تھی کہ کئی کئی سال اپنے میکے دہلی نہ جاتی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جب مرزا محمود پیدا ہوا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ غیر معمولی طور پر حکیم نورالدین سے مشابہت رکھتا ہے۔ مرزا قادیانی یہ سب کچھ پہلے سے ہی جانتا تھا مگر خاموش رہا جبکہ عافیت بھی اسی میں تھی۔ منہ زور بیوی کی بے لگام جنسی ضرورتوں کو آخر اور کون پورا کرتا؟

مرزا قادیانی کی عبرتناک موت کے موقع پر نصرت جہاں بیگم اگرچہ اپنی عمر کے چالیس سال گزار چکی تھی مگر اس کے حسن کا نشہ اب بھی پرانی شراب کی طرح پہلے سے کہیں زیادہ شدت کا حامل تھا۔ نگاہوں کے تیر اب بھی اتنے تیز تھے کہ جسے دیکھے، وہ اس کے قدموں میں لوٹنے لگے۔ تراشے ہوئے خدوخال کی حشر ناکی، نسوانی کشش کا جوبن اور نازک بدن کے نشیب و فراز بیتے وقت کی بے بسی پر قہقہے لگاتے ہوئے اس سچائی کے شاہد تھے کہ اس کے دامن میں اب بھی دلربائی کی ہزار قیامتیں مخفی ہیں۔ وہ ناز و ادا کے ایسے اسلحہ خانہ کی مانند تھی جس کا کوئی بھی ہتھیار کند نہ ہوا تھا۔

قادیانی راسپوٹین......خلیفہ ثانی یا خلیفہ زانی

قادیانی جماعت میں مرزا بشیرالدین محمود کی حیثیت ایک جنسی دیو کی ہے۔ پیدائش کے وقت اگر بچے اپنے ساتھ کچھ لے کر پیدا ہوتے ہیں تو مرزا محمود بلاشبہ جنسی بھوک لے کر پیدا ہوا تھا۔ جنس کی دنیا میں اس کی شہرت ''راسپوٹین'' سے کم نہیں۔

مرزا محمود نے تقریباً 52 سال قادیانیوں پر حکومت کی لیکن یہ پورا دور وحشت، سفاکی، حرام کاری، لذت پرستی، اخلاق باختگی کے باعث انتہائی سیاہ اور شرمناک قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس نے اخلاقی اقدار کو

منوں مٹی تلے دفن کر دیا تھا۔ اس کی جنسی زندگی کی تفصیلات اتنی شرمناک ہیں کہ خدا کی پناہ! اندھی طاقت، بے پایاں اختیارات اور جنسی لذتوں کا شائق۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں پر شیطان بھی آبدیدہ ہو گیا ہوگا۔

بچپن ہی سے قادیان کے ہر فرد کی زبان پر اس کی گمراہی اور شہوانی بھوک کی داستانیں تھیں۔ حکیم نور الدین سمیت کئی دوسرے سرکردہ قادیانی مرزا محمود کی اخلاقی کمزوریوں سے بخوبی واقف تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں اس نے اپنے باپ کے مخلص ساتھی ظہور الدین اکمل کی بیٹی (جو شوخی و شرارت میں اپنا کوئی ثانی نہ رکھتی تھی) کے ساتھ مسجد مبارک کی چھت پر منہ کالا کیا اور ایک دن رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ مرزا قادیانی کے کئی پیروکار اپنی نجی محفلوں میں دبے لفظوں اس واقعہ کا تذکرہ کرتے اور دوسروں سے منہ چھپاتے پھرتے' بعدازاں قادیان میں ہر جگہ اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا۔ مرزا قادیانی کو بھی اس واقعہ کا علم تھا۔ اپنی وحی کی بناء پر اس مسئلہ کو حل کرنے کے بجائے اس نے زنا کاری کے اس واقعہ کی تحقیقات کے لیے قادیانی اکابر پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیشن قائم کر دیا جو حکیم نور الدین، مولوی محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین اور مولوی شیر علی پر مشتمل تھا۔ نصرف جہاں بیگم نے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ لگا لیا تھا۔ اس نے حکیم نور الدین کی منت سماجت کرتے ہوئے اس معاملہ کو احسن طریقے سے نمٹانے کے لیے کہا۔ حکیم نور الدین نصرت جہاں بیگم کی کوئی بات نہ ٹال سکتا تھا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے ایک گواہ خریدا اور دوسرے گواہوں پر اثر انداز ہو کر انہیں توڑ لیا۔ چنانچہ زنا کی شہادت کے لیے ضروری چار گواہوں کی عدم فراہمی کی وجہ سے معاملہ ٹھپ کر دیا گیا۔

ان حالات میں مرزا قادیانی نے مرزا محمود کی آوارگی کا ایک روایتی حل یہ نکالا کہ اس کی شادی کر دی۔ 13 سال کی عمر میں اس کی پہلی شادی رشید الدین کی بیٹی محمودہ سے اکتوبر 1902ء میں ہوئی۔ رشید الدین مرزا قادیانی کے 313 خاص چیلوں میں سے تھا جبکہ محمودہ نہایت گھٹیا درجے اور شیطانی طبیعت کی عورت تھی جو ہمہ وقت غرور و نخوت سے بھری ہوتی تھی۔ بہت زیادہ کھاتی جس کے نتیجہ میں موٹاپے کا شکار ہو گئی۔ وہ انتہائی موٹی اور فربہ اندام عورت تھی۔ اس کی ٹھوڑی کے نیچے بہت سارا گوشت لٹکتا رہتا تھا۔ آواز میں مردانہ پن آ گیا تھا۔ آخری عمر میں اس کے چہرے پر برص کے نشان نکل آئے تھے۔ مرزا محمود نے سات عورتوں سے باقاعدہ نکاح کیا۔ وہ ہر رات دو یا اکثر و بیشتر تین عورتوں، جن میں غیر محرم عورتیں بھی شامل ہوتیں، کے ساتھ سوتا۔ ان مشاغل نے اسے 25 سے زائد بیٹوں اور بیٹیوں کا تحفہ دیا، جو ایک ریکارڈ ہے۔

مرزا محمود سب سے بڑھ کر رنگین مزاج شخصیت کا مالک تھا۔ اس کی داستان کو کسی دلچسپ جنسی ناول کی طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ وہ زنا کرتے وقت اپنی جنسی بھوک کو مزید اشتہا دینے کے لیے جنسی طاقت دینے والی ادویات کھاتا جن میں نشہ آور اشیاء ہوتی تھیں۔ ایستادگی کے وقت کو بڑھانے کے لیے وہ اپنے عضو تناسل پر سونے، چاندی یا ربڑ کا چھلا چڑھاتا جو عضو کے آخری حصے کو مضبوطی سے گرفت کر لیتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی وہ کئی ایک آلات اور طریقے استعمال کرتا۔ اپنے والد کی طرح وہ بھی افیون استعمال کرتا۔ افیون شہوانی قوت میں اضافہ اور جنسی بھوک کو ہوا دیتی ہے۔ بعض اوقات افیون جنسی بھوک کو اتنا بھڑکا دیتی ہے کہ نارمل طریقوں سے اسے آسودہ نہیں کیا جا سکتا۔

مرزا محمود کے زرعی فارم واقع احمد نگر میں دیسی مرغوں کی خاص انداز میں افزائش اور پرورش ہوتی۔ انھیں خاص طور پر بادام، دودھ، فروٹ، خشک میوہ جات اور دیگر مقوی اشیاء کھلائی جاتیں۔ جب مرغا اپنے جوبن پر ہوتا تو اسے ذبح کر کے اچھی طرح کھال اتار کر، صفائی وغیرہ کر کے اس کے پیٹ میں ایک گولڈن سیب رکھ کر دیسی گھی میں اس کی یخنی تیار کی جاتی۔ مرزا محمود بطور خاص اس یخنی کو استعمال کرتا جو قوت باہ اور مباشرت کے لیے نہایت کارآمد اور مفید ہے۔ اس کے علاوہ بٹیر، مرغابی، تیتر، جنگلی کبوتر، ہرن اور خصوصاً خرگوش کا گوشت کھاتا۔ مزید وہ شہوت افروز دوائیں استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ ننگی تصویروں والی کتابیں دیکھتا اور فرانس کے شاہی خاندان کی جنسی زندگی کے حالات پر مشتمل کتابیں پڑھتا تاکہ اس کے تخیل اور جسم دونوں کو تحریک ملے۔ یہ تدبیر کارگر رہی اور وہ عورتوں کے ایک خاص حلقہ میں اپنی مردانگی کے حوالے سے ''راسپوٹین'' کی طرح خاصا مشہور ہو گیا۔

بدکردار، سیاہ کار اور فسق و فجور کی دلدل میں گردن تک ڈوبا ہوا یہ ابلیسی صفات رکھنے والا خلیفہ جس عورت یا مرد کے ساتھ چاہتا، ہم بستری کرتا کیونکہ اس کی جنسی خواہش، گمراہی کا کوئی ایک خاص پہلو نہیں رکھتی تھی بلکہ ہمہ گیر تھی۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کی عیش پسندی تھی۔ وہ اس حد تک بدنام تھا کہ اس کے دوست، مبلغین جماعت، رشتہ دار اور جاننے والے بھی اس سے اپنی بیویوں اور بیٹیوں کو چھپاتے تھے۔ وہ بچپن میں ہی لہو و لعب کا عادی ہو گیا تھا اور اس کی شکار عورتوں کی تعداد کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔ اس نے اتنی عورتوں اور ایسی عورتوں سے تعلقات رکھے کہ لوگ بھی حیران رہ گئے۔ اس فہرست میں نوخیز لڑکیوں سے لے کر ادھیڑ عمر عورتیں تک شامل ہیں۔ وہ اخلاقی قدروں کا سرے سے قائل نہیں تھا۔ عورت اس کے نزدیک عورت تھی۔ اسے قطعی غرض نہ ہوتی تھی کہ وہ کسی کی بیوی، بہن، بیٹی اور ماں ہے۔ دوستوں کی بیویوں سے کھلے بندوں عشق کے پیچ لڑاتا، حتیٰ کہ اس کے اپنے سگے بھائی بشیر احمد ایم اے کی بیوی سرور سلطانہ سے بھی ناجائز تعلقات تھے۔ اس گھناؤنے کھیل میں اس نے بہت سارے ایسے لوگوں کی بھی دشمنی مول لے لی، جن کی دوستی کی اسے اشد ضرورت تھی۔ جنسی ہوس کے کھیل میں وہ حماقت کی حد تک اندھا ہو جاتا تھا۔

مرزا محمود شیطانی منصوبہ بناتے وقت برف ہو جاتا اور اس پر عمل درآمد کرتے وقت سراپا آگ بن جاتا۔ اصول اور اخلاق اس کے نزدیک اضافی اشیاء تھیں، جس کے نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا۔ صالح نور راوی ہیں کہ ''مرزا محمود پر جنسی غلبے کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی جنسی آگ بجھانے کے لیے لجنہ کی

خوبصورت، نوخیز اور کم عمر لڑکیوں سے نہایت وحشیانہ انداز میں مباشرت کرتا۔ وہ ان لڑکیوں کے جسم پر شراب ڈال کر اپنی زبان سے چاٹتا اور پھر ان کی اندام نہانی میں انگور ڈال کر چمچ سے نکال کر کھاتا اور شیطانی قہقہے لگاتا۔"

اس نے اپنے عشرت کدے کی دیواروں پر آئینے لگوا لیے تھے تاکہ اپنی جنسی مہمات (Love baules) کو ہر طرف سے دیکھ سکے۔ اپنے "خاص بستر" پر سمور بچھاتا تھا تاکہ جنسی عمل کے دوران اس کے گھٹنے سختی کی وجہ سے کوئی دشواری پیدا نہ کریں۔ وہ اکثر اپنے گھر لجنہ کی خوبصورت لڑکیوں کو بلاتا اور انھیں "اطاعت" کے نام پر بے لباس ہونے کا حکم دیتا اور پھر خود بھی کپڑے اتار دیتا اور دل کھول کر عیاشی کرتا۔ اس نے جنسی عمل کے کچھ نئے طریقے بھی دریافت کیے تھے۔ اس کی جنس پرستی کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی شخص کسی مہ جبیں کا ذکر کرتا تو اس کی رال ٹپکنے لگتی۔ ایسے میں اس کی بے صبری و بے قراری بہت غیر معمولی ہوا کرتی اور پھر جب تک وہ لڑکی حاصل نہ ہوتی، اسے چین نہ آتا۔

مرزا محمود کی فیملی کے سابق اتالیق جناب مرزا محمد حسین، مرزا محمود کے نجی کمرے کا احوال یوں بیان کرتے ہیں۔

"مرزا محمود کا نہایت عالی شان کمرہ تھا جس میں وہ اختلاط کی محفل سجاتا۔ اس کمرے میں ایک طرف پڑا ہوا پردہ اٹھایا جاتا تو اس کے سامنے ایک دروازہ آتا، جس میں ایک گول شیشہ لگا ہوا ہوتا تھا۔ وہ اس شیشے کے ذریعے دوسری طرف واقع ایک چھوٹے لیکن زیبائش و آرائش سے مزین ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی ملاقاتی لڑکیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ لڑکیاں نہایت دیدہ زیب لباس پہنے صوفوں پر بیٹھی رہتیں۔ یہ لڑکیاں بھی خوب بن سنور کے آتیں۔ ان کی قمیضوں کے گلے کافی کھلے ہوتے تھے جس سے ان کی چھاتیاں جھانکتی تھیں۔ ان کے بال بڑے دلکش انداز میں سنوارے ہوتے۔ مرزا محمود کو جو لڑکی پسند آتی، وہ اس کی نشاندہی کر دیتا، وہی خاتون اس کی بارگاہ نیاز میں پیش کی جاتی اور پھر وہ اس سے لطف اندوز ہوتا۔ اس کی محفل میں ایسے ایسے شرمناک مناظر دیکھے جا سکتے تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔"

مرزا محمد حسین کا کہنا ہے کہ "ایک رات مرزا محمود کے گھر میں بدمستی سے بھرپور ایک تقریب تھی۔ حقیقتاً محفل میں شریک ہر مرد و زن نشے میں بری طرح بدمست تھا۔ وہاں نغموں کی جھنکار، جام و مینا کی کھنک، ہنسنے، کھیلنے، مچلنے اور دل ہلا دینے والے قہقہے سنائی دے رہے تھے، مجھ پر تو اس محفل نے لرزہ طاری کر دیا تھا۔ میں نے خود دیکھا کہ صاحبزادی مبارکہ بیگم مرزا محمود کی گردن کے گرد اپنے بازو حمائل کیے ہوئے، اپنی ابھرتی ہوئی سخت چھاتیوں سے اس کے سینے کو دبائے ہوئے گلے مل رہی تھی۔ میں نے دروازے پر کھڑی مرزا محمود کی صاحبزادی امتہ المتین سے پوچھا کہ یہ ہنگامہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا کہ "حضور کی سالگرہ ہے۔"

مرزا محمد حسین کا مزید کہنا ہے کہ مرزا محمود اپنی تمام بیٹیوں کے ساتھ جنسی تعلقات رکھتا تھا، اور کوئی رشتہ، مجامعت میں حائل نہ ہوتا۔ ایک دفعہ اس نے اپنی بارہ سالہ نوعمر لڑکی ''امتہ الرشید'' کو اپنی جنسی بدخصلتی کا نشانہ بنایا۔ باپ اور بیٹی کے عظیم اور مقدس رشتے کو ایک شہوانی طوفان کی نذر کر دیا گیا۔ وہ خود بھی جانتا تھا کہ یہ کتنا گھٹیا فعل ہے۔ مگر امتہ الرشید سے جنسی ہوس نے اسے جس کیف و نشاط سے ہمکنار کیا تھا، بعد میں وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔

جنسی بے اعتدالی کے حوالے سے مرزا محمود ایک بھیڑیا بن چکا تھا۔ اس شخص نے طاقت اور مذہب کو اس ڈھنگ سے استعمال کیا کہ اس کے وحشیانہ اقدامات سے ہر شخص شدید خوف و ہراس میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر کوئی شخص قادیانیت سے بغاوت کرتا تو موت کو اپنے سامنے پاتا۔ اس طرح اسے قادیانیت کا ایک لیجنڈ (Black Legend) بھی کہا جاتا۔ وہ خدا کی دھرتی پر شیطان کے وجود کی زندہ دلیل تھا۔ اس کی جنسی زندگی اس کی مکروہ شخصیت کی بھرپور عکاس ہے۔ لوگ سوچتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ شیطان، مرزا محمود سے زیادہ برا تو نہیں ہے۔ وہ شیطان سے بڑھ کر شیطان تھا۔ قادیانیت کی تاریخ میں اس جیسا شریر، بدقماش اور بدذات کوئی دوسرا شخص نہیں ملتا۔

مرزا محمود ہر اعتبار سے ایک تندخو اور گرم مزاج انسان تھا۔ وہ کسی کی اطاعت کرنے یا تنقید برداشت کرنے اور کسی کی نصیحت ماننے کا قائل نہ تھا۔ کوئی نہیں تھا جو اسے قابو کرتا یا اسے کسی کا تابع بناتا۔ مرزا قادیانی نے مرزا محمود کے لیے کئی اتالیق مقرر کیے مگر وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا، وہ کسی سے مشورہ نہ کرتا بلکہ تمام فیصلے خود کرتا تھا۔ کسی میں اتنی جرأت نہ ہوتی کہ اسے کچھ نصیحت یا سمجھا سکے۔

اس کی بیوی بشریٰ مہر آپا نے اسے عیاشی سے باز رکھنے کے لیے جادو ٹونے کے ذریعے اسے اپنی محبت کا اسیر رکھنے اور دوسری عورتوں سے متنفر رکھنے کی کوشش کی۔ مرزا محمود کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اس نے بشریٰ پر بے حد تشدد کیا اور بدلہ کے طور پر اس کی اندام نہانی نکلوا دی۔ یہ واقعہ مرزا محمود کی بے رحمی اور سنگدلی کو عیاں کرتا ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ وہ کیونکر زندہ رہا۔ اس کے کسی غیرت مند حریف نے دن دیہاڑے یا رات کی تاریکی میں اسے قتل کیوں نہیں کیا؟ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ قادیانی معاشرہ غیرت و حمیت سے محروم ہو چکا ہے۔ حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جب لڑکیوں کے والدین کو معلوم ہوتا کہ ان کی بیٹی نے مرزا بشیر الدین محمود سے ''جنسی فیض'' حاصل کیا ہے تو وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے اور اپنی قسمت پر ناز کرتے۔

مرزا محمود خلیفہ کے روپ میں ایک مقدس حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ قادیانی اس کی بھگوان کی طرح پوجا کرتے ہیں۔ عورتیں اس کی بارگاہ میں برکتیں حاصل کرنے کے لیے جاتیں۔ وہ عورتیں جن کے اولاد نہ ہوتی تھی، وہ مرزا محمود کے ہاں ''فیض'' حاصل کرنے جاتیں۔ مرزا محمود ان کی مجبوریوں کا پورا فائدہ اٹھاتا۔

وہ اپنا ہاتھ ان کے پستانوں پر رکھتا اور منہ سے کوئی عمل پڑھتا۔ اور کچھ دیر بعد کوئی ردعمل نہ ہونے پر اس کا شیطانی حوصلہ بڑھتا اور پھر وہ اپنا ہاتھ عورت کے جنسی عضو میں داخل کرتا اور آنکھیں بند کر کے منہ سے کچھ پڑھتا جاتا۔ بانجھ مرد بھی اس کے پاس آتے، وہ انھیں برہنہ کر کے کھڑا کر دیتا اور پھر اس کے گرد چکر لگاتا، اس عمل کے پس پردہ ان لوگوں کو نفسیاتی طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنانا ہوتا تھا اور پھر انھیں وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کرتا۔

دسمبر **1980**ء میں ماہنامہ ''سویرا'' لاہور میں لجنہ کی سابق صدر اور ماہنامہ مصباح کی ایڈیٹر امتہ الرشید شوکت کی دلچسپ اور ہوش رُبا آپ بیتی شائع ہوئی ہے، وہ لکھتی ہیں۔

''**1952**ء میں جب میں قادیانی رسالہ مصباح کی ایڈیٹر تھی تو خلیفہ مرزا محمود احمد کے گھر میرا آنا جانا شروع ہوگیا۔ اس کی بیوی بشریٰ نے میاں صاحب کی غیر موجودگی میں مجھے اپنے گھر مدعو کرنا شروع کر دیا۔ وہ میری گہری سہیلی بن گئی۔ ایک دن اس نے میرے ساتھ ہم جنسی کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں خوف اور احترام کے ملے جلے جذبات کے تحت انکار نہ کر سکی۔ پھر رفتہ رفتہ میرا خوف اترتا رہا اور ہم دونوں بغیر کسی حجاب کے ان سرگرمیوں میں جوش و خروش سے حصہ لینے لگے۔ اس کے بعد ربوہ میں ہونے والے خواتین کے پروگراموں اور سماجی تقریبات میں مجھ سے ترجیحی اور خصوصی سلوک ہونے لگا کیونکہ خلیفہ صاحب کی بیگم مجھ سے بہت خوش تھی۔ اس طرح ہم آپس میں بہت اچھی اور بے تکلف دوست بن گئیں۔ لیکن ایک دفعہ میں بے حد پریشان ہوئی جب میں بشریٰ کو ملنے کے لیے گئی تو گھر میں مرزا محمود کے سوا اور کوئی فرد نظر نہیں آیا۔ میں نے میاں صاحب سے بشریٰ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ وہ آج صبح ہی ایک ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور گئی ہیں۔ وہ آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا گئی ہیں۔ آج ان کی ڈیوٹی میں سرانجام دوں گا۔ میں خوف سے لرز گئی اور سردی کے باوجود پسینے میں شرابور ہوگئی۔ اسی اثناء میں انھوں نے اپنے بازو میری کمر سے حمائل کیے اور اندر تزئین و آرائش سے آراستہ ایک کمرے میں لے گئے۔ میرے لیے خاص شربت لائے اور کہا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آپ کی کارکردگی اور سرگرمیوں سے بہت خوش ہوں۔ پھر کہا: ''رات مجھے رؤیا میں دکھایا گیا کہ میں اور آپ ایک ہی پیالہ سے دودھ پی رہے ہیں۔'' پھر انھوں نے میرے پستانوں کو چھوا۔ مجھے سینے سے لگایا اور کلائی پکڑ کر بستر پر لے جانے لگے تو میرے دل سے نفرت کا لاوا پھوٹنے لگا۔ مجھے خود سے بھی نفرت ہونے لگی۔ اس کے بعد انھوں نے میرا منہ اپنے ہاتھوں میں لے کر میرا بوسہ لیا اور اپنے ہونٹ میرے ہونٹوں پر رکھ کر اس پر زبان پھیرنے لگے۔ وہ نشے میں دھت تھے۔ انھوں نے تیزی سے میری چھاتی اپنے سینے سے لگائی اور ایک ہاتھ سے میرے کپڑے اتارنے لگے۔ پھر انھوں نے میرے پورے جسم کو دبانا اور مروڑنا شروع کر دیا۔ میں روئی، چیخی اور انھیں بتایا کہ میں ایسی عورت نہیں ہوں، مجھے اذیت نہ دیں، مجھے شدید درد ہو رہا ہے۔ مگر انھوں نے

ایک نہ سنی بلکہ کہا کہ ذرا برداشت کرو۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں اتنا نوازوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتی۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں سب کچھ لٹا چکی تھی۔ اس کے بعد میرے دل میں ان کے لیے عقیدت واحترام کے تمام بت پاش پاش ہو گئے۔ ان کا مکروہ چہرہ اور بھی زیادہ مکروہ لگنے لگا۔ مگر میں کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ بھوک سے بھی نڈھال ہو رہی تھی، اس لیے مزاحمت کے قابل نہ تھی، چنانچہ میں تقریباً بے ہوش ہو گئی۔ جب مجھے ہوش آیا تو ایک خادمہ نے مجھے پانی پلایا۔ میرے صدمے اور مایوسی کی کوئی حد نہ رہی جب مجھے خادمہ نے بتایا کہ خلیفہ صاحب کا حکم ہے کہ آپ آئندہ یہاں نہ آیا کریں۔ مجھے اپنے جسم بالخصوص شرمگاہ پر دانتوں کے کاٹنے کی تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ میں ندامت اور شرمندگی کے بے پایاں احساس کے ساتھ گھر واپس آئی تو میرے اہل خانہ میری قسمت پر ناز کرنے لگے کہ مجھے خلیفہ صاحب کے گھر جانے کی عام اجازت ہے اور یہ اعزاز بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہے۔ میرے لیے ایک اور مصیبت اس وقت سامنے آ کھڑی ہوئی جب چند ہفتوں بعد متلی سے میری طبیعت سخت خراب ہونے پر میں نے لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ مختصر معائنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے انکشاف کیا کہ میں حاملہ ہوں۔ اس واقعہ سے مجھ پر آج تک ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں۔ میں زندگی میں ایک زبردست خلا محسوس کرتی ہوں اور کبھی کبھی خود کو بے لنگر جہاز سمجھتی ہوں۔''

مرزا محمود کی بدکاریوں کے بارے میں عبدالرحمٰن مصری قادیانی، مستری عبدالکریم قادیانی، حکیم عبدالعزیز قادیانی، محمد علی ایم اے امیر لاہوری جماعت، عمرالدین شملوی، راحت ملک، مسماۃ سلمٰی ابوبکر اور دیگر بے شمار مرزائی لڑکوں، لڑکیوں اور مردوں عورتوں نے جو حلفاً گواہیاں دی ہیں، وہ قادیانی تاریخ کا شرمناک اور بھیانک باب ہے۔

خان احمد دین خان قادیانی کی مرزائی بہو نے مرزا بشیرالدین محمود پر اپنی عصمت دری کا الزام لگاتے ہوئے کہا تھا کہ ''وہ انتہائی خبیث، بدتمیز، بدقماش، سیاہ کار اور بدکردار ہے کہ اس کی گھٹیا حرکتوں سے انسانی تاریخ وتمدن کی پوری تاریخ کا سر جھک گیا۔ اس نے میرے ساتھ زبردستی زنا کیا اور کہا کہ خلیفہ ہر عورت کے ساتھ جنسی عمل کرنے کا مکمل حق رکھتا ہے کیونکہ یہ سلسلہ کی ترقی وکامیابی کے لیے ضروری ہے۔''

مرزا محمود جنسی بدکاریوں میں بہت زیادہ ملوث رہا۔ دنیا کی کوئی ایسی برائی نہیں تھی جو اس میں موجود نہ تھی۔ کثرت گناہ کی وجہ سے وہ بدترین فالج اور دوسری بیماریوں کا شکار ہو گیا تھا۔ معالجین اسے بے پناہ عیاشی کی الوہی سزا تصور کرتے تھے۔ آخری سالوں میں وہ اپنے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو اس حالت میں اپنے مریدوں کے سامنے آنے سے شرم محسوس کرتا۔ آخر کار 1965ء میں نہایت عبرتناک موت سے دوچار ہوا۔

پروفیسر چوہدری غلام رسول چیمہ نہایت علمی و ادبی شخصیت کے مالک ہیں۔ وہ ایک عرصہ تک گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر کی حیثیت سے پڑھاتے رہے۔ مختلف موضوعات پر ان کی کئی ایک کتب شائع ہو کر ہر خاص و عام سے داد تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان کی ایک شہرۂ آفاق کتاب ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ وہ آج کل اردو بازار لاہور میں ''مکتبہ دانشوراں'' کے نام سے کتابوں کی اشاعت کا کام کرتے ہیں۔ چوہدری غلام رسول صاحب پیدائشی قادیانی تھے۔ انہوں نے اس دلدل میں ایک عمر گذاری جہاں انہوں نے قادیانی قیادت کی رنگینیاں اور سنگینیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں تو ششدر رہ گئے۔ وہ بعض اہم اور ناقابل یقین واقعات کے عینی شاہد ہیں۔ ان کے دل و دماغ میں قادیانی قیادت کے بت جو انہوں نے بڑی عقیدت و احترام سے بنائے اور سجائے تھے، دفعتاً پاش پاش ہو گئے۔ انہوں نے ان مذموم اور مکروہ سرگرمیوں کے خلاف آواز احتجاج بلند کی تو قادیانی جماعت سے ان کا اخراج کر کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا۔

راقم کے ساتھ ایک ملاقات میں چوہدری غلام رسول صاحب نے بتایا کہ قادیانی خلیفہ مرزا محمود نہایت عیاش اور بدکار آدمی تھا۔ اس کے ہاں مقدس رشتوں کے احترام اور پہچان کی سوچ سلب ہو چکی تھی۔ اسے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ایسے نازک اور حساس رشتوں کی کوئی تمیز نہ تھی۔ انہوں نے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مرزا محمود کے اپنی سگی بہن مبارکہ بیگم سے ناجائز تعلقات تھے۔ وہ دونوں گھنٹوں ایک دوسرے کو جنسی طور پر سراب کرتے اور وصل حبیب کا لطف اٹھاتے۔ چوہدری صاحب نے کہا کہ مرزا محمود اکثر مبارکہ کو چھیڑتے ہوئے گنگناتا:

مانگوں گا بار بار میں، تو بار بار دے

بعد ازاں مرزا محمود نے مبارکہ بیگم کی خواہش پر اس مصرعے کو بنیاد بنا کر ایک نظم بھی لکھی جو ایک دفعہ قادیانی سالانہ جلسہ دسمبر 1945ء میں پڑھی گئی جہاں سادہ لوح قادیانی نظم کے ہر مصرعے پر بغیر سمجھے بے تحاشا داد دیتے جبکہ مبارکہ بیگم خواتین کے پنڈال میں بیٹھی قادیانیوں کی بیوقوفی پر قہقہے لگاتی۔

چوہدری غلام رسول چیمہ صاحب نے مرزا محمود کے پرائیویٹ سیکرٹری چوہدری مشتاق احمد باجوہ کے حوالے سے انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ صاحبزادی مبارکہ بیگم بہت ہی تیز طرار اور عیار عورت تھی۔ وہ اکثر بے ہودہ اور ننگی انگریزی فلمیں اور رسالے Play Boy وغیرہ منگواتی اور بڑے شوق سے دیکھتی۔ ایک دفعہ مبارکہ گھر میں اکیلی نہایت گندے اور عریاں رسالے دیکھ رہی تھی کہ اچانک مرزا محمود آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ مبارکہ پشت کے بل لیٹی گندے رسائل دیکھ رہی ہے۔ ایک تصویر میں مرد عورت کے ساتھ...... کر رہا ہے۔ مبارکہ مسحور کن تصاویر دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا ہوش ہی نہ رہا کہ کب مرزا محمود کمرے میں آ گیا۔ مرزا محمود آہستہ سے مبارکہ کے پاس بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی پشت پر پھیرنے لگا۔

مبارکہ گھبرا کر اٹھنے لگی تو مرزا محمود نے مسکراتے ہوئے کہا کہ گھبرا کیوں گئی ہو۔تم شوق سے دیکھو۔ میں تو خود ایسی تصاویر شوق سے دیکھتا ہوں بلکہ میں ایسے کئی رسائل دوں گا۔ مبارکہ کا جسم تو پہلے ہی سلگ رہا تھا۔ مرزا محمود کے ہاتھ اس کے جسم پر سانپ کی طرح پھرنے لگے تو وہ ہوش کا دامن کھو بیٹھی اور جوش میں آ کر مرزا محمود کے ساتھ لپٹ گئی۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب شیطان کا نفس نفس پر غلبہ ہوتا ہے اور کسی رشتے کی بھی تمیز نہیں رہتی۔لمحوں میں ہی بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی اور بہن بھائی نے مستقل آپس میں تعلقات قائم کر لیے۔

مبارکہ اور محمود اس ''گناہ'' پر پشیمان ہونے کے بجائے اور شیر ہو گئے اور ایک عرصہ تک موقع پا کر ایک دوسرے سے جسمانی طور پر لطف اندوز ہوتے رہے۔ دراصل مبارکہ اور مرزا محمود خود نصرت جہاں بیگم کی ناجائز اولاد تھی۔ بچپن میں انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے نصرت کو حکیم نورالدین، مفتی صادق اور مولوی عبدالکریم ایسے عیاش لوگوں کی آغوش میں جاتے دیکھا۔ کہتے ہیں کہ خون اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے۔ جب سے مبارکہ کے مرزا محمود کے تعلقات قائم ہوئے، مبارکہ اپنا زیادہ تر وقت محمود کے ساتھ گزارتی۔ جب موقع ملتا تو دونوں یہ گھناؤنا کھیل کھیلتے۔

ایک دفعہ مرزا محمود سب گھر والوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ مبارکہ گیلے کپڑوں میں باتھ روم سے نکل کر ڈائننگ روم میں آ گئی۔ باریک کپڑوں سے اس کے سڈول اور بھرپور بدن کی رعنائیاں جھلک رہی تھیں۔ مرزا محمود نے اسے شرانگیز نگاہوں سے دیکھا بلکہ مبارکہ کو گیلے بدن پشت سے دیکھ کر اس کے اندر کا شیطان جاگ اٹھا اور اس نے آگے بڑھ کر پیچھے سے ہی مبارکہ کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیا۔ مبارکہ نے خود بخود اپنا جسم اس کے حوالے کر دیا پھر دونوں کیف و مستی کے عالم میں جسمانی لذتوں سے سرشار ہونے لگے۔

چوہدری صاحب نے کہا کہ ان دونوں کے ناجائز تعلقات کا ان کی والدہ نصرت جہاں بیگم کو بھی بخوبی علم تھا۔ بقول مرزا محمد حسین وہ اکثر دونوں کو بستر سے علیحدہ کرتی اور ڈانٹ کر کہتی کہ اتنی بھی کیا بے صبری ہے۔کیا کل دن طلوع نہ ہوگا؟

چوہدری صاحب نے مزید انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ مشہور قادیانی مبلغ مولوی جلال الدین شمس کی بیٹیوں کے ساتھ مرزا محمود اور اس کے قریبی ساتھیوں نے زبردستی زنا کیا۔ یہ جولائی 1923ء کا واقعہ ہے۔ ان دنوں جلال الدین شمس امریکہ کے معروف شہر شکاگو میں قادیانی مبلغ کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہاں اُسے اس المناک واقعہ کی اطلاع ملی تو نہایت پریشانی کے عالم میں ستمبر 1923ء کو واپس قادیان پہنچا۔ جلال الدین شمس اس واقعہ کی شکایت لے کر مرزا محمود کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بڑی لجاجت مگر امید بھری نظروں سے عرض کرتے ہوئے کہا: ''حضور مجھ پر قیامت بیت گئی ہے، بہر حال جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر آپ میری متاثرہ بچی کو اپنی زوجیت میں لے لیں تو مجھ پر احسان عظیم کے علاوہ اس حادثہ کا

بھی کچھ ازالہ ہو جائے گا۔ مرزا محمود یہ سنتے ہی آپے سے باہر ہو گیا اور شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "جلال الدین شمس! چوہدری اور کمی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تم اپنی حیثیت بھول رہے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات کی۔ اپنی اوقات میں رہا کرو۔"

خاموشی کے ایک مختصر وقفہ کے بعد جلال الدین شمس نے ڈرتے ڈرتے نہایت بے بسی کے عالم میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا: "حضور! کم از کم اپنے آدمیوں کو تو سمجھا دیں تاکہ میرے گھر والوں کے ساتھ آئندہ ایسا واقعہ دوبارہ پیش نہ آئے۔ مرزا محمود نے بڑے درشت لہجہ میں جواب دیتے ہوئے کہا "ٹھیک ہے! میں اپنے گھوڑوں سے کہہ دوں گا لیکن تم بھی اپنی کھوتیاں باندھ کر رکھو۔" جلال الدین شمس کو اپنی "خدمات" کا صلہ مل چکا تھا۔ وہ اس واقعہ اور مرزا محمود کے ظالمانہ رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر بڑی کسمپرسی اور بے بسی کی موت سے ہمکنار ہوا۔

قادیانی پدمنی

صاحبزادی مبارکہ بیگم کی جنسی فیاضیوں کے قصوں سے قادیانیت کی تاریخ لتھڑی پڑی ہے۔ قادیان اگر کرپشن کا گڑھ تھا تو وہ وہاں کی ملکہ تھی۔ اُسے "قادیانی پدمنی" بھی کہا جاتا ہے۔ وہ طرح طرح کے مردوں کی صحبت سے لطف اٹھاتی اور ان سے بھاری فرمائشیں پوری کرواتی۔ وہ اتنی شہوت انگیز تھی کہ صرف ایک شوہر پر قناعت نہ کرتی بلکہ منشی ظفر احمد کپورتھلہ جیسے صحت مند اور کڑیل جوانوں کی طاقت پر بھی ہاتھ صاف کرتی۔ اس مقصد کے لیے اس نے سردرد کے شدید دوروں کا ڈھونگ رچایا۔ ظاہر ہے ان دوروں کے وقت اور بعد میں اسے مکمل "آرام" کی ضرورت ہوتی۔ لہٰذا وہ علیحدہ کمرے میں رہتی، اس کے آشنا آتے اور اس کے بدن کی آگ تاپتے۔ اس کو پسند تھا کہ لوگ اسے کتیا کی طرح استعمال کریں۔ 57 سالہ محمد علی خاں کو پہلے دن سے ہی اپنی بیوی کے کرتوتوں کا پورا علم تھا۔ اس نے اسے سمجھانے بجھانے کی کوشش کی مگر وہ باز نہ آئی۔ بات جھگڑے تک بڑھی تو الٹا بشیرالدین محمود نے مداخلت کرتے ہوئے محمد علی خاں کو جھاڑ پلا دی۔ وہ اِس صدمے سے جان کی بازی ہار گیا۔ یہ قدرت کا اٹل قانون ہے کہ طاقت، ضعف اور اختیار، بے بسی میں ضرور بدلتا ہے۔ کسی زمانہ میں اس کا طوطی بولتا تھا۔ گردوں اور پھیپھڑوں کی تکلیف میں مبتلا ہوئی تو اس کی جوانی اور حسن ماند پڑ گیا، وہ بڑی عبرتناک حالت میں مری۔

شرم عورت کا گہنہ اور اس کی عصمت کا ایک رنگ ہوتا ہے۔ ایک جواں سال دوشیزہ جب شرمانا چھوڑ دے تو وہ اپنی شخصیت اور حیثیت کا سب سے قیمتی زیور کھو دیتی ہے۔ مبارکہ بیگم کی منجھلی صاحبزادی منصورہ شرم و حیا کی دولت سے عاری اور جنسی طور پر دہکنے والی آگ تھی۔ اس کا انگ انگ پھڑکتا تھا۔ کسا ہوا بدن تھا کہ توبہ ہی بھلی! جوانی سے پہلے ہی اس پر جوانی ٹوٹ پڑی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ گلاب اور شعلوں

نے مل کر اس کا پیکر بنایا ہے۔ اس حسینہ کا جسم دیکھتے ہی ربوہ کا ہر نوجوان دنیا کے مصائب بھول جاتا۔ وہ آنکھوں کے ذریعے دعوت گناہ دیتی۔ اس کی چھوٹی بہن آصفہ بھی چلتی پھرتی قیامت تھی۔ ایک دفعہ وہ فضل عمر ہسپتال کے کوارٹرز میں جواں سال ڈینٹل سرجن ڈاکٹر کلیم اللہ صادق کو داد عیش دیتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی تو قادیانی ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ ایک اعلان کے ذریعے اس واقعہ کو بیان کرنے پر پابندی لگا دی گئی لیکن کب تک! زنا اور قتل کے واقعات زیادہ دیر تک چھپائے نہیں جا سکتے۔ آخر ان دونوں بہنوں کی عیاشیوں کے تذکرے ربوہ کے ہر فرد کی زبان پر ہونے لگے مگر ہر شخص ''خاندان مقدس'' کی ''پاکباز'' عورتوں کے بارے کھل کر بات کرتے ہوئے سہم جاتا ہے۔

قادیانی ہم جنس پرست

مرزا بشیر احمد ایم اے کی دلچسپی کا رُخ لڑکوں کی طرف زیادہ تھا۔ غیر فطری رجحان قادیانیت کے لیے نیا نہیں تھا۔ مرزا بشیر نے اس کا احیاء کیا اور پھر یہ مرض چھوت کی بیماری کی طرح رائل فیملی میں تیزی سے پھیلتا گیا۔ وہ قادیانیت کا پہلا ہم جنس پرست تھا۔ اس کی سانسوں سے بھی لواطت کی بو آتی تھی۔ شیخ یعقوب چنیوٹی قادیان کے بورڈنگ ہاؤس سے خوبصورت اور شوخ لڑکے بشیر احمد کو مہیا کرتا۔ بعض دفعہ بشیر احمد کا کسی نوخیز لڑکے پر دل آ جاتا تو اسے اپنے گھر بلا کر زبردستی اس سے لواطت کرتا۔ وہ خوبصورت لڑکوں کو اپنی نجی ملکیت سمجھتا۔ لواطت اس کے مزاج میں رچی بسی ہوئی تھی۔ معروف قادیانی مبلغ مولوی شیر علی اپنی نجی محافل میں اکثر کہتا کہ ''خوبصورت لڑکے شعائر اللہ میں سے ہیں'' (نعوذ باللہ) شاید اسی لیے قادیانی ''قمر الانبیاء'' نے اپنی زندگی میں بنیادی طور پر صرف خوبصورت اور جواں سال لڑکوں کو شریک کیا۔ اس ذوق کی تکمیل کے لیے اس کی گھریلو زندگی بڑی تلخ رہی۔

اس طرح مرزا مبارک احمد بھی لواطت کا رسیا تھا۔ اخلاقی طور پر وہ ایک فحش کلام آدمی تھا۔ وہ اپنے دوستوں کی محفل میں بہت فحش کلامی کرتا، غلیظ اور اخلاق سے گرے ہوئے لطائف سناتا۔ اس کا خاص کمرہ شہوت انگیز تصویروں سے سجا ہوتا۔ اسے خوبصورت لڑکوں سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اس کے عشرت کدے میں بہت سے نازک بدن، خوبصورت اور کم سن لڑکے اس کا دل بہلانے کے لیے موجود رہتے تھے۔ لواطت کی وجہ سے اس کی بیوی اس سے ہمیشہ نالاں رہتی۔ وہ قربانی کا جانور بن کر رہ گئی تھی۔ کثرت لواطت کی وجہ سے وہ مالیخولیا اور ٹائیفائیڈ کا مستقل مریض بن گیا تھا، کیونکہ انسانی فضلے میں جو جراثیم ہوتے ہیں، وہ اس فعل بد کی وجہ سے دوسروں کو منتقل ہو کر امراض خبیثہ کا سبب بنتے ہیں۔ اسی طرح سلطان محمود انور اور عبدالسمیع نون' شیخ بشیر احمد سابق جج ہائی کورٹ اور بشیر زیروی، چوہدری شریف باجوہ اور صاحبزادہ مرزا خورشید احمد' چوہدری منیر احمد اور چوہدری نصیر احمد، مولوی اخلاق احمد انجم اور پروفیسر سمیع طاہر، عبدالمنان ناہید اور مربی اسماعیل منیر کی ہم جنس پرستی ربوہ میں اب بھی زبان زد عام ہے۔

منہ زور جنسی بلی

کہاوت ہے کہ پیدا ہوتے ہی کانٹوں کے منہ تیکھے ہوتے ہیں۔ امتہ الحفیظ بھی اپنی ماں کی بدولت نوعمری ہی میں بے حیائی کو حیا اور بے باکی کو حجاب کا درجہ دیتی تھی۔ اس نے محض گیارہ سال کی عمر میں میر قاسم علی کو اپنی نرم بانہوں کی گرم پناہوں میں لے لیا۔ وہ 25 جون 1904ء کو پیدا ہوئی۔ اس کا کندن بدن جنسی خواہش کی منہ زور طوفانی لہروں کا مرکز تھا۔ اس نے بیسیوں لوگوں کے بستر گرمائے آخر کار 11 سال کی عمر میں 7 جون 1915ء کو محض بے پناہ دولت اور ہزاروں ایکڑ زمین ہتھیانے کے چکر میں عبداللہ نامی ایک نیم پاگل سے اس کا نکاح ہوا۔ جبکہ 22 فروری 1917ء کو اس کی باقاعدہ رخصتی ہوئی۔ شادی کے تین ماہ بعد اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا جس کی ولدیت کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا اس لیے دشوار ہے کہ امتہ الحفیظ کے کئی مردوں سے تعلقات تھے۔ وہ آفت کا پرکالہ تھی۔ جوانی کے جوش اور شباب کی شدت نے اس کے بے باک بدن کو شہوت کا بھڑکتا ہوا شعلہ بنا دیا تھا جسے کسی ایک مرد کی صحبت کی پھوہار ٹھنڈا نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ اپنی رنگین فطرت کا اظہار کرنے سے باز نہ رہ سکی اور رفتہ رفتہ اس بے حیائی میں تمام سرحدیں پار کر گئی۔ جب یہ بدمستیاں اپنے عروج پر پہنچیں تو عیاشی و اوباشی کی داستانیں بن کر لوگوں کی زبانوں سے نکلنے لگیں۔ وہ ظاہری خوبصورتی کے باوجود نیچے سے گندگی کا ڈھیر تھی۔ آوارگی اور بدکاری میں امتہ الحفیظ نے اپنی ماں کی ہی پیروی کی۔ وہ سر سے پاؤں تک جنسی ملاپ کی دعوت دکھائی دیتی تھی۔ اس کے جواں خون کی حدت ایسی نہ تھی جو کسی ایک مرد سے ٹھنڈی ہو جاتی، اسے ''منہ زور جنسی بلی'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ بعض معالجین نے مرزا محمود کو امتہ الحفیظ کے متعلق بتایا تھا کہ اس عورت کی اخلاقی بے راہ روی جنون کی حد تک ہے اور اگر اس جنسی جنون کو کم کرنا چاہتے ہو تو اس کو جرمنی لے جاؤ' وہاں اس کا علاج ہے۔

قادیانی تتلیوں کی ''خصوصی خدمات''

جن قادیانی عورتوں نے اپنی خوش روئی، دلکشی، دلربائی اور ترغیب جنسی کے بل بوتے پر قادیانیت کو بے حد فائدہ پہنچایا، ان میں مرزا بشیر احمد ایم اے کی صاحبزادی امتہ السلام کا نام سرفہرست ہے۔ یہ قتالہ عالم اور دشمنِ ایمان، حسین ہی نہیں بلکہ ذہین اور شاطر بھی تھی۔ وہ اتنی خوبصورت تھی کہ ایک نظر دیکھنے والا اپنی آنکھوں کی سلامتی کی دعائیں کیا کرتا۔ وہ اپنی شیطانی عادات میں اپنے ماں باپ سے بھی دو چار ہاتھ آگے تھی۔ اس کی سیاہ کاری اور عیاشی کی ایسی ایسی داستانیں ہیں کہ ''اُس بازار'' کی بے حیائی کے قصے بھی ماند پڑ جائیں۔ اس کے علاوہ ام طاہر کی ہمشیرہ خیر النساء، سرگودھا کی منصورہ حق، ربوہ کی ریحانہ باسمہ اور مرزا منیر کی بیٹی امتہ الحسیب کی ''خدمات'' بھی کسی سے کم نہ ہیں۔

صوفی اسحاق کی چھوٹی ہمشیرہ اقبال بیگم کے رنگین قصے بھی ربوہ میں زبان زد عام ہیں۔ سالانہ

جلسہ میں اقبال بیگم کی ''خصوصی خدمات'' حاصل کی جاتیں۔ وہ اس قدر واہیات سرگرمیوں میں ملوث رہتی کہ خدا کی پناہ۔ رائل فیملی کے کھلنڈرے نوجوان اقبال بیگم پر اپنا ہر شوق پورا کرتے اور بدلے میں اس کی تمام فرمائشیں پوری کرتے۔

ہو بہو ملتی ہے تری صورت اس کی تصویر سے

صوفی اسحاق جماعت احمدیہ کے مشہور مبلغ تھے۔ ان کی بیوی مبشرہ بے حد خوبصورت اور حسین تھی۔ وہ چلتی پھرتی قیامت تھی۔ وہ جنسی عمل کے لیے ہمیشہ بے قرار رہتی تھی۔ اس کے اندر کوئی شرم و حیا یا نسوانی جھجک نہ تھی۔ مرزا بشیرالدین محمود کی اس پر خاص نظر تھی۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد وہ ایک دوسرے کے سحر میں جکڑے گئے۔ انھوں نے جی بھر کر اپنی مچلتی امنگوں، امنڈتے جذبات اور تشنہ احساسات کو کیف و سرور سے ہمکنار کیا۔ یہ اخلاق باختگی کی آخری حد پار کرنے کے مترادف ہے۔ مرزا محمود نے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت صوفی اسحاق کو 1945ء میں سیرالیون بھجوا دیا، جہاں وہ سات سال رہے۔ اس دوران مرزا محمود کے حمل کے نتیجہ میں مبشرہ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام ادریس محمود رکھا گیا۔ وہ مرزا محمود کی ہو بہو تصویر ہے۔ ادریس محمود آج کل جرمنی میں جماعت احمدیہ کا سرگرم رکن ہے۔

اسی طرح نصراللہ خاں ملہی مربی جب فارسی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے روس گئے تو ان کی غیر موجودگی میں ان کی جواں سال بیوی امتہ النور کے ساتھ مرزا مسرور کے ناجائز تعلقات استوار ہو گئے، جو ان دنوں غالباً ناظر اعلیٰ تھے۔ مرزا مسرور نے امتہ النور کے جسمانی تقاضے تو خوب پورے کیے مگر اس کے جمالیاتی ذوق کی تسکین نہ کر سکا جس پر اس نے کئی دوسرے مردوں سے بھی اپنے جنسی روابط بڑھائے۔ اس پر ربوہ کے تمام در و دیوار گواہ ہیں۔

ثواب کی بات

معروف قادیانی مربی مفتی صادق کی بیٹی رضیہ صادق اپنے بھرپور شباب کی وجہ سے قادیان بد میں مشہور تھی۔ اس کی آنکھوں بلکہ جسم کے ایک ایک انگ سے سیکس جھلکتا اور چھلکتا تھا۔ اس کے جسم کا اتار چڑھاؤ، مخمور نرگسی آنکھیں، گداز و مرمریں بانہیں اور گلابی ہونٹ، سب گویا پکار پکار کر کہہ رہے تھے ''ہے کوئی مرد جو مجھے اس جنت ذہن و روح سے نکال کر جسم کی دنیا میں لے جائے'' مرزا محمود اس کی ایمان شکن اداؤں پر جان چھڑکتا تھا۔ مگر رضیہ اسے پسند نہ کرتی تھی۔ ایک دفعہ مرزا محمود نے اپنی بیگم مریم کے تعاون سے رضیہ کو دھوکے سے گھر بلا کر زبردستی اس سے زنا کیا۔ رضیہ کے احتجاج پر مریم نے کہا کہ ''جو شخص دن بھر سلسلہ کی خدمت اور محنت کرتا اور ذہنی تفکرات میں غرق رہتا ہے، اگر شام کو کسی کی بانہوں میں گھڑی بھر کے لیے مسرت و آرام سے ہمکنار ہو جائے تو اس سے بڑھ کر ''ثواب کی بات'' اور کیا ہو سکتی ہے۔''

شیطان حسینہ

اگر کسی عورت کا دِل سیاہ ہو تو اس کی چمکتی آنکھیں بے کار ہوتی ہیں۔ یہ قول زریں قادیانی پیر منظور کی بیٹی حامدہ بیگم پر پورا اترتا ہے۔ وہ اپنے عاشقوں کے دل لبھانے اور ترسانے کے گُر جانتی تھی۔ اس کے لمبے گھنے بال نکھری ہوئی شہابی رنگت سے مل کر قیامت ڈھاتے۔ اس کی رانیں موٹی' سرین فربہ' کمر پتلی اور پستان بھاری تھے۔ اس کی چمکدار آنکھیں کسی خونخوار جنسی بلی کی مانند تھیں۔ قدرت کا انتقام دیکھیے کہ اس کا خاوند سردار کرم داد خان بھی شہوت پرست جنونی مگر انتہا درجے کا بے غیرت اور دیوث تھا۔ وہ خود جنسی عمل سے لطف اندوز ہونے کے بجائے دوسروں کے جنسی عمل دیکھ کر زیادہ لطف اندوز ہوتا' خاص طور پر ایسے جنسی کھیل جس میں اس کی بیوی کسی دوسرے مرد کا بستر گرم کر رہی ہو۔ پیر منظور کی دوسری بیٹی صالحہ بیگم بھی سر سے پاؤں تک گناہ کی دعوت اور ترغیب تھی۔ اس نے ایک عرصہ تک اپنی کافرانہ اداؤں کے زور پر مرزا محمود کو جنسی جذبے کی زنجیر میں جکڑے رکھا۔ وہ چاہتی تھی کہ مرزا محمود اسے اپنی زوجیت میں لے لے مگر جب مرزا محمود کا دل بھر گیا تو اس نے صالح بیگم کی شادی زبردستی میر اسحاق سے کروا دی۔ میر اسحاق صالح بیگم کی تمام کرتوتوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے ایک دو بار اپنی زبان کھولنے کی کوشش کی مگر مرزا محمود کے خوف سے چپ رہا۔ بعض واقفان راز کا کہنا ہے کہ مرزا محمود نے میر اسحاق کو زہر دے کر مروا دیا تھا۔

گندی مچھلی

پست قامت کی جنسی کشش کی حامل، جنسی ہوس کی بھوکی، بڑی بڑی چھاتیوں والی قادیانی شاعرہ امتہ القدوس اپنی بدکاریوں کے باعث اب بھی "گندی مچھلی" کے نام سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کی شاعری مرزا قادیانی کی بعض تحریروں کی طرح نہایت شرمناک ہے۔ یاد رہے مرزا قادیانی کی کتب میں مباشرت کے آسنوں اور عورت کی جذباتی تسکین کے طریقوں کو تفصیل کے ساتھ زیر بحث لایا گیا ہے جن سے کوئی بھی قادیانی لجنہ کسی بھی واقف زندگی ذریعہ البغایا سے مستفید ہو سکتی ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے (آئینہ کمالات اسلام ص 282 از مرزا قادیانی، ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص 196 از مرزا قادیانی) امتہ القدوس کی شاعری کا کثیر حصہ عشقیہ اور شہوانی جذبات پر مشتمل ہے۔ سابق قادیانی جناب سیف اللہ (جنہوں نے اس بہتی گنگا میں خوب ہاتھ دھوئے) نے اسے "شہوت پرست پاگل" کا خطاب دیا۔ یہ بدنامی آج بھی اس کے نام کے ساتھ جونک کی طرح چمٹی ہوئی ہے۔ اس کی واحد وجہ اس کی بدکرداری، بہیمانہ جنسی ہوس اور خمار پرستی ہے۔ 17 اپریل 1966ء کو اس کی شادی صاحبزادہ مرزا غلام احمد سے ہوئی۔

چند سال بیشتر ربوہ میں کل پاکستان سالانہ مشاعرہ منعقد ہوا جس میں قادیانی شعراء کے علاوہ حرص و ہوس کے غلام کئی نام نہاد مسلمان شعراء نے بھی شرکت کی۔ اس مشاعرہ میں معروف قادیانی شاعر ارشاد عرشی نے مندرجہ ذیل اشعار خصوصی طور پر امتہ القدوس کی نذر کرتے ہوئے کہا:

ہم ہیں مریض عشق، دوا ہے تمھارے پاس
آب حیات، آب بقا ہے تمھارے پاس
ایسا ہوا اسیر کہ واپس نہ جا سکا
دو چار دن جو آ کے رہا ہے تمھارے پاس

امتہ القدوس اس قدر غیر معمولی شہوت والی عورت ہے کہ وہ سر عام جنسی خواہشات کا اظہار کر دیتی ہے۔اس کی آوارہ اور گھٹیا شاعری میں سے ایک شعر بطور نمونہ حاضر ہے۔

ہم نے بھی جب پیار کیا تھا آئے تھے سمجھانے لوگ
دیکھے دیکھے چہروں والے، بیگانے بیگانے لوگ

معروف قادیانی شاعر عبیداللہ علیم اوباشی وعیاشی ہی میں مشہور نہ تھا بلکہ اسے بزعم خود ایک منفرد شاعر اور فلاسفر ہونے کا بھی دعویٰ تھا۔ اس کے فلسفے کی عمارت کا بنیادی پتھر ''لذیت'' تھا جس کے مطابق ایک شخص صنف مخالف کو جسمانی ایذا پہنچا کر جنسی خوشی محسوس کرتا ہے۔ اس نے بیک وقت متعدد معاشقے لڑائے، کئی شادیاں کیں لیکن اس کے باوجود وہ اپنے بہیمانہ جنسی مشاغل میں مصروف رہا۔ اس کی آخری شادی ایک خوبرو چنچل حسینہ تحسین سے ہوئی۔ جس کی ٹانگوں کی بناوٹ میں ایک آرٹسٹک ماڈل کی جھلک ملتی ہے۔علیم عمر میں تحسین سے 25 سال بڑا تھا۔ وہ دیوث اکثر کہتا ''مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آج تک میں اپنی بیٹی کے ساتھ سوتا آ رہا ہوں۔'' وہ کہتا کہ شاعر کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔'' عبیداللہ علیم کو ربوہ میں بڑی پذیرائی حاصل تھی۔ وہ اپنے خلیفہ مرزا طاہر کو نظمیں اور غزلیں لکھ کر دیتا جسے بعد ازاں مرزا طاہر اپنے خطبات میں سناتا اور پھر اپنے نام سے قادیانی اخبارات و جرائد میں شائع کرواتا۔ عبیداللہ علیم ہر سال سالانہ جلسہ لندن میں شرکت کرتا اور قادیانیت کی تعریف میں نظمیں پڑھتا۔ اس کی ایک نظم ''میں احمدی جوان ہوں'' قادیانی حلقے میں بے حد مقبول ہوئی۔ وہ ایک دل پھینک اور آوارہ مزاج عاشق بھی تھا۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے کلام کی اصلاح کے لیے اس کے پاس آتے تو وہ ان سے ''دل لگی'' کرتا۔ اس دوران وہ معروف قادیانی شاعرہ امتہ القدوس کی زلفوں کا اسیر ہو کر رہ گیا۔ دونوں کی بے لگام جنسی آوارگی نے ربوہ وقادیان کے ہر گھر کو چونکا کر رکھ دیا مگر کوئی اس پر انگلی نہ اٹھاتا کیونکہ وہ خلیفہ کا منظور نظر تھا۔

عقیدت میں غلاظت

ثاقب زیروی کی ہمشیرہ حفیظ بیگم کو اپنے پُرکشش خدوخال کی بناء پر قادیانی جماعت میں بے حد اہمیت حاصل تھی۔ وہ اپنی جماعت کے لیے حسین، رنگین اور سنگین قسم کے فرائض سرانجام دیتی۔ اسلام آباد میں بڑے بڑے بیوروکریٹس اس کا دم بھرتے تھے۔ وہ ایک ہی نگاہ میں بڑے بڑوں کو گھائل کر کے رکھ دیتی۔ اس کی بے لگام جوانی قیامت ڈھاتی۔ بقول صالح نور ایک دفعہ مرزا محمود نے کہا تھا کہ ''حفیظ بیگم کے

اعضائے نہانی جنگلی بچھیا جیسے ہیں۔“

اسی طرح ثاقب زیروی کی بھانجی نعیمہ سلہری بھی کسی سے کم نہ تھی۔ وہ مرزا خورشید احمد کی داشتہ تھی۔ بیرون ممالک سے ربوہ آنے والے مہمانوں کی تفریح طبع کے لیے اس کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ نعیمہ مہمانوں کی جنسی ہوس پوری کرنے کے ساتھ ساتھ پروٹوکولز کی بھی تمام ذمہ داریاں پوری کرتی اور پھر اس پر فخر محسوس کرتی۔ سچ ہے کہ عقیدت میں اگر غلاظت شامل ہو جائے تو یہ گناہ بن جاتی ہے۔

بیٹا بڑا کہ باپ

چوہدری انور حسین سابق امیر جماعت احمدیہ شیخوپورہ قادیانی جماعت میں اہم حیثیت کے مالک تھے۔ 1980ء میں خلیفہ ربوہ مرزا ناصر کے ساتھ دورہ مغرب کے وفد میں شامل تھے۔ انھیں جماعت کے لیے بہترین خدمات سرانجام دینے پر رائل فیملی کا ممبر سمجھا جاتا تھا۔ چوہدری انور رائل فیملی کی خواتین کے ساتھ بے حد آزاد تھے۔ واقفانِ اندرون خانہ کا کہنا ہے کہ چوہدری انور کے مرزا ناصر کی صاحبزادی امتہ الحلیم سے ناجائز تعلقات تھے۔ امتہ الحلیم اکثر و بیشتر مانانوالہ میں واقع ان کے عالی شان ڈیرے پر آتی رہی ہیں۔ اس ڈیرے پر دُنیا جہان کی آسائشیں میسر ہوتی تھیں۔ چوہدری صاحب کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاحبزادے چوہدری بشیر احمد سابق ایم پی اے اور سابق امیر شیخوپورہ نے اپنے والد کی ''روایات'' کو قائم رکھا۔ وہ، شراب پیتا، شکار کھیلتا اور اپنا سارا وقت جنسی مشاغل میں گزارتا۔ چوہدری بشیر احمد کے مرزا شریف کی بیٹی امتہ الوحید، لاہور کی فوزیہ شمیم' گورنمنٹ کالج شیخوپورہ کی لیکچرار قانتہ فردوس، شیخ بشیر احمد کی صاحبزادی نعیمہ جمیل اور امتہ الباسط کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ اس نے فوزیہ شمیم کو 108C ماڈل ٹاؤن کی کوٹھی بھی لے کر دی، جہاں وہ دونوں رنگ رلیاں مناتے۔ فوزیہ خیر و شر کی جملہ اقدار سے بالکل بے نیاز، ہوس پرست اور شہرت کی پجارن ہے۔ چوہدری بشیر حال ہی میں کثرت شراب نوشی کی وجہ سے اپنے ڈیرے سے شیخوپورہ آتے ہوئے ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔

باپ کے نقش قدم پر

کہاوت ہے کہ بچھڑا گائے پر جاتا ہے اور بچہ ماں پر۔ قادیانی خلیفہ مرزا ناصر کا بیٹا مرزا انس تنومند اور مردانہ وجاہت سے بھرپور جوان ہے۔ وہ عورتوں کا رسیا ہے۔ بچپن ہی سے اس کی عادات اور حرکات نفرت انگیز رہیں۔ اسلام آباد کے مشہور مربی حنیف احمد محمود کی بیٹیاں نمود سحر اور بقعتہ النور اور نصیر احمد شاہد مربی کی بیٹی فریحہ سحر اس کی داشتاؤں میں سرفہرست ہیں۔ نمود سحر کے خون کی بوند بوند میں ہیجان خیزی کے طوفان چھپے ہوئے ہیں۔ اس نے مرزا انس کو اپنی کافر اداؤں کے زور پر بے بس کر کے اسے اس کی بیوی سے بے نیاز کر دیا ہے۔

آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا؟

صراحی کا کمال

مبارک احمد باجوہ سیکرٹری وقف کی بیٹی رابعہ تحسین کے قادیانی خلیفہ مرزا طاہر سے خصوصی مراسم تھے۔ مبارک احمد باجوہ نے اپنے عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے لاکھوں روپے کا گھپلا کیا مگر رابعہ کی سفارش پر مرزا طاہر نے مبارک احمد کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہونے دی۔ رابعہ تحسین نے ایک دفعہ مرزا طاہر کو اپنے گھر خصوصی دعوت پر بلایا۔ پہلے اس کی لذیذ کھانوں سے تواضع کی۔ پھر انتہائی نشیلی شراب سے اسے سرور میں لائی اور پھر دوسری ''صراحی'' کھول دی جس میں اس کی بے پناہ جنسی کشش کی شراب تھی۔ زبان سے ایک بھی لفظ کہے بغیر اس نے اپنے سبھی ہتھیار نکال لیے۔ اس کی ہر حرکت مرزا طاہر کو ترغیب دے رہی تھی کہ وہ اپنی جنسی بھوک مٹائے۔ رابعہ کے آتشی ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ ناچ اٹھی اور یہی وہ لمحہ تھا جب مرزا طاہر رابعہ کا دیوانہ ہو گیا اور اس کے بدلہ میں مبارک باجوہ کو بے پناہ مراعات سے نوازا گیا۔

بہتی گنگا

مربی عطاء المجیب راشد کی بیوی قانتہ شاہدہ نے بھی شادی سے قبل اپنی رنگین طبع کے ہاتھوں سینکڑوں نوجوانوں کو برباد کیا۔ اس کی شرائط اس قدر نرم ہیں کہ ہر کوئی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھو سکتا ہے۔ وہ انتہائی ہیجان اور جنسی ولولے کے ساتھ جس سیاہ نصیب کے قریب جاتی ہے، وہ پھر کہیں کا نہیں رہتا۔ وہ شیطانی ذہن اور حسن میں بھی بے مثال ہے۔ اس نے اپنے حسن کے سرکش تیروں سے کئی مسلمانوں کے ایمان کو بھی گھائل کیا ہے۔ مرزا طاہر نے قانتہ کی سفارش پر عطاء المجیب راشد کو مستقل طور پر لندن بلایا اور اسے اہم ذمہ داریاں سونپیں۔

پیر افتخار الدین کی اہلیہ ناصرہ کے ساتھ موجود قادیانی خلیفہ مرزا مسرور احمد کے ناجائز تعلقات تھے۔ وہ متناسب جسم کی حامل خوبصورت خاتون تھی جو بے پناہ جنسی کشش کی حامل تھی۔ وہ چلتی پھرتی قیامت تھی۔ جب کسی پر ریجھ جاتی تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے حسن کو دیکھ کر منہ پھیر سکے۔ اس کا نرم و نازک اور پُرکشش بدن ایک ایسا جال تھا جو دور بھاگتے شکار کو بھی قریب آنے اور گرفتاری پیش کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ اگر کوئی زیادہ ہی پارسائی یا تقویٰ کا مظاہرہ کرتا تو اس کے خلاف کوئی جھوٹا اخلاقی الزام لگا کر زندگی اجیرن کر دی جاتی اور شرم و حیا کا جنازہ نکالا جاتا۔

منشی عبداللہ سنوری مرزا قادیانی کے ابتدائی دوستوں میں سے تھا۔ مرزا قادیانی نے اپنی کتب میں اس کا اکثر ذکر کیا ہے۔ عبداللہ سنوری کی بیٹی شریفین جو اس کی دوسری بیوی کے بطن سے تھی، کے ناجائز تعلقات مرزا رفیق احمد سے تھے۔ وہ نہایت گھٹیا درجے کی خاتون تھی۔ وہ پیچھے سے مجامعت کا ذوق رکھتی تھی۔ اس وجہ سے مرزا رفیق آتشک اور سوزاک کے خطرناک مرض کا شکار ہو کر لقمہ اجل بنا۔

سیکس کا مینارہ

مرزا منصور احمد کو ''سیکس کا مینارہ'' کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی عیاشی اور جنسی گرمی میں سب سے منفرد تھا۔ ربوہ میں اس کے معاشقوں کا بے حد چرچا تھا۔ شیخ نعیم مربی کی خوبرو بیوی امتہ الحلیم زاہدہ، احمدیہ ماڈرن سٹورز ربوہ کے مالک اسحاق کی بیٹیوں امتہ الرؤف ظفر اور امتہ الشکور، دہلی روڈ لاہور کینٹ کی سلیمہ بیگم، شیخ عبدالقادر (سابق سوداگرمل) کی بیٹی عائشہ صادقہ، ربوہ کی سعیدہ احسن اور لاہور کی نسیم سعید کے ساتھ اس کے تعلقات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ پرانے لاہور ائیر پورٹ کے چوک پر واقع برگیڈیئر (ر) طیب کی کوٹھی مرزا منصور کی رنگ رلیوں کے لیے مخصوص ہوتی تھی۔ مرزا منصور ان تتلیوں کو اپنے ساتھ لاہور لاتا اور پھر کئی کئی دن ان سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتا۔ امتہ الحلیم زاہدہ کو ''ربوہ کی گشتی'' بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے متعلق مشہور تھا کہ وہ ایک رات میں پچاس مردوں کی جنسی ضرورت پوری کر سکتی ہے۔ اسی طرح بڑی بڑی چھاتیوں والی سعیدہ احسن نے رائل فیملی کے ہر ممتاز فرد کو اپنے ریشمی بدن کی ہوش رُبا سیج پیش کی۔ مرزا منصور ان پر ایسا لٹو ہوا کہ اپنی بیوی کو بھی بھول گیا۔

حسن کا چشمہ

مربی نسیم احمد شمس کی بیٹی رضیہ شمس بھی اپنی اداؤں اور جنسی بے باکی کی بھاری قیمت وصول کرنے کے فن میں یکتا تھی۔ اس نے ہوش سنبھالا تو ہزاروں کو ہوش و حواس سے بیگانہ کر دیا۔ اس کے حسن کے چشمے نے کئی پیاسوں کی تسکین کا سامان فراہم کیا۔ ربوہ میں یہ افواہ کئی سال گردش کرتی رہی کہ وہ اپنے سگے بھائی کا بستر گرماتی ہے۔ رضیہ کے صاحبزادہ مرزا داؤد احمد سے خصوصی تعلقات تھے۔ اس نے داؤد کو اپنی منہ زور جوانی کے تندریلوں سے چاروں شانے چت کر دیا اور پھر اس کی مستقل داشتہ بن گئی۔ وہ دونوں شہوانی اور شیطانی کھیل کے کھلاڑی تھے۔ مرزا داؤد کا جب دل بھر گیا تو بعد میں اس نے اسے نچڑے ہوئے لیموں کی طرح پھینک دیا۔ رضیہ شمس کی حال ہی میں شادی ہوئی ہے۔ شادی کے دوسرے دن ہی میاں بیوی میں جھگڑا ہو گیا جواب تک قائم ہے۔

ڈاکٹر شمس الحق طیب کے قتل کی اصل ''وجوہات''

فیصل آباد کا مشہور قادیانی سرجن ڈاکٹر شمس الحق طیب جنوری 2000ء میں قتل ہوا۔ قادیانی جماعت نے اسے مذہبی دہشت گردی قرار دیتے ہوئے اس قتل کا الزام مسلمانوں پر عائد کر دیا۔ لاہور میں بی بی سی کے نمائندے جناب شاہد ملک نے بھی بغیر کسی تحقیق کے گوئبلز کے فلسفے پر عمل کرتے ہوئے بین الاقوامی میڈیا پر خبر دے دی کہ ڈاکٹر شمس الحق طیب مذہبی دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی جماعت کے بانی آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی بدروح کو خوش کرنے کے لیے اس خبر کو خوب

مرچ مصالحہ لگا کر قادیانیوں کی مظلومیت کا رونا رویا اور کہا کہ پاکستان میں قادیانی غیر محفوظ ہیں۔ اس خبر سے عالمی برادری میں مسلمانوں کا وقار خاک میں مل گیا۔ اس سازش کے پس پردہ حقائق کچھ اس طرح بولتے ہیں کہ فیصل آباد کے ایس ایس پی جناب آفتاب احمد چیمہ نے 4 ماہ کی تگ ودو کے بعد قتل کیس کے مرکزی ملزم محمود احمد قادیانی کو گرفتار کیا جس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے شمس الحق طیب کو قتل کرنے کا اعتراف کیا۔ واقعات کے مطابق ملزم محمود احمد قادیانی' ڈاکٹر شمس الحق طیب کی کوٹھی میں کام کرتا تھا جہاں اس کی دوستی ڈاکٹر شمس کی خوبصورت سالی شاہدہ سے ہوگئی۔ شاہدہ بے حد دلکش اور خوبرو لڑکی ہے۔ وہ اکثر ساڑھی پہنتی۔ بلاؤز اور ساڑھی کے درمیان اس کا پیٹ قیامت ڈھاتا۔ اس کے جسم میں انتہائی شفافت ہے جو شائد اس کی ملائم جلد کی شہادت ہے۔ اس کی نسوں کو دیکھنے سے خیال اٹھتا کہ اگر وہ کوئی رنگ دار شراب پئے تو وہ اس کی مرمری گردن سے نیچے اترتی ہوئی صاف دکھائی دے گی۔ اس کا بلاخیز حسن اور اس کی خاطر تواضع کے طور واطوار ایک اجنبی کا پیشاب خطا کر دیتے ہیں۔ ایک روز شاہدہ اور ملزم محمود احمد دونوں ڈاکٹر شمس کی کوٹھی میں رنگ رلیاں منا رہے تھے کہ اچانک عین موقع پر ڈاکٹر شمس آ گئے۔ اس نے دونوں کو غیر اخلاقی حالت میں دیکھا تو غصے سے پاگل ہوگیا۔ محمود موقع سے فرار ہوگیا۔ اس واقعہ کے اگلے روز محمود احمد قادیانی نے اپنے ساتھیوں بابر رشید، واجد علی عرف بھولا، عمران اور محمد ندیم کے ہمراہ ڈاکٹر شمس کو قتل کر دیا۔ ایس ایس پی آفتاب چیمہ نے پانچوں ملزمان کو 15 مئی 2000ء کو صحافیوں کے سامنے پیش کیا جہاں محمود احمد قادیانی اور اس کے ساتھیوں نے ڈاکٹر شمس کے قتل کا اعتراف کیا۔ ربوہ میں ڈاکٹر شمس کے جنازہ پر لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب انہوں نے ڈاکٹر شمس کی اہلیہ کو رنگین منی سکرٹ **Mini Skirt** پہنے دیکھا جو اتنی مختصر تھی کہ اس کا تمام نسوانی حسن پوری تابانی کے ساتھ عیاں ہو رہا تھا۔ اس کے بال کٹے ہوئے تھے، وہ اس وقت انسانی کردار کی پستی کی علامت معلوم ہو رہی تھی۔

تاریخ کے بدترین خبیث

قادیان کے نام نہاد 313 درویشوں کا شمار تاریخ کے بدترین خبیثوں میں ہوتا ہے۔ 1947ء میں تقسیم ہندوستان کے موقع پر ان کے بیوی' بچے اور دیگر رشتہ دار ربوہ آ گئے تھے۔ وہ بظاہر مجرد زندگی گزارتے تھے مگر اندرون خانہ وہ اخلاق اور نیکی کے دامن پر سیاہ دھبے کا درجہ رکھتے تھے۔ وہ رات کو قادیان کی گلیوں اور بازاروں میں نکل جاتے۔ جسے چاہتے، اپنے تشدد کا نشانہ بناتے۔ جو عورت یا لڑکا پسند آ جاتا' اس سے اپنی جنسی ہوس پوری کرتے۔ جس کے ساتھ چاہتے، اسے اخلاق سوز حرکات اور فحش مذاق کرتے۔ انھیں اپنی وحشیانہ زندگی پر کوئی ندامت محسوس نہ ہوتی۔ وہ خدا کی دھرتی پر شیطان کے وجود کی زندہ دلیل تھے۔ یہ لوگ فسق و فجور' عیاشی' زناکاری اور سنگدلی کے حوالہ سے انتہائی بدنام تھے۔ وہ جنسی مہم جوئی کی شدید

بھوک کے شکار تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بدفطرتی اور کج روی جو فتور عقل کا نتیجہ قرار دی جانے والی بداخلاقی کے پردے میں چھپی ہوئی تھی' درویشی کا لبادہ اوڑھتے ہی پوری شدت سے ابھر کر منظر عام پر آ گئی۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کی شیطانی روش نے انھیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا تھا۔ زنا کاری' شراب نوشی اور قمار بازی ان کے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ راہ چلتی مستورات کو زبردستی پکڑ لینا ایک عام بات تھی۔ کیا مجال کہ کوئی روکے یا سمجھانے کی کوشش کرے۔ قادیانیت کی تنزلی اور اخلاقی تباہی میں جو کسر رہ گئی تھی' وہ نام نہاد قادیانی درویشوں کی سیاہ کاریوں نے پوری کر دی۔ ان کی بدمعاشیوں اور بدکاریوں سے قادیان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ ان درویشوں میں سے ہر ایک اپنی کرتوتوں کے سبب بھیانک اور عبرتناک موت مرا۔ خود قادیانی تاریخ اس پر معتبر گواہ ہے۔

''قادیانی ویلنٹائن ڈے''

بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ قادیانی معاشرہ میں 17 نومبر 1884ء کا دن بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ یہ دن مرزا قادیانی اور نصرت جہاں بیگم کی شادی کا دن ہے۔ اسے آپ ''قادیانی ویلنٹائن ڈے'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس دن کی مناسبت سے تمام قادیانی مرد اور عورتیں ضرور مجامعت کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں ''خاص تقریبات'' کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔

ربوہ کا ریڈ لائٹ ایریا

ربوہ میں ہر گھر کے لیے ڈش انٹینا ضروری ہے تاکہ وہ ہر جمعہ کو اپنے خلیفہ کا خطبہ سن سکے۔ ظاہر ہے خلیفہ کا خطبہ سننے کے بعد وہ آزاد ہوتے ہیں اور پھر ایسے ایسے اخلاق باختہ چینل ملاحظہ کیے جاتے ہیں جس سے وہ جنسی تلذذ حاصل کرتے ہیں۔ اقصیٰ چوک کے قریب ایک ''ریڈ لائٹ ایریا'' ہے جہاں نیم عریاں عورتیں شام کے بعد دعوت گناہ دیتی ہیں۔ ان کی عمریں 18 سے 30 سال کے درمیان ہوتی ہیں۔ یہاں ایسے پست اور غیر اخلاقی مناظر دیکھنے میں آتے ہیں، جنھیں لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حسن و شباب سے بھرپور یہ لڑکیاں اپنے چاہنے والوں کو حرارت قلبی نیز لذت ہم آغوشی سے بھی نوازتی ہیں۔ ربوہ میں جتنے بھی پارلر ہاؤسز کھلے ہوئے ہیں، وہاں جسم فروشی کا دھندہ ہوتا ہے۔ ''پہلے آئیں اور پہلے پائیں'' کے اصول پر گاہک آتے اور اپنی پیاس بجھا کر چلے جاتے ہیں۔ بے عصمت نگاہیں، آوارہ اشارے کنائے اور بے ہودہ گفتگو ربوہ کا عام کلچر ہے۔ فینسی جنرل سٹور کے مالک منشا کی بیٹی رضیہ عزیز، مجید احمد خاں، سابق آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کی بیٹی فائزہ مجید، ٹھیکیدار چراغ دین کی نواسی بلقیس بیگم، کینیڈا کے مربی مولوی خلیل احمد مبشر کی بیٹی مظفرہ خلیل' حکیم محمد حسین مرہم عیسیٰ کی بیٹی رابعہ بیگم، دین محمد کی صاحبزادی نور بیگم، خواجہ ظہور الدین بٹ کی بیگم مریم بانو بیگم، منیر احمد شمس کی بیٹی ربیعہ احمد، لاہور مزنگ چونگی کی طاہرہ شہناز، شاہدرہ کی

عالیہ سلیم، مبارک احمد باجوہ سیکرٹری وقف کی بیٹی رابعہ تحسین، قدوس کریانہ سٹور اقصیٰ چوک کے مالک شیخ وسیم کی بیٹی رضوانہ سلامت، ٹاؤن شپ کی طیبہ خاں، مربی بشارت کی بیٹی عظمیٰ بشارت، ملک عنایت اللہ کی زوجہ سلیمہ بیگم، رسالہ مصباح کی ایڈیٹر امتہ الرشید شوکت، شریف علوی مبلغ کی بیٹی صائمہ صبا "خاندانِ مقدس" کی امتہ الباسط، امتہ الجمیل، امتہ النصیر، امتہ الشکور، امتہ المتین، نسیم احمد شمس مربی کی بیٹی رضیہ شمس، نذیر احمد رہان مبلغ کی بیٹی امتہ السلام، مبارکہ بیگم کی بڑی لڑکی محمودہ، ربوہ کی عائشہ ضیاء، طیبہ شہناز کریم (حال مقیم لندن) رضیہ منان طاہر اور کیپٹن بشریٰ رفیق کی جنسی بدقماشیوں اور عیاشیوں کے قصے قادیانی جماعت کے کسی فرد سے پوشیدہ نہیں۔ ان فاحشہ عورتوں نے ایک مشن کے طور پر بے شمار مسلمانوں کو اپنے حسن کا شکار کر کے ایمان کی دولت سے محروم کیا۔ یہ عورتیں مکاریوں، ہوس ناکیوں، اوباشیوں اور جنسی بے اعتدالیوں کی علامت ہیں۔ یہ دیوث خواتین ربوہ کے سالانہ جلسہ میں وہ واہیات سرگرمیاں سرانجام دیتیں کہ خدا کی پناہ! سالانہ جلسوں میں بعض اوقات ایسی اخلاق سوز حرکات دیکھنے کو ملتیں کہ جن کی تفصیلات انتہائی شرمناک ہیں۔ ان میں بیشتر خواتین سوزاک اور سیلان الرحم کے موذی مرض سے جہنم واصل ہوئیں۔

قادیانی دیوداسیاں

قادیانیوں کے ہاں تو ایک خوبصورت بیٹی کو اس کے والدین ایک ایسی نعمت سمجھتے ہیں جو انھیں دولت اور خوشحالی عطا کر سکتی ہے کیونکہ قادیانی مذہب میں ہر خوبصورت لڑکی عورتوں کی تنظیم لجنہ میں ضرور شامل ہوتی ہے۔ یہ لڑکیاں براہ راست خلیفہ کے ماتحت ہوتی ہیں۔ ان لڑکیوں سے قادیانیت کی تبلیغ اور دعوت کا غیر معمولی کام لیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں کی اس طرح برین واشنگ اور تربیت کی جاتی ہے کہ بعض دفعہ کسی موقع پر انھیں اپنا جسم بھی پیش کرنا پڑے تو وہ انکار نہیں کرتیں بلکہ خوبصورت اور پری جمال لڑکیوں کا چناؤ کر کے انھیں اس کام کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔

قادیانی تنظیم لجنہ سے تعلق رکھنے والی ہر عورت کو ایسی تربیت ملتی ہے کہ وہ اپنے حالات کو جیسے پائے، ویسے ہی انھیں خوش دلی سے قبول کرے۔ قادیانیت کی ترقی کے لیے اسے جو بھی قیمت ادا کرنا پڑے، وہ خاموشی سے برداشت کرتی رہے۔ انھیں وہ تمام داؤ پیچ اور نسخے بتائے جاتے ہیں جن کے ذریعے وہ باآسانی کسی مسلمان کے ایمان کا شکار کر سکتی ہیں۔ وہ یہ ساری ترکیبیں اور حربے لازمی برتتی ہیں اور کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتیں۔ یہ لڑکیاں اپنے حسن و نزاکت کا خراج بھی وصول کرتی ہیں۔ اعلیٰ حکام کی نجی محافل میں وہ شمع کا کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کی سرگرمیاں قادیانیت کے معاملات کے الجھاؤ کو سلجھانے میں کام آتی ہیں۔ انھیں کلیدی عہدوں پر فائز بڑے بڑے افسروں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جنسی طور پر بطور خاص استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ خواتین ان عیاش طبع افسروں کی جنسی پیاس بجھاتی ہیں جس کے نتیجہ میں ان سے اپنی جماعت کے لیے غیر معمولی مراعات حاصل کرتی ہیں۔ یہ قادیانی دیوداسیاں صبح و شام رنگین

محفلیں سجاتی اور بڑے بڑے امراء، جج، بیوروکریٹس اور افسران کے دل لبھانے کا فن جانتی ہیں۔ ان لڑکیوں میں مستی طاری کرنے اور شہوت کی آگ بھڑکانے والی ہر چیز موجود ہوتی ہے۔ وہ اپنا مشن پورا کرنے کے لیے اپنے خلیفہ کے حکم پر اعلیٰ ترین افسران کے پست ترین جذبات بھڑکانے کے لیے زندہ مشینوں کی طرح حرکتیں کرتی ہیں۔ ان عورتوں میں چوہدری شریف باجواہ کی اہلیہ نصرت باجوہ' گوجرانوالہ کی صادقہ میر' ربوہ کی امتہ القدیر ارشاد' عارف والا کی فضیلت بیگم' اسماعیل منیر کی بیٹی ناصرہ پروین' احمد نگر کی فلزا ناصر ایم اے' امتہ الحفیظ جمن' فرحت واکر اور زاہدہ خانم صدر لجنہ باب الابواب خصوصی طور پر شامل ہیں۔

قادیانی عورتوں میں جذبہ شہوت اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت مرد کے لیے تڑپ رہی ہوتی ہیں۔ ایک مرد تو ایک لڑکی کی تسلی کر ہی نہیں سکتا۔ وہ دیوانگی کی حد تک مردوں کی رسیا ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کی جنسی خواہشات کو بھڑکانے اور انھیں قادیانی مذہب اختیار کروانے کے فن میں یکتا ہوتی ہیں۔ وہ اپنے ''ایڈونچرز'' کو لذیذ تر بنانے کے لیے نت نئے تجربات کرتی ہیں۔ وہ ایسی ذلیل اور اخلاق باختہ حرکات کی مرتکب ہوتی ہیں کہ انسانیت کا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ صاحبزادی مبارکہ بیگم کے جنسی قصے اور سرگرمیاں اس کی زندہ مثال تھی۔

''شہر سدوم''

ایک سروے کے مطابق ربوہ میں ایک ماہ میں 10 ہزار کنڈوم کا استعمال ہوتا ہے۔ وہاں ایسی دواؤں کا استعمال عام ہے جس کے استعمال سے حمل یا دیگر جنسی بیماریوں سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ ایسی دوائیں ہر میڈیکل سٹور پر عام ملتی ہیں۔ فضل عمر ہسپتال میں اس وقت آتشک، سوزاک اور اسقاط حمل کے مریضوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ ربوہ میں شراب نوشی اور جنسی سرگرمیوں کی بہتات ہے۔

تعلیم الاسلام کالج کے ہوسٹل کے کمروں میں طالب علموں کے درمیان ہونے والی گفتگو بہت فحش ہوتی ہے۔ لڑکے کیبل، ڈش اور VCR پر بلیو فلمیں دیکھتے اور پھر آپس میں لواطت کرتے ہیں۔ تقریباً تمام لڑکے ایک دوسرے کی مشت زنی کرتے اور بستر پر اکٹھے سوتے ہیں۔ کوئی نفاست، کوئی محبت، کوئی جذبہ اور کوئی اخلاق ان میں موجود نہ ہے۔ بس ہر طرف جانوروں جیسی اشتہا ہے۔ اچھی شکل وصورت والے ہر لڑکے کا ایک کوڈ ورڈ ہے۔ اسے ''سائیکل'' کے طور پر شناخت کیا جاتا ہے۔ قادیانیت میں خوبصورت کم عمر ایسے لڑکے کو جس کے ساتھ باقی سارے مرد جنسی عمل کریں، مجیراڈو (Mujerado) کہا جاتا ہے۔

سیانے کہتے ہیں کہ برائی اچھوت کی بیماری کی طرح آتی ہے اور پھیلتی بھی اسی طرح ہے۔ اس حقیقت کا اطلاق قادیانی جماعت کے مبلغوں پر ہوتا ہے۔ ربوہ میں ہر مربی آتشک اور سوزاک کا مریض ہے۔ آج بھی ان کا طبی معائنہ کروایا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ جنسی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے چہروں

سے وحشت ٹپکتی نظر آتی ہے۔ وہ Homo Sex کے عادی ہیں۔ ان کی ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی خوبرو بیٹی خلیفہ کی منظور نظر بن جائے تا کہ ساری فیملی یورپ منتقل ہو جائے۔

ربوہ میں شادی سے قبل جنسی تعلق عام کلچر ہے۔ وہاں شادی ایک معمول ہے۔ بعض اوقات مجبوری کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ قادیانی عورتیں اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے کئی تکنیکی آلات بھی استعمال کرتی ہیں۔ مثلاً پینس سکسیڈنیئس (Penis succedaneus) کا سب سے زیادہ استعمال ربوہ میں ہوتا ہے۔ یہ ایک مصنوعی عضو تناسل ہے جو بوقت ضرورت خواتین استعمال کرتی ہیں۔ ربوہ میں مشہور عام کمپنی دواخانہ حکیم نظام جان اور کیوریٹو میڈیسن کمپنی کے مالک اسے یورپ سے درآمد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کمپنی دیگر سیکسی آلات مثلاً بابو (Baubo) بیجوانڈسکریٹ (Bijou indiscret) اور ڈلڈو (Dildo) وغیرہ بھی درآمد کرتی ہے۔

''سدومیت اور ربوہ'' کے عنوان سے جناب شفیق مرزا اپنی شہرہ آفاق کتاب ''شہر سدوم'' میں لکھتے ہیں:

''تقسیم برصغیر سے قبل قادیان اور سدومیت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ تھا اور آج کل سدومیت ربوہ کی کاٹیج انڈسٹری ہے۔ جائے رہائش سے محروم، قبائلی معاشرے میں جکڑے ہوئے، معمولی تنخواہوں پر ''خدمت دین'' کا فریضہ سرانجام دینے والے ملازمین یا ملزمان ایک لمبے عرصے تک رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے محروم رہتے ہیں اور انھیں ایک ایسی بستی میں رہنا پڑتا ہے، جہاں نہ کوئی پارک ہے نہ سینما، نہ ہول ہے نہ تھیٹر، وہاں زندگی کی تمام آسائشیں صرف ایک خاندان کے لیے وقف ہیں، جو دوسروں کو تو اس امر کی نصیحت کرتا ہے ۔

مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گل اندام نہ ہو

لیکن خود موسم گرما کی پہلی کرن پڑنے پر بوربن کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور گاہے ماہے ''مہمات دینیہ'' کی سرانجام دہی کے لیے یورپ اور امریکہ میں چھرے اڑاتا پھرتا ہے۔ اب مجبور مریدوں کے لیے ''تفریح'' کا سوائے اس کے کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ عجمی ذوق سے اپنا دل بہلائیں، اس لیے وہ دوران سال تو تعلیمی اداروں کے طلبا سے دل بہلاتے ہیں اور پھر ورائٹی کی تلاش میں اپنے ''ظلی حج'' یعنی سالانہ میلے کا انتظار کرتے ہیں اور اس ''روحانیت سے معمور'' موقع پر ڈیوٹی پر متعین نوجوان اپنے ساتھیوں اور ''افسروں'' کا نشانہ ستم بنتے ہیں اور اکثر و بیشتر تو خود اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ ان کی ''آتش شوق'' انھیں بے چین کیے رکھتی ہے۔ میلے کے موقع کے علاوہ خدام الاحمدیہ کے اجتماعات اور تربیتی کلاسیں اس ''فن شریف'' کے مظاہرے کے لیے ہوتی ہیں۔ 1974ء میں ایسی ہی ایک تربیتی کلاس کے موقع پر ایک ہی رات میں ''اساتذہ اور طلبا'' کی سترہ ایسی وارداتیں ہوئیں، جن کی ازاں بعد انکوائری ہوئی مگر اس تحقیق

کا مقصد بھی نئے شکاروں کی تعین کے علاوہ کچھ نہ تھا، سو کچھ نہ ہوا۔ ایسی ہی ایک تربیتی کلاس کے موقع پر خلیفہ ربوہ کے ایک پرائیویٹ سیکرٹری کے ایک نہایت قریبی عزیز اور ایک سابق مبلغ نے، جو آج کل سی۔ ڈی۔ اے راولپنڈی میں ملازم ہیں، مجھے بتایا کہ میں نے اپنے ایک شاگرد کو تربیتی کلاس میں شمولیت کے لیے ربوہ بھیجا ہے، لیکن اسے یہ ہدایت کر دی ہے کہ وہاں اساتذہ کرام امرد پرستی کے شائق اور ایرانی مذاق کے رسیا ہیں، وہ ضرور تم پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کریں گے، اس لیے اگر ایسا کوئی موقع پیش آ جائے تو تم بچ بچا کر آ جانا تو یہ خدمت میں سرانجام دوں گا۔

ربوہ کے تعلیمی اداروں میں ایسی گھاتیں اور وارداتیں بکثرت ہوتی ہیں۔ ربوہ میں قادیانی امت کے شعراء کی اکثر بیشتر نظمیں اس قدر گندی اور اتنی غلیظ ہیں کہ ان کو نقل کرنا بھی بار خاطر ہے۔ یہ غلاظت ان کے قلب و ذہن میں اس طرح جاگزین ہوئی ہے کہ وہ اپنے ''نبی صاحب'' کو بھی معاف نہیں کرتے۔ مرزا غلام احمد کا ایک شعر ہے ۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

ایک قادیانی اپنے مزاج کے مطابق اس کی پیروڈی یوں کہتا ہے ۔

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبداء الانوار کا
جس پہ میں مرتا ہوں وہ لونڈا ہے تھانیدار کا''

مرزا صدرالدین

مالی خیانت کے لرزہ خیز انکشافات

چوہدری ظفر اللہ خاں کے نام کھلا خط

مکرمی چوہدری ظفر اللہ خان صاحب

چونکہ آپ کو جماعت ہائے احمدیہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ نیز اس کے علاوہ آپ ایک بین الاقوامی شخصیت بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ کی جماعت خاص طور پر عوام الناس کی نظر میں خاص اہمیت رکھتی ہے نیز وقت بے وقت، جماعت بھی آپ کی شخصیت اور اثر ورسوخ سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اور چونکہ یہ عاجز اپنی داستان مظلومیت کو فرداً فرداً بیان کرنے سے قاصر ہے۔ اسی لیے اس کھلی چٹھی کے ذریعے آپ کی وساطت سے جماعت ہائے احمدیہ کے فہمیدہ اشخاص سے خصوصاً اور اپنے دوست واحباب سے اور اہل ملک تک عموماً اپنی نحیف اور دردناک آواز گوش گذار کرنا فرض منصبی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میری درد بھری داستان اس شخص کے مظالم کے خلاف احتجاج ہے جو آیات استخلاف کے مطابق خلیفۃ اللہ ہونے کا مدعی ہے اور بقول آپ کے ''خلیفہ صاحب'' (مرزا محمود احمد) کا ہر ارشاد دین کے معاملہ میں جماعت کے لیے قانون کا درجہ رکھتا ہے۔'' (بیان تحقیقی عدالت 1953ء) یہ عاجز آبائی طور پر چک سکندر ضلع گجرات کا باشندہ ہے۔ میری عمر اس وقت تقریباً 62 سال ہے۔ اور میں پیدائشی طور پر جماعت قادیان سے تعلق رکھتا تھا۔ میں نے 1944ء) میں دوسری شادی کے بعد مستقل طور پر قادیان میں رہائش اختیار کر لی مگر بسلسلہ ملازمت قادیان سے باہر ہی رہا جس کی وجہ سے مجھ پر قادیان کے کسی سربستہ راز کا انکشاف نہ ہوا۔ حتیٰ کہ میں قیام پاکستان کے بعد دوبارہ اپنے سابقہ وطن کھاریاں ضلع گجرات میں بحیثیت مہاجر آباد ہو گیا اور 1950ء میں ملازمت سے پنشن حاصل کر لی اور 1953ء میں حسب ارشاد خلیفہ صاحب ربوہ چھوٹی سرکار کی ملازمت چھوڑنے کی وجہ سے بڑی سرکار کی خدمت کے لیے ربوہ حاضر ہو گیا۔ جہاں میں خلیفہ صاحب کے حکم سے صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کے حسابات کی پڑتال پر مامور ہوا۔ معمول کے مطابق خلیفہ صاحب کے ''مواعظ حسنہ'' سے متاثر ہو کر میں نے انتہائی اخلاص اور محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور انجمن میں لاکھوں روپے کا غبن اور مالی بدعنوانیاں ثابت کیں اور ان کو میں نے تحریری طور پر خلیفہ صاحب کے پیش کر دیا۔ چونکہ منبر پر خلیفہ

صاحب کے وعظ کا نچوڑ یہ ہوتا تھا کہ دیانت داری ہمارا اصل اصول ہے۔ اور جماعت کی بہترین خدمت یہ ہے کہ بددیانتوں کا سراغ لگایا جائے اور قومی بیت المال کو ایسے لوگوں سے صاف کیا جائے تا کہ اشاعت اسلام کا ''بے نظیر'' کام صحیح اور عمدہ طریق پر چلایا جائے۔ اور یہ کہ اس خدمت کو انجام دینے والے میری خاص دعاؤں کے مستحق ہوں گے۔ نتیجۃً مجھے بھی اس خدمت کے بجالانے کا شوق دامن گیر ہو گیا۔ اور مجھے یقین تھا کہ میری دیانتدارانہ محنت کی حقیقی داد دی جائے گی اور ملزموں کو قرار واقعی سزا دی جائے گی اور میں اس خدمت کے سلسلہ میں حضور کا مقرب بن جاؤں گا۔ حضور خوش ہوں گے تو خدا راضی ہو جائے گا۔ مگر وائے قسمت! کہ بعد کے واقعات نے کچھ اور ہی منظر پیش کیے۔ جن کا اس چٹھی میں دوبارہ بیان کرنا تضیع اوقات ہے۔ نیز یہ ایک طویل لرزہ خیز داستان ہے جسے چند جملوں میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ المختصر اس سچ بولنے اور دیانتداری اخلاص اور تقویٰ کی پاداش میں ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت مجھے قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے محفوظ رکھا اور اس طرح جماعت اور حکومت کے سامنے اصل حقائق پیش کرنے کی توفیق ملی۔ (الحمدللہ) اور آج اس آواز کو اٹھائے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ میں نے حق و انصاف حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر خلیفہ ربوہ اور اس کے رفقاء اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے میرے انصاف حاسل کرنے کی راہ میں حائل رہے۔ مجھ سے میری جائداد اور اولاد بھی چھین لی گئی ہے۔

جناب چوہدری صاحب! آپ چونکہ جماعت کے چوٹی کے با اثر بزرگ سمجھے جاتے ہیں اور جماعت کی نظریں بھی خلیفہ کے بعد آپ ہی کی طرف اٹھتی ہیں۔ اس لیے میں اس کھلی چٹھی کے ذریعہ آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ایک معزز بین الاقوامی شخصیت ہونے کی حیثیت کا ہی ذرا خیال کرتے ہوئے حق کی آواز اٹھانے میں میری مدد کریں اور جماعت کے فہمیدہ اصحاب تک اصل واقعات پہنچانے میں تعاون کریں۔ میری شکایات حسب ذیل ہیں جو آپ کی جماعت کے بارے میں ہیں:

نمبر 1۔ جماعت کے ریزروفنڈ کا کل سرمایہ کہاں ہے؟

نمبر 2۔ ارکان جماعت کی ذاتی امانتوں میں بھی یعنی صیغہء امانت صدر انجمن احمدیہ اور امانت تحریک جدید سے کئی لاکھ روپیہ کا سرمایہ غائب ہے۔ یہ سرمایہ کہاں ہے؟ کس کے استعمال میں ہے اور اب تک اس قدر سرمایہ کس کس کے ذریعہ اور کس کس فرد سے ضائع ہوا ہے۔

نمبر 3۔ جماعت کا کس قدر سرمایہ تجارتی اداروں، صنعتوں، فیکٹریوں، کمپنیوں، ریسرچ انسٹیٹیوٹ میں لگایا گیا ہے اور ان میں آج تک کیا ہوا ہے۔ گوشوارہ شائع کیا جائے تا کہ حقیقت واضح ہو۔

نمبر 4۔ صدر انجمن احمدیہ رجسٹرڈ اور تحریک جدید انجمن احمدیہ رجسٹرڈ سے کتنے لاکھ روپے پرائیویٹ افراد کے پاس قرض ہیں جس کے ذریعہ وہ لوگ اپنی ذاتی تجارت کر کے مالی فوائد حاصل کر رہے

ہیں۔ یہ قرض کتنے سال سے ان لوگوں کے پاس ہے اور اس کی واپسی کیوں نہیں ہوئی اور انجمن کو اس سے کیا مالی فوائد حاصل ہو رہے ہیں۔

نمبر 5۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان و تحریک جدید یعنی اشاعت اسلام کے دونوں ادارے اور خلیفہ صاحب خود بھی وسیع پیمانے پر احمدیوں سے نفع کے نام پر سودی کاروبار کرتے ہیں حالانکہ اسلام بنیادی طور پر سود کے لین دین کے خلاف ہے۔ اس قول اور فعل کے تضاد کی وضاحت کی جائے۔

نمبر 6۔ حکومت سے انکم ٹیکس اور سیلز ٹیکس بچانے کے لیے جماعت کی طرف سے قائم کردہ لمیٹڈ کمپنیاں جو تقریباً دو درجن سے بھی زائد ہیں جعلی حساب کتاب بناتی ہیں اور اکثر چور بازاری میں اپنے کاروبار کرتی ہیں۔ اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور خلیفہ صاحب ربوہ باوجود ذاتی طور پر ان باتوں کا علم رکھنے کے ان باتوں کا تدارک کبھی نہیں کرتے۔ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں کہ یہ سب کچھ ان کے ایماء اور ہدایت پر کیا جاتا ہے؟

نمبر 7۔ خلیفہ صاحب ربوہ محمود احمد کے عزیز و اقرباء کے خلاف کس قدر بھاری بھاری رقوم کی ڈگریاں دارالقضاء صدر انجمن احمدیہ (ربوہ) (جماعت کی عدالت عاملہ) دے چکی ہے جو بیچارے غریب احمدیوں کی ساری عمر کی پونجی ہے۔ وہ اپنے اخلاص اور عقیدت کے نتیجہ میں بانی سلسلہ کے خاندان کے افراد کی نذر کر چکے ہیں۔ آخر ان کی ادائیگی میں روک کیا ہے۔ اس کے برعکس خلیفہ صاحب نے جن احمدیوں سے اپنا ذاتی روپیہ لینا ہوتا ہے ان کو خارج از جماعت کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

نمبر 8۔ اشاعت اسلام کے لیے زندگی وقف کرنے والے اور دوسرے صدر انجمن کے کارکن جو بیت المال سے تنخواہ حاصل کرتے ہیں اور بعض دیگر افراد کے نجی کام کیوں کرتے ہیں؟ آخر ان کے اسباب و وجوہات کیا ہیں؟ کیا یہ قومی اموال میں خیانت نہیں اور ہر طرح قابل مذمت فعل نہیں؟

نمبر 9۔ جماعت کے فہمیدہ اصحاب سے اکثر مالی حالات کو چھپایا جاتا ہے اور انجمن کے سالانہ بجٹ میں (صدر انجمن اور تحریک جدید جو دونوں رجسٹرڈ شدہ ہیں) پیش کرنے سے روکا جاتا ہے۔ جماعت کے سامنے آخر ان تمام امور کو پیش کرنے سے کیا روک تھام ہے۔ اشاعت اسلام کے ادارے میں آخر کیا خفیہ کارروائی ہے جو جماعت کے سامنے رکھنا مناسب نہیں۔ اس سے کیا خطرات ہیں؟

نمبر 10۔ ربوہ کے موجودہ ارباب اختیار اور تنظیم کے سربراہوں کے خلاف تعمیری اور صحت مند تنقید پر مشتمل لٹریچر جن میں بیت المال صدر انجمن کی مالی بدعنوانیوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے، کے مطالعہ سے جماعت کو منظم طور پر آخر کیوں روکا جاتا ہے۔ جبکہ ان عیوب کی نشاندہی کرنے والے شواہد پر غور کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور ان معترضین کا سوشل بائیکاٹ منظم طور پر وسیع پیمانے پر قرار دادوں اور مرکز کے حکم ناموں کے ذریعے کیوں کیا جاتا ہے۔ کیا اس لیے تو نہیں کہ کہیں حضرات مرکز [illegible] دھاندلیوں اور اصل حقائق سے واقف نہ ہو جائیں۔

نمبر 11۔ خلیفہ صاحب ربوہ (مرزا محمود) پر جماعتی روپیہ کے ناجائز استعمال اور مشکوک ذاتی کیریکٹر کے متواتر الزامات جو بار بار لگائے جا رہے ہیں۔ ان کا جواب وضاحتی بیان سے کیوں نہیں دیا جاتا جبکہ محمد یوسف ناز صاحب آف کراچی مباہلہ کے لیے مرزا محمود احمد کو بار بار دعوت دے رہے ہیں اور بانی سلسلہ کا قول نمبر 2 اوپر درج کیا گیا ہے...... اگر مباہلہ مناسب نہ ہو تو پھر ان الزام لگانے والے اصحاب کے خلاف ملکی عدالت میں ہتک عزت کا دعویٰ کیوں نہیں کیا جاتا۔ الزامات سے برأت کے یہی دو طریقے ہیں اور محض سکوت اور خاموشی سے الزام نہ صرف قائم رہتا ہے بلکہ مستحکم ہو جاتا ہے۔ (الخاموشی نیم رضا) اگر موجودہ خلیفہ کی زندگی میں ان الزامات کی صفائی نہ ہو سکی تو ان کی وفات کے بعد جماعت ربوہ مخالفین کے سامنے ان کا دفاع کیسے کرے گی اور خصوصاً ان کی اولاد کو صفائی پیش کرنا مشکل ہو گی۔

نمبر 12۔ کیا جماعت ربوہ میرے مندرجہ بالا کسی ایک الزام کی تردید کر سکتی ہے اور سب سے آخر میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ میرے علم مشاہدہ اور تحقیقات کے نتیجہ سے یہ امر بھی ثابت ہے کہ آپ نے بھی صدر انجمن احمدیہ کی امانت سے مبلغ پچاس ہزار روپیہ سال 1952ء میں موصول کیا ہے جس کو خلیفہ صاحب نے خفیہ رکھنے کی ہدایت کی ہے اور رقم ابھی تک واپس نہیں ہوئی۔ یہ کیوں؟ بدیں وجہ آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی پوزیشن پبلک کے سامنے واضح کریں اور صدر انجمن احمدیہ رجسٹرڈ کے موجودہ غبن سے لاتعلقی کا اظہار کریں اور میرے الزامات کی تحقیقات کے لیے جماعت کو مجبور کریں اور میرے خلاف موجودہ سماجی بائیکاٹ سے جماعت کو روکیں اور دنیا کو بتائیں کہ آپ کی جماعت غیرت ایمانی رکھتی ہے اور پیر پرست نہیں اور اسلام کی صحیح روح اور خدمت ان کا نصب العین ہے تاکہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ اس جماعت کے قول اور فعل میں بڑا تضاد ہے۔

محترم چوہدری صاحب! ہم دونوں ہی تقریباً زندگی کے آخری حصہ میں ہیں اور آخر ہم نے اپنے مولا حقیقی کے پاس جانا ہے اس لیے میں اس حقیقی عدالت کے عدل و انصاف کی یاد دلا کر آپ کو اپنے فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ آپ جماعت کے فہمیدہ اصحاب کی رہنمائی کریں اور ان کو صحیح راہ پر لانے کے لیے پہل کریں اور اسی طرح حق و انصاف حاصل کرنے میں میری مدد کریں۔ والسلام

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

(گجرات مورخہ 15 مئی 1958ء)

خاکسار (مولوی) صدر الدین ساکن چک سکندر تحصیل کھاریاں ضلع گجرات معرفت سیکرٹری مرکزی حقیقت پسند پارٹی رجسٹرڈ 8/A مدن ولا مسافر گلی کرشن نگر لاہور پوسٹ بکس نمبر 332۔

❁.....❁.....❁

غلام رسول

قادیانیت، دورِ حاضر کی بدترین آمریت

قادیانی اخبار و رسائل کا دستور ہے کہ وہ اپنے گھناؤنے کردار اور مذموم حرکات سے توجہ ہٹانے کے لیے مسلسل دوسروں پر کیچڑ اچھالنے، لعن اور طعن و تشنیع کے تیر برسانے میں مصروف رہتے ہیں حالانکہ اگر وہ اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو انھیں قادیانیت کی ایسی کریہہ شکل نظر آئے گی کہ ان کا سویا ہوا ضمیر بھی توبہ کر اٹھے۔

دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے بے بنیاد الزامات کا جواب دینے کے بجائے خود قادیانیوں کے گھناؤنے اور فحش کردار، بداعمالیوں، مذموم حرکات اور متضاد بیانات کو کثرت سے اور مفصل طور پر عوام کے سامنے بار بار پیش کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ انھیں عالم اسلام میں کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ ملے گی بلکہ قادیانیوں کی نئی پود بھی اپنے اکابرین اور ان کے خطرناک مذہب کی اصلیت جان کر تائب ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں مرزا غلام کے جسمانی و دماغی امراض، متضاد بیانات، مضحکہ خیز مراقی حرکات، مرزا محمود کی بدکرداری اور فحاشی کے واقعات، احتجاج کرنے والے قادیانیوں کا بائیکاٹ، مقاطعہ، اخراج، شہر بدر، جان سے مروا دینے اور گھروں کو جلا دینے کی سزاؤں پر مشتمل واقعات کو مشتہر کرنا چاہیے۔ زیرنظر مضمون میں ہم قادیانیت کے ایک خطرناک روپ پر جو اس زمانے کی بدترین آمریت کی شکل میں سامنے آیا ہے، کچھ روشنی ڈالیں گے۔

حسب سابق قادیانی پالیسی کے تحت اپنی آمریت سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے دوسروں پر آمریت کا الزام لگایا جاتا ہے۔ قادیانی آرگن ''لاہور'' اس سلسلے میں پیش پیش ہے اور اکثر اپنے کالموں میں مرحوم جنرل ضیاء الحق شہید پر آمر کا لیبل لگا کر تضحیک کا نشانہ بناتا رہتا ہے۔ اپنی 26 جنوری کی اشاعت میں صفحہ 4 پر جناب اعجاز الحق وفاقی وزیر برائے محنت پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے ان کے والد مرحوم ضیاء الحق شہید کے بارے میں یوں رقم طراز ہے۔ ''جب کوئی انسان آمر مطلق بن جاتا ہے تو اس کا ہر قول' صحیفہ آسمانی بن جاتا ہے اور ہر فعل' حکم ربانی کے مرتبہ کا ہو جاتا ہے۔ وہ یہ قطعاً بھول جاتا ہے کہ آخر ایک دن اسے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑے گا کیونکہ جب عوام گلیوں اور بازاروں مین نکل آتے ہیں تو بڑے بڑے

فرعونوں کے پتے ڈھل جاتے ہیں اور بڑے بڑے آمر اُن کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔"

ہم شہید صدر کی آمریت کی بحث میں پڑنے کی بجائے قادیانی آرگن کی توجہ اس کے سربراہوں اور خلیفوں کی بدترین آمریت کی جانب مبذول کرائیں گے۔ اسے چاہیے کہ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالے، اپنے گھر کی خبر لے اور اس کے گند کی صفائی کرے۔ مرزا محمود کی آمریت کے واقعات تو خود اس کے متاثرین مریدوں نے کتابوں کی شکل میں شائع کر دیے ہیں، جن میں مریدنیوں کی عصمت دری، لڑکوں سے بدفعلی، قتل و غارت اور گھروں کو جلا دینے تک کے واقعات درج ہیں۔ تم شہید صدر ضیاء الحق کو آمر تو کہہ دیتے ہو مگر عام لوگ تو کیا تمھارے جیسا دشمن بھی مرحوم صدر پر (تمھارے نام نہاد خلیفوں جیسا تو کجا) معمولی بداخلاقی کا الزام بھی نہیں لگا سکا۔

مرزا محمود کو قادیانی نہ صرف خلیفہ بلکہ مامور اور مصلح موعود مانتے ہیں۔ بدترین آمر اُسے، اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایسے آمر بھی گزرے ہیں جنھوں نے بڑے نیک کام کیے اور لوگوں سے حسن سلوک کیا۔ انھیں آمر تو کہا جا سکتا ہے لیکن برا نہیں کہہ سکتے لیکن مرزا محمود ایک ایسا آمر تھا جس نے بداعمالیوں میں تمام سابقہ ریکارڈ توڑ دیے یہاں تک کہ اپنی مرید عورتوں اور دوشیزاؤں کی عصمت لوٹی۔ مریدوں کے بیٹوں سے بدفعلی اس کا روزمرہ کا مشغلہ تھا۔ جن عقیدت مندوں کو شبہ ہو وہ متاثرہ قادیانیوں کی اپنی شائع کردہ کتب مثلاً بلائے دمشق، شہر سدوم، کمالات محمودیہ، ربوہ کا مذہبی آمر، اخبار مباہلہ وغیرہ ملاحظہ فرمائیں جن کے مطالعہ سے انھیں اور بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات سے آگاہی ہوگی۔ ایسے گھناؤنے کردار کی روشنی میں مرزا محمود کو صرف برا آمر ہی نہیں بلکہ بدترین آمر بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ شخص نہ صرف خود بدترین آمر تھا بلکہ اس نے آئندہ کے لیے بھی قادیانیوں پر مستقل آمریت مسلط رکھنے کا مستحکم بندوبست کر دیا۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ مرزا قادیانی کے فوت ہونے کے بعد قادیانیوں کا پہلا خلیفہ (سربراہ) حکیم نورالدین کو چن لیا گیا۔ مرزا محمود اس وقت صرف 19 برس کا تھا مگر بہت جاہ پرست تھا۔ اسے بہت صدمہ تھا کہ خلافت کی گدی مرزا کے خاندان کو نہیں ملی۔ چنانچہ اس نے سازشیں شروع کر دیں کہ آئندہ گدی مستقل طور پر مرزا کے خاندان میں رہے اور مرزا کے پرانے ساتھی محمد علی لاہوری، خواجہ کمال الدین، شیخ تیمور، محمد احسن امروہوی وغیرہ جو ممکنہ جانشین ہو سکتے تھے ان سب کے خلاف خوب پراپیگنڈہ کیا۔ رسائل شائع کیے اور اشتہار بازی کی (اب بھی قادیانی گروہ کا طریق کار یہی ہے کہ کثرت سے جھوٹا پراپیگنڈہ اور اشتہار بازی سے لوگوں کو غلط راہ پر لگا دینا) حکیم نور دین کے بھی اس قدر کان بھرے کہ انھوں نے وصیت لکھ کر شیخ تیمور کے پاس رکھوا دی کہ ان کے بعد محمود خلیفہ ہوگا۔ بعد میں حکیم صاحب پر سازش کھل گئی تو انھوں نے شیخ صاحب سے وصیت لے کر تلف کر دی (شیخ تیمور مرزا محمود کے خلیفہ بننے پر قادیانیت سے تائب ہو گئے۔ اللہ نے انھیں بہت نوازا اور وہ بعد میں خیبر یونیورسٹی پشاور کے وائس چانسلر ہوئے) بالآخر اس کی سازشیں

رنگ لائیں اور حکیم نورالدین کی موت کے بعد مرزا محمود قادیانیوں کا دوسرا خلیفہ بننے میں کامیاب ہو گیا۔ خلیفہ بننے کے بعد یہ آمر مطلق بن گیا۔ اپنی رائے سے اختلاف کرنے والوں مثلاً محمد علی لاہوری، مولوی محمد احسن امروہوی، ڈاکٹر یعقوب بیگ، غلام حسن خان وغیرہ کو قادیان سے نکلوا دیا۔ فخر دین ملتانی اور محمد امین وغیرہ کو قتل کروا دیا۔ شیخ عبدالرحمٰن مصری، مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ اور بہت سے دیگر مریدوں کی بیویوں اور اولاد سے بدفعلی اور عصمت دری کی داستانیں بھری پڑی ہیں۔ مرزا محمود نے آئندہ کے لیے قادیانیوں پر آمریت مسلط کرنے کے لیے یوں ڈرامہ رچایا کہ اپنے ایک خواب کو اپنے اخباروں اور رسائل میں کثرت سے شائع کیا کہ خواب میں دیکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی خربوزے کی قاشیں بانٹ رہے ہیں، ایک قاش انھوں نے حکیم نورالدین کو دی اور باقی اپنی اولاد میں بانٹ دیں۔ اس سے تعبیر یہ نکالی کہ حکیم نورالدین کے علاوہ باقی خلیفے مرزا کی اولاد سے ہوں گے۔ چنانچہ یہ قانون بنا دیا گیا کہ آئندہ خلیفہ مرزا کے خاندان سے باہر کا نہیں ہو سکتا۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو مرزا محمود کے بعد سر ظفر اللہ اور مرزا ناصر کے بعد ڈاکٹر سلام خلیفہ بنتا۔ مگر اس قانون کی رو سے قادیانی خلیفہ کا معیار انتخاب لیاقت کی بجائے نسل اور خاندان قرار پایا۔ مرزا محمود نے مزید احتیاط یہ کی کہ حکیم نورالدین کے لائق بیٹے میاں عبدالمنان عمر (جو قادیانیوں میں بہت مقبول تھے) کو قادیانی جماعت سے نکال دیا۔ اس اقدام کے بعد حکیم نورالدین کے خاندان کے سب لوگ قادیانیت چھوڑ گئے۔ کچھ مسلمان ہوئے، باقی لاہوری گروپ میں شامل ہو گئے۔

قادیانی آمریت اتنی سخت اور دہشت ناک ہے کہ کوئی قادیانی کیسی ہی برائی دیکھے، اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اگر ایسا کرے تو کم از کم ایک سخت قسم کا بائیکاٹ ہے، جو ان کی اصطلاح میں، مقاطعہ کہلاتا ہے۔ اس میں کسی قادیانی کو حتیٰ کہ اس کے اپنے بیوی بچوں کو بھی اس سے بات کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ دکانداروں کو سودا دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ اس کی بپتا کوئی نہیں سنتا اور وہ برادری کے بائیکاٹ سے مجبور ہو کر بے گناہ ہوتے ہوئے بھی خلیفہ کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لیتا ہے۔ کوئی اگر ڈٹ جائے، مقابلہ پر اتر آئے یا مقدمہ دائر کر دے تو اس کا گھر جلایا جا سکتا ہے یا وہ قتل بھی ہو سکتا ہے۔

یہ آمریت کا سلسلہ صرف گدی نشینی تک ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے شہروں میں جو قادیانی امیر اور عہدے دار مقرر کیے جاتے ہیں، وہاں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔ کہنے کو تو قادیانی جماعت میں ہر تین سال بعد باقاعدہ انتخابات کے ذریعہ ہر شہر اور حلقہ میں عہدیداروں کو لوگ منتخب کرتے ہیں مگر یہ قانون دکھانے کی حد تک ہے۔ جو عہدیدار بااصول، خوددار اور غیرت مند ہوں وہ تو تین سال کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی تبدیل کر دیے جاتے ہیں لیکن جو عہدیدار اپنی بیوی یا بہنیں یا بیٹیاں خلیفہ صاحب کے پاس بھیجتے رہتے ہیں' وہ سالہا سال تک اپنے عہدوں پر فائز رہتے ہیں اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں اور آسائشیں حاصل رہتی ہیں۔ غیر ملکی ہوائی سفر اور یورپ کی سیریں کرائی جاتی ہیں۔

اگر کوئی قادیانی اپنی عورتوں کو خلیفہ سے ملنے نہ دے، اس سے یا اس کے خاندان سے پردہ کرائے تو اسے لائق بھروسہ نہیں سمجھا جاتا، ان پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور ان کی باقاعدہ نگرانی کی جاتی ہے اور ان کے خلاف خلیفہ کو رپورٹیں بھیجی جاتی ہیں۔ انھیں کسی انتخاب میں بھی ووٹ دینے کا حق نہیں، اگر کوئی ایسا غیرت مند شخص عہدہ دار بن بھی جائے تو خلیفہ اپنے ذاتی اختیارات کے تحت فوراً اس کا انتخاب منسوخ کر کے اپنے کسی پٹھو کو نامزد کر دیتا ہے۔ اس آمریت کا مظاہرہ کراچی میں مرزا محمود کے دور میں ہوا۔ یہاں چوہدری عبداللہ خان (سر ظفر اللہ کا بھائی) کے اچانک مرنے کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب کثرت رائے سے کراچی کے قادیانی امیر منتخب ہو گئے جو کہ ایک بااصول غیرت مند آدمی ہیں اور اپنی عورتوں کو بھی مرزا محمود اور اس کے خاندان سے نہیں ملواتے۔ یہ بات مرزا کے خاندان اور ان کے بے غیرت پٹھوؤں، جن میں چودھری ظفر اللہ کی چوہدری برادری پیش پیش تھی، بہت ناگوار تھی۔

چوہدری ظفر اللہ کی برادری کا چوہدری احمد مختار کراچی کی قادیانی جماعت کا امیر بننے کا متمنی تھا۔ مگر انتخاب میں شیخ رحمت اللہ سے ہار گیا۔ مگر خاندان مرزا کی خدمت میں چوہدریوں کی عورتیں ہر وقت حاضر رہتی تھیں۔ انھوں نے خلیفہ اور اس کے بیٹے مرزا ناصر کو (جو بعد میں تیسرا قادیانی خلیفہ بنا) رام کر لیا اور مرزا محمود نے بیک قلم شیخ رحمت اللہ کو امارت سے ہٹا کر چوہدری احمد مختار کو امیر جماعت کراچی نامزد کر دیا اور یہ پٹھا اس زمانے سے قادیانی جماعت کا امیر چلا آ رہا ہے۔ حالانکہ قادیانی مذہب کا قانون یہ ہے کہ ہر جماعتی عہدیدار کا انتخاب ہر 3 سال بعد دوبارہ ہو، مگر چوہدری احمد مختار (جو بغیر انتخاب نامزد ہوا) اپنی مردانہ اور زنانہ خدمات کے طفیل 28 سال سے کراچی کی قادیانی جماعت کی امارت کی گدی پر متمکن ہے۔

سچ ہے جسے پیا چاہے، سہاگن کہلائے۔ رسالہ (لاہور) کے ایڈیٹر ثاقب زیروی غور کریں کہ آپ کے ہاں صرف آمریت نہیں بلکہ آمریت در آمریت ہے۔ ایک بدترین آمر (مرزا محمود) نے آگے مرزا ناصر اور طاہر جیسے آمر پیدا کیے۔ انھوں نے آگے احمد مختار جیسے آمر پیدا کیے تو آپ کس منہ سے شہید صدر ضیاء الحق کو آمر ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ پہلے اپنے ہاں سے تو آمریت ختم کریں۔ آپ پر تو وہ ضرب المثل صادق آتی ہے کہ چھاج بولے سو بولے چھلنی کیا بولے جس میں سو چھید۔

مرزا محمود بھی بڑے گنی آدمی تھے۔ بڑے بڑے لائق لوگوں کو قابو کرنے کے لیے کیا کیا چکر چلائے۔ چوہدری ظفر اللہ اور چوہدری برادری کے لوگ خاندان مرزا کی عورتوں کے چکر میں اور ان کی عورتیں خلیفہ اور اس کے شہزادوں کے ہاں۔ سر ظفر اللہ، مرزا کے اندرون خانہ ایسا مست رہا کہ ساری عمر اپنی بیوی کی خبر نہ لی۔ یورپ سے آتا تو اپنے گھر کے بجائے سیدھا مرزا محمود کے پاس یا اس کے بیٹوں، بیٹیوں میں سے کسی کے گھر قیام کرتا۔ ناچار ظفر اللہ کی بیوی نے بالآخر طلاق لے کر مشہور سرمایہ دار شاہ نواز سے شادی رچا لی اور ظفر اللہ کی عالمی شہرت کو چار چاند لگائے۔ کراچی کے قادیانی گروہ کا مستقل امیر چوہدری

احمد مختار بھی اسی قسم کی عیاشیوں میں مست ہے اور آمریت در آمریت کی زندہ مثال ہے۔ اسے بھی اپنے گھر بار کی خبر نہیں ہوتی۔ بس خاندان مرزا کا اندرون خانہ خدمت گزار ہے۔ اپنے گھر والوں کو ترساتا رہتا ہے۔ اس کا ایک بیٹا اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتا تھا مگر یہ نہ مانا۔ بالآخر بیٹے نے خودکشی کر لی۔ مگر باپ کے چہرہ پر میل نہ آیا کیونکہ یہ تو مرزا طاہر کے گھرانے کو اپنا گھر سمجھتا ہے۔ احمد مختار کا بڑا بیٹا بھی اس سے باغی ہے۔ ایک دفعہ پوتا ایسا بیمار ہوا' جس کا علاج یورپ میں ہو سکتا تھا۔ بیٹے نے اس کے علاج کے لیے پیسے کے لیے بہت فریاد کی۔

احمد مختار کروڑ پتی ہے اور مرزا طاہر کے گھرانے پر لاکھوں روپے نچھاور کرتا ہے مگر پوتے کے علاج کے لیے رقم دینے سے انکار کر دیا۔ نتیجتاً بچہ مر گیا۔ تب اس کے واحد زندہ بیٹے نے بھی دل برداشتہ ہو کر اپنے باپ یعنی مختار کا گھر چھوڑ دیا اور علیحدہ رہتا ہے۔ اس سے ملتا بھی نہیں۔ ماں بیٹے سے ملنے آتی تھی تو چوہدری اس پر بگڑتا تھا۔ نتیجتاً ماں بھی اولاد کے غم میں چل بسی۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اس کا پتھر دل بیٹے کی طرف مائل ہو جاتا۔ مگر اس کا گرو مرزا طاہر بھی کائیاں تھا۔ فوراً 50 سالہ بڈھے احمد مختار کی شادی ایک خوبرو دوشیزہ سے کرا دی۔ اب بڈھا اس میں مست ہے۔ احمد مختار کی مسرت ڈائجسٹ کے ایڈیٹر زیڈ۔ یو۔ تاثیر کے ساتھ بھی خوب رنگ رلیاں رہتی ہیں۔ تاثیر ایک جونیئر کلرک تھا۔ پھر اس نے گلشن مہران ہاؤسنگ پراجیکٹ کا چکر چلایا، جسے 25 سال ہو گئے مگر کسی کو پلاٹ نہیں دیا لیکن خود جونیئر کلرک (جو جی ٹائپ کوارٹر میں رہتا تھا) سے کروڑ پتی ہو گیا۔ گلشن میں 3 بنگلے۔ بچے اور سسرال آئے دن کینیڈا، امریکہ اور یورپ گھومتے ہیں۔ تاثیر کی احمد مختار سے بہت دوستی ہے۔ تاثیر کے پاس ایک دم دولت آئی تو شمیم کوثر نامی ایک نازنین کو جو ایک مقامی کالج میں پڑھاتی تھی بطور داشتہ رکھ لیا۔ احمد مختار اور تاثیر دونوں، اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے۔ بیوی سے اس مسئلہ پر جھگڑا ہوا تو اس کو علیحدہ بنگلہ لے دیا اور خود گلشن مہران میں قادیانی امیر کے ساتھ وہی رنگ رلیاں۔ مال حرام بود بجائے حرام رفت اور ہاں ثاقب زیروی صاحب! آپ بھی تو گلشن مہران ہو آئے۔ آپ کے رسالہ ''لاہور'' میں تاثیر اور احمد مختار کے ہمراہ وہاں کی تصویر تو بہت عمدہ آئی ہے۔ سنائیے! رات کیسی گزری؟ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ بات پہنچی تھی آپ کے ہاں آمریت در آمریت اور بدترین آمریت تک۔ لب لباب یہ کہ شہیدوں پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گھر کی تو خبر لیجئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو بصارت کے ساتھ بصیرت بھی عطا کرے اور تائب ہو کر امت محمدیہ میں شمولیت کی توفیق بخشے۔ وما علینا الا البلاغ!

منیرالدین احمد

ڈھلتے سائے

جامعتہ المبشرین میں ہماری پڑھائی شروع ہوئے ابھی چار ہفتے بھی نہ ہوئے تھے کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی عمارت میں ایک بھونچال آ گیا۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد نے انکشاف کیا کہ حکیم مولوی نور الدین کے بیٹے عبدالمنان عمر نے نوجوانوں کا ایک گروپ بنا رکھا ہے، جو اس کو خلیفہ بنانے کے لیے ساز باز کر رہا ہے۔ عبدالمنان عمر اس وقت امریکہ گئے ہوئے تھے۔ وہ وہاں سے فی الفور واپس لوٹے اور آتے ہی سیدھے ''قصر خلافت'' پہنچے۔ ان کا خیال تھا کہ کسی غلط فہمی کے باعث ان پر یہ الزام لگایا گیا ہے، جس کی تلافی ممکن ہے۔ مگر ''قصر خلافت'' کے دروازے ان پر بند رہے اور صدر انجمن احمدیہ کا کوئی ذمہ دار کارکن بھی ان کی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ جماعت احمدیہ کے اخباروں میں خلافت کے حق میں مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ خلیفہ خدا تعالیٰ خود بناتا ہے جو کوئی اس منزلت کو دھاندلی سے حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے، اس کو ہمیشہ منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

مرزا بشیرالدین محمود احمد پر اس سے دو سال قبل ایک ناکام قاتلانہ حملہ ہو چکا تھا، جس کا ان کی صحت پر بہت گہرا اثر پڑا تھا۔ خنجر کی ایک نوک ان کی گردن میں اٹکی رہ گئی تھی، جس کا پتہ اس وقت چلا تھا، جب وہ علاج کے لیے یورپ گئے تھے مگر اس کو نکالا نہ جا سکا تھا، کیونکہ آپریشن کرنے پر ان کی جان جانے کا خطرہ تھا۔ ان کی صحت مسلسل گر رہی تھی اور ''خاندان نبوت'' میں ان کی جانشینی کا سوال اٹھایا جا رہا تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ خلافت کی گدی ان کے بیٹے مرزا ناصر احمد کو ملنی چاہیے، جس کو انھوں نے جامعہ احمدیہ میں تعلیم دلا کر مولوی فاضل کی ڈگری دلوائی تھی۔ اس کے بعد اس کو پڑھنے کے لیے آکسفورڈ بھیجا تھا، جہاں سے وہ بی۔ اے کی ڈگری لے کر آئے تھے۔ اپنے نام کے ساتھ وہ ایم۔ اے (آکسن) اس لیے لکھا کرتے تھے، کیونکہ جو کوئی وہاں سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد دو سال تک کسی کالج میں پڑھائے، اس کو ایم۔ اے کی ڈگری دے دی جاتی تھی۔ انگلستان سے واپسی پر ان کو پہلے جامعہ احمدیہ کا، پھر تعلیم الاسلام کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ اس کے باوجود عام طور سے ان کے بارے میں یہ تاثر تھا کہ وہ موٹے دماغ کے آدمی ہیں۔ ان سے ایک بار دہلی کے ایک جلسہ میں تلاوت قرآن کرائی گئی تھی، جس میں ان سے غلطی سرزد ہوئی تھی، جس کے سبب مخالفوں نے پتھراؤ کیا تھا۔ مرزا بشیرالدین محمود احمد نے کئی بار اس

واقعہ کا خود ذکر کیا تھا اور اپنے بیٹے کی قابلیت کے بارے میں شک وشبہ کا اظہار کیا تھا۔

ہوسٹل میں قیام کے دنوں میں ہر رات کو عین دس بجے میری کھڑکی پر دستک ہوتی تھی اور میں کتابیں ٹھپ کر گیٹ کی طرف چل دیتا تھا، جہاں پر مرزا خلیل احمد میرے انتظار میں کھڑے ہوتے تھے۔ وہ مرزا بشیر الدین محمود احمد کے صاحبزادے اور حکیم مولوی نور الدین خلیفہ اوّل کے نواسے تھے۔ ان کا گھر ہوسٹل کے بالمقابل تھا اور وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں سے میرے کمرے میں جھانک کر دیکھ سکتے تھے۔ انھیں پتہ تھا کہ میں سارا دن کتابوں میں غرق رہتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ مجھے ایک دو گھنٹوں کے لیے کتابوں کے چنگل سے نجات دلانے کے لیے آتے ہیں۔ مگر حقیقت اس سے تھوڑی مختلف تھی۔ میں جانتا تھا کہ راتوں کی مٹر گشت مرزا خلیل احمد کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ سارا دن اپنے گھر میں گھسے خدا جانے کیا کرتے رہتے تھے۔ میں نے انھیں کبھی دن کے وقت کہیں پر آتے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی ان کو نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد میں دیکھا ہو، جو اُن کے گھر کے پہلو میں واقع تھی۔ ان کے کمرے کی کھڑکی کے پردے دن چڑھے تک بند رہتے تھے۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ گیارہ بارہ بجے اٹھ کر ناشتہ کرتے تھے۔ ایک دو بار وہ دوپہر کے وقت سونے کے لباس میں ملبوس مجھ سے چائے کی پتی مانگنے کے لیے آئے تھے، جو اُن کے گھر میں ختم ہو گئی تھی اور نوکر بازار سے لانا بھول گیا تھا۔

ان کے اس طرح گھر میں بند ہو کر رہنے کے پیچھے یہ چیز پوشیدہ تھی کہ ان کی بیوی نے، جو ان کے چچا مرزا بشیر احمد کی بیٹی تھی، خلع لے لی تھی۔ وجہ اس کی یہ بیان کی جاتی تھی کہ ان کا رشتہ لاولد رہا تھا۔ ان کی بیوی ہر قیمت پر بچے جننا چاہتی تھی۔ اس کی دوسری شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی اور وہ صاحب اولاد بنی تھی۔ اس چیز نے مرزا خلیل احمد کی خودداری پر ایسا گہرا زخم لگایا تھا کہ وہ اس کے بعد کسی راہب کی طرح گھر میں بند ہو کر رہ گئے تھے۔ صرف رات کے وقت باہر نکلتے تھے اور ربوہ کی سنسان گلیوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ اس کہانی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ مرزا خلیل احمد کی بڑی بہن امتہ القیوم ان کی سابقہ بیوی کے بڑے بھائی مرزا ایم۔ ایم احمد (مرزا مظفر احمد) کے ساتھ بیاہی ہوئی تھی اور ان کا رشتہ بھی لاولد رہا تھا۔ ان کو بھی یقیناً اس بات کا رنج ہوگا، مگر ان کے بارے میں سننے میں نہ آیا کہ وہ اس وجہ سے ایک دوسرے سے جدا ہونے کی بابت سوچ رہے ہیں۔

عبدالمنان عمر، جن کو خلافت سے دور رکھنا مقصود تھا، وہ مرزا خلیل احمد کے، جو اس زمانے میں اپنی دوسری بہن امتہ الرشید زوجہ میاں عبدالرحیم احمد (وکیل التعلیم) کے ساتھ رہتے تھے، ماموں تھے۔ عبدالمنان عمر کی بہن امتہ الحی کے ساتھ مرزا بشیر الدین محمود احمد نے خلیفہ بنتے ہی اس لیے شادی کی تھی کہ اس طرح ان کا خلافت پر دعویٰ مضبوط ہوتا تھا۔ وہ اگر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے فرزند تھے، تو دوسری طرف نور الدین کے داماد بھی تھے۔

ہماری شبینہ سیر و سیاحت کا آخری اڈہ گول بازار کا ایک چائے خانہ تھا، جو ہمارے انتظار میں

آدھی رات تک کھلا رہتا تھا۔ جب ہم چائے پی کر اٹھتے تھے، تو خواجہ عبداللہ دوکان بند کر دیتا تھا۔ مرزا خلیل احمد کے گھر کے آس پاس ہمیں اکثر پُر اسرار افراد نظر آیا کرتے تھے، جن کو وہ نظارت امور عامہ کے ''لونڈے'' کا نام دیتے تھے۔

یہ لوگ ساری رات ان کے گھر پر پہرہ دیتے تھے، کیونکہ ''قصر خلافت'' کو شبہ تھا کہ رات کے اندھیرے میں عبدالمنان عمر اپنے بھانجے اور اس کی بہن سے ملنے کے لیے آتے ہوں گے۔ عام طور سے مرزا خلیل احمد بہت محتاط تھے، مگر میرے سامنے کبھی کبھی وہ اپنے رنج و غصے کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ ہماری سیر کے راستے میں نواب محمد احمد (مرزا بشیر الدین محمود احمد کی بہن مبارکہ بیگم کا بیٹا) کا بنگلہ آتا تھا، جہاں پر ''خاندان نبوت'' کے لڑکے لڑکیاں مل کر موسیقی سنتے اور ڈانس کیا کرتے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں یہ بنگلہ بیرونی چار دیواری کے بغیر تھا، اس لیے جو کوئی وہاں سے گزرتا تھا، وہ ان لوگوں کو رنگ رلیاں مناتے اور ہلڑ بازی کرتے ہوئے دیکھ سکتا تھا۔

ان دنوں ربوہ میں ایک رپورٹ نے بہت ہلچل مچا رکھی تھی، جو کسی نے لندن کے سفر سے واپسی پر لکھی اور مرزا بشیر الدین محمود احمد کو بھیج دی تھی۔ اس میں بیان کیا گیا تھا کہ ان کا صاحبزادہ مرزا طاہر احمد، جو آگے چل کر خلیفہ المسیح الرابع بنا، اور اس کا ساتھی میر محمود احمد مسجد فضل لندن کے فلیٹ میں راتوں کو پارٹیاں دیتے ہیں، جن میں موسیقی سنی جاتی ہے، شراب چلتی ہے اور لڑکے لڑکیاں مل کر فحش ڈانس کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں تفتیش کی خاطر ایک کمیشن بٹھایا گیا، جس نے تمام الزامات کو غلط قرار دیا اور دونوں صاحبزادگان کو بری کر دیا۔ میں نے مرزا خلیل احمد سے پوچھا کہ وہ اپنے والد ماجد کے ساتھ لندن جانے والے گروپ میں شامل تھے اور وہاں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ رپورٹ بالکل بے بنیاد ہے۔ اس پر انھوں نے جواب دیا: تم ہر روز میرے ساتھ نواب محمد احمد کے بنگلے میں منائی جانے والی رنگ رلیاں دیکھتے ہو، کیا تم تصور نہیں کر سکتے کہ طاری (مرزا طاہر احمد کا گھریلو نام) لندن میں عیش نہیں کرتا ہوگا۔ اس بات کی تصدیق چند برس ہوئے مرزا طاہر احمد نے خود کر دی۔ انھوں نے ایک مجلس میں، جو احمدیہ ٹیلی ویژن پر ساری دنیا میں دیکھی گئی، بیان کیا کہ جب وہ طالب علمی کے زمانے میں لندن میں مقیم تھے، تو اپنے انگریز دوستوں کے ساتھ پوری پوری رات جاری رہنے والی مجلسوں میں باتیں کیا کرتے تھے۔ جو کوئی یورپ کے حالات سے واقف ہے اُس کو پتہ ہے کہ یہ رات بھر جاری رہنے والی مجلسیں شبینہ پارٹیاں ہوتی ہیں، جن میں موسیقی بجائی جاتی ہے، شراب پانی کی طرح بہتی ہے اور ڈانس ہوتا ہے۔ عام طور سے مشہور تھا کہ مرزا طاہر احمد اور میر محمود احمد لندن کے اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈی میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مرزا خلیل احمد نے اس بارے میں مجھے اس وقت کہہ دیا تھا: یہ لوگ وہاں پر عیش کر رہے ہیں اور تم دیکھ لو گے کہ وہ بی۔ اے کی ڈگری بھی لے کر نہیں آئیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ اوپر والی محفل میں مرزا طاہر احمد نے خود بیان فرمایا تھا کہ وہ درسی تعلیم سے زیادہ معاشرتی مطالعہ میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اس لیے کلاسیں اٹنڈ نہیں کرتے تھے بلکہ یورپ کی سیر و سیاحت کو زیادہ اہم سمجھتے تھے۔

❀……❀……❀

خالد وزیر آبادی

شیطان خلیفہ

نوٹس بنام مرزا محمود احمد صاحب قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

جناب من بمقدمہ مرزا اعظم بیگ بنام مرزا بشیر الدین محمود و مرزا بشیر احمد و مرزا شریف احمد صاحبان حسب ہدایت مرزا اعظم بیگ ولد مرزا اکرم بیگ معرفت مرزا عبدالعزیز کوچہ حسین شاہ لاہور میں آپ کو مفصلہ ذیل نوٹس دیتا ہوں۔

1- بروئے بیعنامہ مورخہ 21 جون 1920ء رجسٹری شدہ مورخہ 5 جولائی 1920ء مرزا اکرم بیگ ولد مرزا افضل بیگ و خاتون سردار بیگم صاحبہ بیوہ مرزا افضل بیگ ساکنان قادیان نے کل جائیداد غیر منقولہ از قسم سکنی و اراضیات زرعی و غیر زرعی ہر قسم اندرون و بیرون سرخ لکیر واقعہ موضع قادیان معہ حصہ شاملات و دیگر حقوق داخلی و خارجی متعلقہ جائیداد مذکور آپ کے و مرزا بشیر احمد و شریف احمد صاحبان کے حق میں بیع کر دی اور زر قیمت مبلغ ایک لاکھ اڑتالیس ہزار روپیہ بیعنامہ میں خرچ کیا گیا ہے۔

2- کہ مرزا اعظم بیگ پسر مرزا اکرم بیگ نابالغ ہے اور بوقت بیع یعنی 21 جون 1930ء کو نابالغ تھا۔ اور وہ یکم جولائی 1910ء کو پیدا ہوا تھا۔ اور یکم جولائی 1928ء کو بالغ ہوا تھا۔ اور اپنے ماموں مرزا عبدالعزیز صاحب کے ہاں پرورش پاتا رہا۔

3- کہ جائیداد بیعہ مندرجہ فقرہ (1) جدی جائیداد ہے اور خاتون سردار بیگم صاحبہ کو کوئی حق نسبت جائیداد مذکور نہیں جو قابل بیع ہوتا۔

4- اور مرزا اکرم بیگ کو بلا ضرورت جائز جائیداد بیعہ مذکورہ کو بیع کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔

5- جائیداد مذکورہ بالا بلا ضرورت جائز فروخت ہوئی۔

6- کہ ادائیگی زر بدل کے بارہ میں سردست مرزا اعظم بیگ کو کوئی ثبوت حاصل نہیں ہوا۔

7- مرزا اعظم بیگ جائیداد بیعہ مذکور کو واپس لینے کا مستحق ہے اور اس غرض کے لیے آپ کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ آپ جائیداد بیعہ مذکور اعظم بیگ کو واپس کر دیں۔

-8 اگر آپ نے جائیداد مذکورہ واپس نہ کی۔ تو بعد از انقضائے ایک ماہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اور آپ خرچہ مقدمہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

-9 میں نے نوٹس ہذا کی ایک ایک نقل مرزا بشیر و شریف صاحبان کو بذریعہ رجسٹری بھیج دی ہے۔

-10 یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ آئندہ تعمیرات و انتقالات نسبت جائیداد مذکور بند کر دیئے جائیں۔

صاحبان یہ ہیں بروز وظل کے کرشمے اور دنیا سے قطع تعلق و خاکساری و عاجزی کے اسباب اور مرزا جی کی نبوت کے ڈال پات کہ ڈیڑھ لاکھ کی ایک ہی رجسٹری خاندانِ نبوت میں منتقل ہو رہی ہے۔ قادیان میں جایئے اور دیکھئے کہ ان پیغمبر زادوں کے آرام کے لیے کس قدر عالی شان کوٹھیاں اور سر بفلک عمارتیں بنی کھڑی ہیں، جن میں ہزاروں روپے کے فرنیچر اور دیگر لوازمات بڑی خوبی و عمدگی سے آویزاں ہیں۔ یہاں تک ہی بس نہیں آہ رونا تو یہ ہے کہ نبی کی پوتیاں مغربی تہذیب و تعلیم کی اس قدر دلدادہ ہیں کہ پچھلے دنوں ہمارے محترم خلیفہ جی مشی فی النوم کو ان کی تربیت کے لیے ایک نہایت ہی خوبصورت پری جمال حوروش مس روفو جو ایک اٹالین حسینہ تھی۔ سیسل ہوٹل لاہور سے بصد منت قادیان اپنی موٹر میں وائیں بازو لانا پڑا۔

مرزا جی کے اس ہونہار و لائق بچے کی ایک دلنواز بیوی سارہ بیگم جو خیر سے پانچویں خلفائن تھی۔ اور جو خلیفہ صاحب کے دورے کے ایام میں ہی چل بسی اور جس کا صدمۂ جانکاہ و داغ مفارقت خلیفہ جی کو خصوصاً اور امت مرزائیہ کو عموماً مدتوں اٹھانا پڑا۔

قادیان کا ہر ماسٹر وائس اخبار بیچارا الدجل مدتوں مرثیے اور تعزیت ناموں سے کالم کے کالم سیاہ کرتا اور ٹسوے بہاتا رہا اور دور دور سے لوگ خوابی ملاقات کی دلچسپ کہانیاں بیان کرتے رہے جنہیں سن سن کر خلیفہ جی کا دل کپکپا جاتا۔ اور لب سے بے اختیار آہ سارہ نکل جاتا۔ مختصراً مرزا محمود صاحب مدتوں اس کے فراق میں تڑپا کیے۔ آخر رفتہ رفتہ یہ رستا ہوا ناسور کچھ کم ہوا۔ تو یہ چوتھی خانہ پری کرنے کے لیے ایک اور جمیل دوشیزہ مل گئی۔ جس سے حال ہی میں نکاح ہوا ہے۔

چنانچہ ہمارے محترم دوست سندباد جہازی نے اس پر ایک فکاہی مضمون جریدہ احسان مورخہ 13 اکتوبر 1935ء میں لکھا۔ اور اسی پر حاجی لق لق نے خامہ فرسائی فرمائی۔ ہر دو مضمون قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔

ایسے کو ملے تیسا

خلیفۂ قادیان کو حاجی لق لق کی دعوت مباہلہ

(خود حاجی لق لق کے قلم سے)

آج کل عملہ ''احسان'' اور احرار کی طرف سے قادیانیوں کو دعوت مباہلہ دینے کا کام آلوؤں کی شدھی کی طرح بڑے زوروں پر ہے۔ اس لیے ہم جو پتنگ بازی تک کی قومی تحریک میں کسی سے پیچھے نہ

رہے، مناسب خیال کرتے ہیں کہ اس میدان میں قدم بڑھائیں۔ اور ہمیں خلیفہ قادیان کو دعوت مباہلہ دینے کی زیادہ ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ ''الدجل'' مدیر ''احسان'' کو مرزا بشیر الدین محمود سے کم رتبہ کا انسان سمجھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ خلیفہ قادیان کو وہ شخص دعوت دے، جو اس کا ہم رتبہ ہو۔

ہم مرزا محمود صاحب جی کے ہم رتبہ تو کیا ان سے بھی چار درانتی آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً اطالیہ کی ایک حسینہ مس روفو نے اگر قادیان کے قصر خلافت کو اپنے ''قدوم میمنت لزوم'' سے عزت بخشی تو حاجی لق لق کی درانتی نے پیرس کی ایک مشہور رقاصہ کو اپنی صحبت سے سرفراز کیا۔ مرزا بشیر الدین محمود اگر گورنر پنجاب اور وائسرائے ہند سے خفیہ ملاقاتیں کرنے پر نازاں ہیں تو حاجی لق لق کی درانتی نے موسیو پوائنکار صدر جمہوریت فرانس سے ملاقات کی۔ اگر مرزا محمود کے پاس حکومت برطانیہ کے پروانہ ہائے خوشنودی موجود ہیں تو حاجی لق لق کی درانتی نے خود موسیو پوائنکار کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ اگر خلیفہ قادیاں کی شان میں ''الحکم'' اور ''الفضل'' قصائد لکھتے ہیں تو ہماری درانتی کے کارنامے فرانسیسی اور انگریزی اخبارات میں چھپتے رہے۔

یہ تو ہیں صرف ہماری درانتی کے فضائل۔ اس سے آپ ہماری عظمت کا اندازہ لگا لیجیے۔ اور خود ہی فیصلہ کیجیے کہ ہم رتبہ کے لحاظ سے خلیفہ قادیاں کو دعوت مباہلہ دے سکتے ہیں یا نہیں۔

بہر حال اگر خلیفہ صاحب مباہلہ سے خوف نہیں کھاتے تو انہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ ہندوستان میں کم از کم ایک شخص ایسا پیدا ہو گیا ہے جس سے مباہلہ کرنا ان کی شان کے خلاف نہیں اور یہاں ہم یہ ذکر بھی کر دیتے ہیں کہ ہم پتنگ بازوں کے خلیفہ جی بھی ہیں۔ اس لیے اس مباہلہ میں خلیفہ بمقابلہ خلیفہ ہوگا۔

اب ہم ذیل میں تحریری دعوت نامہ پیش کرتے ہیں:

''ہم کہ حاجی لق لق ولد والد بزرگوار مرحوم ساکن موضع جہازی بلڈنگ بیرون دہلی دروازہ لاہور کا ہوں۔ اور بقائمی ہوش و حواس و ہندو مسلم بائیکاٹ ہم مرزا بشیر الدین محمود کو دعوت دیتے ہیں کہ اگر ان کا باپ نبی...... اجی توبہ کیجیے، اور جھوٹوں پر لعنت بھیجیے...... اگر ان کا باپ کم از کم مسلمان بھی تھا۔ تو مسمی مذکور ہمارے ساتھ مباہلہ کر لے جس کی صورت حسب ذیل ہوگی۔

ہم لاہور سے روانہ ہوں اور خلیفہ صاحب قادیاں سے چلیں۔ دونوں دریائے بیاس کے کنارے پہنچ جائیں۔ لیکن تاریخ مقرر کرنے میں اس امر کی احتیاط کی جائے کہ چاندنی رات ہو۔ پھر دریائے بیاس کے کنارے ایک بزم نشاط قائم کی جائے، جس میں مس روفو اور مختار بیگم کو بھی شامل کیا جائے۔ رات بھر محفل رقص و سرود قائم رہے۔ اور نور کے تڑکے سب حاضرین و حاضرات وضو کریں اور بہتر ہو کہ غسل کریں۔ پھر خلیفہ صاحب بدرگاہ قاضی الحاجات دعاء کریں کہ اے خدا اگر میرا باپ سچا تھا۔ تو مس روفو اور مس مختار بیگم اپنے اپنے گھروں کو جانے کی بجائے میرے ہمراہ قادیاں چلیں۔ اور ہم دعا کریں کہ

اے خدا! اگر مرزا غلام احمد سچا تھا تو اس کے فرزند دلبند کی آرزو پوری کر۔

لیکن اتمام حجت کے طور پر خلیفہ صاحب دعا مانگنے سے پہلے مس رفو کو سمجھائیں کہ دیکھو سیسل ہوٹل اور الفسٹن ہوٹل بھول جاؤ گی۔ تنخواہ کی تو بات ہی نہ کرو۔ قادیاں کا ''بیت المال'' تمہارا ہوگا۔ اور کام بھی برائے نام محض میرے بچوں کی دیکھ بھال۔ وہ بھی گاہے گاہے صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے اور کبھی کبھی انہیں انگریزی کے دو چار لفظ سکھا دینا اور بس۔

اس کے بعد مس مختار بیگم کو بھی سمجھا دیا جائے کہ آغا حشر مرحوم کا صدمہ فراموش ہو جائے گا۔ فلم کی زندگی سے اچھی نہ رہوگی۔ تو بری بھی نہ رہوگی۔ ادبی شوق کے پورا کرنے کے لیے لائبریری موجود ہے وغیرہ۔

اتمام حجت کے بعد مذکورہ بالا دعائیں کی جائیں۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب قادیاں کی طرف چل پڑیں اور ہم لاہور کی طرف۔ اگر دونوں مسماتیں مرزا بشیر الدین محمود کے پیچھے چل پڑیں تو وہ سچے ان کا باپ سچا۔ اگر ہمارا پیچھا نہ چھوڑیں تو ہم سچے۔

ہم نے یہ چند سطور بطور دعوت نامہ تحریر کر دی ہیں۔ اب مرزا صاحب کا فرض ہے کہ وہ میدان مباہلہ میں تشریف لائیں اور خواہ مخواہ مدیر ''الدجل'' جیسے اناڑیوں کو آگے نہ دھکیلیں۔

(الراقم حاجی لق لق عفی عنہ)

خلیفہ جی کی شادی

(سند باد جہازی کی قلم سے)

مولانا مظہر علی اظہر نے للکارا کہ خلیفہ جی ذرا شبستان خلافت سے باہر تو نکلئے۔ ہمارے اور آپ کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ یعنی دونوں اٹھا کر ہم بھی دعا مانگیں اور آپ بھی۔ پھر دیکھیں کہ کس پر خدا کے قہر کی بجلی گرتی ہے آقائے مرتضیٰ احمد خان دامن گردانے آستینیں چڑھائے البرزشکن لیے نکلے اور کہنے لگے کہ ذرا ہمارے گرز ''خوردی مردی'' کی ''ضربِ مباہلہ'' تو ملاحظہ فرمائیے۔ اشرف صاحب پکارے کہ میں بھی آیا۔ خلیفہ جی جانے نہ پائیں۔ لیکن خلیفہ جی کو ''مباہلہ'' کی فرصت کہاں۔ ان دنوں حریم خلافت میں کچھ ایسی گہما گہمی ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک طرف دیگیں چڑھی ہوئی ہیں۔ دوسری طرف ایک پراتم حکیم جی جن کی بھویں تک سپید ہو چکی ہیں، لبوب کبیر' ضماد سرخ اور خدا جانے کیا کیا تیار کر رہے ہیں۔ سامنے اپلوں کا ڈھیر لگا ہے۔ کھرل میں دوائیں پس رہی ہیں۔ جند بید ستر کی تلاش میں تو کوئی ایسی تکلیف نہیں ہوئی۔ مایہ شتر اعرابی بھی آسانی سے ہاتھ آ گیا۔ البتہ سقنقور کے لیے سات سمندر گھنگھول ڈالے۔ ظالم کا کہیں پتہ نہ ملا۔

آپ سمجھے؟ یہ سارا اہتمام کس لیے ہے۔ اجی حضرت خلیفہ جی کا بیاہ ہو رہا ہے۔ وہ تو آپ کو

معلوم ہوگا کہ خلیفہ جی کی چار بیویاں تھیں۔ لیکن پچھلے دنوں ایک بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اب یہ ''اسامی'' پر کی جارہی ہے۔ شادی کی ساری تیاریاں ہوچکیں۔ اب خلیفہ جی دلہا بنیں گے۔ سہرا باندھیں گے اور چاندی بنو اسے تو بہ خلفائن بیاہ لائیں گے اور باپ دادا کا نام روشن کریں گے۔ یہ لوگ جو ابھی تک ''مباہلہ مباہلہ'' پکارے جارہے ہیں۔ عجب بدذوق انسان ہیں۔ یہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔ جب جی میں آیا پکار اٹھے کہ ''مباہلہ کر لیجئے۔'' اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ خلیفہ جی کے پاؤں میں مہندی رچائی جارہی ہے۔ وہ مباہلہ کیسے کریں۔ بہرحال گذشت آنچہ گذشت'' اب مناسب یہی ہے کہ اس ''مبارز طلبی'' کے بجائے مبارکباد عرض کیجئے اور یہ شعر پڑھ کر دل کو تسلی دے لیجئے۔

یاں سر پر شور بے خوابی سے تھا دیوار جو
واں وہ فرقِ ناز زیب بالش کمخواب تھا

ابھی راقم الحروف یہیں تک پہنچا تھا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کتخدائی کی رسم کب سے ادا ہوچکی۔ خطبہ نکاح مفتی محمد صادق نے پڑھا۔ چھوہارے اور شیرینی تقسیم کی گئی۔ اور خلیفہ جی خلفائن صاحبہ کو لے کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر سدھارے۔ ہمارا تو ارادہ تھا کہ اس موقع پر قادیان چل کے سہرا پڑھتے اور داد لیتے۔ لیکن خلیفہ جی نے اپنے پرانے نیازمندوں کو اس موقع پر یاد ہی نہیں کیا۔ حالانکہ ایسے موقعوں پر دشمنوں کو بھی فراموش نہیں کیا جاتا۔ اور ہماری ان کی دشمنی تھوڑی ہی ہے۔ یونہی بس یاد اللہ سی ہے۔

قادیان جانے اور محفل عروسی میں سہرا پڑھنے کا تو موقع نہیں رہا۔ البتہ یہ ''باسی سہرا'' علمی و ادبی نمبر میں شائع کردیا جائے گا۔ خلیفہ جی ہمیں بھول جائیں۔ ہم تو انہیں بھولنے کے نہیں۔ سہرے لکھیں گے۔ تہنیت نامے شائع کریں گے۔ دفتر ''احسان'' میں رت جگا ہوگا۔ چراغاں کیا جائے گا۔ ایڈیٹر اور کاتب کلرک اور چپراسی ''مبارک سلامت'' کا شور مچائیں گے۔ ''چاند سورج کی جوڑی برقرار'' کے نعرے لگائیں گے۔ اس پر بھی قادیان والے ہم سے ناراض رہیں تو ان سے خدا سمجھے۔

مولانا مظہر علی اظہر تو ہمارا کہا کب مانیں گے۔ البتہ ہم نے مولانا مرتضٰے احمد خان اور مولوی اشرف صاحب کو سمجھا دیا ہے کہ خلیفہ جی کی ''خانہ آبادی'' بلکہ چوتھی شادی کی رعایت سے ''خانہ پری'' انہیں دنوں ہوئی ہے۔ اس لیے ''مباہلہ مباہلہ'' کا شور مچا کر ان کا عیش منغص نہ کیجئے۔ کہیں ''دلہن بی'' نے سن لیا کہ میاں ''مباہلہ'' کے ڈر سے گھر میں چھپے ہوئے ہیں، تو بڑی ہیٹی ہوگی۔

''الدجل'' کے ایڈیٹر خواجہ غلام نبی یا محل سرائے خلافت کے کوئی دوسرے ''خواجہ'' اگر اس ''حجلہ ناز'' تک پہنچ سکیں تو ہمارا یہ پیغام جناب خلافت پناہی تک پہنچا دیں کہ ''مباہلہ کے ڈر سے خواہ مخواہ اپنی جان ہلکان نہ کیجئے۔ جب تک ''حجلہ عروسی'' سے نہیں نکلتے۔ ہم ان ''مبارز طلبوں'' کو روکے رکھیں گے۔ آپ مزے کیجئے اور دادِ عیش دیجئے۔

جیسی روح ویسے فرشتے

اللہ اللہ مرزا جی کے الہام' مکاشفات' رؤیات' روپیہ اینٹھنے کے چکر میں کٹے اور مرزائی فرشتے بھی اسی ڈیوٹی کو بجالاتے رہے۔ مگر وہ تو جس طرح ہوا، سرگباش ہوئے۔ اب نہ وہ رہے نہ ان کے فرشتے۔ ہاں خیر سے ان کی نشانی ابا کی یاد دلانے کے لیے ابھی باقی ہے۔ گو اس کے پاس فرشتے نہیں۔ اور نہ ہی الہام بافی کی مشینیں ہیں اور ویسے بھی اب ان چیزوں کی چنداں ضرورت نہیں۔ کیونکہ پہلا سٹاک ہی اس قدر ہے جو نا قابل اختتام ہے۔

بہر حال وہ کام جو مرزا جی کی جدت طبع کی کمزوری سے رہ گئے تھے، وہ پنجابی نبی کے اس ہونہار لاڈلے بیٹے نے جس کی یہ چھٹی شادی شاردا ایکٹ کے ہوتے ہوئے ابھی ہوئی ہے، پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ذیل میں قارئین کرام کی دلچسپی کے لیے دو خوابات بیان کرتے ہیں، جن سے یہ اندازہ آسانی سے لگایا جاسکے گا کہ یہ کمپنی اللہ والوں کا ٹولہ ہے یا دنیا داروں کا گروہ رحمانی ہے یا شیطانی۔

مسٹر لائڈ جارج گھبرا گیا کہ محمود کی فوجوں نے عیسائیوں کو شکست دے دی

رؤیا میں میں نے دیکھا کہ میں لنڈن میں ہوں اور ایک ایسے جلسہ میں ہوں، جس میں پارلیمنٹ کے بڑے بڑے ممبر اور نواب اور وزراء اور دوسرے بڑے آدمی ہیں، ایک دعوتی قسم کا جلسہ ہے۔ اس میں میں بھی شامل ہوں۔ مسٹر لائڈ جارج اس میں تقریر کر رہے ہیں۔ تقریر کرتے کرتے ان کی حالت بدل گئی۔ اور انہوں نے ہال میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ لارڈ کرزن صاحب نے آگے بڑھ کر ان کے کان میں کچھ کہا۔ قاضی عبداللہ صاحب میرے پاس کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے کیا کہا ہے؟ قاضی صاحب نے مجھے جواب دیا کہ مسٹر لائڈ جارج نے لارڈ کرزن سے یہ کہا ہے کہ میں پاگل نہیں ہوں، بلکہ میں اس وجہ سے ٹہل رہا ہوں کہ مجھے ابھی خبر آئی ہے کہ مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ کی فوجیں عیسائی لشکر کو دبائے چلی آتی ہیں اور مسیحی لشکر شکست کھا رہا ہے۔ (الفضل جون 1924ء)

ولیم دی کنکرر فاتح انگلستان

میں نے دیکھا کہ انگلستان کے ساحل سمندر پر کھڑا ہوں، جس طرح کوئی شخص تازہ وارد ہوتا ہے اور میرا لباس جنگی ہے۔ میں ایک جرنیل کی حیثیت میں ہوں اور میرے پاس ایک اور شخص کھڑا ہے۔ اس وقت میں یہ خیال کرتا ہوں کہ کوئی جنگ ہوئی ہے اور اس میں مجھے فتح ہوئی ہے اور میں اس کے بعد میدان کو ایک مدبر جرنیل کی طرح اس نظر سے دیکھ رہا ہوں، کہ اب مجھے اس فتح سے زیادہ فائدہ کس طرح حاصل کرنا چاہیے۔ ایک لکڑی کا موٹا شہتیر زمین پر کٹا ہوا پڑا ہے۔ ایک پاؤں میں نے اس پر رکھا ہوا ہے اور ایک پاؤں زمین پر ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی دور کی چیز کو دیکھنا چاہے تو ایک پاؤں کسی اونچی چیز پر

رکھ کر اونچا ہو کر دیکھتا ہے۔اسی طرح میری حالت ہے، اور چاروں طرف نگاہ ڈالتا ہوں کہ کیا کوئی جگہ ایسی ہے جس طرف مجھے توجہ کرنی چاہیے کہ اتنے میں ایک آواز جو ایک شخص کے منہ سے نکل رہی ہے جو مجھے نظر نہیں آتا مگر میں اسے پاس ہی کھڑا ہوا سمجھتا ہوں۔اور وہ آواز کہتی ہے ولیم دی کنکرر یعنی ولیم فاتح ولیم ایک پرانا بادشاہ ہے جس نے انگلستان کو فتح کیا تھا۔اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

(الفضل 24 جون 1924ء)

یہ ہر دو رؤیاتِ صادقہ ایک پیغمبر زادے کے منہ سے نکل رہی ہیں، جو بظاہر انگریزی کفش برداری کو باعث فخر سمجھتا ہے مگر حلق سے اوپر اوپر۔ اور دلی ارادے اور تمنائیں جو خود ساختہ ہیں، وہ خوابی شکل میں بیان ہو رہی ہیں۔

بہر حال خاندان نبوت کے سب سے بڑے ستون کی بات جس پر نبوت کا انحصار ہے اور جو کار و بار رسالت کو بڑی خوش اسلوبی سے نباہ رہا ہے اعتبار نہ کرنا انتہائی ظلم ہے۔اس لیے انتظار کرنا چاہیے کہ کب یہ مرزا جی کا لاڈلا سپوت ولیم دی کنکرر کے لباس میں ایک کامیاب و فاتح جرنیل کی حیثیت سے پیش ہوتا ہے۔مگر آہ۔ اے بسا آرزو کہ خاک شود۔

استغراق

مرزا صاحب کے والد غلام مرتضیٰ کہا کرتے تھے کہ مجھے تو غلام احمد کا فکر ہے۔ یہ کہاں سے کھائے گا، اور اس کی عمر کس طرح کٹے گی۔ بلکہ بعض دوستوں کو بھی کہا کرتے تھے کہ آپ ہی اس کو سمجھاؤ کہ وہ اس استغراق کو چھوڑ کر کمانے کے دھندے میں لگے۔اور اگر کوئی کبھی اتفاق سے ان سے دریافت کرتا کہ مرزا غلام احمد کہاں ہیں؟ تو وہ یہ جواب دیتے کہ مسجد میں جا کر سقادہ کی ٹونٹی میں تلاش کرو۔ اگر وہاں نہ ملے تو مایوس ہو کر واپس مت آنا، کسی صف میں دیکھنا کہ کوئی اس کو لپیٹ کر کھڑا کر گیا ہوگا، کیونکہ وہ تو زندگی میں مرا ہوا ہے۔اگر کوئی اسے صف میں لپیٹ دے تو وہ آگے سے حرکت بھی نہیں کرے گا۔آپ کو شیرینی سے بہت پیار ہے۔اور مرضِ بول بھی عرصہ سے آپ کو لگی ہوئی ہے۔اس زمانہ میں آپ مٹی کے ڈھیلے بعض وقت جیب میں بھی رکھتے تھے۔اور اسی جیب میں گڑ کے ڈھیلے بھی رکھ لیا کرتے تھے۔

منیر الدین احمد

احمدیوں کی تعداد کا مسئلہ!

جماعت احمدیہ کے ممبران کی تعداد کا مسئلہ نیا نہیں ہے، کیونکہ اس بارے میں مرزا غلام احمد قادیانی کے وقت سے گھپلا چلا آتا ہے۔ موصوف نے انیسویں صدی کے اختتام پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ آپ کے پیروکاروں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ چکی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ 1900ء کے اختتام پر ہونے والی مردم شماری میں ایک خانہ "احمدی مسلمان" کے نام سے شامل کیا جائے۔ اپنی جماعت کو موصوف نے ہدایت کی کہ اپنا نام اس خانے میں درج کرائیں۔ جب حکومت کی طرف سے مردم شماری کے اعداد و شمار شائع کیے گئے، تو پتا چلا کہ اس خانے میں ہندوستان بھر میں صرف پچیس ہزار افراد نے اپنا اندراج کرایا تھا۔ چونکہ لاکھوں پیروکاروں کا دعویٰ ثابت نہ کیا جا سکا تھا، اس لیے جماعت نے مردم شماری کا نام لینا چھوڑ دیا۔

خلیفہ ثانی مرزا بشیر الدین محمود احمد بھی اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سال بہ سال جماعت کے ممبروں کی تعداد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ دسمبر 1946ء کے جلسہ سالانہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں جو قادیان میں آخری ثابت ہوا تھا، لکھا گیا کہ پچاس ہزار احمدیوں نے اس میں حصہ لیا تھا۔ میری عمر اس وقت بارہ سال تھی اور میں بھی اپنے والدین کے ساتھ وہاں پر موجود تھا۔ جلسہ کے پنڈال میں چار پانچ ہزار سے زیادہ انسان نہیں سما سکتے تھے۔ اگر قادیان کی پوری آبادی کو شامل کر لیا جائے، تو زیادہ سے زیادہ بیس پچیس ہزار انسان اس جلسہ کے موقعے پر قادیان میں موجود تھے۔

اس کے بعد جب ربوہ میں جلسہ سالانہ منعقد ہونے لگا، تو عام طور سے شامل ہونے والوں کی تعداد کے بارے میں یہ پالیسی اپنائی گئی کہ وہ گزشتہ سال سے دوگنی بتائی جائے۔ یہ وہی اصول ہے، جس پر مرزا طاہر احمد نے آگے چل کر عمل کیا اور ہر سال بیعت کرنے والوں کی تعداد کو سال بہ سال دوگنا بتانے لگے تھے۔ پچاس کی دہائی میں نو برسوں تک میں خود ربوہ میں مقیم رہا ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ ہمیں ہر سال حیرت ہوتی تھی کہ جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد حیرت انگیز طور پر بڑھا دی جاتی تھی، جبکہ ہم نے اتنے لوگوں کو خود اپنی آنکھوں سے ربوہ میں نہیں دیکھا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ لنگر خانے سے منگوائی جانے والی روٹیوں کی تعداد کو جلسہ میں شامل ہونے والوں کی تعداد قرار دیا جاتا تھا۔

1978ء میں مجھے جرمن حکومت کی طرف سے جماعت احمدیہ کے خلاف چلنے والی مہم کا جائزہ لینے کے لیے پاکستان بھجوایا گیا تھا' جہاں پر مجھے علاوہ دوسری چیزوں کے جماعت کے ممبروں کی تعداد کے بارے میں اعداد وشمار بھی مہیا کرنے تھے۔ مجھے پتا تھا کہ جماعت کی مرکزی تنظیم سے اس بارے میں رابطہ کرنا اپنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اس کے باوجود میں نے مولانا شفیع اشرف سے راولپنڈی میں ملاقات کی۔ ان کے ساتھ میری دیرینہ دوستی تھی۔ انہوں نے کوشش کی کہ میرے سوال کا جواب گول مول دیں۔ جب میں نے اصرار کیا' تو فرمایا کہ یہی تیس چالیس لاکھ کے درمیان ہوگی۔ مگر اس بارے میں وہ حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ میں نے کہا کہ راولپنڈی کی جماعت کی تعداد کا تو انہیں پتا ہوگا۔ اس پر انہیں کہتے ہی بنی کہ دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔ میں نے کہا کہ اگر پاکستان کے ایک بڑے شہر میں صرف دو ہزار احمدی بستے ہیں' تو سارے ملک میں کیسے چالیس لاکھ ہوسکتے ہیں۔ اس سوال کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اصرار نہ کیا۔

پھر میری ملاقات اسلام آباد میں جرمن سفارت خانے کی ایک تقریب میں اس شہر کے امیر جماعت اور سیکرٹری مال سے ہوئی۔ جرمن سفیر نے میرا تعارف ان کے ساتھ کرایا اور کہا کہ ان سے اعداد و شمار پوچھے جاسکتے ہیں۔ مگر وہ حضرات بھی آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ جب میں نے ان کی مقامی جماعت کے بارے میں جاننا چاہا' تو پھر وہی صورت حال نکلی' جو راولپنڈی کی جماعت کی تھی۔ اسلام آباد میں احمدیوں کی تعداد کہیں کم تھی۔

میں نے سوچا کہ ثاقب زیروی ایڈیٹر "لاہور" سے پوچھا جائے۔ وہ صحافی تھے اور ان کے ساتھ میری قدیمی دوستی تھی۔ اس لیے مجھے امید تھی کہ وہ میرے سامنے جھوٹ نہیں بولیں گے۔ البتہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت فدائی قسم کے احمدی ہیں۔ موصوف نے آنکھ جھپکنے کے بغیر کہا: پینتالیس لاکھ۔

جنوری 1985ء میں میری ملاقات سپین کے گاؤں پیدرو آباد کے مقام پر جماعت احمدیہ کی ایک ممتاز شخصیت میر محمود احمد کے ساتھ ہوئی' جو آج کل جامعہ احمدیہ کے پرنسپل ہیں۔ وہ اس زمانے میں وہاں پر بنائی جانے والی مسجد بشارت کے امام تھے۔ آپ میر محمد اسحاق کے صاحبزادے ہیں اور اپنے باپ کی طرح ایک شریف النفس انسان ہیں۔ ان کے باپ نے خلیفہ ثانی پر جنسی بے راہ روی کے الزامات لگنے پر ان کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی تھی' جس کی پاداش میں خلیفہ ثانی نے ان کا درس حدیث بند کرا دیا تھا۔ میر محمود احمد خلیفہ ثانی کے داماد اور خلیفہ رابع مرزا طاہر احمد کے بچپن کے ہجولی اور دوست ہیں۔ دونوں نے لندن میں بھی دو سال اکٹھے بسر کیے تھے' جس کا اختتام ان پر لگنے والے سنگین الزامات کے سبب ہوا تھا' جس کا ذکر دوسری جگہ پر آچکا ہے۔ میں نے اس روز کم و بیش تین گھنٹے ان کی معیت میں گزارے اور ہمارے درمیان بہت کھل کر باتیں ہوئیں۔

میں نے ان سے کہا کہ جماعت کے ممبروں کی تعداد کے بارے میں کیے جانے والے دعوے

میرے نزدیک غلط ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میری تحقیق اس بارے میں مختلف اعداد وشمار بتاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے نزدیک بھی جماعت کے اس سلسلے میں کیے جانے والے دعوے درست نہیں ہیں۔ مگر پیشتر اس کے کہ وہ مجھے بتائیں کہ ان کے اندازے کے مطابق پاکستان میں احمدیوں کی تعداد کتنی ہے' وہ مجھ سے سننا چاہتے ہیں کہ میری تحقیق کی بنیاد کیا تھی اور میں کس نتیجے پر پہنچا تھا۔ میں نے کہا کہ میں نے اس مقصد کے لیے ساتویں دہائی میں ہونے والی ایک مجلس مشاورت کی رپورٹ سے استفادہ کیا تھا۔ اس میں چندہ دہندگان کی تعداد چھپی ہوئی تھی' جس کی رو سے پاکستان میں چندہ عام ادا کرنے والوں کی کل تعداد پچیس ہزار بتائی گئی تھی۔ میں نے کہا کہ جو شخص تین ماہ تک چندہ ادا نہ کرے' اس کو جماعت کی رکنیت سے فارغ کر دینے کا حکم ہے۔ اس لیے ہم فرض کرتے ہیں کہ چندہ دینے والے پچیس ہزار آدمی جماعت کے ایکٹو ممبر ہیں۔ چونکہ عام طور سے چندہ ادا کرنے والے خاندان کے سربراہ ہوتے ہیں' اس لیے ان کی وساطت سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ احمدیوں کی کل تعداد کیا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر ہر خاندان میں دس افراد کا ہونا تصور کر لیا جائے' تو کل تعداد دو لاکھ پچاس ہزار بنتی ہے۔ اب اگر ہم فرض کریں کہ چندہ نادہندگان کی تعداد بھی پچیس ہزار ہے اور ان کے افراد خانہ بھی دو لاکھ پچاس ہزار ہیں' تو کل تعداد پانچ لاکھ ہوگئی۔ اس سے زیادہ احمدی پاکستان میں نہیں پائے جاتے۔

میر محمود احمد نے کہا کہ وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے۔ ان کو خلیفہ ثالث مرزا ناصر احمد نے اشاعت القرآن نامی تحریک کا انچارج بنایا تھا' جس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ ہر احمدی کو کم از کم قرآن کریم ناظرہ پڑھنا سکھا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے پاکستان کی تمام احمدی جماعتوں کا ایک سروے کرایا تھا' جس میں یہ دیکھنا مطلوب تھا کہ کتنے احمدیوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھنا آتا ہے اور کتنے احمدیوں کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کی توفیق ملی ہے۔ یہ تمام اعداد وشمار جب ان کے دفتر میں موصول ہوئے' تو پتا چلا کہ پاکستان میں احمدیوں کی تعداد پانچ لاکھ سے کم ہے۔

میں نے کہا کہ اس کے برعکس جماعت بدستور یہ دعویٰ کرتی چلی آتی ہے کہ پاکستان میں ان کی تعداد پینتالیس لاکھ اور ساری دنیا میں ایک کروڑ ہے۔ کیا وہ یہ بات خلیفہ رابع مرزا طاہر احمد کے خدمت میں پیش نہیں کر سکتے کہ ایسے غلط دعوے نہ کیے جائیں' تو بہتر ہے۔ میر محمود احمد نے کہا کہ ان کی حضور کے ساتھ بے تکلفی ہے' اس لیے اگلی ملاقات میں وہ ان تک یہ پیغام پہنچا دیں گے۔ مجھے علم نہیں ہے کہ انہوں نے یہ بات مرزا طاہر احمد سے کہی تھی یا نہیں۔ یہ سوال ان سے کیا جانا چاہیے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آج کل بیماری اور ضعف کے سبب جامعہ احمدیہ سے رخصت پر ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ وہ ابھی تک ربوہ میں مقیم ہوں گے۔ میر محمود احمد کے بیان سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ جماعت کے سرکردہ اصحاب کو احمدیوں کی تعداد کا درست اندازہ ہے' اس کے باوجود وہ غلط بیانی سے باز نہیں آتے۔

شمس الاطباء علامہ الحاج

حکیم غلام نبی ایم اے (مرحوم)

نسخہ ''زدجام عشق'' کا تنقیدی جائزہ

یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری ہوگی کہ یہ نسخہ پہلے مرزا قادیانی کو الہام کے ذریعہ شیطان نے بتلایا۔ تنزل الشیطین علی کل افاک اثیم نص قطعی ہے۔ مرزا قادیانی پر مسلط شیطان نے اس کو الہام بنا کر افیون حرام چیز پر مشتمل یہ نسخہ بتایا۔ من حرامی جیسی پاپی شخصیت مرزا اس کے استعمال پر تل گیا۔ اور پھر مرزا کے استعمال نے اسے قادیانی گروہ کے لیے نسخہ کیمیاء بنا دیا۔ (افیون کیمیاء ہوگی) حکیم نورالدین نے قادیانی گروہوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر نسخہ پر مرزا کی الہامی مہر پر اپنی طبی مہر لگا دی۔ یہ سونے پر سوہاگہ ہوگیا۔ حکیم نورالدین کی ہوس زر نے قادیانیوں کو خوب لوٹا، مال حرام بجائے حرام رفت۔ قادیان سے لے کر ربوہ تک خوب افیون نسخہ شفاء کے طور پر استعمال کیا گیا حالانکہ یہ محتاج بیان نہیں کہ حرام میں شفاء نہیں ہے۔ اب اس مضمون میں ماہر فن نے طبی نقطہ نظر سے سوال اٹھایا ہے کہ یہ نسخہ ادویات کی خصوصیات کے لحاظ سے مضر ہے جس بیماری کے لیے تجویز ہوا اس کو بجائے نفع کے نقصان دیتا ہے تو اس لحاظ سے مرزا کا الہام اور نورالدین کی طب دونوں کا جنازہ نکل گیا۔ اب آپ پہلے مرزا قادیانی کا وہ حوالہ پڑھیں جس سے اس نسخہ القائے شیطانی کا شرف حاصل کیا اور اس کے بعد پھر مضمون کو ملاحظہ فرمائیں تاکہ پیر و مرید کی جہالت مآبی آپ پر الم نشرح ہو سکے۔

حامد علی قادیانی خادم حضرت مسیح موعود (مرزا آنجہانی) بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت صاحب مرزا؟ نے دوسری شادی (محمود کی اماں سے) کی تو ایک عمر تک تجرد میں رہنے اور مجاہدات کرنے کی وجہ سے آپ (مرزا) نے اپنے قویٰ میں ضعف محسوس کیا (پھر شادی کیوں کی؟) اس پر وہ الہامی نسخہ جو زدجام عشق کے نام سے مشہور ہے بنوا کر استعمال کیا۔ چنانچہ وہ نسخہ نہایت ہی بابرکت ثابت ہوا...... الہامی ہونے کے متعلق دو باتیں سنی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نسخہ الہام ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ کسی نے یہ نسخہ حضور (مرزا) کو بتایا۔

اور پھر الہام نے اسے استعمال کرنے کا حکم دیا۔ (تذکرہ ص 761 طبع 3 بحوالہ سیرت المہدی حصہ 3 روایت نمبر 569)

نسخہ زد جام عشق یہ ہے جس میں ہر حرف دوا کے نام کا پہلا حرف مراد ہے زعفران، دارچینی، جائفل، افیون، مشک، عقرقرحا، شنگرف، قرنفل یعنی لونگ ان سب کو ہموزن کوٹ کر گولیاں بناتے ہیں اور روغن سم الفار میں چرب رکھتے ہیں اور روزانہ ایک گولی استعمال کرتے ہیں۔ (تذکرہ ص 761 بحوالہ سیرت المہدی ج 3 ص 51) اب اس نسخہ کی طبی لحاظ سے حقیقت ملاحظہ ہو۔ مضمون نگار نے اسے حکیم نورالدین کا نسخہ بتایا ہے حالانکہ مرزا کی یہ کرشمہ سازی ہے۔ تاہم اسے نورالدین نے استعمال کرکے فن طب سے عدم واقفیت کا ثبوت دیا۔

حکیم نورالدین بھیروی کو عوام اور اطبا ایک بہت بڑا طبیب سمجھتے ہیں، اور ان کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ آپ فن کے امام تھے۔ زد جام عشق ان کا معرکے کا نسخہ ہے جس کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ ضعف باہ کو دور کرنے میں اپنا جواب آپ ہے۔ آئندہ صفحات میں ان دعاوی کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، حکیم صاحب کامیاب طبیب نہ تھے۔ بلکہ آپ کی شہرت دراصل احمدیہ تحریک کی مرہون تھی۔

نسخہ: زمانہ قیام جموں میں ایک مسلمان رئیس کی قوت باہ بے حد ضعیف ہوگئی۔ اس نے حکیم صاحب سے عرض کی کہ کوئی خاص دوا میرے لیے تیار کریں۔ حکیم صاحب نے نسخہ ذیل بتایا۔ زعفران، دارچینی، جائفل، افیون، مشک، عاقر قرحا، شنگرف، قرنفل ہر ایک ایک ماشہ مروارید ماشہ شہد میں ایک سرج کی گولیاں بنائیں اور کاڈلیور آئل کے ساتھ ایک گولی بعد از غذا کھائیں کاڈلیور آئل کی جگہ مسکہ ایک تولہ کے ساتھ بھی استعمال کرسکتے ہیں۔

اس کے چند روز کے استعمال سے بہت فائدہ ہوا۔ اس نے شکریہ کے طور پر کئی قیمتی گھوڑے حکیم صاحب کو دیئے۔ اور حکیم صاحب کی بیوی بچوں سمیت دعوت کی جب حکیم صاحب کی بیوی ان کے مکان پر گئیں تو اس رئیس کی بیگم نے سونے کے بڑے کڑے ان کو پہنائے (بیاض خاص ص 47-48)

تنقید: زد جام عشق حکیم صاحب کا معرکہ کا نسخہ ہے، جس پر انہیں بے حد اعتماد ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو جتنا شاندار اور معرکہ پرور نسخہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اتنا ہی لچر بے بنیاد اور نقصان رساں ہے، کیونکہ اس نسخہ کے اجزاء دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ نہ تو حکیم صاحب قوت باہ سے واقف ہیں اور نہ ہی خواص الادویہ سے واقفیت رکھتے ہیں، صرف چند دواؤں کو جو قوت باہ کے لیے مختلف صورتوں اور مختلف حالتوں میں استعمال کی جاتی ہیں انہیں یک جا کردیا ہے اور اسؑ میں ایک ایسی پیچیدگی بلکہ شعبدہ بازی رکھ دی ہے جس سے دوسرا شخص جو اس فن سے صحیح طور پر واقف نہیں متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کا

شاعرانہ نام زدجام عشق اور پھر ہر لفظ سے ایک دوا کے نام کی طرف اشارہ کر کے اسے نسخہ کی صورت دے دی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس گورکھ دھندے کا کوئی سر پیر نہیں۔

قوت باہ کی حقیقت

جہاں تک قوت باہ کا تعلق ہے اطبائے متقدمین و متاخرین سے لے کر موجودہ دور کے ماہر جنسیات اور ڈاکٹروں تک اس امر پر متفق ہیں کہ قوت باہ کوئی ایسی طاقت نہیں جو کسی ایک عضو یا صرف پٹھوں ہی سے متعلق ہو۔ اس کا تعلق انسانی انرجی توانائی جو خون کے اندر پائی جاتی ہے اور اس فورس/طاقت کے ساتھ ہے جو انسانی اعضا میں پائی جاتی ہے۔

جب کسی عضو کی طاقت کمزور ہو جاتی ہے، یا خون کی توانائی زائل یا کم ہو جاتی ہے تو اس سے ضعف باہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اس کی بہترین مثال سٹیم انجن کی ہے کہ انجن کے تمام پرزوں کی درستی کے ساتھ اس میں آگ اور پانی پوری مقدار میں ہو، تاکہ صحیح پرزوں کو حرکت دے سکے۔ جس سے انجن اپنی رفتار قائم رکھ سکے مگر ہمارے اکثر نااہل اطباء اس مسئلہ اور حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے صرف ادویہ پر بھروسہ کر لیتے ہیں کہ فلاں دوا فلاں مرض کے لیے مفید ہے بعینہ یہی صورت حکیم نورالدین صاحب جیسے کتابی حکیم کی تھی، جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اسے فن سے دور کا لگاؤ بھی نہ تھا، جس کا ثبوت ان کا یہ معرکتہ الآ راء نسخہ ہے۔

تجزیہ ادویہ

نسخہ کے تمام اجزا تقریباً متضاد ہیں کوئی جزو اگر اعصاب کو گرم کرتا ہے تو دوسرا ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ اگر ایک تقویت دیتا ہے۔ تو دوسرا ضعف پیدا کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ایک دماغ کو مفید ہے تو دوسرا دل کو مضر ہے۔ اگر کوئی جگر کو مفید ہے تو پٹھوں کے لیے مضر ہے کوئی معدہ کو مضر ہے تو کوئی گردوں کے لیے ضرر رساں ہے۔ بہرحال ایک لایعنی طومار ہے جو حکیم صاحب نے یکجا کر دیا ہے جس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ این نسخہ بے معنی غرق نے ناب اولی۔

نسخہ میں زعفران اور افیون دونوں انتہائی مضعف قلب و جگر ہیں۔ شنگرف، دار چینی، جائفل، عاقر قرحا اور قرنفل مضعف اعصاب ہیں۔ کاڈ لیور آئل معدہ اور جگر کو خراب کرتا ہے۔

روغن سم الفار جس طریقہ سے بنایا گیا ہے، یہ نہ صرف طاقت کے لیے غیر مفید ہے بلکہ سخت مضر ہے، مروارید یہ برائے وزن بیت ہے ورنہ یہ حیوانی چونا جسے مفرح قلب لکھا گیا ہے دراصل اعصاب کو ٹھنڈا کرتا ہے اس نسخہ میں اس کی شمولیت بعید از عقل ہے۔

اس نسخہ میں کوئی دوا ایسی نہیں جس سے خون کے اندر توانائی میں اضافہ ہو۔ جہاں تک اس کے

اجزا میں طاقت دینے کا تعلق ہے، تمام دوائیں کسی ایک عضو کو مرکزی نقطہ قرار دے کر تجویز نہیں کی گئیں۔

زعفران گرم بدرجہ دوئم، خشک بدرجہ اول، دارچینی گرم و خشک بدرجہ سوم، جائفل گرم بدرجہ دوم خشک بدرجہ دوم سوم، افیون سرد اور خشک بدرجہ چہارم، مشک سرد خشک بدرجہ دوم، عاقر قرحا گرم و خشک بدرجہ سوم، شنگرف گرم و خشک بدرجہ دوم، قرنفل گرم و خشک بدرجہ سوم سرد و خشک بدرجہ دوم، سم الفار گرم و خشک بدرجہ چہارم۔

فائدہ

جہاں تک اس نسخہ کے فائدہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں اس میں چند ادویہ مثلاً لونگ، دارچینی، مقوی باہ اور جگر ہیں ان سے کسی قدر حرارت بھی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ بعض اجزا مثلاً افیون، مروارید کی شمولیت سے ضائع بھی ہوسکتی ہے۔ بہرحال کسی قدر حرارت اور معدہ اور جگر کی تقویت قائم رہتی ہے جس سے ممکن ہے ان لوگوں کو فائدہ ہو جائے جن کی قوت باہ معدہ اور جگر کی خرابی سے کمزور ہوگئی ہے۔ ورنہ اسے معرکہ یا شان کا نسخہ کہنا غلط بات ہے۔

تجربہ کے طور پر آج بھی ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ بے شک اطبا یا ڈاکٹر صاحب اس کو اپنے مریضوں پر استعمال کرائیں۔ انہیں شاید 2 فیصد سے زیادہ فائدہ نہ ہو۔ اگر یہ واقعی اس قدر شاندار نسخہ ہے تو بے شک معالجین کو خوش ہونا چاہیے کہ انہیں ایک نایاب چیز مل گئی اور آئندہ انہیں اس نسخہ کے علاوہ کسی اور نسخہ کی ضرورت نہیں لیکن ہمارا دعویٰ ہے کہ ہندو پاکستان میں کوئی معالج ایسا دعویٰ نہیں کرے گا کہ یہ نسخہ واقعی اکسیر اور بے پناہ فوائد کا حامل ہے اور نسخہ کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ نہ صرف غلط اور بے اصول ہے، بلکہ لچر اور فن طب کے نام پر ایک دھبہ ہے اور فن کو ایسی چیزوں سے جس قدر جلد ممکن ہو پاک کر دینا چاہیے۔

فضل کریم خاں درانی

قادیانی تبلیغ کی حقیقت

مجھے معلوم نہیں یہ غلط خیال ہندوستان میں کس طرح پھیل گیا کہ ووکنگ کی مسجد لاہوری احمدیوں کی تعمیر کردہ ہے۔ یہ مسجد سرکار بھوپال کے روپیہ سے تعمیر ہوئی تھی، اور مسجد کے ساتھ رہائشی مکان سرسالار جنگ (حیدرآباد) کی یادگار ہے اور دونوں کی تعمیر ڈاکٹر لائٹنر کے اہتمام میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر لائٹنر، ایک جرمن عالم تھے جن کو اسلام سے بہت انس تھا اور بعض کا خیال ہے کہ وہ دل سے مسلمان تھے۔ ہندوستان میں سررشتہ تعلیم میں کام کرتے تھے۔ پہلے انسپکٹر آف سکولز اور پھر کچھ عرصہ کے لیے پنجاب یونیورسٹی کے رجسٹرار رہے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ولایت میں ہندوستان کا ایک نشان بھی قائم کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک اورینٹل انسٹیٹیوٹ کی بنیاد رکھی۔ ایک طرف مسجد تھی اور اس کے ساتھ ہندوؤں کے لیے ایک مندر بنوا دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے نے مندر کا حصہ فروخت کر دیا۔ لیکن مسجد کا حصہ سید امیر علی مرحوم کے طفیل محفوظ رہ گیا اور سید امیر علی نے ہی خواجہ کمال الدین صاحب کو مسجد میں آباد کیا۔

جو جو چوٹی کے انگریز مسلمان ہوئے ہیں، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس نے ووکنگ مشن کی ہدایت سے اسلام قبول کیا ہو۔ لارڈ ہیڈلے نے خود اعلان کیا تھا کہ میں اسلام کا بطور خود مطالعہ کر کے اس مذہب میں داخل ہوا ہوں اور مجھے قبولِ اسلام سے صرف پندرہ دن پہلے خواجہ کمال الدین سے تعارف ہوا۔ مسٹر مارماڈیوک پکتھال مصر میں مسلمان ہوئے اور زیادہ تر ترکی اور مصری اثر کی وجہ سے ہوئے۔ سر آرچیبالڈ ہملٹن نے غالباً ایک خانگی ضرورت سے مجبور ہو کر اسلام کا اعلان کیا۔ اگر ایک ایک کے حالات دریافت کرو اور ان سے پوچھو کہ تم نے کس طرح اسلام قبول کیا تو معلوم ہو جائے گا کہ اثرات کچھ اور ہی تھے۔ ووکنگ مسجد کا قبولِ اسلام سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

1920ء کے آغاز میں، میں یورپ گیا اور **1928**ء کے اواخر میں ہندوستان واپس آیا۔ تقریباً نو سال کا درمیانی عرصہ کچھ انگلستان کچھ غرب الہند کے ایک جزیرہ ٹرینڈاڈ اور کچھ عرصہ متحدہ امریکہ میں گزرا

اور آخری پونے چار سال جرمنی میں بسر ہوئے۔ سفر کی غرض تبلیغ اسلام تھی اور دو سالوں کے سوا باقی ساری مدت اس کام میں صرف ہوئی۔ میں نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور جو کچھ میرے ذاتی تجربہ میں آیا اس مضمون میں وہی کچھ بیان کروں گا۔

ووکنگ مشن کو 1920ء میں پہلے پہل میں نے دیکھا۔ اسی زمانہ میں اس کا انحطاط شروع ہوا اور انحطاط کی ابتدائی منزلیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب علالت کے باعث ہندوستان بیٹھے تھے۔ مولوی صدرالدین صاحب ان کی جگہ کام کرنے کو گئے۔ لیکن دس مہینہ کے بعد واپس آ گئے۔ ان کی جگہ مولوی مصطفیٰ خاں امام مسجد ووکنگ مقرر ہوئے۔ مصطفیٰ خاں نے مشن کو ایسے عمیق گڑھے میں پھینکا جس سے وہ آج تک نکل نہیں سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کو نکالنے کی کوشش بھی نہیں کی گئی۔

مولوی مصطفیٰ خان کا طریق کار میں نے بہت اچھی طرح دیکھا، کیونکہ میں خود بھی مسجد ہی میں رہتا تھا۔ مصطفیٰ خاں تبلیغ کے کام کے لیے نہایت غیر موزوں اور احساس فرض سے قطعاً بیگانہ شخص تھے۔ انگریزی آداب سے ناواقف تھے اور سیکھنے کے لیے کبھی کوشش بھی نہ کی۔ انگریزی میں گفتگو کرتے تھے تو ایسا نظر آتا تھا کہ دماغ میں پہلے اردو فقرے بناتے ہیں پھر اسی کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پھر اس ترجمہ کو ایسی بلند آواز کے ساتھ ادا کرتے تھے جیسے سکول کا طالب علم استاد کے کہنے پر ترجمہ کا فقرہ پڑھتا ہے۔ لیاقت کا تو یہ حال تھا لیکن اپنے آپ پر گھمنڈ اتنا تھا کہ لیکچر یا خطبہ کے لیے کبھی تیاری نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ نہایت نامعقول بکواس ہوتی تھی جس پر نوجوان بعد میں قہقہے لگایا کرتے تھے۔

مولوی مصطفیٰ خاں صاحب بہت اوالوالعزم انسان واقع ہوئے ہیں، صبح ناشتہ سے فارغ ہو کر آپ روزانہ ڈاک کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اس سے فارغ ہوئے تو تھوڑی دیر کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور چار بجے تک پھر سو گئے۔ کبھی کبھی ٹینس کھیلنے کو جی چاہتا تو آرام کرسی پر لیٹ جاتے۔ ریکٹ ہاتھ میں لیتے اور فرماتے کہ گیند آہستہ آہستہ میری طرف پھینکو۔ اگر گیند اتفاقاً زور سے آتا اور دور نکل جاتا تو بے حد رنجیدہ ہوتے اور کھیلنا بند کر دیتے۔ جب ولایت تشریف لے گئے تو بہت دبلے پتلے تھے۔ واپس آئے تو اتنے موٹے ہو کر آئے کہ جھکنا مشکل تھا۔ قیام کے آخری دنوں میں بوٹ کے تسمے باندھنے کے لیے ایک نوکر رکھنا پڑا تھا۔ مصطفیٰ خاں صاحب کو اچھے اچھے کھانے، کھانے کا بہت شوق تھا اور ان کی بدولت ہم نے بھی کباب اور مرغ پلاؤ خوب ہی اڑائے۔ ہمارے لیے ہر روز عید تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ووکنگ مشن میں سوائے کھانے پینے اور کھیلنے کودنے کے، کام ہی کچھ نہ تھا۔ بڑے اہم افکار تھے۔ حسابات کے دو پونڈ تفریح پر خرچ کر آئے ہیں۔ ان کو کس مد میں ڈالیں۔ چلو ڈال دو ڈاک خرچ میں۔ بارہ پونڈ کا سوٹ بنوا لیا ہے۔ اس کو کس مد میں ڈالیں۔ چلو ڈال دو خاطر تواضع میں۔ یہ مباحث روزمرہ کے معمول تھے۔

ٹرینڈاڈ کا ایک مسلمان سوداگر سیر کے لیے انگلستان گیا اور ووکنگ مسجد میں قیام کیا۔ کوئی دو

ہفتہ وہاں ٹھہرے ہوں گے۔ واپسی پر میں نے ان سے حالات پوچھے، کہنے لگے ووکنگ مشن بے حد دولت مند معلوم ہوتا ہے۔ کھانا بے حد ضائع ہوتا ہے۔ جو کھانا میرے کنبے کے لیے (بہت دولت مند تاجر تھے اور کنبہ بڑا تھا) دو وقت کے لیے کافی ہو، وہ ایک وقت زائد بچتا ہے اور پھینک دیا جاتا ہے۔ مصطفیٰ خاں ہفتہ میں صرف ایک دفعہ پندرہ منٹ کے لیے منہ کھولتا ہے (یہ ان کے الفاظ ہیں۔ مراد تھی کہ تقریر کرتا ہے) اور ایسا اناپ شناپ بکتا ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سوداگر اور ان کا بھانجا دونوں اکٹھے گئے تھے۔ تبلیغ اسلام کا بہت جوش رکھتے تھے۔ واپس آئے تو بہت بددل ہوئے اور بھانجا تو سرے سے تبلیغی مشنوں کا ہی مخالف ہوگیا۔ یہ تھا مصطفیٰ خاں کی مثال کا نتیجہ۔

مسجد کے علاوہ لندن شہر میں بھی ایک مکان کرایہ پر لیا ہوا تھا۔ جو عموماً خالی رہتا تھا اور صرف اتوار اور جمعہ کے دن کام میں آتا تھا۔ نماز جمعہ یہیں ہوتی تھی۔ نماز جمعہ کا وقت عموماً ایک بجے ہوتا ہے۔ بہت دیر ہوئی تو دو بج گئے۔ یورپ میں لوگ بے حد مصروف رہتے ہیں۔ شہر بہت بڑا ہے اور جمعہ کی نماز کے لیے پہنچنا بڑی قربانی چاہتا ہے۔ چند انگریز نومسلم پھر بھی پہنچ ہی جاتے تھے اور اپنے ساتھ ایک آدھ دوست کو بھی لے آتے تھے، تاکہ اس کو تعلیماتِ اسلام سننے کا موقع ملے۔ لیکن مصطفیٰ خاں صاحب کو سب سے زیادہ اپنے پیٹ کی فکر ہوتی تھی۔ ووکنگ میں اچھا باورچی تھا۔ اگر نماز جمعہ کے لیے بروقت پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو کھانا رہ جاتا ہے۔ اگر کھانے کے لیے ٹھہرتے ہیں تو نماز کو دیر ہو جاتی ہے۔ ابتداء میں یہ دستور تھا کہ امام ہلکا سا کھانا کھا کر نماز جمعہ کے لیے لندن چلا آیا اور نماز سے فارغ ہو کر کسی ہوٹل میں کھانا کھالیا یا وہیں مکان میں بنوالیا۔ لیکن مصطفیٰ خاں کو اپنے اچھے باورچی کے پکائے ہوئے کھانے چھوڑنا بہت دشوار تھا۔ اس لیے آخر کار یہی فیصلہ ہوا کہ نماز رہتی ہے تو رہ جائے۔ لیکن کھانا نہ رہے۔

چنانچہ آپ نماز جمعہ کے لیے تین بجے آنے لگے۔ لوگ ایک بجے سے انتظار میں بیٹھے ہوتے تھے۔ آپ تین بجے پہنچتے تھے۔ پانچ چھ منٹ کا خطبہ دیا۔ جلد جلد نماز ادا کی اور چل دیئے۔ بعض اوقات فرماتے تھے۔ آج میری فلاں دوست مسز...... نے دعوت کی ہے۔ اس لیے میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا اور خطبہ مختصر کروں گا۔ غرض مسز...... کی ضیافت پر تبلیغ اسلام کے مقاصد اکثر قربان ہو جاتے تھے۔ انگریز جیسی فرض شناس قوم پر ان باتوں کا جو اثر ہوگا، قارئین اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ نومسلم ایک ایک کر کے جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ مصطفیٰ خان نے قطعاً پروا نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مصطفیٰ خاں نے ووکنگ مشن کو بنیادوں سے ایسا ہلایا کہ پھر وہ اپنی پہلی حالت پر نہیں آسکا۔ قوم کا روپیہ پانی کی طرح بہادیا اور اس کے صلہ میں قوم کا کام تباہ کر دیا۔

میرے متعلق یہ حکم تھا کہ خواجہ صاحب کی واپسی تک میں ووکنگ میں ٹھہروں۔ لیکن ووکنگ میں کوئی کام کرنے کو نہیں تھا۔ قطعاً بیکاری تھی۔ صبح سے شام تک کھانے پینے اور کھیلنے اور کودنے کے سوا اور کوئی

کام نہیں تھا۔ اخراجات کی فراوانی اور اس کے عوض قطعاً بیکاری۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے تو اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔ چنانچہ میں نے انجمن کو لکھا کہ یہاں کرنے کو کوئی کام نہیں، بہتر ہے مجھے اجازت دی جائے میں ٹرینڈاڈ چلا جاؤں۔ ادھر سے جواب بذریعہ تار آ گیا اور میں ٹرینڈاڈ روانہ ہو گیا۔

دو سال کے بعد یعنی 1922ء میں پھر مجھے لندن آنا پڑا اور دوکنگ مشن کے حالات بچشم خود دیکھے۔ اس وقت خواجہ صاحب برسرکار تھے ماتحت عملہ بہت بڑا تھا۔ متعدد مبلغ بڑی بڑی تنخواہوں پر مقرر تھے۔ لیکن سب کے سب بیکار ہی تھے۔ کام کرنے کو کچھ نہیں تھا۔ جو کچھ کام تھا وہ ایک دو آدمی بوجہ احسن انجام دے سکتے تھے۔ بظاہر اتنا بڑا عملہ محض دکھاوے کی غرض سے تھا۔ تاکہ چندے دینے والوں کو جو ہزاروں کوس کے فاصلے پر تھے، عملے کے فوٹو دیکھ کر نظر آ جائے کہ کام کس قدر زیادہ ہے۔ مشن کس قدر مصروف کار رہتا ہے اور اس کے اخراجات کے لیے کس قدر روپیہ کی ضرورت ہوگی۔ پرانی محفل جو ایک دفعہ بکھر چکی تھی دوبارہ مجتمع نہ ہو سکی اور میرا خیال ہے کہ اس کو دوبارہ جمع کرنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی۔

اس کے چھ سال بعد 1928ء میں پھر لندن گیا۔ لندن مسلم ہاؤس کے قریب ہی میں نے اقامت اختیار کی تھی۔ اس لیے ایک اتوار کے دن وہاں بھی جا نکلا، تاکہ دیکھوں کہ اب مشن کی کیا حالت ہے۔ دوکنگ مشن 1925ء سے مسٹر عبدالمجید کے چارج میں ہے اور وہ اب بھی مسجد کے امام ہیں۔ میں پہنچا تو مسٹر عبدالمجید کا لیکچر جاری تھا۔ پہلے تو ان کی صورت دیکھ کر تعجب ہوا۔ مجھ سے کوئی تین چار برس چھوٹے ہیں۔ لڑکپن میں بہت حسین معلوم ہوتے تھے اور ماشاء اللہ بدن بہت اچھا تھا۔ اب جو دیکھا تو ایک معمر بزرگ نظر آئے۔ ایسے نحیف کہ نقاہت کے باعث جھکے جاتے تھے۔ میں حیران تھا کہ انگلستان کی آب و ہوا میں جہاں سوکھے بھی ہرے ہو جاتے ہیں، ان کو کیا بنی۔ آپ مجرد ہیں۔ اس وقت ان کی عمر چالیس برس کے قریب پہنچ رہی ہوگی۔ لیکن شادی ابھی تک نہیں کی۔

میں بھی ان کا لیکچر سننے بیٹھ گیا۔ حاضرین کا شمار کیا۔ حضرت واعظ اور میرے سمیت سولہ آدمی تھے: دو انگریز مرد اور دو انگریز عورتیں تھیں۔ باقی سب ہمارے ہندوستانی یا ہندوستان سے گئے ہوئے جنوبی افریقہ کے رہنے والے تھے۔ انگریز نہایت رذیل طبقہ کے تھے۔ ان میں سے ایک ان کا نوکر تھا۔ عورتیں کمترین طبقہ کی معلوم ہوتی تھیں۔ بہت بوڑھی تھیں اور لیکچر کے دوران بڑے آرام سے سو رہی تھیں۔ چوتھا انگریز اپنے ایک ہندوستانی دوست کے ساتھ اخبار بینی میں مصروف تھا۔ امام صاحب سہج، سہج بولنے والے آدمی ہیں۔ ایک ایک منٹ بعد ایک ایک لفظ ان کے منہ سے نکلتا تھا۔ اور آواز تھی گویا کسی عمیق لحد سے آ رہی ہے۔

محمد متین خالد

یہ ہے قادیانی جماعت!

مرزا غلام احمد قادیانی

- "میں دیکھتا ہوں کہ جلسہ کے بعد کوئی بہت عمدہ اور نیک اثر اس جماعت کے بعض لوگوں میں ظاہر نہیں ہوا۔ اس اجتماع میں بعض دفعہ بباعثِ تنگی مکانات اور قلتِ وسائل مہمانداری ایسے نالائق رنجش اور خودغرضی کی سخت گفتگو بعض مہمانوں میں باہم ہوتی دیکھی ہے کہ جیسے ریل میں بیٹھنے والے تنگی مکان کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ اگر کوئی بیچارہ عین ریل چلنے کے قریب اپنی گٹھڑی سمیت دوڑتا دوڑتا ان کے پاس پہنچ جائے تو اس کو دھکے دیتے اور دروازہ بند کر لیتے ہیں کہ یہاں جگہ نہیں، حالانکہ گنجائش نکل سکتی ہے۔ سو ایسا ہی یہ اجتماع بھی بعض اخلاقی حالتوں کے بگاڑنے کا ایک ذریعہ معلوم ہوتا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ ہماری جماعت میں کچھ مادہ، نرمی اور ہمدردی اور خدمات اور جفاکشی کا پیدا نہ کرے، تب تک یہ جلسہ قرینِ مصلحت نہیں معلوم ہوتا۔ اور مکرم حضرت مولوی نورالدین صاحب بارہا مجھ سے یہ تذکرہ کر چکے ہیں کہ ہماری جماعت کے اکثر لوگوں نے اب تک کوئی خاص اہلیت اور تہذیب اور پاک دلی اور پرہیزگاری اور الٰہی محبت باہم پیدا نہیں کی۔ سو میں دیکھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات جماعت میں داخل ہو کر، اس عاجز سے بیعت کر کے، پھر بھی ویسے ہی کج دل ہیں کہ اپنی جماعت کے غریبوں کو بھیڑیوں کی طرح دیکھتے ہیں۔ وہ مارے تکبر کے سیدھے منہ سے السلام علیک نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ خوش خلقی اور ہمدردی سے پیش آئیں اور انہیں سفلہ اور خودغرض اس قدر دیکھتا ہوں کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ خودغرضی کی بنا پر لڑتے اور ایک دوسرے سے دست بداماں ہوتے ہیں اور ناکارہ باتوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر حملہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات گالیوں تک نوبت پہنچتی ہے اور دلوں میں کینے پیدا کر لیتے

ہیں اور کھانے پینے کی قسموں پر نفسانی بحثیں ہوتی ہیں۔ یہ سب ہلاکت کی راہیں ہیں، بلکہ بعض میں، ایسی بھی تہذیب ہے کہ اگر ایک، ضد سے اس کی چارپائی پر بیٹھتا ہے تو وہ سختی سے اس کو اٹھانا چاہتا تھا اور اگر نہیں اٹھنا چاہتا تو چارپائی کو الٹا دیتا ہے اور اس کو نیچے گرا دیتا ہے۔ پھر دوسرا بھی فرق نہیں کرتا اور وہ اس کو گندی گالیاں دیتا ہے اور تمام بخارات نکالتا ہے، یہ حالات ہیں جو میں مشاہدہ کرتا ہوں، تب دل کباب ہوتا ہے اور جلتا ہے اور بے اختیار دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اگر میں درندوں میں رہوں تو ان بنی آدم میں رہنے سے اچھا ہے۔ درحقیقت، وہ ایسے ہیں جن کو شیطانی راہیں چھوڑنا منظور ہی نہیں۔'' (اشتہار التوائے جلسہ منسلکہ کتاب شہادۃ القرآن صفحہ 2 تبلیغ رسالت جلد 3 صفحہ 66)

- ''میں نے دیکھا کہ میں ایک جنگل میں ہوں اور میرے اردگرد بہت سے بندر اور سور وغیرہ ہیں۔ اور اس سے میں نے استدلال یہ کیا کہ یہ احمدی جماعت کے لوگ ہیں۔''

(نزول المسیح ماخوذ از پیغام صلح، 17 جولائی 1934ء نقل از قادیانی مذہب)

محمد علی لاہوری (قادیانیت کی لاہوری جماعت کا سربراہ)

- **"The Ahmadiyya movemet stands in the same relation to Islam in which Christianity to Judaism."**

ترجمہ: ''تحریک احمدیت اسلام کے ساتھ وہی رشتہ رکھتی ہے، جو عیسائیت کا، یہودیت کے ساتھ تھا۔'' (اقتباس از مباحثہ راولپنڈی مطبوعہ قادیان ص 240)

مرزا بشیر الدین محمود (قادیانی خلیفہ)

- ''قادیانی جماعت کو قادیانی لاہوری جماعت سے سخت بدگمانی اور نفرت ہے کہ گویا وہ ان کے بدترین دشمن ہیں مثلاً ''اگر (قادیانی جماعت قادیان کا) ایک بدترین دشمن ہندوؤں سے لیا جائے اور ایک بدترین دشمن عیسائیوں سے لیا جائے اور ایک بدترین دشمن دہریوں سے لیا جائے اور ایک بدترین دشمن پیغامیوں سے لیا جائے (یعنی قادیانی جماعت لاہور سے، لیا جائے) تو یقیناً پیغامی، دشمنی اور بغض میں دہریہ، عیسائی اور ہندو سے بڑھا ہوا ہوگا۔ ان کے (یعنی قادیانی جماعت لاہور، کے) غالی ممبر بغض کے مجسمے ہیں۔ اگر کسی نے زمین پر چلتی پھرتی دوزخ کی آگ دیکھنی ہو تو ان لوگوں کو دیکھ لے، میں نہیں سمجھتا ان سے زیادہ بغض و کینہ رکھنے

والے لوگ کبھی دنیا میں ہوئے ہوں...... جہاں تک تاریخ کا پتہ چلتا ہے، ان لوگوں کا بغض سب سے بڑھا ہوا ہے۔" (مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۂ قادیان کا خطبہ بابت 1931ء مندرجہ اخبار الفضل قادیان جلد 29 نمبر 222، مورخہ 28 ستمبر 1941ء) ("قادیانی مقدمہ از الیاس برنی صاحب")

- مزید برآں قادیانی جماعت قادیان، قادیانی جماعت لاہور کی اندرونی حالت بھی قابل شرم سمجھتی ہے۔ مثلاً اس کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو:

"مجھے احمدیہ انجمنِ اشاعت اسلام لاہور کی نرالی دنیا کا بھی ذکر کرنا ہے۔ اس انجمن کا مرکز احمدیہ بلڈنگ میں ایک گڑھے کے اندر بنا ہوا ہے۔ وہاں رہنے والے ذمہ دار اراکین جن میں مولانا محمد علی کو سب کے اوپر فوقیت حاصل ہے اور پھر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب وائس پریزیڈنٹ، محمد منظور الٰہی صاحب جائنٹ سیکرٹری، سید غلام مصطفیٰ شاہ صاحب ہیڈ ماسٹر ہیں۔ یہ عجیب قماش کے لوگ ہیں۔ ان کا جو برے سے برا نام رکھو، صحیح ہے۔ یہ آنکھوں سے چھپے ہوئے اس زمانہ کے جن ہیں...... یہ لوگ نہ اخلاق کو جانتے ہیں، نہ شریعت کو، نہ اپنے قواعد کو، نہ ملکی آئین اور نہ انسانی حقوق کو، بلکہ سب کو پانی میں حل کر کے سالم نگل چکے ہیں۔ ان کے منہ کی باتیں سنو، شکلیں دیکھو، کتابیں دیکھو، تو ملائکہ اور فرشتے نظر آتے ہیں، لیکن اعمال میں اور اندر، مخفی گندگی کی نالیاں بہہ رہی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح ان کے محلہ میں زمین کے بہت نیچے چھپ کر گندی نالی بہتی ہے...... ان کی اولادیں احمدیت یا دین سے ہرگز اچھا تعلق نہیں رکھتیں...... بلکہ قریباً قریباً بے دین ہیں، اس لیے خدا کے الہام میں یہ سب روحانی حقیقت میں لاولد ہیں۔" (اخبار الفضل قادیان جلد 27 نمبر 54، مورخہ 7 مارچ 1939ء)

- "پس اساتذہ، افسرانِ تعلیم اور خدام الاحمدیہ کا یہ فرض ہے کہ بچوں سے آوارگی دور کریں۔ یہ آوارگی ہی کا اثر ہے کہ ہم اوپر نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ادھر گلی میں بچے گالیاں بک رہے ہوتے ہیں۔ اگر تو وہ نماز ہی نہیں پڑھتے تو دوہرے مجرم ہیں، نہیں تو یہی جرم کافی ہے، فحش گالیاں ماں بہن کی وہ بکتے ہیں اور کسی شریف آدمی کو خیال نہیں آتا کہ ان کو روکے۔ مسجد مبارک کے سامنے کھیلنے والے بچے 90، 95 فیصدی احمدیوں کے بچے ہی ہوسکتے ہیں۔ تھوڑے سے غیروں کے بھی ہوتے ہوں گے، مگر میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے، احمدیوں کے بچے گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور ان کے ماں باپ اور اساتذہ کو احساس تک نہیں ہوتا کہ ان کی اصلاح کریں۔ پھر میں نے دیکھا ہے، مدرسہ احمدیہ کے طلبہ گلیوں میں سے گزرتے ہیں تو گاتے جاتے ہیں، حالانکہ یہ وقار کے سخت خلاف ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ شرم وحیا،

جو دین کا حصہ ہے، بالکل جاتی رہی ہے۔ پھر میں نے دیکھا ہے، نوجوان ایک دوسرے کی گردن میں باہیں اور ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلے جا رہے ہیں، حالانکہ یہ سب باتیں وقار کے خلاف ہیں...... میں نے دیکھا ہے کہ نوجوانوں کو اسلامی آداب سکھانے کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ نوجوان بے تکلفانہ ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈالے پھر رہے ہوتے ہیں، حتیٰ کہ میرے سامنے بھی ایسا کرنے میں کوئی باک نہیں ہوتا، کیونکہ ان کو یہ احساس ہی نہیں کہ یہ کوئی بری بات ہے۔ ان کے ماں باپ اور اساتذہ نے ان کی اصلاح کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ حالانکہ یہ چیز انسانی زندگی پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہے۔'' (میاں محمود احمد، خلیفۂ قادیان کا خطبہ، مندرجہ اخبار الفضل قادیان، جلد 7 نمبر 58، مورخہ 11 مارچ 1939ء)

- ''اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، ہماری جماعت کے سینکڑوں نوجوانوں نے شوق سے اس (بھرتی) میں حصہ لیا اور اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کر دیا ہے۔ لیکن اس بھرتی میں ہمیں ایک اور فائدہ بھی حاصل ہوا ہے اور وہ یہ کہ ہماری توجہ ایک اور اہم معاملہ کی طرف پھر گئی ہے۔ اگر یہ بھرتی کا موقع نہ آتا، تو نہ معلوم، وہ بات کب تک ہماری نظروں سے اوجھل رہتی۔ وہ بات یہ ہے کہ اس فوجی بھرتی کے نتیجہ میں یہ نہایت ہی افسوسناک امر بھی معلوم ہوا ہے کہ احمدی نوجوانوں کی صحتیں خطرناک طور پر گری ہوئی ہیں۔ اگر بھرتی کا یہ موقع نہ ملتا تو شاید ہمیں اس کا علم دیر تک نہ ہوتا۔ احمدی نوجوانوں کے وزن بالعموم اس وزن سے کم ہیں، جتنا وزن اس عمر میں نوجوانوں کا ہوا کرتا ہے۔ احمدی نوجوانوں کی نظریں بالعموم ان نظروں سے کم ہیں، جتنی نظریں اس عمر میں نوجوانوں کی ہوا کرتی ہیں اور احمدی نوجوان کی کمریں بالعموم اس معیار سے بہت کمزور ہیں، جتنی اس عمر میں نوجوانوں کی کمروں میں طاقت ہوا کرتی ہے اور یہ امر ایسا خطرناک ہے، جس کی جتنی جلد اصلاح ممکن ہو، اتنی ہی جلدی کرنی چاہیے۔ پس اگر اس فوجی تربیت میں شریک ہونے کے اعلان سے کوئی فائدہ نہ بھی ہو، تب بھی اس ذریعہ سے ہمیں یہ فائدہ حاصل ہوا ہے اور یہ خود اپنی ذات میں بہت اہم ہے اور میں غور کر رہا ہوں کہ آئندہ نوجوانوں کے لیے ایسے قواعد تیار کیے جائیں، جن کے نتیجے میں ان کے تمام قویٰ کی حفاظت ہو۔''
(مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۂ قادیان کا بیان، مندرجہ اخبار الفضل قادیان، اکتوبر 1939ء)

- ''تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں سے بعض، دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں، تو ان کے منہ میں جھاگ بھر آتا ہے اور وہ کود کر حملہ کر دیتے ہیں، لیکن اسی وقت ان کے پیر پیچھے کی طرف بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں ''ہم مر جائیں گے، مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہ کریں گے'' لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو پھر

ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ''بھائیو! کچھ روپے ہیں، جن سے مقدمہ لڑا جائے۔ کوئی وکیل ہے جو وکالت کرے۔'' (مرزا محمود احمد، خلیفۂ قادیان کا بیان، مندرجہ اخبار الفضل قادیان، جلد 25 نمبر 129، مورخہ 5 مئی 1937ء)

- ''مجھے نہایت افسوس سے معلوم ہوا کہ جامعہ احمدیہ (قادیان) میں جو طلبہ تعلیم پاتے ہیں، انہیں کنوؤں کے مینڈکوں کی طرح رکھا گیا ہے۔ ان میں کوئی وسعتِ خیال نہ تھی، ان میں کوئی شاندار امنگیں نہ تھیں اور ان میں کوئی روشن دماغی نہ تھی۔ میں نے کرید کرید کر ان کے دماغ میں داخل ہو جانا چاہا، مگر چاروں طرف سے ان کے دماغ کا راستہ بند نظر آیا، اور مجھے معلوم ہوا کہ سوائے اس کے کہ انہیں کہا جاتا ہے کہ وفاتِ مسیح کی یہ، یہ آیتیں رٹ لو، یہ نبوت کے مسئلہ کی یہ، یہ دلیلیں یاد کرلو، انہیں اور کوئی بات نہیں سکھلائی جاتی......''

''میں نے جس سے بھی سوال کیا، معلوم ہوا کہ اس نے کبھی اخبار نہیں پڑھا اور جب بھی میں نے ان سے امنگ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ ''ہم تبلیغ کریں گے'' اور جب سوال کیا کہ ''کس طرح تبلیغ کرو گے۔'' تو یہ جواب دیا کہ ''جس طرح بھی ہوگا، تبلیغ کریں گے'' یہ الفاظ، کہنے والوں کی ہمت تو بتاتے ہیں، مگر عقل تو نہیں بتاتے۔ الفاظ سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ کہنے والا ہمت رکھتا ہے، مگر یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ کہنے والے میں عقل نہیں اور نہ وسعت خیالی ہے ''جس طرح ہوگا، کروں گا'' یہ تو سور کہا کرتا ہے۔ اگر سور کی زبان ہوتی اور اس سے پوچھا جاتا کہ تو کس طرح حملہ کرے گا تو وہ یہی کہتا کہ ''جس طرح ہوگا، کروں گا'' پس سور کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ سیدھا چل پڑتا ہے۔ آگے نیزہ لے کر بیٹھو تو نیزہ پر حملہ کر دے گا۔ بندوق لے کر بیٹھو تو بندوق کی گولی کی طرف دوڑتا چلا جائے گا۔ پس یہ تو سوروں والا حملہ ہے کہ سیدھے چلے گئے، اور عواقب کا کوئی خیال نہیں کیا۔'' (خطبہ مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفۂ قادیان، مندرجہ اخبار الفضل قادیان، جلد 22 نمبر 89، 24 جنوری 1935ء)

جانباز مرزا

قادیانی شیطنیت

گندہ اور ناپاک خون ماں کی کوکھ بھی خراب کر دیتا ہے۔ قادیانی دجال کا دوسرا جانشین اس کا بیٹا بشیر الدین محمود تھا۔ بیٹے کو سمجھنے سے پہلے باپ کا چلن اور کردار جاننا ضروری ہے، کیونکہ پھل اپنے درخت سے پہچانا جاتا ہے۔

ڈاکٹر شاہنواز مرزائی کا بیان

جس خاندان کو ابتدا سے (مراق) ہو چکی ہو تو پھر اگلی نسل میں بے شک یہ مرض منتقل ہوتی ہے، چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا کہ مجھ کو بھی کبھی کبھی مراق کا دورہ ہوتا ہے۔

(رسالہ ریویو آف ریلیجس جلد 25۔ 8 اگست 1926ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کبھی کبھار زنا کر لیتے ہیں۔ حضرت مرزا قادیانی (مرزا غلام احمد) ولی اللہ تھے۔ انھوں نے کبھی کبھار زنا کر لیا تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ہمیں اعتراض تو موجودہ خلیفہ پر ہے کیونکہ وہ ہر وقت زنا کرتا رہتا ہے۔ (اخبار الفضل، **31 اگست 1938ء)**

حکیم نور دین کا بیان

میں نے ایک دن حضرت مسیح موعود سے کہا کہ حضور کو مراق ہے تو حضور نے فرمایا کہ ایک رنگ میں سب نبیوں کو مراق ہوتا ہے اور مجھ کو بھی۔ یہ طبیعتوں کی مناسبت ہے۔

(سیرت المہدی حصہ سوم ص 304)

میں (بشیر الدین محمود) نے رویا دیکھا کہ:

''ایک بڑا ہجوم ہے۔ میں اس میں بیٹھا ہوں اور ایک دو غیر احمدی میرے پاس بیٹھے ہیں، ان میں سے ایک شخص، جو سامنے کی طرف بیٹھا تھا اس نے آہستہ آہستہ میرا آزار بند پکڑ کر گرہ کھولنی چاہی۔ میں نے سمجھا تھا کہ اس کا ہاتھ اتفاقاً لگا ہے اور میں نے آزار بند پکڑ کر اپنی جگہ پر اٹکا لیا۔ پھر دوبارہ اس نے ایسی ہی حرکت کی اور میں نے پھر یہی سمجھا کہ اتفاقیہ ایسا ہوا۔ تیسری دفعہ پھر اس نے ایسا ہی کیا، تب

مجھے اس کی بدنیتی پر شبہ ہوا اور میں نے روکا نہیں جب تک کہ میں نے دیکھ نہ لیا کہ وہ بُرا ارادہ کر رہا ہے۔
(اخبار الفضل 4 ستمبر 1937ء)

جب میں (بشیر الدین محمود) ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں۔ مگر قیام انگلستان کے دوران میں مجھے موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چودھری سر ظفر اللہ خاں صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں کہ جہاں یورپین سوسائٹی عریانی سے نظر آئے۔ چودھری ظفر اللہ خاں صاحب بھی فرانس سے واقف نہ تھے۔ مگر مجھے اوپیرا میں لے گئے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اوپیرا سینما کو کہتے ہیں، چودھری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔

''میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لیے دور کی چیز اچھی طرح سے دیکھ نہیں سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں۔ میں نے چودھری صاحب سے کہا۔ کیا یہ ننگی ہیں؟ انھوں نے بتایا یہ ننگی نہیں ہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر باوجود اس کے وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں۔
(الفضل 18 جنوری 1934ء)

جو شخص مراق کا مریض ہوگا، منشیات اور زنا کا رسیا ہوگا، اس کی اولاد نیک اور صالح کیونکر ہوگی۔ ببول کے درخت پر کانٹے نہیں ہوں گے تو کیا گلاب ہوگا؟ بہر حال یہ ہے دجالِ قادیان کا دوسرا جانشین جو باپ کی شیطنیت کو آگے بڑھائے گا۔

پنجاب کا مسلمان اور دجالیت

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد
(اقبال)

شکار جال پر لپکتے وقت انجام سے بے خبر ہوتا ہے۔ کہیں اگر دانہ اور دام ہم رنگ ہوں تو شکار بُری طرح مار کھا جاتا ہے۔ دلوں کے ٹکراؤ کا بھی یہی حال ہے۔ شکار نظریں کرتی ہیں اور پھنس جاتا ہے دل۔ اس فساد کے نتیجے میں عقل و خرد سے بیگانہ ہو کر آدمی کبھی چناب کے کنارے آ بیٹھتا ہے، کبھی جنگل و بیلا کی خاک چھانتا ہے۔ کبھی تپتی ہوئی ریت پر پاؤں کے آبلوں سے رستے ہوئے خون سے محبوب کا پتہ پوچھتا ہے، اور کبھی بانسری کی لے پر دیوانہ وار گاتا پھرتا ہے۔

سانوں نچ نچ یار نوں منانا پے گیا

مگر دجالِ قادیان کے مرکز ''شہر سدوم'' (قادیان) میں ایسی کوئی مشکل نہیں تھی۔ یہاں شکار خود نوکِ مژگاں سے آراستہ شکاری کی تلاش میں آ ہوئے آوارہ کی طرح اٹھکیلیاں کرتا پھرتا ہے۔ جب یہ سماں

ہو کہ حسن خود عشق سے کہے، تھوڑی سی پی میرے لیے تو پھر انکار کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔

نوکری اور چھوکری کی رعایت اور حکومت کی نظیر عنایت سے یہ شراب دو آتشہ ہو رہی تھی، ایسے میں شب زندہ دار تقویٰ کی چادر میں لپٹ کر بزم نشاط کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

''ایں خانہ ہمہ آفتاب است''

نیکی اس قدر جلدی نہیں پھیلتی جس قدر کہ بُرائی جلد رنگ پکڑتی ہے۔ کچھ دیر تو بُرائی کی میلی چادر پر سفید چادر کا گمان رہا، گندگی کے ڈھیر پر گم کردہ راہ پھول چڑھاتے رہے اور ابن دجال کی بلائیں لیتے رہے، قادیان کے برہمن دیوتاؤں کی پوجا ہوتی رہی، لیکن تا کجے..... آخر مندر کے کلس کا ملمع اترنے لگا۔ فریب اور گناہ چار دیواری سے نکل کر قادیان کے کوچہ و بازار میں رسوائی کا علم لہرانے لگے، دجال قادیان کے اندرون خانہ سے نکلی ہوئی زنا کی بدبو نے سارے ماحول کو متعفن کر دیا۔ بنابریں قادیان کا ہر گھر مشتبہ دکھائی دینے لگا۔

قادیانیت کا پہلا باغی: مولانا عبدالکریم (مباہلہ)

خونِ اسرائیل آ جاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

قادیان کے راسپوٹین، ابن دجال کے خانہ ساز آئین کے مطابق ہر نئی نویلی دلہن کی سہاگ رات کا ابن دجال کے بستر پر بسر ہونا ضروری تھا۔ اس دستور پر کچھ دیر تقدس کی چادر پڑی رہی اگر کسی مظلومہ نے یہ چادر اُتارنا چاہی تو اس کی کئی تاویلیں کر کے اپنے گناہوں کو چھپانے کی کوشش کی جاتی، یہیں سے مولانا عبدالکریم مباہلہ کی داستان شروع ہوتی ہے۔

مستری فضل کریم جالندھر سے نقل مکانی کر کے قادیان آباد ہوئے تھے، انھوں نے لوہار کا کام شروع کیا۔ سویاں بنانے کی مشین انھیں کی ایجاد کردہ ہے۔ نام نہاد بہشتی مقبرہ کے قریب فضل کریم نے اپنا مکان تعمیر کیا اور یہیں ان کے ہاں دو لڑکے عبدالکریم اور زاہد پیدا ہوئے۔ عبدالکریم نے تعلیم قادیان میں حاصل کی اور قادیانی تبلیغ کے مبلغین میں شامل ہو کر مسلمانوں میں جھوٹی نبوت کا پروپیگنڈا کرتے رہے، اس طرح اسے ابن دجال کا قرب حاصل ہو گیا۔ عبدالکریم کا شمار کامیاب مرزائی مبلغ کے طور پر ہونے لگا۔ اسی دوران مولانا عبدالکریم حلقوں میں امتیازی حیثیت حاصل کر چکے تھے کہ ان کی زندگی میں ایک موڑ آیا کہ راستے کی تاریکی نے ان کا مستقبل روشن کر دیا۔

ہوا یوں کہ مولانا عبدالکریم کی ہمشیرہ محترمہ سکینہ بیگم مرزا عبدالحق ایڈووکیٹ دجالی فرقہ کے صوبائی امیر کی اہلیہ تھی۔ یہ محترمہ کسی کام کے لیے بیت الخلافت میں گئیں۔ وہاں ابن دجال مرزا محمود نے اپنی گندی فطرت کے مطابق ان کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کیا۔ سکینہ بیگم نے یہ تمام واقعہ اپنے خاوند سے

کہہ دیا۔ یہ 1927ء کا واقعہ ہے۔

اس موقعہ پر غیرت کا تقاضا تھا کہ مرید پیر پر تین حرف بھیج کر ابلیس کے چنگل سے نکل آتا کیونکہ غیرت ایمان کا جزو ہے، اگر ایمان ہی نہ ہو تو غیرت کہاں!

خاندانی کنجروں کے ہاں رواج ہے کہ وہ اپنی بہن اور بیٹی کو بازار میں بٹھا دیتے ہیں مگر بہو کو اس بازار کی ہوا تک سے محفوظ رکھتے ہیں...... یہ بھی غیرت کا ایک انداز ہے۔

اگر محترمہ سکینہ بیگم فطرتاً نیک نہ ہوتی تو ذلالت کے محل میں عیش کرتی، مگر اس کے شوہر نے بدفطرت پیر کے بہکاوے میں آ کر اسے اس بری طرح جکڑا ہوا تھا کہ ابلیس کے چنگل سے نکلنا مشکل ہو گیا۔ اس کے آگے کی کہانی شفیق مرزا اپنی کتاب شہر سدوم کے صفحہ 25 میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

> پیر پر تین حرف بھیجنے کی بجائے اس معاملہ کی تحقیق کا ارادہ کیا اور پاپائے ثانی کے پاس پہنچا، پیر تو رنگ ماسٹر تھا، اسے مریدوں کو نچانے کا فن خوب آتا تھا، اس نے بڑی ''معصومیت'' سے کہا۔ مجھے خود اس معاملہ کی سمجھ نہیں آ رہی، سکینہ بیگم بڑی نیک اور پاکباز لڑکی ہے، اس نے ایسی حرکت کیوں کی ہے۔ میں دعا کروں گا آپ کل کسی وقت تشریف لائیں، جب مرزا عبدالحق دوسرے دن پہنچے تو شاطر پیر اپنا عیارانہ منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے مرید کے لیے دام بچھاتے ہوئے کہا۔ میں نے اس منصوبہ پر بہت غور کیا ہے، دعا بھی کی ہے، ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ چونکہ میں خلیفہ ہوں ''مصلح موعود'' ہوں اس لیے سکینہ بیگم ایک روحانی تعلق کی بنا پر مجھ سے محبت رکھتی ہے اور اس قسم کا جذبۂ الفت جب پوری طرح قلب و ذہن پر مستولی ہو جاتا ہے تو اس وقت بعض عورتیں خواب کے عالم میں دیکھتی ہیں کہ انھوں نے فلاں مرد سے ایسا تعلق قائم کیا ہے اور اس خیال کا استیلا و غلبہ ان پر اس قدر ہوتا ہے کہ وہ اس کو بیداری کا واقعہ سمجھ لیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مرزا محمود نے طب کی ایک کتاب نکال کر دکھا دی کہ دیکھ لو اطباء نے بھی اس مرض کا ذکر کیا ہے اس پر مرید مطمئن ہو کر گھر واپس آیا تو اہلیہ کے استفسار کرنے پر مرید خاوند نے کہا ''تم بھی سچ کہتی ہو اور حضرت صاحب بھی سچ کہتے ہیں۔''

جب غیرت ہی اُٹھ گئی غالب
کیا کسی کا گلہ کرے کوئی!

تماشہ گاہِ عالم میں انسان ہر روز کئی تماشے دیکھتا ہے اور مسکرا کر گزر جاتا ہے لیکن جب خود تماشہ بنتا ہے تو چیخ اٹھتا ہے، اسے انسانی کمزوری کہیے یا تساہل عارفانہ؟

مولانا عبدالکریم نے مرزائیت کی کوکھ سے جنم لیا۔ تربیت پائی، تعلیم حاصل کی۔ باطل نبوت کا چراغ لے کر مسلمانوں کے ایمان کو خراب کرتے رہے، ظاہر ہے انھیں قصر ذلالت کے اندرونی اندھیروں سے روشنی نہ ہو۔ ممکن ہے ان کی نظریں تیرہ وتار اندھیروں تک نہ پہنچ سکتی ہوں، مگر جب ان کی اپنی عزت کو ہاتھ پڑا تو سارا اندھیرا جاتا رہا۔ لگے دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھالنے۔ اگر سرِ راہ ازار بند ٹوٹ جائے تو پگڑی کہاں سنبھلی رہتی ہے۔

سکینہ بیگم کے حادثے نے تقدس کی ساری بساط الٹ دی۔ اس زلزلے سے مردہ ضمیر جاگ اٹھے، قادیان میں کہرام مچ گیا۔ عبدالکریم اور ان کا خاندان حکومتِ دجال کا باغی قرار پایا۔ چھپے ہوئے باغی کھلم کھلا میدان میں نکل آئے۔ رستے ہوئے زخم چھپے ہوئے خون کو آوازیں دینے لگے، قصر ذلالت میں لٹی ہوئی عصمتیں بے مہابہ سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ ابن دجال کے گماشتے جو اس بدکاری و بدمعاشی میں راسپوٹین کے ساجھی وال تھے اپنے مرشد اعلیٰ کا دفاع کرنے لگے۔

اس کارزار میں عبدالکریم نے مباہلہ نام کا ایک اخبار نکالا اور یہی نام ان کے نام کا جزو بن گیا۔ اس اخبار کے ذریعے قادیان کے راسپوٹین کو مباہلہ کا چیلنج دیا گیا۔ کفر چونکہ بزدل ہوتا ہے، لہٰذا بار بار پکارنے پر بھی قصر ذلالت کا دروازہ نہ کھلا، اور یہ سانپ سپیرے کے خوف سے کنڈلی مارے بل میں گھسا رہا۔

مباہلہ کی ایک اشاعت میں دجالِ قادیان کے ایک اور شکار کی نشاندہی رتے ہوئے ایک داستان شائع کی۔ عنوان تھا:

''ایک احمدی خاتون کا بیان''

مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک مظلوم خاتون کا بیان اخبار ''مباہلہ'' قادیان میں اشاعت پذیر ہوا تھا گو اس وقت یہ چیلنج بھی دے دیا گیا تھا کہ اگر ''خود صاحب'' مباہلہ کے لیے آمادہ ہوں تو نام کے اظہار میں کوئی ادنیٰ اعتراض بھی نہیں ہوگا مگر چونکہ اس گوسالہ سامری کو مقابل پر نکلنے کی جرأت نہ ہوئی، اس لیے نام کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔ اب ہم ریکارڈ درست رکھنے کی خاطر یہ درج کر رہے ہیں کہ وہ خاتون قادیان کے دوکاندار شیخ نورالدین صاحب کی صاحبزادی عائشہ تھیں، ان کے بھائی شیخ عبداللہ المعروف عبداللہ سوداگر آج کل ساہیوال میں مقیم ہیں۔ عائشہ بیگم تھوڑا عرصہ ہوا انتقال کر گئی ہیں۔ اب ہم وہ بیان درج کرتے ہیں۔

''میں میاں صاحب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتی ہوں اور لوگوں میں ظاہر کر دینا چاہتی ہوں کہ وہ کیسی روحانیت رکھتے ہیں۔ میں اکثر اپنی سہیلیوں سے سُنا کرتی تھی کہ وہ بڑے زانی شخص ہیں مگر اعتبار نہیں آتا تھا کیونکہ ان کی مومنانہ صورت اور نیچی شرمیلی آنکھیں ہرگز یہ اجازت نہ دیتی تھیں کہ ان پر ایسا الزام لگایا جا سکے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میرے والد صاحب نے جو ہر کام کے لیے حضور سے اجازت لیا

کرتے تھے اور بہت مخلص احمدی تھے، ایک رقعہ حضرت صاحب کو پہنچانے کے لیے دیا جس میں اپنے کام کے لیے اجازت مانگی تھی۔ خیر میں یہ رقعہ لے کر گئی۔ اس وقت میاں صاحب نئے مکان (قصر خلافت) میں مقیم تھے۔ میں نے اپنے ہمراہ ایک لڑکی لی، جو وہاں تک میرے ساتھ گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔ چند دن بعد مجھے پھر ایک رقعہ لے کر جانا پڑا۔ اس وقت بھی وہی لڑکی میرے ہمراہ تھی۔ جونہی ہم دونوں میاں صاحب کی نشست گاہ میں پہنچیں تو اس لڑکی کو کسی نے پیچھے سے آواز دی، میں اکیلی رہ گئی۔ میں نے رقعہ پیش کیا اور جواب کے لیے عرض کیا مگر انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو جواب دے دوں گا، گھبراؤ مت۔ باہر ایک دو آدمی میرا انتظار کر رہے ہیں، میں ان سے مل آؤں۔ مجھے یہ کہہ کر اس کمرے کے باہر کی طرف چلے گئے اور چند منٹ بعد پیچھے کے تمام کمروں کو قفل لگا کر اندر داخل ہوئے اور اس کا بھی باہر والا دروازہ بند کر دیا اور چٹکنیاں لگا دیں۔ میں جس کمرے میں بیٹھی تھی وہ اندر کا چوتھا کمرہ تھا۔ میں یہ حالت دیکھ کر سخت گھبرائی اور طرح طرح کے خیال دل میں آنے لگے۔ آخر میاں صاحب نے مجھ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور مجھ سے برا فعل کروانے کو کہا۔ میں نے انکار کیا۔ آخر زبردستی انھوں نے مجھے پلنگ پر گرا کر میری عزت برباد کر دی اور ان کے منہ سے اس قدر بو آ رہی تھی کہ مجھ کو چکر آ گیا۔ اور وہ گفتگو بھی ایسی کرتے تھے کہ بازاری آدمی بھی ایسی نہیں کرتے۔ ممکن ہے جسے لوگ شراب کہتے ہیں انھوں نے پی ہو کیونکہ ان کے ہوش و حواس بھی درست نہیں تھے۔ مجھ کو دھمکایا کہ اگر کسی سے ذکر کیا تو تمہاری بدنامی ہوگی۔ مجھ پر کوئی شک بھی نہ کرے گا۔"

مذکورہ بالا قصے کا شائع ہونا تھا کہ خباثت کے ساتھ شرافت بھی تڑپ اٹھی۔

مولانا عبدالکریم کا قادیان سے نکلنا

اس طرح وقت کے ساتھ ساتھ نبوتِ کاذبہ کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹنے لگا۔ فریب کا پردہ چاک ہو چکا تھا۔ جھوٹ کے بندھن ٹوٹ رہے تھے۔ برسوں کی سلگتی ہوئی چنگاریاں آتش فشاں بن رہی تھیں، قریب تھا کہ ابلیسیت کا محل اس آگ کی لپیٹ میں آ جائے، شیطانی فوج نے ایک رات مولانا عبدالکریم مباہلہ کے مکان کو ان کے خاندان سمیت آگ میں جلا دینے کی سازش کی لیکن زندگی اور موت کا فیصلہ خالقِ کائنات کے اپنے قبضہ قدرت میں ہے۔

حکیم نورالدین آنجہانی کی بیوہ جو بذات خود دجال قادیان کے ہاتھوں زخم خوردہ تھی، اسے کسی طرح اس سازش کا پتہ چل گیا۔ وہ بُرقع اوڑھے چھپ چھپا کر مولانا عبدالکریم کے اہل خانہ کو اطلاع کر آئی کہ آج رات انھیں ان کے خاندان سمیت جلا دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ ہو چکا ہے، اپنی جانیں بچا سکتے ہو تو بچا لو۔ یہ اطلاع پا کر گھر کے سب لوگ جیسے بن پڑا مکان چھوڑ کر چھپتے چھپاتے رات کے پہلے حصے میں سکھوں کے بورڈنگ ہاؤس میں پہنچ گئے اور رات کے پچھلے پہر بُرقع پہن کر سکھوں کے تعاون سے انھیں کی موٹر میں

سوار ہو کر بٹالہ اور پھر امرتسر پہنچ گئے۔

مرزائیوں نے اپنے طے شدہ پروگرام کے مطابق 11 اکتوبر 1930ء کی درمیانی رات عبدالکریم کے مکان کو جلا کر راکھ کر دیا اور خود اس کے گرد پہرہ دیتے رہے کہ کوئی بچ کر نکلنے نہ پائے۔ اپنی دانست میں انھوں نے اہل خانہ کو جلا کر ختم کر دیا تھا اس پر وہ مطمئن تھے کہ انھوں نے دشمن کا خاتمہ کر دیا لیکن شاید وہ نہیں جانتے تھے کہ مارنے والے سے بچانے والا زیادہ طاقتور ہے۔

صبح اخبار الفضل میں شائع کر دیا گیا کہ:

''چونکہ مستری مرتد ہو گئے تھے لہٰذا انھوں نے خود ہی اپنے مکان کو آگ لگائی اور اس میں جل مرے ہیں۔''

اس واقعہ کی اطلاع مقامی پولیس تھانہ میں کرائی گئی مگر نہ تو رپورٹ درج کی گئی اور نہ ہی کوئی موقع محل پر آیا۔ ابن دجال نے سکھ کا سانس لیا کہ چلو یہ دشمن خاندان تو ختم ہوا۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ پولیس اور دیگر آفیسر دخل انداز نہیں ہوتے۔

؎ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا

تیسرے دن اطلاع ملی کہ مستری اپنے خاندان سمیت بخیریت امرتسر پہنچ گئے ہیں، یہ سن کر ابن دجال کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ اپنے پالتو بلا کر انھیں ڈانٹا کہ تم نے کیا کیا، تمہاری نگرانی کا کیا فائدہ نکلا۔ شکار تو بچ کر نکل گیا۔ مگر اب ماتم کے سوا کیا ہو سکتا تھا۔

مال و اسباب تو مکان کے ساتھ راکھ ہو چکا تھا۔ یہ لوگ جب امرتسر پہنچے تو کوڑی کوڑی کو محتاج تھے۔ ہاتھ میں ہنر ہو اور نیت میں فتور نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ہر قدم پر مدد کرتے ہیں۔ رہائش کے لیے ہال بازار میں مکان مل گیا۔ شریف پورہ میں کارخانہ قائم کر لیا۔ یہاں انھوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمائے گرامی پیتل کے فرموں میں ڈھالنا شروع کیے جو بہت مقبول ہوئے۔ لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ خریدے۔ دنوں میں بہار لوٹ آئی ہفت روزہ مباہلہ امرتسر سے باقاعدگی سے جاری کر دیا گیا۔

باطل کے چنگل سے نکل کر اسلام قبول کرنے کی برکت سے مستری عبدالکریم، مولانا عبدالکریم مباہلہ کے نام پر معروف ہو گئے، اب وہ مستری کم اور مبلغِ اسلام زیادہ تھے۔ اخبار مباہلہ کے ذریعے مرزائیت کے خلاف باقاعدہ محاذ قائم کر دیا گیا۔

مولانا مباہلہ پر قاتلانہ حملہ

شکار بچ کر نکل جائے تو شکاری اپنی چوکڑی بھول جاتا ہے۔ مولانا مباہلہ نے نبوت باطلہ کے تقدس کو جس بُری طرح پامال کیا اس کی پاداش میں انھیں بمعہ خاندان کے زندہ جلا دینے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس میں ناکامی، ذلت اور رسوائی نے ابن دجال کو آگ کے انگاروں پر لوٹا دیا۔ امرتسر پہنچ کر اخبار مباہلہ

میں قادیان میں ننگ انسانیت ابن دجال کے زنا کے قصے نیز قادیان سے اپنے بچ نکلنے کی داستان جس طریق سے شائع کرنا شروع کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پنجاب کے عوام کو اس دجالی گروہ سے واقفیت ہو رہی تھی ورنہ تو یہ پوپ پادری بنے بیٹھے تھے مگر اب کیا ہوسکتا تھا۔ بادلِ نخواستہ یہ زہر پینا پڑا۔

قادیان میں ہر روز مولانا مباہلہ کے خلاف جلسے ہونے لگے، شہر سدوم کے باشندوں کے جذبات بھڑکائے گئے، بالآخر اخبار مباہلہ میں ابن دجال پر عائد کردہ الزامات کے خلاف گورداسپور کی عدالت میں دجالیوں نے عبدالکریم کے خلاف ضابطہ فوجداری کے تحت استغاثہ دائر کر دیا۔ یہ دوسری سازش تھی جس میں مولانا مباہلہ کو قتل کرنے کی تجویز تھی اس ضمن میں یہ طے پایا کہ:

''جونہی مولانا مباہلہ امرتسر سے اس مقدمہ کی تاریخ پیشی بھگتنے گورداسپور جانے کے لیے لاری پر سوار ہوں تو انھیں لاری میں عوام کے سامنے قتل کر دیا جائے۔''

اس کام کے لیے محمد امین (مرزائی) المعروف مجاہد بخارا سے کہا گیا کہ وہ کرائے کا قاتل تلاش کرے جسے معقول رقم دی جائے گی، یہ رقم چار ہزار طے پائی اس پر ایک پٹھان قاضی محمد علی نوشہروی سے مولانا مباہلہ کے قتل کا سودا کیا گیا اور اسے یقین دلایا گیا کہ اسے اس مقدمہ میں بری کرا لیا جائے گا، کچھ رقم پیشگی دے دی گئی۔ یہ سازش اس طرح طے پائی کہ:

جب مولانا عبدالکریم عدالت میں حاضری کے لیے امرتسر سے روانہ ہوں تو خدام احمدیہ کے رضا کار اس لاری میں سوار ہو جائیں۔ جیسے ہی لاری بٹالہ پہنچے، رضا کار ہاتھ کا اشارہ کر کے مقررہ قاتل کو لاری میں سوار ہونے کا اشارہ کریں اور یہاں سے قاتل محمد علی لاری میں سوار ہو کر اپنا کام کرے گا۔ یہ تھی سکیم مولانا کو قتل کرنے کی۔

حسب دستور مولانا مباہلہ بمعہ اپنے ضامن حاجی محمد حسین بٹالوی کے عدالت میں حاضری کے لیے امرتسر سے لاری میں سوار ہوئے۔ لاری میں خدام احمدیہ کے رضا کار بھی سوار ہو گئے۔ لاری جیسے ہی بٹالہ پہنچی، طے شدہ پروگرام کے مطابق ہاتھ کے اشارہ سے قاتل محمد علی کو لاری میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا اور ساتھ ہی مولانا عبدالکریم کی نشان دہی کر دی گئی، رضا کار خود یہاں اتر گئے۔

ابھی لاری بٹالہ سے چند میل دور گئی تھی کہ قاتل نے لاری کے اندر (اپنی دانست میں) مولانا مباہلہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا لیکن ہنوز قدرت نے مولانا مباہلہ سے کوئی کام لینا تھا کہ قاتل مولانا مباہلہ اور حاجی محمد حسین بٹالوی کے مابین کوئی امتیاز نہ کر سکا اس طرح خنجر مولانا مباہلہ کی بجائے حاجی محمد حسین کو لگ گیا اور وہ موقع پر شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن (یہ 1929ء کا سال ہے) اس حادثہ پر لاری رک گئی۔ قاتل کو دیگر مسافروں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس پر دفعہ 302 کے تحت مقدمہ قائم ہوا اور اسے سزائے موت ہو گئی۔

قاتل قاضی محمد علی نوشہروی کو پھانسی سے بچانے کی کوشش میں مرزائی وکلاء (چودھری سر ظفر اللہ آنجہانی اور اس کے بھائی آنجہانی اسد اللہ وغیرہ) نے لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کی پیروی کی لیکن اپیل خارج ہوگئی۔ لندن پریوی کونسل تک گئے مگر سزا بحال رہی، پھانسی کے بعد قاتل کی لاش قادیان لائی گئی، جلوس نکالا گیا اور اسے شہید احمدیت کا خطاب دیا گیا۔ ابن دجال نے لاش کو کندھا دیا اور نام نہاد بہشتی مقبرے میں دفنایا گیا۔

آنجہانی قاتل کی موت پر اسی رات قادیان میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مرزائی شعراء نے قاتل کے قصائد پڑھے، ایک شعر ملاحظہ ہو۔

؂ پیچھے آ کر سب سے آگے بڑھ گیا
مثلِ عیسیٰ آسمان پر چڑھ گیا

مندرجہ بالا شعر چونکہ قادیانی عقیدے کے خلاف تھا جبکہ دجال قادیان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔ (نعوذ باللہ) اس ایک شعر پر ابنِ دجال نے یہ نظم اور باقی نظموں کا مجموعہ ضبط کر لیا۔

''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا''

قادیان میں بغاوت

برائی اور گندگی زیادہ دیر نہیں چھپتے۔ مجلس احرار کے قدم جیسے جیسے قادیان میں بڑھتے گئے، وہاں کے راز ہائے سربستہ آپ سے آپ نکھر کر سامنے آتے چلے گئے۔ بے حیائی تقدس کی چادر میں کب تک چھپی رہ سکتی، گناہ کا گریبان جب چاک ہوتا ہے تو پھر کوئی گوشہ رفو کے قابل نہیں رہتا۔

؂ ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دجال ابن دجال (بشیر الدین محمود) نے ابلیس کے سنگھاسن پر بیٹھ کر ابن آدم کو کس طرح فریب دیے۔ معصوم عصمتوں کو جس بری طرح داغدار کیا، آخر یہ ڈرامہ ایک دن تو ختم ہونا تھا۔ وقت دیر سے اس کا منتظر تھا۔ فریب خوردہ مسلمان اپنے گھروں سے ہجرت کر کے دجالی مرکز (قادیان) میں پہنچے تو ان پر کیا گزری، جب وہ تہی دامن ہوئے تو قصر ذلالت میں ابن دجال نے ان کی آبروئیں کس طرح بے دام خریدیں۔

یہ دور ہے جب ابن دجال کے پالتو لاٹھیاں لیے ہمہ اوقات مظلوموں کے سروں پر کھڑے رہتے تھے اور ان کے سامنے مظلوموں کی متاع حیات لٹتی رہی۔ اس برچھا گردی میں کوئی مائی کا لال نہیں تھا جو قصر ذلالت کی جلتی اور بجھتی بتیوں کی نشاندہی کرتا۔

اس پرآشوب دور میں جانے کتنی آوازیں ظلم و جور سے آنکھ بچا کر عرشِ الٰہی تک پہنچی ہوں گی کہ نمرود کی آگ یخ بستہ ہو کر رہ گئی۔

یہ 1937ء کا سال ہے، مسلمان اور دجالی گروہ کے درمیان لڑائی پر سے قریباً پانچ سال بیت چکے۔اس دوران مرزائیت اس بری طرح رسوا اور ننگی ہوئی کہ برصغیر میں اس کا اصل روپ دکھائی دینے لگا۔

دو خط

اس سے قبل کہ قارئین خطوط کا مطالعہ کریں، خط نمبر 1 کے مصنف شیخ عبدالرحمٰن مصری اور خط کا پس منظر جان لینا ضروری ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن کا تعلق ہندو مذہب سے تھا۔اس کا سابقہ نام لالہ شنکر داس تھا، دجال (غلام احمد) کے مذہب (مرزائیت) کو اسلام سمجھ کر 1905ء میں اس کے فریب میں پھنس کر اپنی دانست میں مسلمان ہو گیا۔حکیم نور الدین حجام کے عہد میں اسے مرزائیت کی تبلیغ کے لیے مصر بھیجا گیا، وہیں اس نے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ واپس آیا تو دجال کے تخت پر ابن دجال براجمان ہو چکا تھا، چنانچہ شیخ عبدالرحمٰن کو عبدالرحمٰن مصری کا لقب دے کر قادیان کے احمدیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دیا گیا۔ یہاں اس کی ہدایت پر ابلیسیت کے سینکڑوں مبلغ تیار ہوئے۔اس دوران مرزائیوں میں عبدالرحمٰن مصری کی نیکی اور تقویٰ کی بناء پر اسے قائم مقام خلیفہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔

اب خط کا پس منظر سمجھیں۔

عبدالرحمٰن مصری کا لڑکا بشیر احمد حافظ قرآن ہونے کے ساتھ بی اے کا طالب علم تھا۔ مشاطۂ فطرت نے اس کے ظاہری بناؤ سنگھار میں بخل سے کام نہیں لیا تھا۔شاید قرآن کریم کی تعلیم کا اثر تھا کہ خوبصورت ہونے پر بھی یہ گندگی کے ماحول سے محفوظ رہا، مگر کب تک۔ آخر ایک دن ابن دجال کی نظر بد اس پر پڑی، اور اس کا جھٹکا ہو گیا۔اگلی کہانی حافظ بشیر کی زبانی سنیے۔

> ''چونکہ والد (عبدالرحمٰن مصری) کی رسائی قصر ذلالت (قصر خلافت) تک تھی، اس بناء پر میری پہنچ میں بھی آسانی تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک دن ابنِ دجال نے مجھے دیکھ لیا اور بڑی شفقت سے اپنے پاس بٹھا کر محبت کا اس انداز سے اظہار کیا کہ مجھے اس کی نیت پر قدرے شبہ ہونے لگا، مگر یقین کی حد تک نہیں، کیونکہ ہماری نظر میں یہ مامور من اللہ تھا۔آخر اس کی بری حرکات اور ہاتھوں کی گستاخیوں نے میرے گمان کو یقین دلایا کہ جو کچھ تو سمجھ رہا ہے یہ وہ نہیں، یہ شفقت کا ہاتھ نہیں شہوت کا ہاتھ ہے۔
>
> کالج کا سٹوڈنٹ ہوتے ہوئے بھی میں انداز محبت سے گو آشنا نہیں تھا لیکن بے خبر بھی نہیں۔ پھر بشیر الدین کی آنکھوں کے ڈورے اس حد تک سرخ ہو چکے تھے کہ مجھے اپنی آبرو کا دامن سلگتا ہوا محسوس ہوا، قریب تھا کہ سب کچھ جل کر راکھ ہو

جاتا۔ ابن دجال کی لڑکی (محمودہ) کمرہ میں داخل ہوئی، ابن دجال اسے تنہا میرے پاس چھوڑ کر چلا گیا۔

باپ کے جاتے ہی سولہ سنگھار سے آراستہ بیٹی میرے سامنے آ بیٹھی بلکہ قریب تر، دلبری کے انداز اور نخرے بکھیرنے لگی۔ گو اس کے مذہب میں حسن کا کافر ہونا ناممکن ہے اور جب وہ خود کہے، تھوڑی سی پی میرے لیے۔ تو انکار پر جام وصراحی نہیں، ساقی سمیت میخانے کے روٹھ جانے کا ڈر رہتا ہے۔

حسن جب حسن کے مقابل آ جائے تو عشق درمیان سے ہٹ کر تماشائی بن جاتا ہے، ایک طرف نسوانی حسن اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ مردانہ حسن کو مات دینے میں اپنی اداؤں کے خم پر خم لنڈھا رہا ہو تو سامنے کا حسن کب تک انتظار کرے گا آخر دل ہی تو ہے۔ بنت دجال نے شیطنیت کے جوہر دکھانے میں کمی نہ آنے دی، میرے پر اس خاندان کے تقدس کا ایسا رُعب تھا کہ موسم سرما ہونے پر بھی میرا جسم پسینہ سے شرابور تھا۔

الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

اگرچہ اس دوران شرم وحیا کے بہت سے پردے اٹھ چکے تھے تاہم نہ تو میری نگاہوں نے گستاخی کی، نہ ہاتھ آپے سے باہر ہوئے۔

ہنوز یہ کشمکش بغیر کسی نتیجے کے جاری تھی کہ ابن دجال احوال معلوم کرنے کمرے میں داخل ہوا۔

(اپنی لڑکی سے)

کیوں بھئی؟

بنت دجال: اُوں ہُوں۔

اس اُوں ہُوں میں اس نے میرے انکار کی ساری داستان کہہ دی۔ آخر ہم دونوں کے لیے کھانا لایا گیا۔ زعفران تک کی خوشبو تو سمجھ آ رہی تھی اور خدا جانے کیا تھا۔

کسی کے آنے سے ساقی کے ہوش اُڑے ایسے
شراب سیخ پہ ڈالی کباب شیشے میں

میرے انکار کی کہانی سن کر باپ نے خود آگے بڑھ کر باپ بیٹی کے پاک رشتے کی دھجیاں اُڑا دیں، اس پر نہ تو بیٹی نے احتجاج کیا نہ باپ کو حیا آئی۔ یہ سارا کچھ میرے سامنے ہوا۔ جی میں آیا کہ چیخ کر یہاں سے بھاگ جاؤں، مگر کیسے، دروازے مقفل تھے۔

اس تمثیل کی دو صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ اوّل مجھے اشتعال دلانے کے لیے یا پھر اس گھر کی ریت یہی تھی۔ اس پر میرے ضبط کے تمام بندھ ٹوٹ گئے۔

مال اچھا ہو تو گاہک ہر قیمت پر خرید تا ہے۔ ابن دجال کا دل میرے پر ریجھ گیا تھا۔ اس کے لیے اس نے بیٹی کی آبرو تک کو داؤ پر لگانے سے دریغ نہیں کیا۔

آمنے سامنے تبادلہ

طوفان کے پانی کا بہاؤ اگر نیچے کی طرف ہو تو اس کے آگے بند باندھنا مشکل ہوتا ہے۔ برسات کے دنوں میں تو یہ دشواریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔

چند لمحے پہلے میری آنکھوں نے جس انسانیت سوز ذلالت کا مظاہرہ کیا، اس اُبلتے ہوئے لاوے نے میری جوانی کو بھی سمیٹ لیا۔ بشیرالدین نے اپنی بیٹی کے ساتھ جو روسیاہی کی۔ یہ صرف میرے حصول کا ایک راستہ تھا۔ آخر اس کی تمنا بھر آئی۔ میرے آریب ہونے کا نظارہ بنت دجال نے مسکراتے ہوئے کیا جبکہ میں اس کی متاعِ حیات لٹتی دیکھ کر کانپ رہا تھا۔ آج میرے گناہ کا پہلا دن تھا ورنہ میرے گھر کا ماحول اور اس پر قرآن حکیم کی برکت کہ میں اس گناہ کی لذت سے محروم تھا۔ میں ان دنوں اٹھارہ انیس سال کے پیٹے میں تھا اور بنت دجال بائیس اور تیئس کے سن سے گزر رہی تھی۔ جوانی کی گھٹائیں دونوں طرف سے اُمڈی ہوئی تھیں۔ جذبات آمنے سامنے موجزن تھے۔ ہاتھ اور نگاہیں منتظر تھیں کہ پہل کون کرے۔ آگ دونوں طرف شعلہ فشاں تھی۔

ـ دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
ہاتھ میرے دونوں نکلے کام کے

پھر جب گناہ کرنا ہی ٹھہرا تو دیر کیسی۔

میں نے باپ (ابن دجال) کی موجودگی میں بیٹی سے اپنی آبرو کا انتقام لیا۔ اور پھر باپ نے بیٹی کا انتقام مزید مجھ سے لیا۔ اس طرح آمنے سامنے تبادلہ ہوتا رہا۔ گھی آگ کے قریب پہنچ کر پگھل چکا تھا۔ یہ بھٹی مسلسل تپتی رہی۔ اس دوران قصر ذلالت شیطان کی آماجگاہ بنا رہا۔ حیا و شرم عصیاں کے تالاب میں گندی مچھلیوں کی طرح تیرتے رہے، یہاں تک کہ ہر سہ فریق کے شعلے سرد پڑ چکے تھے۔

ـ نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

برائی سے متنفر دل بعض دفعہ نیکی سے بھی خوف کھاتا ہے کہ شاید یہ بھی نظر کا فریب نہ ہو۔

مذہب کی جس بلندی نے مجھے دھوکہ دیا تھا اس سے بڑھ کر مزید کون سی جگہ تھی جس
سے گرنے کا ڈر ہوتا۔

البتہ والد کے دل میں اس خاندان کے لیے جو احترام تھا اس کے پیش نظر اپنے پر بیتی داستان کہنے سے ڈر لگتا تھا کہ الٹی بندر کی بلا میرے گلے نہ آ پڑے۔ میں ان دنوں میں اکیس سال کے پیٹے میں تھا اور ریاست کپورتھلہ گورنمنٹ کالج میں زیر تعلیم تھا۔

میرے گھر کے ماحول پر ابن دجال کا پوری طرح تسلط تھا، لیکن جو کچھ میں دیکھ اور کر چکا تھا ان واقعات نے مجھ سے میرے گھر کی عقیدت اور احترام بھی چھین لیا تھا۔ نماز چھوڑنے کے ساتھ والدین کے سامنے ہمہ اوقات ان کے بتوں کی برائی، ان کے عقیدے کی توہین، ابن دجال کو کھلم کھلا گالیاں میرا معمول بن چکا تھا۔ میرے اس چلن سے والد صاحب کو شبہ ہوا کہ مجھے احرار والوں نے اپنی سان پر چڑھا لیا ہے اور یہ ان ہی کی شرارت ہے یا پھر میں دہریہ ہو چکا ہوں۔ ان کی آخری رائے درست تھی۔ اس پر انھوں نے میری خوب پٹائی کی۔ حالانکہ اس سے پیشتر انھوں نے مجھے انگلی تک نہ لگائی تھی۔ انھیں حالات میں کالج کی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور میں کپورتھلہ چلا گیا۔

راز افشا ہوتا ہے

اس سے آگے کی داستان اور پیشتر کی کارروائی کی تائید میں مرزا محمد حسین (مرزائی) اپنی کتاب ''فتنہ انکار ختم نبوت'' میں لکھتے ہیں:

> حافظ بشیر احمد کی غیر حاضری میں عبدالرحمٰن مصری نے اپنی خوش اعتقادی کی بنیاد پر قصر ذلالت میں جا کر اپنے بیٹے کی تمام تر داستان کہہ دی، یعنی وہ احمدیت کے عقیدے سے منحرف ہو رہا ہے۔ حضور (بشیر الدین محمود) کی بڑی توہین کرتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا۔ مذہب سے باغی ہو چکا ہے۔
>
> مصری کی گفتگو سے چور کی داڑھی کا تنکا شمشیر بن کر سامنے آ گیا۔ وہ (بشیر الدین محمود) اُوپری ہنسی ہنس کر کہنے لگا۔
>
> نہیں مصری صاحب! بشیر ایسا بچہ نہیں، وہ ضرور کسی کے بہکاوے میں آ گیا ہوگا۔ آنے دو میں اسے خود سمجھاؤں گا۔
>
> ابن دجال کی اس گفتگو پر مصری خوش ہوا کہ حضور کو یقین نہیں آ رہا کہ بشیر ایسا ہوگا۔ پھر ایسا کیوں ہوا؟
>
> یہ سوال ذہن میں رکھ کر مصری نے کپورتھلہ جا کر تحقیق کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی اطلاع کسی طرح ابن دجال تک پہنچ گئی کہ عبدالرحمٰن کپورتھلہ جا رہا ہے۔ نہ جانے بشیر

اسے کیا کہہ دے۔ اس خوف کے مارے ابن دجال نے جوابی کارروائی کے طور پر سلطان محمود نامی ایک مرزائی کو کپورتھلہ بھیجنے کا فیصلہ کیا کہ بشیر کہیں سارا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ جیسے ہی سلطان نے کپورتھلہ پہنچ کر بشیر کو سمجھا بجھا کر پکا کیا کہ خدا کے لیے کوئی راز افشاں نہ کرنا۔ اس پر بشیر نے کہا آپ یہ احکام خلیفہ صاحب کی طرف سے تحریری لا کر دو۔ حافظ بشیر کی اس تجویز پر سلطان واپس آ گیا اور ابن دجال کی طرف سے رقعہ بازی شروع ہو گئی۔ ابن دجال کے جواب میں حافظ بشیر اور حافظ بشیر کے جواب میں ابن دجال جو کچھ لکھتا رہا حافظ بشیر احمد بظاہر یہ تمام رقعے سلطان کے سامنے پھاڑ دیتا مگر اندر خانے وہ اصل رقعے محفوظ کر لیتا اور کوئی دوسرا کاغذ پھاڑ کر پھینک دیتا تھا۔

اس طرح ابن دجال اپنے جال میں آپ ہی پھنس گیا۔ یعنی جب مصری بیٹے کو سمجھانے کپورتھلہ پہنچا۔ ابھی باپ نے بات شروع کی ہی تھی کہ بیٹے نے بغیر کچھ کہے ابن دجال کے تمام رقعے باپ کے سامنے رکھ دیے اور خود لحاف میں منہ چھپا کر رونے لگ پڑا۔ (صفحہ 240)

مولانا اللہ وسایا

قادیانی خباثتیں

قادیانی جماعت کے چوتھے چیف گرو مرزا طاہر قادیانی کے آنجہانی ہونے کے بعد قادیانی جماعت کا لاٹ پاٹ مرزا مسرور احمد قادیانی کو بنایا گیا۔ مرزا مسرور احمد قادیانی زرعی یونیورسٹی میں پڑھتا رہا۔ اس مناسبت سے چناب نگر کے قادیانی اسے ''مالی'' کہتے ہیں۔ چونکہ مرزا مسرور احمد قادیانی کی کوئی خاص دینی تعلیم نہیں، نہ ہی اسے بولنے کا طریقہ وسلیقہ آتا ہے، اس لیے اس کو ''گونگا'' بھی کہتے ہیں۔ مرزا مسرور احمد قادیانی کے چناب نگر میں قادیانی مخالف اسے ''گونگا مالی'' کہتے ہیں۔ گونگا شیطان کی پرانی اصطلاح تو جانی پہچانی تھی۔ اب اس گونگے شیطان کو گونگا مالی بنانا یہ قادیانی خانہ ساز اصطلاحات کی فیکٹری کی تازہ ورائٹی ہے۔ مرزا مسرور قادیانی کے متعلق چناب نگر کے واقف قادیانیوں کا کہنا ہے کہ یہ پرلے درجہ کا مغرور، بدتمیز اور بدکردار انسان ہے۔ کوئی ایسا انسانی عیب نہیں جو اس میں نہ پایا جاتا ہو۔ بدکرداری میں مرزا محمود قادیانی کا ظل اور بروز ہے۔ ظلی بروزی نبوت کے فیض کا اس نے قادیانی امت کے اطفال اور لجنہ میں انتقال تام کیا تو مزید شہر سدوم، ربوہ کا پوپ، ربوہ کا مذہبی آمر، ربوہ کا راسپوٹین، تاریخ محمودیت، کمالات محمودیہ ایسی کئی تصانیف پر مشتمل قادیانی لٹریچر تیار ہو جائے گا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا فیض نجو، مشانی، بھانو کو کیا منتقل ہوا، چشمۂ فیض جاری ہو گیا۔ پوری قادیانیت اس کی فیض رسانی سے شاداب وتر وتازہ ہے۔ ''تازہ پھل'' پکنے سے قبل ہی بیوپاری حضرات کی نذر ہو جاتا ہے۔ مرزا محمود مرزا قادیانی کی ان روایات کا علمبردار تھا اور مرزا مسرور احمد قادیانی، مرزا محمود قادیانی کا بروز ثانی ہے۔ اس گونگے مالی مرزا مسرور قادیانی کے برسر اقتدار آتے ہی اس کے بدکرتوتوں سے واقفیت کے باعث ہر قادیانی پریشان ہے۔ اس کے تن بدن پر لرزہ طاری ہے۔ قادیانیت کے محل میں شگاف پڑ رہے ہیں۔ مغربی جرمنی اور امریکہ کے سرکردہ قادیانیوں کا قادیانیت کو خیرباد کہنا اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ مرزا مسرور احمد قادیانی کیا آیا، قادیانیت کے لیے بھونچال لایا ہے جو قادیانیت کے زوال کا باعث ہوگا۔ اس بھونچال وزلزال کا باعث کیا ہے؟ ذیل کے واقعہ سے اس پر کچھ روشنی پڑ سکے گی۔ اس سے شاید قادیانی فائدہ حاصل کر پائیں تو ان کا بھلا ہوگا۔

مبینہ طور پر معلوم ہوا کہ چناب نگر قادیانی جماعت کا ناظم وقف جدید اللہ بخش صادق تھا۔ اس نے وقف جدید کے معلم نذیر احمد کو سندھ تھر پار کر، نگر پار کر میر پور قادیانی اسٹیٹوں سے جعلی بیعت فارم پُر کر کے بھجوانے کے دھندہ پر لگا دیا۔ ان فارموں کی بنیاد پر اللہ بخش صادق وقف جدید چناب نگر کے فنڈ سے ان فرضی افراد کی امداد شو کر کے رقم اپنی جیب میں رکھ لیتا۔ معلم نذیر احمد قادیانی کے علاوہ وقف جدید میں دو تین اہل کار اس نے اپنے ہم نوا بنائے ہوئے تھے۔ ان کو تنخواہ کے علاوہ مزید جیب خرچی مل جاتی تھی۔ معلم نذیر احمد قادیانی خوبرو نوجوان تھا۔ اللہ بخش صادق قادیانی اور دوسرے اس کے ہمجولی معلم نذیر احمد قادیانی کے چناب آنے پر اس سے خلافِ وضع فعل کرتے تھے۔

معلم نذیر احمد قادیانی کا ان سے کسی امر پر بگاڑ ہو گیا۔ اس نے اللہ بخش صادق قادیانی کو دھمکی دی کہ فرضی امداد کے نام پر پچھتر لاکھ روپے تم نے قادیانی جماعت کے فنڈ سے خورد برد کیے ہیں۔ میں اس کا انکشاف کر کے تمہیں ذلیل کروں گا۔ اللہ بخش قادیانی کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اس نے معلم نذیر احمد قادیانی کی منت خوشامد کر کے گھر بھیج دیا۔ سال بھر تنخواہ اس کے گھر بھجواتا رہا۔ جب دیکھا کہ سال گزر گیا ہے۔ معاملہ ٹھنڈا پڑ گیا ہے تو اس کی تنخواہ بند کر دی۔

معلم نذیر احمد قادیانی سندھ سے سفر کر کے چناب نگر آیا۔ اللہ بخش صادق قادیانی کو ملا اور تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ اللہ بخش صادق قادیانی ناظم وقف جدید نے ڈرایا دھمکایا کہ کونسی تنخواہ؟ سال بھر مفت کی کھاتے رہے۔ جاؤ تمہارا جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر تم نے کہیں بھی زبان کھولی تو تمہارا نشان مٹا دیا جائے گا۔

(قادیانی جماعت کا کوئی فرد پاکستان سے اپنے نام نہاد خلیفہ' چیف گرو' لاٹ پادری کو خط لکھے تو مقامی جماعت کے امیر کی تصدیق لازمی ہوتی ہے۔ پھر وہ خط چناب نگر جاتا ہے۔ سنسر کے بعد خلیفہ کو بھیجا جاتا ہے۔)

لیکن معلم وقف جدید نذیر احمد قادیانی سندھی کا ایک تعلق دار برطانیہ میں مرزا طاہر قادیانی آنجہانی کا جاننے والا تھا۔ اس کی معرفت معلم نذیر احمد قادیانی نے پورے فراڈ کی کہانی لکھ کر مرزا طاہر قادیانی آنجہانی کو لندن بھجوا دی۔ مرزا طاہر قادیانی نے وہ خط چناب نگر پاکستان میں قادیانی جماعت کے امیر کو تحقیقات کے لیے بھجوایا۔ جب اللہ بخش صادق قادیانی کو پتہ چلا کہ معاملہ خواب ہو رہا ہے تو اس نے فوری طور پر بہانے سے معلم نذیر احمد قادیانی کو سندھ سے چناب نگر بلوایا۔ ترغیب و ترہیب دے کر قائل کرنا چاہا کہ کسی طرح اپنے خط کے جھوٹے ہونے کا اقرار نامہ لکھ دے۔

معلم نذیر احمد قادیانی تیار نہ ہوا تو اللہ بخش صادق نے معلم نذیر احمد قادیانی کو جان سے مار دینے اور لاش غائب کر دینے کی دھمکیاں دے کر مرزا طاہر کے نام خط لکھوا لیا کہ میں نے پہلے خط میں اللہ بخش صاق ناظم وقف جدید کی جو شکایات کی تھیں، وہ غلط تھیں۔ یہ تحریر لکھوا کر اللہ بخش صادق اور اس کے ہم جولی مطمئن ہو گئے۔ لیکن معلم نذیر احمد نے گھر جا کر پھر اپنے ذریعہ سے مرزا طاہر قادیانی کو ساری صورتحال

لکھ دی کہ مجھ سے گن پوائنٹ پر دستخط لیے گئے ہیں۔ لیکن میں اپنے پہلے بیان پر قائم ہوں کہ اللہ بخش صادق نے واقعی پچھتر لاکھ کا فراڈ کیا ہے۔

مرزا طاہر نے انکوائری کرائی ۔ جرم ثابت ہونے اور فراڈ کے ذریعہ قادیانی جماعت کو پچھتر لاکھ روپے کا ٹیکہ لگانے کے جرم کی پاداش میں اللہ بخش صادق کو جماعتی عہدہ سے برطرف کر دیا گیا۔ مرزا طاہر کے زمانہ میں وہ معافی تلافی کے لیے کوشاں رہا۔ لیکن مرزا طاہر قادیانی نہ مانا۔ اب مرزا مسرور احمد قادیانی کے گرو بنتے ہی اللہ بخش صادق دوبارہ کوشش کر کے چناب نگر میں قادیانی جماعت کا صدر عمومی بن گیا ہے۔

کیا مرزا مسرور احمد قادیانی چیف گرو اس کی تردید کر سکتا ہے؟ نہیں کر سکتا۔ ہرگز نہیں کر سکتا تو پھر اے کاش قادیانی جماعت سے وابستہ افراد سوچیں کہ ان کے چندوں کے ساتھ کیا دھندہ کیا جا رہا ہے۔ یہ اللہ بخش صادق ہے اگر صادق کا یہ حال ہے تو کاذب کا کیا کمال ہوگا؟

قادیانی عوام سوچیں کہ قادیانی قیادت کس طرح آپ کے ایمان ، مال و آبرو کے درپے آزار ہے۔ پچھتر لاکھ فراڈ کا مرتکب صدر عمومی بن بیٹھا ہے۔ وقف جدید کے نوجوان اور خوبرو معلم نذیر احمد قادیانی سے اس وحشیانہ سلوک کا عادی مجرم چناب نگر کے قادیانی عوام کی عزتوں سے کیا کرتا ہوگا؟

ڈی سی جھنگ توجہ فرمائیں

چناب نگر میں قادیانی جماعت نے ایک شکار گاہ قائم کر رکھی ہے۔ نئے نئے لوگوں کو شکار کر کے وہاں لایا جاتا ہے۔ مفلوک الحال، غریب، ناواقف مسلمانوں کو قادیانی، شکار کر کے مختلف علاقوں سے وہاں لاتے ہیں۔ ان کے آنے جانے کا خرچہ اور مزید انعام ''شکاری قادیانی'' کو علیحدہ ملتا ہے۔ یہاں پہنچ کر قادیانی جماعت کے دجل وفریب کے سراپا تصویر مبلغین و مربی ان نئے گرفتار ہونے والے مسلمانوں کو قادیانی بناتے ہیں۔ اس ارتدادی مہم میں جہاں ان مسلمانوں کو رکھ کر قادیانی بنایا جاتا ہے، اس جگہ کا نام دارالضیافت یا لنگر خانہ مسیح موعود (مرزا قادیانی دجال) ہے۔ یہ لنگر خانہ و دار الضیافت ہمیشہ قادیانی فراڈ کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ ایمان و اخلاق کی بربادی کے علاوہ یہاں پر ہمیشہ مالی فراڈ بھی ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد قادیانی ملعون نے جب قادیان میں یہ لنگر خانہ قائم کر کے چندہ کے حصول کے لیے اسے ''کاسئہ گدائی'' کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس وقت بھی قادیانی جماعت کے سرکردہ بعض افراد نے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے مریدان باصفا نے مرزا غلام احمد ملعون سے اس کا حساب طلب کیا تھا۔ مرزا قادیانی نے جواب میں کہہ دیا میں منشی تھوڑا ہوں کہ تمہیں حساب دوں۔ ان لوگوں نے درخواست کی کہ آئندہ کے لیے اس کی آمد و صرف کا حساب ہمارے سپرد کر دیا جائے۔ اس پر مرزا قادیانی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے الہام کے ذریعہ بتایا ہے کہ اگر لنگر خانہ کا کسی اور کو حساب دیا گیا تو لنگر خانہ بند ہو جائے گا۔ اس پر بدھو احمق مرید خاموش ہو گئے۔ الہام کے مقابلہ میں تو قادیانیت سے خارج کر دیے جاتے پھر اس صورت میں لنگر خانہ کا

حساب ملنے کی بجائے لنگر خانہ کے ٹکڑوں سے بھی محروم ہو جاتے۔ کیا کوئی قادیانی، مرزا قادیانی کے اس فراڈ و مالی اعتراضات پر مشمل متذکرہ تفصیلات کے لیے حوالہ کا طلب گار ہے؟ اگر ہے تو وہ فقیر سے رابطہ کرے۔

اصل قادیانی کتاب کا حوالہ پیش کرنے کی ذمہ داری کے ساتھ جو مجھے آج کی فرصت میں ضلع جھنگ کے اپنے محترم عالی جناب ڈی سی صاحب سے عرض کرنا ہے، وہ یہ ہے کہ آج کل دارالضیافت چناب نگر کا انچارج اور ناظم معروف قادیانی ملک منور احمد جاوید ہے۔ ہر سال یہ دارالضیافت اور سالانہ جلسہ کے نام پر ہزاروں ٹن گندم کا پرمٹ حاصل کر کے گندم خرید کرتے ہیں حالانکہ جماعت کا فراڈ ملاحظہ ہو کہ دارالضیافت میں مسلمانوں کو لا کر مرتد بنایا جاتا ہے اور سالانہ جلسہ 1984ء سے بند ہے۔ کبھی اس کی حکومت نے اجازت نہیں دی۔ جس جلسہ پر حکومت نے پندرہ سال سے پابندی عائد کر رکھی ہے اور جس مہمان خانہ میں ارتداد پھیلایا جاتا ہے، اس کے نام پر حکومت سے منظوری لے کر جناب ڈی سی جھنگ سے پرمٹ حاصل کر کے گندم خرید کی جاتی ہے اور اسے سٹاک کر کے گندم کی بجوائی کے موقع پر جب گندم کے بازار میں نسبتاً ریٹ بڑھ جاتے ہیں، ہزاروں ٹن گندم غلہ منڈی سرگودھا کے یعقوب آڑھتی کے ذریعہ مہنگی فروخت کر دی جاتی ہے۔ اس ذخیرہ اندوزی اور ناجائز کمائی میں کون کون شریک ہیں۔ اس کی انکوائری کرنی، انھیں قرار واقعی سزا دینا اور فراڈ کو روکنا اور قادیانی اس دھوکہ وجعل سازی کے لیے پرمٹ خریداری گندم کا پرمٹ منسوخ کرنا، یہ جناب ڈی سی جھنگ کی ذمہ داری ہے۔ کیا وہ اس پر توجہ فرمائیں گے؟

بلیو پرنٹ، زنا کاری، کینیڈا

روزنامہ جنگ کا چناب نگر میں نمائندہ اکبر فانی قادیانی ہے۔ اس کا لڑکا فضل قادیانی روزنامہ دن کا نمائندہ بنا ہوا ہے۔ عرصہ سے اس نے چناب نگر میں قادیانی لڑکیوں کا ایک گروہ بدکاری و زنا کاری کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ چناب نگر، چنیوٹ، جھنگ، فیصل آباد، سرگودھا تک آرڈر بک کر کے ان لڑکیوں کو سپلائی کرتا تھا۔ اس قادیانی اخلاق کے عظیم شاہکار فضل فانی نے ان قادیانی لڑکیوں کی بدکاری کے بلیو پرنٹ تیار کر رکھے تھے۔ ان کے ذریعہ بلیک میل کرنا اور بلیو پرنٹ فروخت کر کے اس کی کمائی کھانا اس کا پیشہ تھا۔ قادیانی جماعت کے موجودہ امور عامہ کرنل اعجاز نے جب اس کہانی کے ہر جگہ تذکرے عام ہوتے اور چرچے بلند ہوتے دیکھے تو اس قادیانی کو کینیڈا بھجوا دیا۔ یہ سزا دی یا انعام سے نوازا، اس کا فیصلہ میں قادیانی عوام پر چھوڑتا ہوں۔ کیا اس پر وہ فقیر سے عدالتی سطح پر گواہ طلب کریں گے؟

منیر، عظمیٰ، خان میڈیکل ہال، لاہور

منیر احمد خان ولد رفیع۔ خان میڈیکل ہال اقصیٰ چوک چناب نگر جو محلہ دارالرحمت شرقی ''ب'' کا صدر ہے۔ اس نے عظمیٰ نامی لڑکی سے (منیر احمد خان نے) ناجائز تعلقات قائم کیے۔ فضل عمر ہسپتال کی بیک سائیڈ پر منیر خان اور عظمیٰ کے ''عشق و مستی'' اور ''باہم دیگر کرم فرمائیوں'' کے معرکے سر ہوتے رہے۔

جب بات پھیلی تو منیر کو کرنل اعجاز نے لاہور چلتا کیا۔ مرزا محمود کی روح خوش ہو گی " کیونکہ زنا کی اجازت ہے مگر اس کا عام تذکرہ ٹھیک نہیں" یہ مرزا محمود کا معروف فلسفۂ حیات تھا، جسے کرنل اعجاز ان قادیانی شہبازوں کے ذریعہ چناب نگر (ربوہ) کے گلی کوچوں میں خوب سے خوب تر پروان چڑھا رہا ہے۔

ڈاکٹر سعید، منصورہ بیگم، نشہ آور ٹیکے، الف ننگا

حافظ آباد کا ایک نام نہاد ڈاکٹر سعید جس نے رحمت بازار چناب نگر میں اپنا کلینک قائم کر رکھا ہے، بریگیڈیر شمیم اقبال قادیانی کی بیوہ منصورہ بیگم سے اس نے شادی رچا رکھی ہے۔ دارالرحمت وسطی میں اس کی رہائش ہے۔ قادیانی اوباش لڑکے اور لڑکیوں کو نشہ آور ٹیکے لگانا۔ جنسیاتی عمل کو تیز کرنے اور مہمیز لگانے والی ادویات مہیا کرنے کے لیے قادیانی لڑکے اور لڑکیوں کا اس کے ہاں ٹھٹھ لگا رہتا ہے۔ ایک لڑکا منصور ولد خان محمد متوفی فیکٹری ایریا کے گھر سے الف ننگا برآمد ہوا۔ کیا اس سے انکار ممکن ہے۔ ڈاکٹر سعید نے جعلی سیمنٹ کی فیکٹری بنا رکھی ہے۔ سعید خان بلوچ ایس ایچ او کی سرپرستی میں یہ جعل سازی ہو رہی ہے۔ کیا اس پر توجہ دی جائے گی۔ حکومتی اداروں سے سوال؟

جعلی سندیں، جعلی پاسپورٹ، جعلی ویزے

قاسم سنیارہ کا ایک لڑکا جس کا نام منور احمد شاہد ہے۔ آج کل روزنامہ صحافت چناب نگر کی اس نے نمائندگی لے رکھی ہے۔ جعلی سندیں، جعلی شناختی کارڈ، جعلی ویزے بنانا اس کا مشغلہ ہے۔ طاہر عارف ڈی آئی جی ایف آئی اے سرگودھا نے طارق نامی ایک قادیانی کو ایف آئی اے میں بھرتی کیا تھا۔ یہ طارق چک نمبر 98 شمالی سرگودھا کا رہائشی ہے۔ منور احمد شاہد قادیانی کی تمام تر جعل سازی میں یہ برابر کا شریک ہے۔ کیا حکومتی ادارے اس پر توجہ فرمائیں گے؟

روزنامہ صحافت کے چیف ایڈیٹر جناب خوشنود علی خان سے بھی استدعا ہے کہ بجائے منور احمد شاہد کے کسی اور کو نمائندگی دیں۔ چناب نگر میں اور بھی نمائندے مل جائیں گے۔ منور احمد شاہد صحافت کی آڑ میں جعل سازی کر رہا ہے۔ اس سے اپنے اخبار کے وقار کو بچانا ضروری ہے۔

پی سی او

مبشر احمد نے ربوہ میں پی سی او بنا رکھا ہے۔ پی سی او کیبن کے بیک سائیڈ میں اس نے کیا کیا کارروائیاں شروع کر رکھی ہیں۔ یہ بات چناب نگر کے باسیوں اور خود پولیس کے لیے اگر وہ شریک کار نہیں تو ایک سوال یہ ہے کہ کس کس کے کس کس کے ساتھ کیا کیا معاملات طے پاتے ہیں۔ بہت کچھ یہاں کی نگرانی سے مل سکتا ہے۔

❁......❁......❁

محمد نوید شاہین (ایڈووکیٹ)

''قادیانی اخلاقیات'' اخبارات کی نظر میں

- ''1990ء میں لاہور میں بلیو پرنٹ فلموں کا ایک بہت بڑا کیس پکڑا گیا ہے اور دو ملزم ظفر احمد خاں اور ہالہ کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے۔ شبہ کیا جا رہا ہے کہ ظفر احمد خاں قادیانی ہے۔ ملزموں کی طرف سے کیس کی پیروی ایک قادیانی وکیل نفیر اے خاں کر رہا ہے جو خود بھی بلیو پرنٹ کے دھندے میں ملوث ہے اور لاہور کی ایک بدنام شخصیت شمار کیا جاتا ہے۔ مذکورہ وکیل اور ملزمان مل کر لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتے ہیں اور انھیں بلیک میل کرتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ باقاعدہ طور پر بلیو پرنٹ فلموں کی (تیاری) کا کاروبار کر رہے ہیں۔ موجودہ کیس میں ملوث ایک لڑکی مسماۃ عائشہ بھی گرفتار کر لی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس قادیانی وکیل نفیر اے ملک نے لندن میں اپنے قیام کے دوران مرزا طاہر احمد سے بھی ملاقات کی تھی اور 62 کے لگ بھگ بلیو پرنٹ فلمیں لندن پہنچا چکا ہے۔ مزید برآں مذکورہ وکیل مشہور TV آرٹسٹ دلدار پرویز بھٹی اور TV فوٹو گرافر حمید الدین سے بھی ایک بڑی رقم دھوکہ دہی سے ہتھیا چکا ہے۔ بلیو پرنٹ سے قادیانی مغربی دنیا میں پاکستان کی سیدھی سادھی نوجوان لڑکیوں کو بدنام کر رہے ہیں۔'' (روزنامہ نیشنل ٹائمز لاہور دسمبر 1990ء)
- ''قادیانی سربراہ کے رشتہ داروں نے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ربوہ میں جوئے کے اڈے کھولنے شروع کر دیے۔ تفصیلات کے مطابق ربوہ پولیس نے محلہ دارالرحمت شرق میں چھاپہ مار کر مرزا محمد ابراہیم ولد مرزا بشیر احمد منعم ناصر ولد رشید اور ان کے ساتھیوں کو جواء کھیلتے ہوئے گرفتار کر لیا ہے۔ پولیس کو دیکھ کر مرزا ابراہیم جو قادیانیوں کے سربراہ مرزا غلام احمد کا پوتا بتایا جاتا ہے بھاگ کھڑا ہوا اور چھت سے چھلانگ لگا دی جس سے اس کی ٹانگ بھی ٹوٹ گئی۔ مرزا ابراہیم کو پولیس نے فضل عمر ہسپتال میں داخل کروا دیا ہے۔'' (روزنامہ جنگ لاہور 7 جولائی 1993ء)
- ''ربوہ میں معززین شہر نے ایک قادیانی شعیب اور اس کے دوست آپریٹر ٹیلی فون ایکسچینج انوارالحق کو شریف شہریوں کے گھروں میں اخلاق سوز فحش کالیں کرتے ہوئے پکڑ لیا۔ تفصیلات

کے مطابق اگست کی رات مقامی ٹیلی فون ایکسچینج ربوہ کے ڈیوٹی آپریٹر انوار الحق کو صحافیوں اور معززین شہر کی شکایات پر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا۔ واقعات کے مطابق وہ اپنے دوست محمد شعیب قادیانی کو ٹرنک کال روم میں بٹھا کر لوگوں کے گھروں میں اخلاق سوز فحش کالیں کروا رہا تھا۔ اسسٹنٹ انجینئر ٹیلی فون ربوہ نے محکمہ کے ضوابط کی خلاف ورزی کرنے پر اسے ملازمت سے فوری طور پر فارغ کر دیا۔ گزشتہ روز صوفی محمد اقبال اسسٹنٹ انجینئر ٹیلی فون ربوہ نے اپنے دفتر میں مقامی صحافیوں سے ملاقات کے دوران بتایا کہ انھوں نے صارفین کی شکایات پر مکمل تحقیقات کی تو یہ معلوم ہوا کہ آپریٹر انوار الحق اپنے ایک غیر متعلقہ دوست شعیب قادیانی کو ٹرنک روم لا کر صارفین کے گھروں میں واہیات کالیں کروایا کرتا تھا۔ معززین شہر نے دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ شکایات درست ثابت ہونے پر حسب ضابطہ پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن کارپوریشن نے آپریٹر کو فوری طور پر ملازمت سے نکال دیا ہے۔ اسسٹنٹ انجینئر ٹیلی فون نے بتایا کہ شعیب قادیانی نے انھیں سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتے ہوئے وارننگ دی کہ وہ میاں شہباز شریف کا خاص آدمی ہے۔ اس کی رسائی اسلام آباد تک ہے لہٰذا تم اپنے مستقبل کا ابھی سے بندوبست کر لو۔ اس نے اپنا مسلم لیگ کا گرین کارڈ دکھاتے ہوئے کہا کہ یہ کارڈ میاں شہباز شریف کے قابل اعتماد دوستوں کو ہی جاری کیے جاتے ہیں۔ شہر بھر کے صارفین ٹیلی فون، عوامی نمائندگان اور صحافیوں نے اسسٹنٹ انجینئر ٹیلی فون ربوہ کے بروقت اقدام کو سراہا اور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرض شناس اہلکار کا شکریہ ادا کیا۔''

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 9 اگست 1991ء)

- ''اقلیتی ایم پی اے ملک نعیم الدین خالد قادیانی کی غنڈہ گردی نے کیو بلاک ماڈل ٹاؤن یرغمال بنا لیا۔ قادیانی ایم پی اے نے علاقہ میں فحاشی، شراب نوشی اور مجرا کو پروان چڑھانا شروع کر دیا ہے۔ باخبر ذرائع کے مطابق دھلے فلیٹس کیو بلاک ماڈل ٹاؤن کے علاقہ میں اقلیتی قادیانی ایم پی اے نے اقتدار کے نشے میں چور ہو کر ہزاروں کی آبادی پر مشتمل علاقے کے واحد پارک جو لوگوں کی خوشی اور غمی میں استعمال ہوتا ہے، پر قبضہ کر لیا ہے اور ایل ڈی اے کی بنائی ہوئی سڑک پر لوہے کے بیریئر لگا کر لوگوں کی آمد و رفت روک دی۔ ایم پی اے نے اپنے گھریلو فنکشن پر اسی پارک میں مجرا کروایا اور شراب اور فحاشی کی محفل رات گئے تک سجی رہی۔ علاوہ ازیں یہاں پر فائرنگ روز کا معمول بن چکی ہے۔ علاقے کے لوگوں کے مطابق ایم پی اے کا بیٹا رات گئے تک اپنی گاڑی کا ڈیک چلا کر اہل محلہ کو تنگ کرتا ہے، جبکہ ایم پی اے نے ایل ڈی اے کی تعمیر شدہ سڑک پر لوہے کے بیریئر لگا کر روڈ بند کر دیا ہے اور پارک کے دروازے اپنے گھر کے

سامنے سے کھول دیے ہیں اور اسے اپنی ذاتی جاگیر بنا رکھا ہے۔ اگر کوئی اس غنڈہ گردی کو روکنے کی بات کرے تو قادیانی ایم پی اے غنڈہ گردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے سنگین نتائج کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اہل علاقہ نے شدید پریشانی میں غنڈہ گردی کی روک تھام کے لیے مذکورہ محکموں اور ارباب اختیار کو درخواستیں دیں اور ابھی تک کسی نے ایک نہ سنی اور قادیانی غنڈہ گرد ایم پی اے کی من مانیاں ابھی تک جاری ہیں۔"

(روزنامہ خبریں لاہور 16 اگست 1996ء)

❑ "دو قادیانی لڑکوں نے سانگلہ ہل میں غریب مزدور کی بیٹی کو زبردستی اغواء کر کے اس کے ساتھ زنا کیا اور اس کی برہنہ تصویریں بنائیں۔ یہ تمام تفصیلات مذکورہ لڑکی کے والد نے ایف آئی آر میں بتائیں۔ محمد اسماعیل ولد اللہ بخش چک نمبر 45/RB صدر سانگلہ ہل کا رہائشی ہے اور محنت مزدوری کرتا ہے۔ عرصہ قریب 6/7 ماہ قبل اس کی بیٹی آسیہ کو گھر سے باہر جاتے ہوئے مسمیان جاوید ولد محمد اسماعیل قادیانی اور وسیم احمد ولد علی بخش قادیانی قوم راجپوت نے زبردستی اغواء کر کے اسے اپنی بیٹھک میں لے گئے اور تقریباً ایک گھنٹہ اسے محبوس رکھا اور اس کی بیٹی کو اسلحہ دکھا کر جان سے مارنے کی دھمکی دے کر اسے برہنہ کر دیا اور دونوں ملزمان نے باری باری اور اکٹھے بھی اس کی بیٹی کے ساتھ فحش تصویریں اتاریں اور زنا کیا اور لڑکی کو دھمکی دی کہ اگر کسی کو بتایا تو تمھیں اور تمھارے اہل خانہ کو جان سے مار دیں گے۔ اسماعیل اور اہل خانہ اپنی عزت اور جان کے خوف سے خاموش ہو گئے اور بیٹی کی شادی کر دی۔ دونوں ملزمان نے اس لڑکی کو بے ہودہ خطوط لکھے جس کے نتیجہ میں اس لڑکی کا گھر اجڑ گیا۔ اب پھر ملزموں نے 11-10-97 کو رات 11/12 بجے کے قریب گھر کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھولنے پر انھوں نے فائر کر دیا لیکن یہ گولی کسی بھی گھر والے کو نہیں لگی۔ مذکورہ مظلوم اسماعیل اب ہر جگہ انصاف مانگ رہا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اسے انصاف مہیا نہیں ہو رہا۔"

(روزنامہ خبریں لاہور 15 جنوری 1991ء)

❑ "قادیانیوں نے انتظامیہ اور افسر شاہی کی سرپرستی میں سندھ میں فحاشی کے اڈے کھولنے شروع کر دیے ہیں۔ تفصیلات کے مطابق قادیانی جھوٹے مذہب کی تبلیغ انتہائی جارحانہ انداز میں کرتے ہیں۔ تبلیغ کے ساتھ اپنے مرزواڑے میں ڈش انٹینا کے ذریعے انھوں نے فحاشی کے اڈے بنائے ہوئے ہیں۔ واقعات کے مطابق کھوکی شادی لاج کے عبادت خانے میں قادیانیوں نے ڈش انٹینا لگایا ہوا ہے جس میں بعض اضافی آلات لگائے ہوئے ہیں جو PTV کے پروگرام جام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مرزا طاہر احمد کے پروگرام کے بعد فحش فلمیں

شروع کر دی جاتی ہیں جس سے نوجوانوں کے اخلاق پر برے اثرات پڑ رہے ہیں۔ قادیانی نہ صرف نوجوانوں کو فحش فلموں کے نظارے کرواتے ہیں بلکہ وہ اپنے ساتھ اپنی لڑکیوں کو لے جاتے ہیں اور پھر نوجوانوں کو شادی کا لالچ دے کر انھیں راہ ہدایت سے بھٹکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا قادیانی مذہب کا خلاصہ ہے، لڑکی لو مرزائی بنو۔ قادیانی فحاشی کے اڈے کے خلاف خبریں شائع کرنے والے اخبارات کی انتظامیہ اور نامہ نگاروں کو بھی سنگین نتائج کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ قادیانیوں کے ''بیوت الذکر'' عبادت خانے نہیں بلکہ بیوت المذکر و مونث ہیں۔ انھیں منی سینما گھروں اور فحاشی و عریانی کے اڈوں کا نام دینا زیادہ مناسب ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ ان منی سینماؤں اور فحاشی و عیاشی کے اڈوں کو فوراً ختم کرے۔'' (ہفت روزہ ختم نبوت کراچی 20 تا 26 اگست 1996ء)

- ''ربوہ میں انجمن احمدیہ کے زیر نگرانی فحاشی اور ''موبائل ایڈز'' نے گھروں کا رخ کر لیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ربوہ میں چلتی پھرتی ایڈز سڑکوں اور بازاروں سے گھروں تک پہنچ گئی ہے جس نے بے شمار گھروں کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ رحمان کالونی میں بھی ایک فحاشی کا اڈہ کھل گیا ہے جہاں اِدھر کا مال اُدھر اور اُدھر کا مال اِدھر کر دیا جاتا ہے۔ لاری اڈہ فحاشی کا اڈہ بن چکا ہے۔ پولیس سمیت سرکاری دفاتر میں ''حسن کے پجاری'' دیوی کے درشن اور گنگا اشنان میں مگن سرکاری کرسی کو اپنی موروثی جاگیر سمجھ کر ربوہ سے تبدیل ہو کر جانا بہت بڑا پاپ سمجھتے ہیں۔ ایسی صورتحال پیدا ہو چکی ہے کہ ٹرانسفر ہونے والے اہلکار چند دنوں میں واپس آ جاتے ہیں۔ انجمن احمدیہ اب کھلی آنکھوں سے بے حیائی و کرپشن کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ شہریوں کی طرف سے کرپشن اور بے حیائی کے خلاف اٹھائی جانے والی آواز کو نہ صرف دبایا جاتا ہے بلکہ ایسے مجاہدوں کو مختلف الزامات اور تہمتیں لگا کر بدنام کیا جاتا ہے اور ربوہ کو قادیانیوں نے ایک بار پھر اندھیر نگری اور چوپٹ راج بنا دیا ہے۔''

(روزنامہ جرأت لاہور 18 اکتوبر 1996ء)

- ''قادیانی مذہب بداخلاقی اور جنسی بدکاریوں کا مذہب ہے۔ اس بات کا اندازہ بشیر احمد مصری صاحب کی ان تحریروں سے کیا جاتا ہے اور یہ تمام تحریریں بشیر احمد مصری صاحب کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں۔ بشیر احمد صاحب کے مطابق جب میں سن بلوغت میں پہنچا تو میں نے اپنے اردگرد قادیانیوں کی اکثریت کو بدکردار، عیار اور مکار پایا اور میرا ان لوگوں کے خلاف ابتدائی ردعمل بداخلاقی اور جنسی بدکاریوں کی وجہ سے تھا۔ جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا تو مجھے قادیانیوں کی بدکاریوں کا علم ہوتا چلا گیا۔ ایک دفعہ مجھے پتہ چلا کہ نیم دیوتا مرزا بشیر الدین نے

زنا کاری کا ایک خفیہ اڈا کھول رکھا ہے (ان دنوں ہم خلیفہ قادیان کو نیم دیوتا کہا کرتے تھے) جس میں منکوحہ، غیر منکوحہ حتیٰ کہ محرمات کے ساتھ کھلے بندوں زنا کاریاں ہوتی ہیں اور اس عیاشی کے لیے اس نے دلالوں اور کٹنیوں کی ایک منڈلی منظم کر رکھی ہے جو پاکباز عورتوں اور معصوم دوشیزاؤں کو بہلا پھسلا کر مہیا کرتی ہے اور یہ دلال مجبوراً اور غریب دوشیزاؤں کو بہلا پھسلا کر یہاں لاتے ہیں۔" (ماہنامہ نقیب ختم نبوت اکتوبر 1989ء)

- "لاہور ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس فلک شیر نے پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کے دو قادیانی پروفیسروں کی طرف سے میڈیکل کے طلباء و طالبات سے امتحانات میں پاس کروانے کے لیے بھاری رشوت لینے، کلاس روم میں طالبات کے ساتھ غیر اخلاقی گفتگو کرنے، انھیں بلیک میل کرنے اور میڈیکل کے بعض طلباء کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے کے واقعات کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے پنجاب یونیورسٹی کے چانسلر، وائس چانسلر کنٹرولر امتحانات چیئر مین بورڈ آف سٹڈیز، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل اور پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد کے پرنسپل کو نوٹس جاری کر دیے ہیں۔ فاضل عدالت نے حکومت پنجاب کو ہدایت کی ہے کہ مذکورہ دونوں اساتذہ کو آئندہ حکم تک پنجاب کے کسی کالج میں ممتحن نہ لگایا جائے۔ فاضل عدالت نے دونوں پروفیسروں سے الزامات کے تحریری جوابات بھی طلب کیے ہیں۔ فاضل عدالت نے عدالت کے احکام نہ ماننے پر سیکرٹری صحت پنجاب اور پنجاب یونیورسٹی کے کنٹرولر امتحانات کو بھی نوٹس جاری کیے ہیں۔"
- "درخواست میں کہا گیا تھا کہ کالج کے دو قادیانی پروفیسر ڈاکٹروں نے ان دونوں پرچوں میں صرف ان طلباء و طالبات کو کامیاب کرایا، جنھوں نے پروفیسروں کو اس کے عوض بھاری رقوم دیں جبکہ رشوت نہ دینے والے تمام کو فیل کر دیا گیا۔ اب 14 اپریل سے شروع ہونے والے امتحانات کے لیے بھی انہی پروفیسروں کو دوبارہ ممتحن لگایا جا رہا ہے اور وہ درخواست گزاروں سے بھاری رقوم مانگ رہے ہیں۔ ایک پروفیسر مارفیا کے عادی ہیں اور روزانہ مارفیا کے ٹیکے لگواتے ہیں اور کئی بار رات کو نشہ کی حالت میں لڑکیوں کے ہاسٹل کے ممنوعہ علاقے میں آ جاتے ہیں۔ ایک پروفیسر نے ایک سال میں طالب علموں کو صرف ایک لیکچر دیا ہے۔ دوسرے پروفیسر طلباء کو ٹیوشن پڑھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ایک پروفیسر کلاس روم میں طالبات سے بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں اور انھیں بلیک میل بھی کرتے ہیں۔ درخواست میں استدعا کی گئی ہے کہ ان دونوں کو 14 اپریل سے ہونے والے امتحانات کے لیے ممتحن مقرر نہ کیا جائے اور انھیں معطل کر کے محکمانہ کارروائی کا حکم دیا جائے۔ اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نے عدالت کو

بتایا کہ طلباء کی شکایت کے بعد ڈی آئی جی کرائمز دو پرنسپلوں اور ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ طلباء کے بیشتر الزامات درست ہیں۔ ایک قادیانی پروفیسر کو لواطت کی بھی عادت ہے۔ ایک پروفیسر یہ خبر بھی رکھتا ہے طالبات کون سے کپڑے پہن کر کہاں گئیں۔ پھر انھیں بلیک میل کرتا ہے۔ غلیظ اور بے ہودہ گفتگو بھی کرتا ہے۔ ان کا طالبات کے ساتھ رویہ بہت غلط ہے۔ رپورٹ میں سفارش کی گئی ہے کہ سیکرٹری صحت ان دونوں پروفیسروں کے خلاف رشوت ستانی کے الزام میں مقدمہ درج کریں۔ پرنسپل ڈاکٹر محمد ظفر چوہدری نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ رٹ موصول ہونے کے بعد انھوں نے تحقیقات کے لیے ایک کمیٹی قائم کی جس کے روبرو 27 طالبات پیش ہوئیں' ایک پروفیسر پیش ہوئے۔ لیکن دوسرے نہ آئے اس کے بعد ایک اور کمیٹی قائم کی لیکن وہ پھر پیش نہ ہوئے۔ چیئرمین بورڈ آف سٹڈیز پرنسپل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ رٹ درخواست میں لگائے گئے الزامات اور پنجاب میڈیکل کالج کے پرنسپل سے ہونے والی خط و کتابت کی روشنی میں میں نے فوری طور پر بورڈ آف سٹڈیز کا اجلاس طلب کیا اور فیصلہ کیا کہ فوری طور پر پروفیسر کو ممتحن کی حیثیت سے ہٹا دیا جائے اور معاملہ کی تحقیقات کے لیے پروفیسر نعیم الحمید پروفیسر جلیل الاولیٰ اور پروفیسر اے حمید پر مشتمل کمیٹی قائم کر دی۔ اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل زعیم الفاروق ملک نے فاضل عدالت کو بتایا کہ اس سلسلہ میں سیکرٹری صحت پنجاب اور کنٹرولر امتحانات پنجاب یونیورسٹی کی رپورٹیں موصول نہیں ہوئیں۔ اس پر فاضل عدالت نے نوٹس جاری کیا کہ وہ جواب دیں کہ عدالت کے احکام کیوں نہیں مانے اور رپورٹیں کیوں نہیں بھجوائیں۔ فاضل عدالت نے کہا کہ مذکورہ بالا رپورٹوں اور رٹ میں لگائے گئے الزامات میں مماثلت ہے لہٰذا عدالت نے رٹ درخواست باقاعدہ سماعت کے لیے منظور کر لی ہے۔ فاضل عدالت نے تمام مدعا علیہان کو نوٹس جاری کرتے ہوئے درخواست کی مزید سماعت 18 مئی تک ملتوی کر دی اور حکومت پنجاب کو ہدایت کی کہ مذکورہ پروفیسر ڈاکٹر کو آئندہ حکم تک کہیں اور کسی کالج میں ممتحن مقرر نہ کیا جائے۔ فاضل عدالت نے مذکورہ دونوں ڈاکٹروں کو رٹ درخواست میں مدعا علیہ بنا دیا جس کے بعد ایس ایم مسعود ایڈووکیٹ پروفیسر ڈاکٹر نصیر اے بشیر کی طرف سے پیش ہو گئے۔'' (روزنامہ جنگ لاہور 12 اپریل 1993ء)

□ ''قادیانی جماعت 36 ٹو ایل اوکاڑہ کے امیر کی نعش ایک برس بعد مل گئی۔ بیٹیوں سے بداخلاقی کرنے پر مقتول عبدالجبار کی بیوی نے اسے قتل کر کے نعش دفن کر دی تھی۔ تفصیلات کے مطابق اوکاڑہ کے نواحی گاؤں 36 ٹو ایل کے رہائشی قادیانی جماعت کے امیر عبدالجبار ولد مصطفیٰ کی

بیوی شریفاں بی بی نے عرصہ تقریباً ایک سال قبل تھانہ میں درخواست دی کہ وہ سات بیٹیوں اور دو بیٹوں کی ماں ہے۔ اس کا خاوند تین بیٹیوں سے زبردست شیطانی کھیل کھیلنے کے دوران بداخلاقی کا نشانہ بنا چکا ہے اور وہ حاملہ ہیں۔ اس وقت کے ایس ایچ او نے پولیس بھیج کر ملزم کو گرفتار کرلیا۔ بعد میں پولیس نے پوچھ گچھ کے دوران عبدالجبار سے رشوت لے کر اسے چھوڑ دیا۔ عبدالجبار نے گھر آتے ہی بیوی اور بچوں پر تشدد کیا اور دھمکیاں دیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ملزم نے اس دوران اپنی چوتھی بیٹی کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ وقوعہ کے چند روز بعد شریفاں بی بی اپنے خاوند عبدالجبار کو بہانہ سے ڈھاری کے ٹیوب ویل پر لے گئی جہاں پر اسے نشہ آور چائے تیار کر کے پلا دی۔ چائے پیتے ہی عبدالجبار بے ہوش ہو کر چارپائی پر گر گیا۔ اس دوران شریفاں بی بی نے اس کا گلا دبا دیا جس کے نتیجہ میں وہ ہلاک ہو گیا۔ بیوی نے رات کی تاریکی میں ٹیوب ویل کے قریب ایک گڑھا کھودا اور نعش وہاں پھینک کر اوپر مٹی ڈال دی۔ وقوعہ کے دو روز بعد شریفاں بی بی نے تھانہ میں درخواست دے دی کہ اس کا خاوند گھر سے لاپتہ ہے' اس کا سراغ لگایا جائے۔ پولیس نے قادیانی جماعت 36 ٹو ایل کے امیر عبدالجبار کو متعدد مقامات پر تلاش کیا مگر ناکامی ہوئی۔ وقوعہ کو ایک سال بیت گیا' سراغ نہ مل سکا۔ گزشتہ روز ٹیوب ویل دوسرے مقام پر لگانے کے لیے کھدائی کی جا رہی تھی کہ دوران کھدائی زمین سے ایک انسانی ڈھانچہ برآمد ہو گیا جس کی شناخت کر لی گئی۔ پولیس نے ڈھانچہ قبضہ میں لینے کے بعد تفتیش شروع کر دی۔'' (روزنامہ انصاف لاہور 4 ستمبر 2001ء)

سمگلنگ اور ہیروئن فروشی

- ''سمگلنگ' ہیروئن اور دوسرے ناجائز کاروبار میں ملوث 13 قادیانی کراچی ایئرپورٹ سے گرفتار کرلیے گئے ہیں۔ پولیس ملزمان سے پوچھ گچھ کر رہی ہے۔

قادیانیوں نے ملک میں سمگلنگ' ہیروئن فروشی اور دوسرے ناجائز اور غیر قانونی کاروبار شروع کر دیے۔ اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے، فروری مارچ 1990ء کے تقریباً تمام قومی اخبارات میں یہ خبر چھپی ہے کہ 13 قادیانیوں کو پولیس نے کراچی ائیرپورٹ پر ملک سے فرار ہوتے ہوئے سمگلنگ' ہیروئن فروشی اور دوسرے ناجائز وغیر قانونی کاروبار میں ملوث ہونے پر گرفتار کرلیا ہے۔''

(روزنامہ جنگ کراچی 13 مارچ 1990ء)

- ''قادیانیوں نے ربوہ میں وسیع پیمانے پر ہیروئن فروخت کرنی شروع کر دی۔ اس بات کا انکشاف اینٹی نارکوٹکس بورڈ کی رپورٹ میں ہوا ہے کہ ربوہ ضلع جھنگ میں قادیانی کھلے عام ہیروئن فروخت کر رہے ہیں اور نوجوان طبقہ اس لعنت کا شکار ہو رہا ہے۔ اس گھناؤنے کاروبار

کی سرپرستی کرنے والوں میں قادیانیوں کے علاوہ ضلع فیصل آباد کی پولیس کے بعض اعلیٰ حکام کے رشتہ دار اور ربوہ کی پولیس بھی شامل ہے۔''

(روزنامہ خبریں لاہور 5 دسمبر 1992ء)

❑ قادیانیوں نے جعل سازی کے بعد اب ملکی سرحدوں پر ملک دشمن بھارت کے ساتھ سمگلنگ شروع کر دی ہے۔ تفصیلات کے لیے یہ خبر ملاحظہ فرمائیں:

سندھ اور راجستھان سے لے کر رحیم یار خان' بہاولپور تک چولستان کا علاقہ ملک دشمن سرگرمیوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اسی راستے سے سمگلنگ عام ہو رہی ہے اور اسی راستے سے تخریب کار داخل ہو کر ملک میں تخریب کاری کر رہے ہیں۔ گویا یہ علاقہ سمگلروں کی جنت ہے۔ گزشتہ دنوں یہ خبر آئی تھی:

''سندھ راجستھان سیکٹر میں سندھ سے سونا' چاندی' ہیرے اور غیر ملکی کرنسی بڑے پیمانے پر بھارت سمگلنگ سے علاقے کی سلامتی کو زبردست خطرات کا سامنا ہے۔ اطلاعات کے مطابق بھارتی خفیہ ایجنسی ''را'' نے دہشت گردوں کو صوبہ سندھ میں داخل کرنے اور انھیں پناہ دینے کے لیے مقامی قادیانیوں کی خدمات حاصل کر رکھی ہیں جس کے بدلے انھیں کسی رکاوٹ کے بغیر بھارت میں سمگلنگ کی اجازت دے دی گئی ہے۔ یہ قادیانی سمگلر سندھ میں پہلے سے موجود ''را'' کے ایجنٹوں کے لیے پیغامبر کے طور پر بھی کام کرتے ہیں۔ انڈس رینجرز کی خصوصی ہدایات پر رینجرز کی ایک ٹیم نے کھوکھراپار سرحد کے قریب سمگلروں کی آمد و رفت کے راستے کو بلاک کر دیا۔ رات کے وقت سرحد پار جانے والے اونٹوں کے ایک قافلے کو رینجرز نے للکارا' سمگلر تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہو گئے۔ اونٹوں پر تین من خالص چاندی لدی ہوئی تھی جس پر قبضہ کر لیا گیا جس کی مالیت دس لاکھ روپے بتائی جاتی ہے۔ گزشتہ آٹھ ماہ کے دوران انڈس رینجرز نے 48 من چاندی برآمد کی جو بھارت سمگل کی جا رہی تھی۔''

(روزنامہ جنگ کراچی 19 اگست 1991ء)

❑ ''قادیانیوں نے ایک منصوبہ کے تحت پاکستان کی معیشت کو تباہ کرنے اور نوجوانوں کو منشیات جیسی لعنت میں مبتلا کرنے کا پروگرام مرتب کیا ہے۔ گذشتہ دنوں فیکٹری ایریا پولیس نے تین مرزائیوں کو سو سو روپے کے جعلی نوٹوں اور بھاری ہیروئن کے ساتھ گرفتار کر لیا ہے۔''

(روزنامہ جنگ لاہور 31 جولائی 1990ء)

❑ ''قادیانیوں نے ملک میں ہیروئن کا کاروبار شروع کر دیا ہے۔ اس بات کا انکشاف گزشتہ دن ایک ویلفیئر سوسائٹی کے اجلاس لاہور میں ہوا۔ اس اجلاس میں اور اس بات کا انکشاف کیا گیا کہ قادیانی ملک میں سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہیروئن کا کاروبار کر کے نئی نسل کو تباہ کر رہے ہیں۔''

(روزنامہ جسارت کراچی یکم جون 1986ء)

قادیانیت کی عریاں تصویریں

''نوجوان بزرگ'' جناب محمد متین خالد کی نئی کتاب ان کے اُس جہاد کا تسلسل ہے جس کے ذریعے وہ نہ صرف قادیانیوں کی ڈھکی چھپی غیر اسلامی تعلیمات کو ظاہر کر رہے ہیں بلکہ ان کی قیادت اور ان کے حاشیہ نشینوں کی لامحدود عیاشیوں، فراڈوں، گناہ سے بھرپور زندگیوں اور بے کس و مجبور قادیانیوں پر لرزہ خیز مظالم کو (قادیانی مافیا کے اثر و رسوخ کے باوجود) انتہائی جرأت اور دلیری کے ساتھ بے نقاب کر رہے ہیں۔ اس طرح متین خالد صاحب نہ صرف قادیانیت کو دفاعی پوزیشن پر دھکیل رہے بلکہ قادیانی مجبوروں اور بے کسوں کو زبان بھی دے رہے ہیں۔ میں پیدائشی، چناب نگر (سابق ربوہ) کا رہائشی اور قادیانی جماعت میں مختلف حیثیتوں اور عہدوں پر کام کی وجہ سے کئی باتوں کا شاہد ہوں۔ اس وقت جب بھی کوئی غیر اخلاقی بات نظر آتی تھی تو پروپیگنڈہ اور ماحول کی وجہ سے یہ سوچتا تھا کہ یہ انفرادی فعل ہے لیکن جب آنکھوں سے قادیانیوں کی لگی ہوئی عینک اتارنے کی، خدا تعالیٰ نے توفیق دی تو سمجھ آئی کہ یہ کوئی انفرادی فعل نہیں بلکہ ایک سسٹم کے تحت ایک مخصوص ٹولہ ان حرامزدگیوں پر عمل پیرا ہے۔

محمد متین خالد صاحب جس طرح اپنی پہلی عرق ریز تحقیقی کتابوں پر انتہائی مبارکباد کے مستحق ہیں، اسی طرح اس کتاب پر بھی صد ستائش کے مستحق ہیں کہ انھوں نے زیادہ سے زیادہ قادیانی عریاں تحریروں کو انتہائی محنت سے یکجا کیا ہے اور اب ان کو کتابی صورت میں پیش کر کے نہ صرف رد قادیانیت کا کام کرنے والوں کے ہاتھ میں ایک اور اہم ہتھیار دیا ہے بلکہ شریف قادیانیوں کو بھی موقع مہیا کیا ہے کہ وہ اپنے کرتوں دھرتوں کے کرتوتوں سے واقف ہو کر جرأت سے ان کو للکار سکیں، ان کے چنگل سے رہائی پا سکیں اور بالآخر خدا کے دین پر پلٹ سکیں۔

شیخ راحیل احمد

(جرمنی)

انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف تحفظ ختم نبوت لاہور